قَالَ تَعَالَىٰ:
﴿ ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَۗ قَلِيلٗا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝٣ ﴾ [الأعراف]

اتباعِ سنت یا تقلیدِ مذاہب؟

ایک لمحۂ فکریہ!

تالیف

امام صالح بن محمد بن نوح بن عبداللہ العمری المعروف بالفُلّانی رحمہ اللہ

(۱۱۶۶-۱۲۱۸ھ/ ۱۷۵۳-۱۸۰۳ء)

تحقیق، تخریج و تعلیق

ابو عماد مراد بن حافظ السخاوی

اردو ترجمہ

ابو عبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

﴿ اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴾ [الاعراف]

نصوص کتاب وسنت اسوۂ خیر القرون اور منہج سلف بالخصوص ائمہ اربعہ کے فرمودات کی روشنی میں دعوت اتباع سنت اور بدعت تقلید و جمود اور ائمہ پرستی سے تنبیہ پر علامہ صالح فلانی رحمہ اللہ کی یگانہ کتاب ''ایقاظ ہمم اولی الابصار...'' کا اردو ترجمہ بنام

اتباعِ سنت یا تقلیدِ مذاہب؟

ایک لمحۂ فکریہ!

تالیف

علامہ صالح بن محمد بن نوح بن عبداللہ العمری المعروف بالفُلّانی رحمہ اللہ

(۱۱۶۶-۱۲۱۸ھ/ ۱۷۵۳-۱۸۰۳ء)

تحقیق، تخریج و تعلیق

ابو عماد مراد بن حافظ السخاوی

(ممبر مجلس تحقیق علمی، دار الفتح، شارقہ، متحدہ عرب امارات)

ترجمہ و تعلیق

ابو عبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

(شعبہ نشر و اشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

نام کتاب	:	اتباع سنت یا تقلید مذاہب؟ایک لمحۂ فکریہ!
تالیف	:	علامہ صالح بن نوح العمری المعروف بالفلانی رحمہ اللہ
تحقیق،تخریج وتعلیق	:	ابوعمار مراد بن حافظ السخاوی
ترجمہ	:	ابوعبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی
طباعت	:	A1گرافکس اسٹوڈیو
سنہ اشاعت	:	شعبان1439ھ مطابق مئی 2018ء
تعداد	:	دو ہزار
ایڈیشن	:	اول
صفحات	:	520
قیمت	:	
ناشر	:	شعبۂ نشرواشاعت،صوبائی جمعیت اہل حدیث،ممبئی

ملنے کے پتے:

- دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی:14-15،چوناوالا کمپاؤنڈ،مقابل کرلا بس ڈپو،ایل بی ایس مارگ، کرلا(ویسٹ)ممبئی-400070ٹیلیفون:022-26520077
- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ،بھیونڈی:226526 / 225071
- مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ،بیت السلام کمپلیکس،نزد المدینۃ انگلش اسکول،مہاڈ ناکہ کھیڈ، ضلع:رتناگری-415709، فون:02356-264455
- شعبۂ دعوت وتبلیغ،جماعۃ المسلمین،مہسلہ،ضلع رائے گڈھ،مہاراشٹرا۔

فہرست مضامین

پیش لفظ

از: فضیلۃ الشیخ عبد السلام سلفی حفظہ اللہ (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

الحمدلله رب العالمين، والصلوٰة والسلام على خاتم النبين، محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

کتاب وسنت اللہ کی طرف سے وحی ہیں، ان کا تمسک ہدایت کی ضمانت اور صراط مستقیم کی پیروی ہے، ﴿اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾ [الأعراف:٣] اور ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ﴾ [الأنعام:١٥٣] میں اسی حقیقت کی صراحت ہے کہ اتباع اور پیروی وحی الٰہی کی ہوگی جو صراط مستقیم یعنی راہ نجات ہے اور ﴿مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ﴾ کو چھوڑ کر دیگر اولیاء اور بزرگوں کی تقلید ضلالت، بدعت اور فرقہ پرستی ہے جو عصبیت کی بنیاد ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کا گفتار　　　مت دیکھ کسی کا قول و کردار

نبی ﷺ کی سنت قرآن کی تفسیر اور ترجمان ومطلوب وحی ہے جو اصل دین اسلام ہے، اسلام پر زندہ رہنے اور اسی پر مرنے کے لئے ہر مسلمان کو سنت پر زندہ رہنے اور مرنے کی فکر اور دعا کرنی چاہئے کیونکہ سنت ہی میں اصل اسلام ہے اسی لئے سنت کو راہ ہدایت اور اسوہ حسنہ ٹھہرایا گیا ہے ﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾﴾ [الأحزاب:٢١] اور " خَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ " سے اس سچائی کو دلنشین کرنے کی تلقین کتاب الٰہی میں اور زبان حق ترجمان ﷺ پر بصورت وظیفہ جاری کیا گیا ہے اور اسی کو ورثۃ الانبیاء اور متبعین سنت قیامت تک کے لئے عام کرتے رہیں گے۔

کتاب وسنت کے بیشمار نصوص میں اتباع سنت کو محور اور عین اطاعت الٰہی قرار دیا گیا ہے اور جس طرح پر زور اس کی تاکید ہے کسی مسئلہ میں دیکھا نہیں جاتا، اسی لئے سلف صالحین، صحابہ وتابعین، ائمہ سنت ومحدثین، یعنی سلف تا خلف اہل علم کے یہاں یہ موضوع اہم ترین رہا ہے حالات، زمانہ اور تاریخ امت نے یہ طے کر دیا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے اتمام حجت کا تسلسل وامتداد ہے تاکہ کسی کو اللہ کے یہاں کوئی عذر نہ رہ جائے ﴿لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء ١٦٥]۔

دنیا میں سنت اور مسلک سلف مخالف فکر وعمل کا کثرت وتسلسل سے وجود اور بندگان رب کو ان سے نجات کے لئے ربانی ونبوی وصیتیں اور تاریخ کے ہر دور میں ائمہ سنت وحدیث کی مجاہدانہ علمی وعملی کوششیں تاکہ کلمہ گو منہج سنت واتباع رسول کی بالادستی قبول کریں درحقیقت اس میں اہلحدیثان عالم کے لئے سبق ہے کہ وہ اس کوشش کو ہر آن زندہ وجاوید رکھیں اور سلف کی قربانیوں کو سامنے رکھ کر قدردانی کے ساتھ اس سلسلہ زریں پر نثار رہیں۔(اللہ تعالیٰ سے توفیق کا پورے اخلاص کے ساتھ سوال ہے) کیونکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ سنت کی دیدہ ودانستہ مخالفت مسلمان کو انجام بد کا شکار کردے گی ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِۦ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾﴾ [النساء:١١٥] اور فرمان نبوی ﷺ: "كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى". قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَنْ يَأْبَى؟ قَالَ: "مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى" (بخاری)۔

تاریخ کے صفحات میں ان گنت مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک کے اہل علم کے یہاں موجود ہیں کہ انھوں نے امت کو ہدی رسول یعنی مسلک رسول پر کاربند رکھنے کے لئے بے دریغ قربانیاں دی ہیں، اور تقلید شخصی ومذہبی سے روکنے کی سعی لا محدود کی ہیں۔اللہ شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

یہ اہم ترین مرجعی کتاب "**إِيقَاظُ هِمَمِ أُولِي الأَبْصَارِ لِلاقْتِدَاءِ بِسَيِّدِ المُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ وَتَحْذِيرِهِم عَنِ الابْتِدَاعِ الشَّائِعِ فِي القُرى وَالأَمْصَارِ مِن تَقْلِيدِ المَذَاهِبِ مَعَ الحَمِيَّةِ وَالعَصَبِيَّةِ بَيْنَ فُقَهَاءِ الأَعْصَارِ**" مترجم اردو بنام "**اتباع سنت یا تقلید مذاہب-ایک لمحہ فکریہ**" اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جو اتباع سنت کی اہمیت اور تقلید مذہبی کے رد میں مدلل ومستند اور امت کے کبار اہل علم کے

یہاں یہ کتاب عظیم علمی کارنامہ ہے، برصغیر کے موجودہ حالات میں اس کی شدید ضرورت تھی کہ اس کا معتبر ترجمہ شائع کیا جائے، تاکہ اسیران تقلید مذاہب کا اردو داں طبقہ غور وخوض کر سکے اور متبعین حدیث وسنت اپنی عملی کمیوں کو دور کر سکیں۔ اللہ کی توفیق سے اس کا معتبر ومستند ترجمہ فاضل جماعت فضیلۃ الشیخ عنایت اللہ مدنی، نگراں شعبہ نشر واشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی نے تیار کر دیا ہے۔ اس کو شائع کرنے کے لئے کئی معتبر علماء سمیت عالم اسلام کے عظیم سلفی داعی ومربی سنت کی غیرت وسلفیت میں نمونہ سلف فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ نے نہ صرف تائید کی بلکہ وقت کی بڑی ضرورت قرار دیا اور علماء وطلبہ کو اس سے استفادہ کی تلقین بھی فرمائی۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اور پوری جماعت کی طرف سے فاضل مکرم شیخ عنایت اللہ مدنی اس عظیم تاریخی ومرجعی کتاب کا معتبر ترجمہ پیش کرنے پر قدر وستائش کے مستحق ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس توفیق پر اس کے فضل وکرم کے شکر وسپاس کے ساتھ مترجم ومعاونین اور صوبائی جمعیت کے ذمے داران واراکین کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ انہیں اسی طرح کی علمی واصولی جہود کی مزید توفیق دے اور شرف قبولیت عطا فرمائے اور خواص وعوام زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم۔

ممبئی

۲۳/ مئی ۲۰۱۸ء

۷/ رمضان ۱۴۳۹ھ

عبد السلام سلفی

(امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

تقریظ

از: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس مدنی حفظہ اللہ

(مدرس و مفتی مسجد حرام و پروفیسر جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ حرسها اللہ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه محمد و على آله وصحبه أجمعين، وبعد:

اللہ رب العزت نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔ اور عبادت کے طریقے کو بتانے اور سکھانے کے لئے انبیاء ورسل کا سلسلہ جاری فرمایا ہر نبی اپنی قوم کے پاس آتے اور اللہ کا پیغام پہنچاتے اور ہر نبی کی قوم پر فرض تھا کہ اپنے نبی کی اتباع کرے ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ﴾ [النساء:٦٤]۔

آخر میں ہم سب کے نبی محمد رسول اللہ کو تمام دنیا کے لئے نبی اور رسول بنا کر بھیجا، اللہ رب العزت کی طرف سے آپ نے اعلان کیا: ﴿قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ [الأعراف:١٥٨]۔

ایک مسلمان کا ہر لمحہ عبادت ہے اگر وہ اللہ کی مرضی کے مطابق گذارتا ہے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں آخری نبی کا امتی بنا کر آخری مکمل دین سے نوازا ﴿ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَـٰمَ دِينًا ۚ﴾ [المائدة:٣]۔

صحابہ رسول ﷺ (ورضی عن أصحابہ) نے اس مکمل دین کو نبی کریم ﷺ سے حاصل کیا، اور نبی کریم ﷺ نے اسے جبریل امین سے لیا، جبریل امین نے اسے اللہ رب العالمین سے لے کر نبی کریم ﷺ کو پہنچایا۔ کتنی مبارک اور اعلیٰ سند ہے اس دین کی جس کی اتباع کا شرف اللہ نے ہم مسلمانوں کو بخشا۔

قرآن کریم کی آیات نازل ہوتیں، صحابہ کرام انہیں یاد کر لیتے، نبی کریم ﷺ اس کی عملی، قولی تقریری تفسیر

فرماتے، صحابہ کرام آپ کے ایک ایک قول وفعل کو یاد کر لیتے اور بہت سے لکھ بھی لیتے، اور دوسروں تک بھی پہنچا دیتے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس دین کو عقیدہ واعمال واحکام وتزکیہ وسلوک ہر اعتبار سے مکمل طور پر محفوظ فرمایا اللہ رب العزت کا وعدہ تھا اور ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝٩﴾ [الحجر:۹]۔

ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

حدیث رسول چونکہ تفسیر قرآن ہے اس لئے حدیث رسول کی حفاظت بھی قرآن کریم کی حفاظت کے تحت رہی، اس لئے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ کمال دین میں شبہ نہ کرے، نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن وحدیث کے ذریعہ ہوا، آپ کے بعد قیامت تک پیش آنے والے جتنے مسائل ہو سکتے ہیں، ان کے حل کا طریقہ عہد نبوی میں پیش آمدہ مسائل پر قیاس اور انھیں سے استنباط کرنے کے طریقوں کا اشارہ اور علم بھی قرآن وسنت میں ہے، ان مسائل کے حل کرنے کی ذمہ داری علماء امت، وراثت نبوی کے وارثین پر آئی، اور ہر زمانے میں علماء ربانیین نے اس ذمہ داری کو نبھایا، خالص دین کی فقہ اور اصول فقہ کو امت کے سامنے اجاگر کیا۔

نبی کریم ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے، مبارک شہر طیبہ کی مبارک زمین میں آپ کے جسد مبارک کو صحابہ کرام نے اللہ کی سنت اور شریعت کے مطابق دفن کیا، آپ کے بعد اس خالص دین پر عمل کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کی ذمہ داری صحابہ رسول پر ڈالی ان مقدس ہستیوں نے اتباع کامل اور اخلاص صادق کے ساتھ اس دین کی حفاظت کی ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ [آل عمران: ۱۰۳] پر عمل کرتے ہوئے اتفاق واتحاد کے ساتھ دین کو غلط افکار وآراء سے پاک رکھنے کا سبق دنیا کو دکھا گئے، بعض نئے پیش آمدہ مسائل میں صحابہ میں اگر اختلاف ہوتا تو اسے کتاب اللہ وسنت رسول سے حل کرتے، نصوص کتاب وسنت کے سامنے تمام اختلافات کا خاتمہ ہو جاتا۔ اگر نصوص صریحہ وصحیحہ نہ ملتے تو اللہ کے حکم ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ: ۳۸] کے مطابق معاملات کو حل کرتے، اس طرح انھوں نے مستقبل کے لئے فقہ اور اصول فقہ کی بنیادوں کو استوار کیا۔ اس کے بعد اس فریضے کو تابعین کرام کو سونپ کر کہہ دیا کہ یہ ہم سب کے رسول کی امانت ہے تم اس کی حفاظت کرو، ہم تمہیں اسی

طرح سونپ رہے ہیں جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا تھا، تابعین عظام نے صحابہ کے طریقے پر چل کر اس دین کی خدمت کی، ائمہ اسلام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل اوزاعی وغیرہ نے بھی عمل بالکتاب والسنۃ کے محور پر اپنے علوم کو پھیلایا، جن مسائل میں ائمہ کو کتاب وسنت اور عمل صحابہ سے واضح دلیل نہ ملتی تو وہ عمومات ادلّہ سے اجتہاد کر کے فتاوی دیتے، مگر انھیں یہ خوف رہتا کہ کہیں میری رائے کسی حدیث کے خلاف نہ ہو، اس وجہ سے ہر ایک امام سے اس مقولہ کا مفہوم منقول ہے کہ اگر صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اس صورت میں میرے قول کو چھوڑ کر حدیث رسول پر عمل کرنا" إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي " حدیث نہ ملتی تو صحابہ کرام کے فتاوی واقوال ومشوروں کو ڈھونڈتے۔ یہی اُصول تفقہ ہمارے ائمہ کے تھے۔ اس زمانے میں کوئی شخص کسی خاص امام یا عالم کی تقلید ہر مسئلے میں نہ کرتا، نہ ہی اس قسم کی تقلید کو جائز سمجھتا۔ اس مسئلے کی تصدیق کے لئے کوئی شخص فقہ حنفی کو دیکھے تو اسے بے شمار ایسے مسائل ملیں گے جن میں صاحبین، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے اپنے استاذ کریم امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیا ہے، بعض علماء کا کہنا ہے کہ صاحبین نے امام ابوحنیفہ کے ثلث مسائل سے اختلاف کیا ہے" وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ "۔

بعد کے آنے والوں نے تقلید ائمہ اَربعہ کو واجب کر کے غیر مقلدین کو گالی کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا، جس چیز کو اللہ نے رسول نے واجب نہ کیا اور نہ اجماع صحابہ وائمہ میں واجب کیا گیا ان ائمہ کے مقلدین نے اسے واجب کہہ ہر ایک اپنے ہی امام کی بات کو اونچی کرنے کی کوششیں کرتا دکھائی دینے لگا، ارباب مذاہب نے ایک دوسرے کا خون بھی حلال کیا تاریخ اس کی گواہی دیتی ہے۔ جس گھر سے وحدت کی تعلیم دنیا کو ملی اسی کو چار پانچ حصوں میں بانٹ کر الگ الگ اپنی صلاۃ پڑھنے لگے صدیوں تک یہ سلسلہ جاری کوئی عقل و دیانت داری سے بتائے کہ یہ دین کی بات ہو سکتی ہے جس دین میں اتحاد واتفاق اور اعتصام بالکتاب والسنۃ وعدم تفرق کی تاکیدی تعلیم ہے اور خیر القرون کے لوگ اسی پر متحد ہوئے تھے۔ اور پھر جناب رسول سے بے ادبی کا یہ منظر بھی تعصب مذاہب میں دیکھیں کہ کس ڈھٹائی سے حدیث رسول کو رد کر کے یہ کہہ دیا گیا کہ ہمارے امام کے پاس کوئی اور دلیل رہی ہوگی، ہم چونکہ فلاں امام کے مقلد ہیں ہمارے اوپر اسی حدیث پر عمل جائز ہیں، عوام اور علماء دونوں میں یہ رویہ دیکھا گیا، اللہ جانے اس بے ادبی پر علماء کرام کا دل کیسے مطمئن ہو رہا ہے؟

آپ ﷺ نے امت میں اختلاف کی خبر دی ،مگر اختلاف کی خاردار جھاڑی سے نکل کر رہنے کا طریقہ بھی آپ نے بتادیا ''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ ''اختلاف کے وقت میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر تمسک رکھو۔

آپ نے یہ خوش خبری بھی دی''لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ. لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ ''کہ ہمیشہ میری امت کا ایک طائفہ حق پر رہ کر مخالف حق لوگوں پر غالب رہے گا۔

اس خوشخبری اور اس مبارک وصیت کے مطابق ہمیشہ ہر صدی میں اور ہر علاقے میں کچھ لوگ رہے اور قیامت تک رہیں گے جو دین خالص کو صحابہ کرام کے فہم کے مطابق گلے سے لگا کر زندگی گذارتے رہے،اور گذارتے رہیں گے اور اس کی طرف دعوت بھی دیں گے،ائمہ کرام کا احترام اور ان پر ترحم کرتے ہوئے کسی خاص امام کی تقلید پر تعصب نہ کریں گے۔

اسی منہج کو مذاہب و آراء کے جمگھٹوں کے درمیان سلفیت اثریت،محمدیت کا لقب دیا گیا،الحمد للہ کتنے مبارک القاب ہیں۔

سلفی اور اثری علماء نے ہر زمانے میں ہر فتنے کا قرآن وسنت کے ادلہ اور آداب کے ذریعہ مقابلہ کیا اور ہر ایک کا علمی اور سنی محاسبہ کیا عقیدہ وفقہ عام اور سلوک مسنون سے متعلق سلفی علماء کی ہزاروں تالیفات ہیں،بدعتوں کی تعیین اور تردید ہے اور خالص دین اور بدعات سے دین کو خالص کرنے کی تلقین ہے۔

انہیں کتابوں میں سے ایک کتاب''إيقَاظُ هِمَمِ أُولِي الأَبْصَارِ لِلاقتِدَاءِ بِسَيِّدِ المُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ، وَتَحذِيرِهِم عَنِ الابتِدَاعِ الشَّائِعِ فِي القُرَى وَالأَمصَارِ؛ مِن تَقْلِيدِ المَذَاهِبِ مَعَ الحَمِيَّةِ وَالعَصَبِيَّةِ بَينَ فُقَهَاءِ الأَعْصَارِ '' ہے،جس کے مؤلف امام صالح بن محمد العُمری الفلانی ہیں۔

یہ کتاب دعوت اتباع دین خالص میں ایک لاجواب اور بے مثال کتاب ہے،اس کتاب کو میں نے مدینہ منورہ میں طالب علمی کے زمانے میں حاصل کیا اور کئی بار پڑھا،پھر مکہ مکرمہ میں اپنے خاص شاگردوں کو چالیس سال قبل اس کا کافی حصہ اپنے گھر میں پڑھایا،بعد میں علامہ البانی رحمہ اللہ کی کتاب''اصل صفۃ صلاۃ النبی ﷺ'' ملی جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ''فلانی کی کتاب''إيقَاظُ هِمَمِ أُولِي الأَبْصَارِ ... '' اپنے باب میں نادر اور بے مثال

کتاب ہے ہر محب حق کو چاہئے کہ تدبر اور فہم کے ساتھ اسے پڑھے"۔

کتاب بہت ہی اہم ہے ہندوستان میں ہمارے حنفی اور بریلوی بھائی جو ہمیشہ مذہب حنفی پر تعصب برتتے تھے اور برت رہے ہیں، ان کے لئے یہ کتاب بہت اہم ہے، اگر حق کی تلاش کرنا چاہتے ہیں تو اتباع سنت سے متعلق کتابیں اور مضامین پڑھیں۔ان شاءاللہ ضرور حق کی ہدایت ملے گی۔

گمان ہے کہ اگر یہ عجیب کتاب پرانے زمانے میں ہندوستان میں معروف ہوئی ہوتی تو شاید علماء اہل حدیث اس کا ترجمہ ضرور کئے ہوتے، مگر اب خوشی کی بات ہے کہ اپنی جماعت اہل حدیث کے نوجوان فاضل محترم مولانا عنایت اللہ سنابلی نے اس کا فصیح، سلیس اور عام فہم ترجمہ کر دیا ہے، کچھ دنوں قبل ممبئی میں تھا مسودہ کو ایک نظر دیکھا تھا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل محترم کو بصحت وعافیت رکھ کر سنت رسول ﷺ کی خدمت کا مزید موقع عنایت فرمائے۔الحمدللہ اس سے قبل ان کی کچھ اور علمی اور تحقیقی تالیفات شائع ہو چکی ہیں۔ان کی رغبت ہوئی کہ چند کلمات کتاب اور ترجمے سے متعلق لکھوں، چنانچہ یہ سعادت حاصل ہوئی اور علی عجل یہ چند کلمات لکھنے میں آگئے۔

مکۃ المکرمۃ

۴/ رمضان ۱۴۳۹ھ

۲۰/مئی ۲۰۱۸ء

وصی اللہ محمد عباس
۱۴۳۹/۹/۴
المدرس بالمسجد الحرام
وجامعۃ أم القری

مقدمہ

از: فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ (شارجہ، متحدہ عرب امارات)

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ، ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسۡلِمُونَ ﴾ ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفۡسٖ وَٰحِدَةٖ وَخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالٗا كَثِيرٗا وَنِسَآءٗۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِي تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلۡأَرۡحَامَۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيبٗا ﴾ ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوۡلٗا سَدِيدٗا ٧٠ يُصۡلِحۡ لَكُمۡ أَعۡمَٰلَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيمًا ﴾ . اما بعد:

طائفہ منصورہ کے خلف اپنے سلف کے نقش قدم پر:

عبداللہ بن سبا اور اس کے ہمنواؤں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے اپنے غلط افکار ونظریات کے ذریعہ جب امت مسلمہ کے عقائد وافکار بگاڑنے کی کوشش کی اور بہت سے لوگوں کو متاثر کیا تو ہمارے سلف نے اپنے وعظ وارشاد، مناظرے، مجادلہ حسنہ اور اپنی تصانیف وتالیفات کے ذریعہ اس کا مقابلہ کیا۔

اور جب خوارج نے سر اٹھایا اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکفیر وتضلیل کا سلسلہ شروع کیا تو وقت کے ہمارے سلف (اہلحدیث) نے ہی میدان میں آ کر اپنے زبان وقلم سے ان کے عقائد باطلہ اور فریب کاریوں کو بے نقاب کر کے امت کے بڑے طبقہ کو گمراہی سے بچایا، صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خوارج سے ایک مجلس مناظرہ سے دس ہزار خوارج توبہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

۱۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب "فضائل الصحابہ" اور "الرد علی الزنادقۃ والجھمیۃ"۔

۲۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب "خلق أفعال العباد" اور الجامع الصحیح میں "کتاب التوحید والرد علی الجھمیۃ"۔

۳۔ امام ابوداود کی السنن میں "کتاب السنۃ"۔

۴۔ امام ابن ماجہ کی السنن کے مقدمہ میں اتباع سنت اور اہل بدعت کے رد میں کئی ابواب ہیں۔

۵۔ ''الرد علی الجہمیۃ'' للامام عثمان بن سعید الدارمی۔

۶۔ ''کتاب الصفات والرد علی الجہمیۃ'' للامام نعیم بن حماد الخزاعی شیخ البخاری۔

یہ ساری کتابیں اہل بدعات ومحدثات کے رد میں تصنیف کی گئی ہیں، ان کے علاوہ بھی رد بدعات ومحدثات میں محدثین (اہلحدیث) کی ہزاروں مولفات آج بھی موجود ہیں، جب بھی کسی باطل نے سر اٹھایا تو ہمارے سلف برابر اس کی سرکوبی کرتے رہے۔

اسی طرح جب دوسری صدی ہجری کے اواخر میں بدعت وتقلید نے سر اٹھانا شروع کیا تو اس کی مخالفت اور رد میں بھی طائفہ منصورہ ہمارے سلف میدان میں آئے اور اس فتنہ سے بھی امت کو آگاہ کیا، اور اپنی تصانیف وتالیفات کے ذریعہ امت کو اس فتنہ سے بچایا اور اتباع سنت اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دی اور اس پر قائم رہنے کی تاکید کی۔

(۱) امام ابن ابی شیبہ ۲۳۵ھ نے اپنی ''المصنف'' میں مستقل ایک کتاب شامل کیا ہے جس کا نام ہی رکھا ہے ''کتاب الرد علی أبی حنیفۃ''۔

(۲) امام ابن ماجہ صاحب السنن ۲۷۳ھ نے اپنی السنن کی ابتداء ہی اتباع سنت کے ابواب سے کی ہے، چنانچہ سب سے پہلا باب یہ قائم کیا کہ ''باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''۔

(۳) امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی صاحب السنن ۲۵۵ھ نے بھی اپنی السنن (المسند) کی ابتداء علم وعلماء کے فضائل، علم کے تقاضے، اتباع حدیث، تعظیم حدیث، اجتناب رائی وقیاس اور سنت کی تعلیم وتعلم، نشر واشاعت کی دعوت سے کیا ہے، جس میں اس طرح کے ابواب دیکھے جاسکتے ہیں: ''باب اتباع السنۃ''، ''باب التورع عن الجواب فیما لیس فیہ کتاب ولاسنۃ''، ''باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم''، ''باب تعجیل عقوبۃ من بلغہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یعظمہ'' وغیرہا من الابواب۔

(۴) امام بخاری رحمہ اللہ ۲۵۶ھ نے اپنی ''الجامع الصحیح'' میں ایک کتاب شامل کیا ہے جس کا نام ''کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' رکھا، اور اس موضوع پر مستقل ایک کتاب بھی لکھی ہے جسکا نام ہی ''کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' رکھا۔

''الجامع الصحیح'' کے ''کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' کے پہلے باب میں اس کی صراحت کی ہے جس کے کچھ ابواب حسب ضرورت صحیح میں ذکر کیا ہے [1]۔

---

(۱) دیکھئے: صحیح بخاری مع فتح الباری (13 / 245)۔

(۵) امام ابوداود صاحب السنن ۲۷۵ھ اپنی السنن میں "کتاب السنۃ" شامل کرکے تقلید اور اہل ہوی و بدعات کی بھر پور تردید کی ہے، اور اس میں باب قائم کیا "باب لزوم السنۃ"۔

(۶) امام بقی بن مخلد القرطبی رحمہ اللہ ۲۷۶ھ:

احیاء سنت اور ترک تقلید اور اس کی مخالفت کرنے کی وجہ سے لوگوں نے ان کو بڑی ایذائیں دیں، مگر امیر اندلس نے ان کی حمایت کی جس کی وجہ سے محفوظ رہے، ان کے متعلق اہل علم لکھتے ہیں کہ: (كان متبحرًا، لا يقلد أحدًا)[۱]۔

(۷) امام قاسم بن محمد الاندلسی ۲۷۶ھ: رد تقلید میں کتاب "الایضاح" لکھی ہے جس کو رد تقلید میں پہلی مستقل تصنیف کہا جاسکتا ہے، ان کے متعلق کہا جاتا ہے: (كان لا يقلد أحدًا) کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے[۲]۔

(۸) حافظ کبیر امام احمد بن عاصم ۲۸۷ھ کو ترک تقلید کی وجہ سے لوگ ظاہری المذہب کہتے تھے[۳]۔

(۹) امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ ۳۱۱ھ صاحب الصحیح، جوکہ امام بخاری کے شاگرد ہیں اور کمال تو یہ ہے کہ امام بخاری نے استاذ ہونے کے باوجود ان سے خود بھی روایت کیا ہے، اس اعتبار سے امام بخاری کے استاذ بھی ہیں، یہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ کہتے تھے کہ جب صحیح حدیث کسی کو مل جائے تو کسی کے قول کو قبول نہ کیا جائے[۴]۔

یہ خود اپنے متعلق کہتے ہیں: سولہ سال کی عمر سے ہی میں نے کسی بھی مسئلہ میں کسی کی تقلید نہیں کی[۵]۔

(۱۰) امام حافظ حسین بن محمد السنجی المروزی ۳۱۳ھ: کتاب وسنت پر عامل اور مقلدین کے سخت مخالف تھے، یہاں تک کہ وہ اہل الرای کو حدیث نہیں پڑھاتے تھے، اور اگر ان کو پڑھاتے تو بہت ہی کم، وجہ یہ بتاتے تھے کہ: وقت کے امام حدیث تھے، علاقہ خراسان میں حدیث میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا[۶]۔

(۱۱) ابوبکر محمد بن ابراھیم ابن المنکدر ۳۱۸ھ:

صاحب تصانیف کثیرۃ، امام ذہبی لکھتے ہیں کہ: (وكان مجتهدًا، لا يقلد أحدًا)[۷]۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء (13/291)، وتذکرۃ الحفاظ (2/630)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (13/328)، وتذکرۃ الحفاظ (2/648)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (13/430)، وتذکرۃ الحفاظ (2/648)۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ (2/720-723)۔

(۵) طبقات الفقہاء، ص (106)، والبدایۃ والنہایۃ (11/145)۔

(۶) سیر أعلام النبلاء (14/114)، وتذکرۃ الحفاظ (3/801)۔

(۷) تذکرۃ الحفاظ (3/782)۔

(۱۲) امام ابو یعلی الموصلی ۳۰۶ھ صاحب المسند:

اہل قیاس اور الرآی کی شدت سے برابر تردید کرتے تھے، بڑے عابد و زاہد اور متبع سنت تھے، ترک تقلید کی وجہ سے علماء ان کو ظاہریہ کی طرف منسوب کرتے تھے، حافظ مستغفری کہتے ہیں کہ: ہم ان کے جنازہ میں شریک تھے، ایسا شور دیکھا کہ گویا شاہی فوج آرہی ہے، جب نماز جنازہ کے لیے لوگ کھڑے ہوئے تو وہ شور ختم ہوگیا، میں نے خواب میں دیکھا کہ ابو یعلی کے سرہانے کوئی شخص کھڑا کہہ رہا ہے کہ: اے لوگو! جس کو سیدھا راستہ اختیار کرنا ہو تو وہ ابو یعلی کا راستہ اختیار کرلے[۱]۔

(۱۳) محدث عراق امام محمد بن احمد بن محمد بن شاهین بغدادی رحمہ اللہ ۳۸۵ھ:

یہ بھی اہلحدیث اور متبع کتاب وسنت تھے، جب مذاہب کا تذکرہ ہوتا تو برملا کہتے کہ: میں محمدی المذہب ہوں[۲]۔

(۱۴) حافظ امام محمد بن علی ساحلی ۴۴۱ھ رحمہ اللہ:

متبع سنت اور اہلحدیث تھے، حدیث کے خلاف عمل کرنے والوں کے رد میں ان کے اشعار بہت ہی مشہور ہیں، رد تقلید کیلئے اشعار اور نظم میں کتاب بھی لکھی ہے[۳]۔

(۱۵) امام حمیدی ۴۸۸ھ صاحب الجمع بین الصحیحین:

یہ بھی ظاہری کتاب وسنت پر عمل کرنے والے تھے[۴]۔

(۱۶) حافظ محمد بن طاہر المقدسی رحمہ اللہ ۵۰۷ھ:

یہ متبع سنت اور تقلید کے مخالف تھے[۵]۔

(۱۷) الامام الحافظ العبدری ابو عامر محمد سعدون الاندلسی نزیل بغداد رحمہ اللہ ۵۲۴ھ:

تقلید کے منکر اور ظاہری کتاب وسنت پر عمل کرنے والے اور اس کے داعی تھے[۶]۔

(۱۸) امام حافظ عبد الجلیل بن محمد کوتاہ اصبہانی رحمہ اللہ ۵۵۳ھ:

تارک تقلید متبع سنت تھے، فرماتے تھے کہ: حدیث پر عمل کرنے سے زیادہ جنت تک پہنچانے والا کوئی اور راستہ

---

(۱) سیر أعلام النبلاء (15 / 435)، وتذکرۃ الحفاظ (3 / 870)۔

(۲) تاریخ بغداد (11 / 265-268)، وسیر أعلام النبلاء (16 / 433)، وتذکرۃ الحفاظ (3 / 987)۔

(۳) تذکرۃ الحفاظ (4 / 1218)۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ (4 / 1218)۔

(۵) تذکرۃ الحفاظ (4 / 1242-1245)۔

(۶) تذکرۃ الحفاظ (4 / 1272)۔

نہیں ہے[1]۔

(۱۹) پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ۵۶۱ھ بھی تقلید شخصی کی مخالف تھے:

امام شعرانی اور صاحب بہجۃ الاسرار لکھتے ہیں: (أنه كان يفتي على مذهب الشافعي وأحمد بن حنبل).

خود بھی فتوح الغیب میں لکھتے ہیں کہ: "ہمیشہ قرآن وحدیث کو اپنے پیش نظر رکھو، اور کسی کے قول سے دھوکا نہ کھاؤ"۔

غنیۃ الطالبین میں اہلحدیث کو ناجی فرقہ قرار دیا ہے، اور اہل بدعت کی ایک علامت اہلحدیثوں سے بغض وعناد اور دل میں نفرت رکھنا بتایا ہے[2]۔

(۲۰) امام حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی رحمہ اللہ ۶۰۰ھ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں، یہ شیخ عبدالقادر جیلانی پیران پیر رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں، متبع کتاب سنت اور تقلید سے دور تھے۔

حافظ الذھبی نے ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

(الإمام الحافظ الكبير الصادق القدوة الأثري المتبع)[3]۔

نیز لکھتے ہیں: (كان كثير العبادة ورعًا، متمسكًا على قانون السلف)[4]۔

(۲۱) الامام العالم الفقیہ المحدث شیخ الاسلام ابو عمر محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی ۶۰۷ھ:

متبع حدیث تھے، حدیث سن لینے کے بعد فوراً بلا چوں چرا حدیث پر عمل کرنے لگتے تھے۔

امام ذھبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (كان لا يسمع حديثًا إلا عمل به)[5]۔

یہ بھی پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کے شاگردوں میں سے ہیں۔

(۲۲) الحافظ ابو العباس احمد بن محمد بن مفرح الاندلسی ابن الرومیہ رحمہ اللہ ۶۳۷ھ:

تارک تقلید اور ظاہری کتاب وسنت پر عمل کرنے والے تھے[6]۔

ابتداء میں مالکی مذہب کے بڑی شدت سے پابند تھے، بعد میں تقلید سے آزاد ہو کر متبع سنت بن گئے۔

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ (4/1314)۔

(۲) ارشاد ص (372)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (21/443)۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ (4/1373)، والبدایۃ والنہایۃ (13/55-56)۔

(۵) البدایۃ والنہایۃ (13/55)، وسیر أعلام النبلاء (22/6)۔

(۶) تذکرۃ الحفاظ (4/1425)۔

(۲۳) شیخ الاسلام امام ابن دقیق العید محمد بن وہب بن مطیع ۷۰۲ھ:

ان کے شاگرد ادفوی کہتے ہیں کہ: ہمارے استاذ امام ابن دقیق العید نے اپنے مرض الموت میں ہم سے کاغذ اور قلم طلب کیا، میں نے لاکر دیا تو انھوں نے کاغذ پر کچھ لکھ کر اپنے بستر کے نیچے رکھ دیا، وفات کے بعد جب وہ پرچہ نکالا گیا تو دیکھا کہ اس میں تقلید کی حرمت لکھی ہوئی تھی [۱]۔

(۲۴) شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۷۲۸ھ اور ان کے ارشد تلامیذ حافظ ابن القیم ۷۵۱ھ، امام ابوعبداللہ شمس الدین بن محمد الذھبی ۷۴۸ھ، حافظ ابن کثیر عماد الدین اسماعیل بن عمر الدمشقی ۷۷۴ھ:

یہ حضرات بھی تقلید سے لوگوں کو منع کرتے تھے، اور اتباع کتاب وسنت کی دعوت دیتے تھے، ان کی تصانیف دنیا میں موجود ہیں، دیکھنے سے ان کا مسلک خوب واضح ہوجاتا ہے۔

امام ذھبی رحمہ اللہ کے یہ اشعار ان کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہیں:

العلم: قـــال الله قـــال رسوله   إن صح والإجـــماع فاجهد فيه

وحذار من نصب الخلاف جهالةً   بين الرسول وبين رأي فـــقيه

(۲۵) علامہ ابن المقریزی احمد بن علی رحمہ اللہ ۸۴۵ھ:

تاریخ کے مشہور امام ہیں، پہلے حنفی فقہ حاصل کی، پھر شافعی ہوگئے، مگر جب بعد میں حدیث کا علم حاصل کیا تو حدیث پڑھنے کی وجہ سے حدیث سے محبت پیدا ہوئی، تقلید سے آزاد ہوکر حدیث پر عمل کرنے لگے [۲]۔

(۲۶) علامہ محمد معین سندھی رحمہ اللہ ۱۱۶۱ھ موافق ۱۷۴۸ء صاحب دراسات اللبیب:

علامہ محمد معین السندھی رحمہ اللہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد ہیں، انھوں نے رد تقلید اور اتباع سنت کے موضوع پر "دراسات اللبیب فی الأسوۃ الحسنۃ بالحبیب" نامی ایک نہایت محققانہ ضخیم کتاب لکھی، جس کے متعلق نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ "اتحاف النبلاء" [۳] میں لکھتے ہیں: "فاضل محقق شیخ محمد معین بن محمد امین سندھی کی یہ تالیف عمل بالحدیث اور مخالف حدیث مذہب کے ترک کے بارے میں نہایت عمدہ ہے، اس کے مشمولات ومندرجات مبنی بر تحقیق ہیں، اس کی زبان وعبارت میں انتہائی متانت پائی جاتی ہے، اور جو باتیں اس میں بیان کی گئی ہیں، وہ حقیقت کی آئینہ دار ہیں،

---

(۱) ارشاد، ص (378)۔

(۲) تذکرۃ الحفاظ (4 / 1481)۔

(۳) اتحاف النبلاء، ص (78)۔

حضرت مصنف نے اپنی دعوے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے بدرجہ غایت دقت نظر سے کام لیا ہے“۔

یہ کتاب ”دراسات اللبیب“ پہلی بار ۱۲۸۴ھ میں لاہور سے طبع ہوئی تھی پھر اس کے بعد ۱۹۵۷ء میں ”لجنة إحیاء الأدب السندی“ کی طرف سے شائع ہوئی[1]۔

(۲۷) علامہ محمد حیات سندھی محدث مدنی رحمہ اللہ ۱۱۶۳ھ موافق ۱۷۵۰ء:

مسلک اہلحدیث کے پابند اور اس کے داعی تھے، تقلید کے سخت مخالف تھے، رد تقلید میں دو کتابیں بھی لکھی ہیں:

۱۔ الایقاف علی سبب الاختلاف۔

۲۔ تحفة الأنام فی العمل بحدیث النبی علیه الصلاة والسلام۔

اہل علم، علماء وفضلاء میں یہ دونوں کتابیں خوب مقبول ہوئیں، بہت سے لوگ تقلید ترک کرکے کتاب وسنت کے پابند ہو گئے، انہیں رد تقلید اور اتباع سنت کے باب میں اہم مرجع کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

علامہ محمد حیات سندھی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید امام محمد بن اسماعیل الأمیر الیمانی رحمہ اللہ ۱۱۸۲ھ اپنی مشہور کتاب ”إرشاد النقاد إلی تیسیر الاجتهاد“ (جو کہ رد تقلید اور عمل بالحدیث کے موضوع پر بہترین کتاب ہے) میں بہت سے مشمولات علامہ حیات سندھی کی کتب سے نقل کئے ہیں۔

اسی طرح علامہ سندھی کے مشہور شاگرد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی ان کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح کتاب وسنت کے خاموش داعی اور تقلید کے مخالف علامہ محمد حیات کے تیسرے شاگرد علامہ مرزا مظہر جان جاناں دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوبات اور فتاوؤں کے جواب میں ان کتابوں سے خوب فائدہ اٹھایا ہے، بلکہ اپنے مکتوبات میں اپنے محترم و موقر استاذ کی کتابوں کو مختصر اور خلاصہ کرکے فارسی زبان میں پیش کیا ہے۔

علامہ فلانی نے بھی اپنی کتاب ”إیقاظ همم أولی الأبصار“ میں علامہ حیات سندھی کی کتابوں کا حوالہ جگہ بجگہ دیا ہے۔

علامہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”الجنة فی الأسوة الحسنة بالسنة“ میں بہت سے حوالے نقل کئے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے علامہ حیات کی کتاب کو اپنے مشہور رسالہ ”اشاعت السنۃ“ ماہ رجب ۱۲۹۸ھ موافق جنوری ۱۸۸۱ء میں مفید حواشی اور اردو ترجمہ کے ساتھ افادہ عام کے لئے شائع کیا، پھر ۱۹۵۹ء میں مکتبہ سلفیہ لاہور سے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے اس کو شائع کیا، پھر تیسری مرتبہ مولانا عبدالجلیل سامرودی رحمہ اللہ نے دہلی سے شائع کیا تھا۔

---

(۱) فقہائے ہند، حصہ پنجم، ص (923)۔

(۲۸) علامہ محمد فاخر زائر الہ آبادی رحمہ اللہ ۱۱۶۴ھ[1]:

آپ کی تصانیف میں سے "رسالہ نجاتیہ" اور "مثنوی در تعریف علم حدیث" ہے، یہ دونوں کتابیں رد تقلید میں ہیں، خصوصاً "مثنوی در تعریف علم حدیث" جس کے تمام اشعار رد تقلید اور اتباع سنت کے متعلق ہیں: مثلاً کہتے ہیں:

ما اہل حدیثیم دغا را نشناسیم | صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ وفن نیست
زائر از کشکول اہل رائے نتواں لقمہ خورد | بر سر خوان رسول اللہ مہمانیم ما!

(۲۹) علامہ شیخ مرزا مظہر جان جاناں، مولود ۱۱۱۳ھ موافق ۱۷۰۳ء، ماہ محرم ۱۱۹۵ھ - جنوری ۱۷۸۱ء میں شہید کیے گئے:

اتباع سنت کے داعی اور منکر تقلید تھے، اپنے مکاتیب کے ذریعہ برابر لوگوں کو اتباع سنت کی رغبت دلاتے اور تقلید سے منع کرتے، ایک جگہ لکھتے ہیں: (العجب كل العجب إن الحديث الصحيح غير المنسوخ لا يعمل به، مع أنه يروى عن النبي المعصوم عن الخطأ ﷺ ببضع وسائط من الرواة الثقات، ويعمل بالروايات الفقهية التي نقلها القضاة والمفتون بوسائط عديدة عن الإمام غير المعصوم، مع أن ضبطهم وعدلهم غير معلوم)[2]۔

اگر آپ کے مکتوبات اور آپ کے حالات ومعمولات پر لکھی گئی کتابوں سے رد تقلید اور اتباع سنت کے متعلق آپ کی تحریریں اور اقوال جمع کیے جائیں تو رد تقلید اور اتباع سنت پر ایک بہترین علمی تصنیف تیار ہو جائے۔

وفات سے پہلے ایک وصیت نامہ لکھا تھا اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مقلد نہیں تھے، بلکہ ایک متبع سنت اور ترک تقلید کے داعی تھے، نیز اس وصیت نامہ میں آپ نے اپنے آپ کو جان جاناں محمدی مجددی لکھا ہے[3]۔

(۳۰) سید اولاد حسن قنوجی رحمہ اللہ ۱۲۵۳ھ موافق ۱۸۳۸ء، تلمیذ رشید شاہ عبد العزیز وشاہ عبد القادر وشاہ رفیع الدین رحمہم اللہ:

خاندانی شیعہ تھے، مگر اساتذہ سے تفسیر وحدیث پڑھنے کے بعد اہلحدیث سنی ہو گئے، اتباع سنت اور رد تقلید میں "راہ سنت" نامی ایک کتاب نظم میں لکھی جسے کے چند اشعار یہ ہیں:

اب کسی کا فعل ہو یا قول ہو | چاہیے سنت سے اس کو تول لو
مولوی فاضل ہو یا استاذ پیر | یا ولی یا شیخ یا شاہ وفقیر

(۱) فقہائے ہند، حصہ پنجم، ص (912-913)، وتاریخ اہلحدیث (1 / 628-629)، وتحریک اہلحدیث (176-177)۔
(۲) نزہۃ الخواطر (6 / 52)۔
(۳) فقہائے ہند، حصہ پنجم، ص (601-629)۔

زندہ ہو مردہ ہو یا نزدیک و دور
ہو ولایت یا کرامت کا ظہور

ہو رسالہ یا کہ ہو کوئی کتاب
مجتہد ہو یا فقیہ لاجواب

گر اسے برحسب سنت پایئے
بے خطر اس کو عمل میں لائیے

گر نہ ہو سنت سے اس کو اتفاق
چھوڑ دے اس کو ہے کردار شقاق

ہے خطا کی پیروی کرنا خطا
یہ اجازت کب ہوئی ہم کو روا[(۱)]

(۳۱) مولانا عبداللہ علوی فرخ آبادی ثم دہلوی ۱۲۶۲ھ تلمیذ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ:
اتباع سنت اور رد تقلید پر "المنہج السدید فی رد التقلید" بزبان فارسی لکھی ہے[(۲)]۔

(۳۲) حکیم مؤمن خان مؤمن ۱۸۵۲ء[(۳)] تلمیذ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ، مشہور اہلحدیث شاعر تھے، مثنوی تخلص تھا، اتباع سنت اور ترک تقلید پر ان کی کلیات مؤمن میں متعدد اشعار موجود ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

ارباب حدیث کا میں فرماں بر ہوں
تقلید کے منکروں کا سردفتر ہوں

مقبول روایت ائمہ نہ قیاس
یعنی کہ فقط مطیع پیغمبر ہوں[(۴)]

نیز لکھتے ہیں:

خالص ہوں محمدی، میرا دین اسلام
گو رائے صواب ہو نہیں مجھ کو کام

تقلید کی ٹھہری تو بنوں گا شیعہ
کس واسطے چھوڑ دیجئے افضل تر مقام[(۵)]

(۳۳) مولانا ولایت علی صادقپوری رحمہ اللہ ۱۲۶۹ھ موافق ۱۸۵۲ء، تلمیذ مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ۔
رد تقلید اور اتباع سنت کے موضوع پر ایک جامع رسالہ فارسی زبان میں بنام "عمل بالحدیث" لکھا ہے جو شائع اور مطبوع ہے[(۶)]۔

(۳۴) مولانا سید حیدر علی رامپوری رحمہ اللہ ۱۸۵۶ء، شاگرد شاہ عبدالعزیز دہلوی و شاہ رفیع الدین دہلوی رحمہم اللہ۔

---

(۱) اہلحدیث اور سیاست، ص(146-147)۔
(۲) تذکرہ شاہ اسماعیل شہید، ص(80)۔
(۳) اہلحدیث اور سیاست، ص(185)۔
(۴) کلیات مومن، ص(466)۔
(۵) کلیات مومن، ص(463)۔
(۶) اہلحدیث اور سیاست، ص(204)، و تذکرہ شاہ اسماعیل شہید، ص(87)۔

شاہ اسماعیل شہید کے دفاع وحمایت میں کتابیں لکھتے اور ان پر اعتراضات کرنے والوں کا رد کیا کرتے، عقیدہ توحید واتباع سنت کی اشاعت میں ہر وقت کوشاں رہتے، ان کی دو کتابیں "اثبات رفع الیدین" جس میں نماز کے چار مقامات پر رفع الیدین کرنا ثابت کیا ہے، اور مولوی محبوب علی حنفی کا رد کیا ہے، اور "صیانۃ الاناس عن وسوسۃ الخناس" اس کتاب میں مولوی فضل بدایونی کی کتابوں کا جواب دیا اور مدلل تردید کی ہے، اسی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: "ایک شخص معین کی تقلید پر اگر کوئی دلیل ادلہ شرعیہ اربعہ سے ہو تو لاؤ ذکر کرو، جو شخص تقلید ایک شخص کی لازم اور واجب کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے"[1]۔

(۳۵) مولانا سید احمد حسن عرشی رحمہ اللہ ۱۸۶۰ء:

یہ علامہ سید اولاد حسین قنوجی کے بڑے بیٹے اور امام نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے بڑے بھائی ہیں، انھوں نے ردتقلید میں ایک نہایت جامع ومانع کتاب لکھی ہے جسکا نام "شہاب ثاقب" رکھا، علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "میرے استقراء میں ردتقلید کے باب میں ایسی جامع کتاب اس آخری زمانہ میں نہیں پائی جاتی"[2]۔

(۳۶) علامہ عبدالحق محدث بنارسی رحمہ اللہ ۱۲۸۶ھ موافق ۱۸۶۹ء، شاگرد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۱۲۳۹ھ، شاہ عبدالقادر محدث دہلوی ۱۲۳۰ھ، شاہ اسماعیل شہید ۱۸۳۱ء اور امام شوکانی وغیرہم۔

"الدر الفرید فی المنع عن التقلید" ردتقلید میں مشہور کتاب ہے[3]۔

(۳۷) علامہ شیخ محمد عبداللہ مئوی الہ آبادی رحمہ اللہ ۱۸۸۲ء، تلمیذ ابنائے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی:

اہلحدیث تھے، تقلید کا مدلل شدت سے انکار کرتے، ردتقلید پر متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں، مثلاً: "اعتصام السنۃ وقامع البدعۃ" ردتقلید پر یہ جامع کتاب ہے، تقریباً ۱۲۷۱ھ میں یہ کتاب لکھی، ۱۲۹۲ھ موافق ۱۸۷۵ء میں کانپور سے چھپی ہے، "صمصام الحدید المسلول"، "سیف الحدید فی قطع المذاہب والتقلید"، "العروۃ المتین فی اتباع سید المرسلین"، "السیف المسلول فی ذم التقلید المخذول"[4]۔

(۳۸) مولانا خرم علی بلہوری کانپوری رحمہ اللہ، تلمیذ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ:

تقلید کے رد اور اتباع سنت پر ان کی نظم ہندوستان کے اہلحدیث بڑے شوق سے پڑھا کرتے تھے، جس کے چند

---

(۱) مطرق الحدید از حافظ عزالدین مرادآبادی، ص(47)، واہلحدیث اور سیاست، ص(118-119)۔

(۲) اتحاف النبلاء، واہلحدیث اور سیاست، ص(150-151)۔

(۳) تراجم علماء اہلحدیث بنارس، ص(145)۔

(۴) تراجم علماء حدیث ہند، ص(345)، وفقہائے ہند، جلد ششم، ص(336)۔

اشعار یہ ہیں:

ہوتے ہوئے مصطفےٰ کی گفتار	مت دیکھ کسی کا قول و کردار
جب اصل ملے تو نقل کیا ہے	یاں وہم و خطا کا دخل کیا ہے
اب زیادہ تو مجھ سے نہ کر کل کل	خورشید کے آگے کیا ہے مشعل
بالفرض فلاں ہے مرد کامل	اس نے تھا کیا کہاں سے حاصل
وہ بھی اسی در کا اک گدا تھا	گو غوث و امام و مقتدا تھا
ملفوظ بہت ہیں تو نے دیکھے	ملفوظ محمدی کو اب تو لے لے
ناحق تجھے اور کچھ ہوس ہے	قرآن و حدیث تجھ کو بس ہے
حق ہوگا حدیث خواں سے خرم	ارشاد رسول فخر عالم (۱)

(۳۹) شیخ الاسلام محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ ۱۳۳۸ھ موافق ۱۹۲۰ء:

میاں فضل احمد بن مولوی عبدالرحمن نے "برہان المقلدین" نامی رسالہ وجوب تقلید کے موضوع پر لکھا تو شیخ الاسلام محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے اس کا جواب "تبیان فی رد البرحان در جواب فضل احمد بن عبدالرحمن" نامی کتاب لکھ کر دیا (۲)۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد برصغیر کے مسلمانوں میں تین طرح کے رجحانات:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ تقلید جامد اور تقلید شخصی کے خلاف جو ہمہ گیر تحریک چلائی تھی، تحقیق وتدقیق اور اتباع کتاب وسنت کی دعوت کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس سے عمل بالحدیث کا رواج ہوا اور صرف ایک صدی کے عرصہ میں شاہ اسماعیل شہید ۱۲۴۶ھ تک ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی، جس نے برصغیر میں توحید وسنت کی اشاعت کی اور بہت سے شرک وبدعات کا خاتمہ ہوا، اور فقہی جمود وتقلید کے برخلاف لوگوں میں تحقیق کا ذوق پیدا ہوا۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی کتاب "تقویۃ الایمان"، "تنویر العینین"، "ایضاح الحق الصریح"، "منصب امامت" جیسی تصانیف سے ایوان تقلید میں ہلچل مچ گئی، جس کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں میں تین قسم کے رجحان پیدا ہوگئے:

---

(۱) اہلحدیث اور سیاست، ص (178)۔

(۲) تاریخ اہلحدیث، (5/ 239)۔

۱۔ کچھ لوگوں نے بدعات وتقلید کے دفاع وحمایت میں شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی مخالفت شروع کردی، اوران کے رد میں طرح طرح کی کتابیں تصنیف کیں، بدایوں، خیرآباد، رام پور اور بریلی وغیرہ کے علماء میدان میں پیش پیش رہے، اور شاہ اسماعیل شہید کی تکفیر وتضلیل کرنے لگے،جس کا سلسلہ آج تک قائم ہے،یہی گروہ بریلوی قبر پرست کے نام سے جانا جاتا ہے۔

۲۔ کچھ حضرات رد بدعات میں تو شاہ اسماعیل رحمہ اللہ کے ساتھ تھے، مگر عمل بالحدیث کی دعوت اور تقلید وجمود کی مخالفت ان کو پسند نہ آئی، اور وہ اپنے فقہی مسلک کے دفاع میں، اپنے امام کی تعریف وتوصیف اور اہلحدیثوں کی مخالفت میں غلو کی حد تک پہنچ گئے، کچھ لوگوں نے تو شاہ اسماعیل شہید کی ان تصانیف کی بہت سے عبارتوں کو الحاقی بنا کر پیش کیا اور شاہ صاحب کو بھی اپنے جیسا پکا مقلد اور حنفی قرار دیا اور شاہ ولی اللہ کی آزادی فکر اور مجددانہ شان کو بھی گھٹا دیا، اوران کے مسلک کی غلط تاویل کر کے ان کو بھی حنفی ہی ثابت کرنا چاہا، یہی گروہ آگے جا کر دیوبندی مکتب فکر سے مشہور ہوا۔

۳۔ تیسرا رجحان یہ رہا کہ اس دعوت تجدید واصلاح کی پورے طور سے تائید کی جائے،شرک وبدعت اور غیر اسلامی رسم ورواج کی تردید کے ساتھ لوگوں کو براہ راست کتاب وسنت سے جوڑا جائے تا کہ تقلید سے آزاد ہو کر سلف صالحین اور دیگر ائمہ مجتہدین کے اجتہادات سے فائدہ اٹھائیں، اور آزادانہ طور پر مسائل کی تحقیق کریں اور جو اقوال کتاب وسنت کے دلائل کے روشنی میں راجح ہوں ان پر عمل کیا جائے، اور عوام کو اسی کی دعوت دی جائے، یہی گروہ جماعت اہلحدیث سے موسوم اور معروف ہوا۔

عمل بالحدیث کے اس رجحان اور اس دعوت کو خوب پھلنے پھولنے کا اس وقت اور موقعہ ملا جب کی شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کو مسند ولی اللہ کے آخری کڑی شاہ محمد اسحاق کے مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور تقریبا ستر سال کے قریب حدیث وتفسیر اور دیگر علوم شرعیہ کا دریا بہاتے رہے، جن سے ہزاروں طلبہ ہند وبیرون ہند دنیا کے گوشہ گوشہ سے استفادہ کرتے رہے۔

اسی طرح نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ بھی اسی انداز فکر کی دعوت اپنے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ عام کرنے لگے جس سے تقلید کے ایوانوں میں ہل چل مچ گئی، اور تقلید بچاؤ تحریک چلانے لگے، اوراس کے تحفظ کے لئے مختلف اقدامات کئے جس میں ایک یہ تھا کہ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی ان کتابوں کی تردید کی جائے جن کتابوں کے ذریعہ لوگ تقلید جمود سے بیزار ہو کر مسلک سلف کو اختیار کر رہے ہیں، اور تقلیدی مذہب چھوڑ کر مذہب اہلحدیث قبول کر رہے ہیں،اس کے لئے سب سے پہلے مولوی محمد شاہ پنجابی نے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی کتب "تقویۃ الایمان"، "تنویر العینین"، "إیضاح الحق الصریح فی أحکام المیت والضریح" وغیرہ کے رد میں "تنویر الحق" نامی ایک کتاب تالیف کی تا کہ اس تحریک اور

اس دعوت کا اثر کم ہو سکے۔

معیار الحق:

جب "تنویر الحق" منظر عام پر آئی تو چونکہ ولی اللہی تحریک کے سچے وارث شیخ الکل فی الکل میاں صاحب تھے، اسی لئے اس کے رد اور جواب میں نہایت علمی اور جامع کتاب "معیار الحق" لکھی، جس کو اہل علم نے بہت ہی پسند کیا اور استفادہ کیا، عوام وخواص ہر ایک کو اس کتاب نے مسحور کر دیا۔

انتصار الحق:

میاں صاحب کی کتاب "معیار الحق" کی اثر انگیزی کو ختم کرنے کے لیے مولانا ارشاد حسین رامپوری حنفی نے "انتصار الحق" نام سے اس کا جواب لکھا۔

انتصار الحق کے جوابات:

مولانا ارشاد حسین مجددی حنفی رامپوری نے بزعم خویش یہ دعوی کیا تھا کہ میری کتاب "انتصار الحق" کا جواب کوئی غیر مقلد عالم نہ دے سکے گا، مگر میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے چار شاگردوں نے بیک وقت چار جواب لکھ ڈالا، اور ایسا علمی اور مدلل جواب لکھا کہ آج تک ان چاروں جوابوں کا کوئی مقلد عالم جواب نہیں دے سکا:

۱۔ "براہین اثنا عشر" مولانا سید امیر حسین نے ایک ہی دن میں اس کا جواب لکھ کر شائع کرایا۔

۲۔ "تلخیص الانظار فیما بنی علیہ الانتصار" مولانا سید احمد محدث دہلوی، صاحب "احسن التفاسیر" نے لکھا۔

۳۔ "البحر الزخار لازہاق صاحب الانتصار" مولانا شھود الحسن عظیم آبادی نے لکھا۔

۴۔ "اختیار الحسن فی الرد علی انتصار الحق" مولانا احتشام الدین مراد آبادی کی تصنیف ہے۔

اس کے بعد جب بھی مقلدین نے اثبات تقلید پر کوئی کتاب لکھی تو علمائے اہلحدیث ان کا تعاقب کرتے اور علمی انداز میں اس کا رد کرتے، کیونکہ یہ ان کی ذمہ داری تھی۔

مولانا رشید احمد گنگوہی نے جب تقلید کو واجب ثابت کرنے کے لئے "سبیل الرشاد" نامی کتاب لکھی جسے اہل تقلید لاجواب سمجھنے لگے تو مولانا ابو یحیی محمد شاہجہاں پوری نے اس کے جواب میں "الارشاد الی سبیل الرشاد" لکھی۔

مولانا عزیز الدین اکبر آبادی نے "صیانۃ العباد عن تلبیسات سبیل الرشاد" لکھی۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے تقلید کو ثابت کرنے کے لئے "الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد" لکھا تو علمائے اہلحدیث کی

طرف سے اس کے چار جوابات لکھے گئے:

۱۔ ''الانتقاد فیما ورد فی الاقتصاد'' از مولانا عبد اللہ عرف نوازش محمدی۔

۲۔ ''ارشاد محمدی'' مولانا محمد صاحب جونا گڑھی۔

۳۔ ''تقلید شخصی وسلفی'' مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ۔

۴۔ ''اہلحدیث کے امتیازی مسائل'' از مولانا عبد اللہ صاحب روپڑی۔

مولانا ظہیر حسن شوق نیموی حنفی نے ''اُوشحۃ الجید'' نامی کتاب لکھ کر تقلید ثابت کرنے کی کوشش کی تو اہلحدیث علماء نے اس کا بھی جائزہ لیکر سارے دلائل کا پردہ چاک کیا، جیسا کہ مولانا ابوالمکارم صاحب مئوی نے ''الجواب السدید عما اورد ہ فی اُوشحۃ الجید'' میں کیا۔

مولانا لطف الرحمن حنفی نے وجوب تقلید کے موضوع پر ''التسدید'' نامی کتاب لکھی تو اس کے جواب میں حافظ مولانا عبد الرحمن بقا غازیپوری رحمہ اللہ نے ''تاسیس التوحید فی ابطال وجوب التقلید'' لکھا۔

اسی طرح جب بھی تقلید کو ثابت کرنے کے لئے کسی نے قلم اٹھایا تو اہلحدیث علماء نے اس کا جواب لکھا اور ان کے مزعومہ دلائل کا پول کھول کر رکھ دیا۔

امام صالح بن محمد بن نوح العمری الشہیر بالفلانی رحمہ اللہ (۱۱۶۶ھ-۱۲۱۸ھ) اور ان کی کتاب

''إيقاظ همم أولي الأبصار للاقتداء بسيد المهاجرين والأنصاروتحذيرهم عن الابتداع الشائع في القرى والأمصار من تقليد المذاهب مع الحميّة والعصبيّة بين فقهاء الأعصار''

اس کتاب کے مؤلف امام صالح الفلانی رحمہ اللہ ہیں، ابتداء میں مالکی مذہب کے مقلد تھے، مگر جب حدیث کا علم حاصل کیا اور تقلید کی حقیقت سامنے آئی تو مسلک اہلحدیث قبول کرلیا، پھر تادم حیات اسی صراط مستقیم پر قائم رہے، اسی کی دعوت اور نشر واشاعت میں ساری زندگی گزاردی، اور ان کے علوم وفنون اور تعلیم وتربیت سے دنیا کے سارے علاقہ کے لوگوں نے استفادہ کیا۔

علامہ الفلانی رحمہ اللہ کس ماحول میں تھے اور اس زمانہ میں ترک تقلید اور اتباع سنت اور اہلحدیث بننا کتنا مشکل تھا اس کا اندازہ ان کے بیان کردہ واقعہ سے کیا جاسکتا ہے:

علامہ الفلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں مغرب کے ایک کنارے سے لیکر دوسرے کنارے تک، اسی طرح سوڈان کے ایک

کنارے سے لیکر حرمین شریفین تک گھوم کر دیکھا تو پیش آمدہ مسائل میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے والے صرف تین شخص ملے، باقی سب کو میں نے دیکھا کہ صرف لوگوں کے قیاسات، اجتہادات اور آراء کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی پر تقلید وجمود کے ساتھ قائم رہتے ہیں، اور وہ تین عالم جو کہ ہر مسئلہ میں کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں، سارے عوام وخواص ان سے غایت درجہ کا حسد، بغض وعناد اور نفرت رکھتے ہیں، اور ان تینوں کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتے ہیں، اسی کو پڑھتے پڑھاتے ہیں، اور جب کوئی مسئلہ پوچھتا ہے تو کتاب وسنت ہی کی روشنی میں جواب دیتے ہیں، اقوال الرجال اور آراء وقیاس سے اجتناب کرتے ہیں اور لوگوں کو اسی کی دعوت دیتے ہیں"[1]۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام الفلانی نے جب کتاب لکھی اور ترک تقلید واتباع کتاب وسنت کا اعلان کیا تو اس وقت تقلید کا رواج کتنا زوروں پر تھا، اور اس موضوع پر کتاب لکھنا اور دعوت دینا کس قدر مشکل کام اور کتنا بڑا اجہاد تھا۔

سبب تالیف:

تقلید کا رواج تو اس وقت زوروں پر تھا ہی، مگر اس کے باوجود لوگوں میں اس طرز عمل سے بیزاری اور بیقراری بھی پائی جاتی تھی، لوگوں کو صراط مستقیم کی فکر اور جستجو تھی، اسی لئے بعض طالبین حق نے علامہ الفلانی رحمہ اللہ سے اس موضوع پر کتاب لکھنے کی اپیل کی اور امام الفلانی رحمہ اللہ نے یہ نہایت جامع ومانع اور مدلل کتاب تالیف فرمائی۔

یہاں یہ بات ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ جس وقت امام الفلانی رحمہ اللہ علاقہ حجاز وعرب میں اپنی تالیف وتصنیف، درس وتدریس اور زبان وقلم سے ترک تقلید اور اتباع کتاب وسنت کا علم اٹھائے ہوئے نہایت بے باکی سے دعوت دے رہے تھے اور "لایخافون لومۃ لائم" پر عمل پیرا تھے، اسی وقت ہمارے برصغیر (ہند وپاک) میں بھی علامہ محمد حیات سندھی کے شاگردان اور ان کے شاگردان کے شاگردان بھی اس تحریک کی علمبرداری کررہے تھے۔

خطہ یوپی میں علامہ ابو اسحاق لہراوی اعظم گڈھی شاگرد علامہ محمد فاخرزائر الہ آبادی اپنے علاقہ میں اپنے قلم وقرطاس، وعظ ونصیحت اور درس وتدریس کے ذریعہ اس فکر ونظریہ کی نشر واشاعت کررہے تھے۔

شاہ ولی اللہ اور علامہ محمد فاخرزائر الہ آبادی رحمہما اللہ کے شاگرد رشید بیہقی زمانہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۱۲۲۵ھ موافق ۱۸۱۰ء بھی برملا اسی کی دعوت اور آزادی فکر کو اپنی تصانیف وفتاووں کے ذریعہ لوگوں کی ذہن سازی کررہے تھے۔

علاقہ گجرات کے ضلع سورت میں مولانا خیر الدین سورتی ۱۲۰۶ھ موافق ۱۷۹۲ء جو ایک صوفی المشرب حنفی عالم تھے، جب

---

(۱) ایقاظ ہمم أولی الابصار،ص (92)۔

حجاز مدینہ طیبہ کی زیارت ہوئی اور وہاں علامہ محمد حیات سندھی سے حدیث پڑھی تو حدیث پر عمل کرنے لگے، اور وطن واپس آکر اپنے علاقہ میں تقریبا پچاس سال تک مسلسل یہ عظیم خدمت انجام دیتے رہے۔

علامہ سید حیدر علی دہلوی ثم ٹونکی ۱۸۵۶ء، جو کہ شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کے شاگرد تھے، ''صیانۃ الاناس عن وسوسۃ الخناس'' اور رسالہ ''اثبات رفع الیدین'' نامی اپنی کتابوں کے ذریعہ تقلید جامد کی بھرپور تردید کرتے رہے۔

مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ پر اعتراض اور تردید میں فضل حسن خیرآبادی صاحب جتنی کتابیں لکھتے تھے علامہ سید حیدر علی ان کے جواب دیتے تھے، اسی طرح جب متعصب ومقلد محبوب علی حنفی نے رفع الیدین کے خلاف کتاب لکھی تو اس کے جواب میں بھی علامہ سید حیدر علی نے قلم اٹھایا اور ''اثبات رفع الیدین'' نامی رسالہ لکھا۔

سرخیل طائفہ منصورہ العلامہ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ ۱۸۳۱ء کی تقلید کے خلاف دعوت وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کا زمانہ بھی تقریبا یہی ہے۔

علامہ مرزا حسن صغیر محدث لکھنوی رحمہ اللہ ۱۲۵۵ھ، یہ بھی شاہ عبدالعزیز ۱۲۳۹ھ، شاہ رفیع الدین ۱۲۳۳ھ، اور شاہ عبدالقادر ۱۲۳۰ھ کے جلیل القدر شاگرد ہیں، حنفی مسلک کے پابند اور مقلد تھے، مگر جب ان حضرات سے حدیث پڑھی تو حدیث پر عمل کرنے لگے، لوگوں نے مشہور کر دیا کہ یہ شافعی ہوگئے ہیں، لکھنو اور اس کے مضافات میں علم حدیث اور عمل بالحدیث کا رواج انہیں کی ذات سے ہوا[1]۔

ان حضرات کے علاوہ بھی ایک جم غفیر ہے جو اس زمانہ میں ترک تقلید اور اتباع سنت کی دعوت اور نشر واشاعت میں کوشاں تھے، کبھی انہوں نے تقلیدی مذاہب کے ساتھ مصالحت نہیں کی۔

امام الفلانی رحمہ اللہ کی اس کتاب ''إیقاظ همم أولي الأبصار'' نے بڑی مقبولیت حاصل کی، اور اس وقت سے لیکر آج تک لوگوں کے نزدیک ایک اہم مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اہل علم برابر اس سے استفادہ کرتے رہے اور کر رہے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے استفادہ کی تاکید کرتے رہے ہیں۔

محدث زمانہ امام محمد ناصر الدین الألبانی رحمہ اللہ اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں: ''هو كتاب فذ في بابه، يجب على كل محب للحق أن يدرسه دراسة تفهم وتدبر''[2]۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر (7/952)، وفقہائے ہند، جلد پنجم، ص (142-143)۔

(۲) صفۃ صلاۃ النبی ﷺ، للالبانی، (1/30)۔

مشہور اہلحدیث عالم وفاضل ابو یحیی محمد شاہجہاں پوری رحمہ اللہ نے بھی اپنی مشہور اور لاجواب کتاب ''الارشاد إلی سبیل الرشاد'' میں علامہ الفلانی کی اس کتاب کو بطور مصدر ومرجع استعمال کیا ہے۔

اس کتاب کو سب سے پہلے ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود رحمہ اللہ کی مساعی جمیلہ سے شیخ محمد منیر الازہری الدمشقی نے ۱۳۵۴ھ مطابق تقریبا ۱۹۲۶ء میں شائع کیا، پھر ۱۳۹۵ھ میں دارنشر الکتب الاسلامیہ پاکستان سے شائع ہوئی، اور ۱۳۹۷ھ میں الشیخ محمد سعید حسن کمال کی تعلیق کے ساتھ طائف سے شائع ہوئی۔

چند سال پہلے جب جاپان کے چند غیر مسلم نوجوان اسلام قبول کرنے کے لئے جاپان کے متعدد اسلامی مراکز میں حاضر ہوئے اور مسلمان بن گئے تو وہاں حنفی وشافعی کے مسائل کھڑے ہوگئے، برصغیر ہندو پاک کے مقیم احناف نے کہا کہ کلمہ پڑھنے کے ساتھ تم کو حنفی بننا ضروری ہے، کیونکہ سب سے اچھا مذہب حنفی مذہب ہے، بغیر حنفی بنے تمہارا اسلام قبول نہیں۔

اسی طرح جاپان میں انڈونیشیا کے مقیم مسلمانوں نے کہا کہ تم کو شافعی بننا پڑے گا، کیونکہ ہمارا مذہب مذہب شافعی سب سے اچھا مذہب ہے، اگر شافعی نہیں ہوگے تو تمہارا اسلام قبول نہیں ہوگا، جب مسلمان ہونے والے جاپانیوں کے سامنے یہ تقلید مذاہب کی مشکل آئی تو انھوں نے مکہ مکرمہ ایک خط لکھا کہ کیا ہمیں مسلمان ہونے کے ساتھ حنفی یا شافعی بننا بھی ضروری ہے؟ تو مکہ کے مشہور عالم دین الشیخ المعصومی رحمہ اللہ نے اس کا جواب لکھا اور اس رسالہ کا نام ''ھدیۃ السلطان إلی مسلمی بلاد الیابان'' رکھا، اور یہ ثابت کیا کہ حنفی، شافعی بننے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ: المعصومی صاحب نے اس رسالہ کی تیاری میں جو مواد جمع کیا ہے وہ تقریباً ''إیقاظ ھمم أولی الأبصار...'' کا اختصار ہے۔

اس کتاب کی اہمیت وافادیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے شیخ ابو اسامہ سلیم بن عید الہلالی نے اسے مختصر کیا اور اپنی تخریج وتعلیق کے ساتھ شائع کیا ہے، جو کہ تارک تقلید اور متبع کتاب وسنت کے لئے ایک بہترین تحفہ ہے۔

امام الفلانی رحمہ اللہ کی اس کتاب میں کچھ ایسے مباحث آگئے ہیں جن سے اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابیں عام طور پر خالی ہیں، اسی طرح اتباع سنت اور ترک تقلید کے موضوع پر جس قدر آثار واقوال امام الفلانی نے اپنی کتاب میں جمع کیا ہے کسی اور نے نہیں کیا ہے۔

اسی لئے اس کتاب کی اہمیت وافادیت اور وقت کے تقاضے اور ضرورت کے پیش نظر ہمارے نہایت متحرک وفعال اور زبان وقلم کے مالک، ترجمہ اور تصنیف وتالیف کے شہسوار عزیزم شیخ عنایت اللہ مدنی سلمہ اللہ تعالی نے کتاب کا اردو میں

سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کیا، اور بقدر ضرورت حواشی اور نوٹس بھی لگائے، جس پر وہ ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں، ہم سب کی دعائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے عمل کو قبول فرمائے اور اجر جزیل عطا کرے، آمین۔

صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی کے امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ اور اراکین جمعیت شیخ مقیم فیضی حفظہ اللہ اور دیگر حضرات بھی قابل شکر اور مبارکبادی کے مستحق ہیں جو ہر اٹھنے والے فتنوں، منہجی وفکری غلطیوں اور باطل افکار ونظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور اسلام کی حمایت اور منہج سلف پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے اور اس کا دفاع اپنا دینی فریضہ اور ذمہ داری سمجھتے ہیں، کبھی کانفرنس اور سمینار کے ذریعہ، اور کبھی اجلاس عام اور درس وتدریس کے ذریعہ، اور کبھی رسائل وکتب شائع کرکے۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

جب اہلحدیثوں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھتی ہوئی نظر آئی تو مقلدین میں بڑی تشویش اور ہلچل مچ گئی، اس لئے تحفظ حنفیت اور تقلید کے لئے مقلدین نے ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالمی پیمانے پر "تحفظ سنت کانفرنس" (جو کہ تحفظ تقلید وحنفیت ہے) کے عنوان سے ۱۴۲۲ھ موافق ۲۰۰۱ء میں جگہ جگہ اجلاس عام اور کانفرنسیں کرا کر اہلحدیثوں کے خلاف تحریک چلائی، جن اجلاس عام اور کانفرنسوں میں حدیث میں شکوک وشبہات پیدا کرنے، اہلحدیثوں کی تکفیر وتضلیل، اور اتہامات وبہتان تراشیوں کا سلسلہ شروع کیا جو آج بھی جاری ہے، اور اس سلسلہ میں متعدد کتب ورسائل بھی شائع کیے گئے جن میں لوگوں کو مسلک اہلحدیث سے بدگمان کرنے کے لئے نہایت حیاسوز انداز اختیار کیا گیا، امانت داری اور حق بیانی کو ذبح کیا گیا، تحقیق کے بجائے تحریف اور کتمان حق سے ایسا کام لیا گیا کہ یہود ونصاریٰ سے بھی آگے نکل گئے۔

اس وقت بھی اہلحدیث علماء نے نہایت سنجیدگی اور علمی انداز میں اپنی تحریر وتقاریر کے ذریعہ ان کا محاسبہ کیا اور ترکی بترکی جواب دیا، جن لوگوں نے شخصی طور پر سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا وہ ہمارے استاذ محترم علامہ رئیس الاحرار ندوی رحمہ اللہ ہیں جن کی اس سلسلہ کی ساری تالیفات آج مطبوع اور موجود ہیں۔ اور جماعتی اعتبار سے سب سے زیادہ صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی نے کیا جس کی قیادت محترم شیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ فرما رہے ہیں۔

احکام ومسائل کے علاوہ بھی جب کبھی جمعیت اہلحدیث، منہج سلف اور کتاب وسنت کے خلاف کوئی آواز اٹھی، یا کوئی تحریر سامنے آئی تو صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی نے فوراً اس کا مدلل رد کیا ہے، اور اس سلسلہ کی کئی کتابیں بھی صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں، جیسے: علماء کے حقوق، تاریخ اہلحدیث، مسئلہ تکفیر، تقلید کا حکم قرآن وسنت کی روشنی میں، الارشاد الی سبیل الرشاد فی مسئلۃ التقلید والاجتہاد، خوارج کا فتنہ، یہ ساری کتابیں اسی سلسلہ کی ہیں۔

اسی سلسلہ کی صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی کی یہ نئی پیشکش علامہ الفلانی رحمہ اللہ کی کتاب ''ایقاظ ھمم أولی الأبصار'' کا ترجمہ بھی ہے، ہم اللہ تعالی سے دعا گو ہیں کہ اس کتاب کے مصنف، محقق، مترجم، اس کو شائع کرنے والے اور اس کو پڑھنے والے سب کو اجر جزیل عطا کرے، اور کفر و شرک اور بدعات میں مبتلا لوگوں کے لئے مشعل راہ اور ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔

مقامی اور علاقائی اعتبار سے مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ، سونس، تعلقہ کھیڑ، ضلع رتنا گیری، کوکن کے ذمہ دار فاضل مولانا عبدالواحد انور یوسفی حفظہ اللہ اور محترم مقصود علاؤ الدین سین سلمہ اللہ وغیرہم بھی پوری جمعیت اہلحدیث کی طرف سے قابل شکر اور مبارکبادی کے مستحق ہیں جو کہ جمعیت اہلحدیث اور دعوت کتاب و سنت کے خلاف ہر فتنہ کا جواب دینے کے لئے ہر وقت کمربستہ رہے، اور اس سلسلہ میں اب تک کئی رسائل و کتب شائع کر چکے ہیں، اور مناسب وقتوں پر کانفرنسیں، اجلاس عام اور دورات علمیہ وغیرہ کا بھی اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

وکتبہ

ظفر الحسن مدنی

۱۳/ رمضان/ ۱۴۳۹ھ

الشارقہ، متحدہ عرب امارات

عرض مترجم

قرآن وسنت کے نصوص کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رب ذوالجلال نے اپنے بندوں پر حجت قائم کرنے کے لئے انبیاء ورسل علیہم السلام کا زریں سلسلہ قائم کیا، ان پر کتابیں، صحیفے، آیات بینات نازل کیں اور وقتاً فوقتاً ان پر ظاہر و باہر معجزات کا اظہار فرمایا، اور اس کے ساتھ ساتھ وحی الٰہی سے مربوط ان رسولوں کو واجب الاتباع اور ان کے ارشادات وفرمودات اور ہدایات وتعلیمات کو واجب الاطاعت قرار دیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذۡنِ ٱللَّهِۚ﴾ [النساء:٦٤]۔

ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿لَقَدۡ أَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِٱلۡبَيِّنَٰتِ وَأَنزَلۡنَا مَعَهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡمِيزَانَ لِيَقُومَ ٱلنَّاسُ بِٱلۡقِسۡطِۖ﴾ [الحدید:٢٥]۔

یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔

اسی طرح قیام حجت کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةُۢ بَعۡدَ ٱلرُّسُلِۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ١٦٥﴾ [النساء:١٦٥]۔

ہم نے انہیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے، اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے۔

ان جیسے نصوص سے یہ پہلو نہایت روشن اور آشکارا ہو جاتا ہے کہ قیام حجت کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے یہاں اس کے مبعوث کردہ انبیاء ورسل، نازل کردہ کتابیں اور صحیفے اور ان کی روشنی میں ان کے انذاری وتبشیری اوامر

ونواہی اور فرمودات وممنوعات ہیں اور یہی سراپا اللہ کا دین وشریعت ہے جس کی پیروی کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگان کو مکلف ٹھہرایا ہے۔

اسی سلسلہ کو دراز کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے امت محمدیہ پر اپنی اطاعت کے ساتھ مطلق طور پر صرف رسول گرامی محمد ﷺ کی اطاعت کو واجب قرار دیا، چنانچہ نصوص قرآنی میں جا بجا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا، اور یہی نہیں بلکہ رسول ﷺ کی اطاعت کو عین اطاعت الٰہی قرار دیا گیا۔

ساتھ ہی افراد امت کو اس بات کی تعلیم وتربیت دی گئی کہ اللہ کے دین وشریعت کی بابت کسی بات کو از روئے حکم شرعی تسلیم و باور کرنے یا کرانے کے لئے حجت و دلیل مطلوب ہے جو محض حکم الٰہی یا حکم رسول ﷺ ہے، اور اس سلسلہ میں صرف امت نہیں بلکہ انسانیت کے کسی بھی فرد بشر کی رائے، قیاس، سوچ، نظریہ، خواہش نفس، لا جک یا عقل و دانش یا کسی اور آسمانی حکم و پیغام کا بھی کوئی اعتبار نہیں خواہ کوئی ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، قدیم ہو یا جدید یا علم وتقویٰ اور امامت وقیادت کے کسی اعلیٰ ترین منصب پر ہی فائز ہو حتیٰ کی کوئی منصب نبوت ورسالت پر فائز نبی مرسل موسیٰ علیہ السلام جیسا ناموس کلیمی لیکر یا خانوادہ نبوت کے چشم و چراغ نصف حسن و جمال سے سرفراز یوسف بن یعقوب علیہما السلام یا اسی طرح مسیح ہدایت عیسیٰ علیہ السلام بھی کیوں نہ اتر کر آجائیں بہر کیف وہ بھی پابند حکم رسول ہوں گے اور نبی رحمت ﷺ کا فرمان چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے والا گمراہ ہوگا!!

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ۝﴾ [الأحزاب:٣٦]۔

اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝﴾ [الأعراف:٣]۔

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں

کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

علامہ البانی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ما معنى قوله تعالى: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾ أي: لا تتخذوا أشخاصاً تتبعونهم كما لو كان أنزل عليهم من السماء، أي: كما تتبعون رسول الله ﷺ''[1]۔

فرمان باری: (اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو) کا معنیٰ کیا ہے؟ معنیٰ یہ ہے کہ کچھ ایسے لوگوں کو نہ بناؤ جن کی تم ایسی اتباع کرنے لگو جیسے اس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہو یعنی جیسے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہو۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ عُمَرَ أَتَاهُ فَقَالَ: إِنَّا نَسْمَعُ أَحَادِيثَ مِنَ الْيَهُودِ تُعْجِبُنَا أَفَتَرَى أَنْ نَكْتُبَ بَعْضَهَا؟ فَقَالَ: **''أَمُتَهَوِّكُونَ أَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى؟ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، وَلَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي''**[2]۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: ہم یہودیوں کی کچھ باتیں سنتے ہیں، جو ہمیں اچھی لگتی ہیں، آپ کا کیا خیال ہے، ہم اس میں سے کچھ باتیں لکھ لیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم لوگ بھی حیران و پریشان ہو جیسے یہود و نصاریٰ حیران ہیں؟ یقیناً میں تمہارے پاس نہایت روشن اور ستھری شریعت لے کر آیا ہوں، اور اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

علامہ البانی رحمہ اللہ اس حدیث کی نہایت علمی اور دقیق تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فإذا كان موسى ﷺ وهو الذي كلمه الله تكليماً وأنزل عليه التوراة، مع ذلك لو كان في زمن الرسول ﷺ ما وسعه إلا اتباعه، فكيف يكون حال من ليس من الأنبياء والرسل، فلابد أن يكون هذا أوجب وأوجب أن يتبع الرسول ﷺ، وما معنى أن يتبع الرسول؟ كمعنى يعبد الله، ما معنى يعبد الله؟ أي: لا يعبد غيره، يعبد الله وحده لا شريك له، وما معنى أن يتبع

(۱) دیکھئے: موسوعۃ الألبانی فی العقیدۃ (۲/۹۱)۔

(۲) یہ حدیث حسن ہے، دیکھئے: إرواء الغلیل، (حدیث ۱۵۸۹)، وسلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، (حدیث ۳۲۰۷)، ومشکاۃ المصابیح (حدیث ۱۷۷)۔

الرسول؟ أي: يتبعه وحده لا يتخذ معه متبوعاً غيره[1]۔

بھلا جب موسیٰ علیہ السلام جنہیں اللہ سے ہمکلامی کا شرف ملا ہے اور اللہ نے ان پر تورات نازل فرمائی ہے، اگر وہ بھی رسول ﷺ کے زمانہ میں ہوتے تو انہیں بھی آپ ﷺ کی اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا، توان کا کیا حال ہوگا جو انبیاء ورسول میں سے نہیں ہیں! لہٰذا اس سے رسول اللہ ﷺ کی اتباع خوب خوب واجب قرار پاتی ہے، اور رسول ﷺ کی اتباع کا کیا معنیٰ ہے؟ ویسے ہی جیسے اللہ کی عبادت کا معنیٰ! اور اللہ کی عبادت کا کیا معنیٰ ہے؟ یعنی اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرے گا، اس کی علاوہ کسی کی عبادت نہ کرے گا! تو رسول ﷺ کی اتباع کا کیا معنیٰ ہے؟ یعنی صرف تنہا رسول ﷺ کی اتباع کرے گا، آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے علاوہ کسی کو قابلِ اتباع نہیں بنائے گا!!

غور کریں کہ بحیثیت متبَع ومطاع دنیا میں صرف محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے، آپ ﷺ کے علاوہ کسی کی اتباع کرنا ضلالت وگمرہی ہے، چنانچہ دوسری روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

''وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَصْبَحَ فِيكُمْ مُوسَى ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوهُ، وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ، إِنَّكُمْ حَظِّي مِنَ الْأُمَمِ، وَأَنَا حَظُّكُمْ مِنَ النَّبِيِّينَ''[2]۔

اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تمہارے درمیان موسیٰ علیہ السلام آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر اُن کی اتباع کرلو تو تم یقیناً گمراہ ہوجاؤ گے، یقیناً تمام امتوں میں تم میرا حصہ ہو اور تمام نبیوں میں میں تمہارا حصہ ہوں۔

خلاصہ کلام اینکہ دنیائے انسانیت پر اللہ عزوجل کے بعد صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کی اطاعت واتباع ضروری ہے، آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو قابل اطاعت واتباع سمجھنا یا قرار دینا باعث ضلالت وگمراہی ہے، یہی وجہ ہے امت کو کتاب وسنت کے نصوص میں دلیل وحجت کی جستجو اور اس پر عمل آوری کی ترغیب اور اس کی مدح وستائش کی گئی ہے اور اس کے برخلاف دلیل وبرہان کے بالمقابل کسی کی رائے، قیاس، ہوائے نفس، نظریہ، لاجک یا دانشوری وغیرہ اور اس کے پرستاروں کی مذمت کی گئی ہے۔

(۱) دیکھئے: موسوعۃ الألبانی فی العقیدۃ (۲/ ۸۹)۔

(۲) دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۷/ ۶۲۸، حدیث ۳۲۰۷)۔

چنانچہ اس کی ایک نمایاں دلیل یہ ہے کہ بحث وتکرار اور حوار و مناقشہ میں اپنا مدعا ثابت کرنے کی بابت دلیل وحجت کی اہمیت کے پیش نظر خود قرآن کریم میں پانچ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے، وہ الفاظ یہ ہیں: حجت، دلیل، برہان، سلطان اور بیان۔ ان میں سب سے کثیر الاستعمال لفظ ''سلطان'' ہے، جبکہ سب سے کم استعمال ہونے والا لفظ ''دلیل'' ہے، جو صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔حجت: حجت کے معنیٰ دلیل و برہان کے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ ءَاتَيْنَٰهَآ إِبْرَٰهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِۦ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَٰتٍ مَّن نَّشَآءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾﴾ [الأنعام: ۸۳]۔

اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں دی تھی ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ يُحَآجُّونَ فِى ٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ مَا ٱسْتُجِيبَ لَهُۥ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٦﴾﴾ [الشوریٰ: ۱۶]۔

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں جھگڑا ڈالتے ہیں اس کے بعد کہ (مخلوق) اسے مان چکی ان کی کٹ حجتی اللہ کے نزدیک باطل ہے، اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

۲۔دلیل: دلیل کے معنیٰ ثبوت اور رہنمائی کرنے والے کے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ ٱلظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهُۥ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا ٱلشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿٤٥﴾﴾ [الفرقان: ۴۵]۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے سائے کو کس طرح پھیلا دیا ہے؟ اگر چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا ہی کر دیتا۔ پھر ہم نے آفتاب کو اس پر دلیل بنایا۔

۳۔برہان: برہان کے معنیٰ واضح فیصلہ کن دلیل کے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَدْعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ لَا بُرْهَٰنَ لَهُۥ بِهِۦ فَإِنَّمَا حِسَابُهُۥ عِندَ رَبِّهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُفْلِحُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿١١٧﴾﴾ [المومنون: ۱۱۷]۔

جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔ بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴾[البقرة:۱۱۱]۔

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود ونصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا، یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں، ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔

۴۔ سلطان: سلطان کے معنیٰ دلیل وحجت کے ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴾[النجم:۲۳]۔

دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ان کے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ لوگ تو صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور یقیناً ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ﴾[یوسف:۴۰]۔

اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

اور سلطان: حاکم کو بھی کہتے ہیں کیونکہ حاکم روئے زمین پر اللہ کی حجت ہوتا ہے۔

۵۔ بیان، بینہ: کے معنیٰ ہیں جس کے ذریعہ کسی چیز کی وضاحت کی جائے، ارشاد باری ہے:

﴿هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴾[آل عمران:۱۳۸]۔

عام لوگوں کے لئے تو یہ (قرآن) بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ونصیحت ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِۦ كَمَن زُيِّنَ لَهُۥ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ وَٱتَّبَعُوٓاْ أَهْوَآءَهُم ١٤﴾ [محمد:۱۴]۔

کیا پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہو اس شخص جیسا ہوسکتا ہے؟ جس کے لئے اس کا برا کام مزین کردیا گیا ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا پیرو ہو؟

ان نصوص سے دلیل وحجت، سلطان وبیان اور برہان کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس کے برخلاف متعدد دلائل میں رائے، بے علم ودلیل اور ہوائے نفس کی بنا پر کوئی بات کہنے سے منع کیا گیا ہے اور اسے شریعت پر زیادتی قرار دیا گیا ہے' کہ دین اسلام اللہ کی وحی اور آسمانی خبر کا نام ہے' جس کا علم اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول گرامی کے سوال کے جواب میں اکثر وبیشتر کہتے تھے: ''اللہ ورسولہ أعلم'' کیونکہ شریعت قیاس ورائے اور دانشوری کا نام نہیں ہے، بلکہ وحی الٰہی ہے، اسی طرح آپس میں کسی بھی دینی مسئلہ کی بابت گفتگو کرنے والے سے حجت ودلیل کا مطالبہ کرتے تھے' حتیٰ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بے دلیل بات کہنے والے پر دُرّہ کی ضرب لگاتے تھے۔

زیر نظر کتاب دراصل نصوص کتاب وسنت' اسوۂ خیر القرون، اور منہج سلف صالحین بالخصوص ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے فرمودات کی روشنی میں عالم اسلام کو دعوتِ اتباعِ سنت اور بدعتِ تقلید وجمود سے تنبیہ پر تیرہویں صدی ہجری کے جہاں دیدہ امام علامہ صالح فلانی رحمہ اللہ [1] کی ایک مخلصانہ دردمندانہ اور فکر انگیز نمائندہ تحریر ''**إيقَاظُ هِمَمِ أُولِي الأَبْصَارِ لِلاقتِدَاءِ بِسَيِّدِ المُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ وَتحذِيرِهِم عَنِ الابتِدَاعِ الشَّائِعِ فِي القُرَى وَالأَمصَارِ مِن تَقْلِيدِ المَذَاهِبِ مَعَ الحَمِيَّةِ وَالعَصَبِيَّةِ بَينَ فُقَهَاءِ الأَعْصَارِ**'' (مہاجرین

---

(۱) حلیۃ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر کے مولف علامہ فلانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فهو عالم المدينة النبوية، وفاضل البقعة الحجازية، وعمدة الأفراد الأعيان، ونخبة الذين يشار إليه بالبنان، الجامع بين العلم والعمل، والنائل من الفضائل فوق ما يتعلق به الأمل''۔

وہ مدینہ طیبہ کے عالم، سرزمین حجاز کے فاضل، چنندہ افراد کے معتمد اور یگانہ روزگار ہستیوں میں سے تھے جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا تھا، علم وعمل کا سنگم، نیز آرزوؤں کے حدود سے بالاتر فضائل سے سرفراز مند تھے۔ [دیکھئے: حلیۃ البشر، از علامہ عبد الرزاق بن حسن البیطار المیدانی ص(۷۲۲)]۔

وانصار کے پیشوا (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کرنے اور مختلف ادوار کے فقہاء کے مابین حمیت وعصبیت کے ساتھ شہروں بستیوں میں پھیلی ہوئی تقلید مذاہب کی بدعت سے متنبہ اور چوکنا کرنے کے لئے عقلمندوں کی ہمتوں کو بیدار کرنا) کا اردو ترجمہ ہے، جس کا مختصر نام "**اتباع سنت یا تقلید مذاہب- ایک لمحہ فکریہ**" ہے۔

جس میں مولف رحمہ اللہ نے بڑی عرق ریزی وجگر سوزی کے ساتھ مذکورہ طویل عنوان کے تحت کتاب وسنت کے نصوص کی روشنی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا وجوب، نصوص کے بالمقابل رائے وقیاس کی مذمت اور اس کے مفاسد کے بارے میں سلف صالحین صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کرام کے اقوال وفرمودات، علم وفقہ کی تعریف، اس کی حقیقت اور اس کے اصول، رائے وقیاس کے علم نہ ہونے پر اجماع، حدیث کی آحاد اور متواتر دونوں قسموں کی حجیت، اہل کلام کے یہاں علم کی تعریف، عالم، فقیہ اور مفتی کہلانے کا سچا حقدار کون؟ امعہ اور عامی کی تفسیر نیز عوام کے لئے فتویٰ دہی کی حرمت، تقلید اور اتباع کی وضاحت اور تقلید کے نقصانات کی بابت اہل علم کی تصریحات، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت اور اس کی وضاحت وبیانِ قرآنی کی قسمیں، تقلید کی مذمت اور اتباع سنت کی بابت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردان کے فرمودات، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم کرنے کا بیان، اسی طرح تقلید کی مذمت اور اتباع سنت کی بابت امام دار الہجرہ مالک بن انس رحمہ اللہ اور ان کے پیروکاروں کے اقوال، مفتی کی صفات اور مطلوبہ خوبیاں، حجت بازی کی قوت کے ذریعہ مذاہب کے تعصب کا عدم جواز، تقلید کی مذمت اور اتباع سنت کی بابت امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے شاگردان کے اقوال، نیز تقلید کی مذمت اور کتاب وسنت پر عمل کی ترغیب سے متعلق ناصر سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ان کے شاگردان کے اقوال، امام احمد رحمہ اللہ کے اصولِ فتاویٰ، تقلید مذموم اور اس کی قسمیں، اور پھر خاتمہ میں مقلدین کے شبہات کی بیخ کنی اور متبعین سنت کے خلاف مقلدین کے شبہات کا جواب، مقلد اور صاحب دلیل کے مابین مجلس مناظرہ، بعض سنتوں کو اپنانے اور بعض کو چھوڑ دینے کی بابت مقلدین کے تخبط کی چند مثالیں، آثار سلف اور فتاویٰ صحابہ کے ذریعہ فتویٰ دینے کا جواز اور فتویٰ سے متعلق چند فوائد وغیرہ اہم موضوعات پر بحمد اللہ مدلل اور سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے، فجزاہ اللہ عن المسلمین خیراً۔

کتاب اپنی جامعیت اور موضوع کے گوشوں کا احاطہ کرنے کے سبب اپنے موضوع پر شاہکار اور مرجع کتاب ہے، اس کی اہمیت کے لئے اتنا کافی ہے کہ عالم اسلام کے امام، علامہ، محدث، فقیہ ومجتہد اور دنیا والوں کو اتباع

سنت کے خالص منہج کی فکر دینے والی یگانہ روزگار شخصیت محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی ستائش فرمائی ہے اور متلاشیٔ حق کو پوری گیرائی سے پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ''هُوَ كِتَابٌ فَذٌّ فِي بَابِهِ، يَجِبُ عَلَى كُلِّ مُحِبٍّ لِلحَقِّ أَن يَدرُسَهُ دِرَاسَةَ تَفَهُّمٍ وَتَدَبُّرٍ''[1] (یہ اپنے موضوع کی انوکھی کتاب ہے، ہر محب حق کو اسے خوب سمجھ کر اور غور وتدبر سے پڑھنا چاہئے)۔

نیز یہ کتاب فی الغالب اپنے بعد میں لکھی گئی کتابوں کا مرجع ہے، اہل علم ہر دور میں اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں اور اپنی کتابوں اس کے اقتباسات لیتے رہے ہیں یا اس کی طرف احالہ کرتے رہے ہیں، اسی طرح بعض اہل علم نے اپنے علمی دروس میں اس کتاب کی شرح کی ہے[2]۔

کتاب کی مذکورہ اہمیت وافادیت اور موجودہ دور میں منہج اتباع سنت کی دعوت اور امت کو تقلید وجمود اور مسلکی عصبیتوں کی لعنت سے آزاد کرنے کی شدید ضرورت' نیز منہج سلف کی خدمت کے جذبہ کے پیش نظر اس کتاب کے ترجمہ کا داعیہ پیدا ہوا، اور اللہ کی توفیق خاص سے کتاب ترجمہ اور حسب ضرورت بعض تعلیقات اور توضیحی نوٹ کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچی اور آپ قدردانوں کے ہاتھوں میں ہے۔

واضح رہے کہ ترجمہ میں ہمارے سامنے کتاب کا جو نسخہ رہا ہے وہ دار الفتح، شارقہ، متحدہ عرب امارات کا پہلا ایڈیشن ہے' جو وزارۃ الاعلام والثقافۃ کی منظوری سے سنہ ۱۹۹۷ء مطابق ۱۴۱۸ھ میں شیخ ابو عماد مراد بن حافظ السخاوی (ممبر مجلس تحقیق علمی، دار الفتح شارقہ) کی تحقیق، تخریج اور تعلیق سے شائع ہوا ہے، تلاش بسیار کے باوجود کتاب کا اس کے علاوہ کوئی اور ایڈیشن دستیاب نہ ہوسکا، ۱۴۳۸ھ میں سفر حج کے دوران حرم نبوی کی لائبریری میں تلاش کی گئی تو وہاں بھی یہی نسخہ ملا[3] البتہ اس سے بھی قدیم ایک اور نسخہ دستیاب ہوا جو دار نشر الکتب الاسلامیہ، گوجرانوالہ پاکستان سے ۱۳۹۵ھ-۱۹۷۵ء میں شائع ہوا ہے، اسی طرح کتاب کے اس سے پیشتر کسی ترجمہ کا بھی علم نہ ہو کا، جس کی بابت کچھ وضاحت کی جاسکے۔

---

(۱) دیکھئے: أصل صفۃ صلاۃ النبی ﷺ، از علامہ البانی رحمہ اللہ (۱/ ۳۰)، مکتبۃ المعارف، الریاض، پہلا ایڈیشن ۱۴۲۷ھ-۲۰۰۶ء۔

(۲) مثال کے طور پر علامہ ابن باز علامہ ابن عثیمین، علامہ عفیفی اور شیخ صالح فوزان وغیرہ کے شاگرد شیخ ہشام بن فواد البیلی مصری حفظہ اللہ نے کئی سال تک مسلسل دروس میں اس کتاب کی شرح فرمائی ہے جیسا کہ ان کی شخصی ویب سائٹ (www.elbeilaly.com) پر دستیاب ہے۔

(۳) یہ کتاب مکتبۃ المسجد النبوی میں الماری نمبر (۱۸۲) (۲۱۶.۱/ ف ل ۱) کتاب نمبر (۳۶۹۲۴) کے تحت موجود ہے۔

کتاب کے ترجمہ میں حسب معمول کوشش یہ رہی ہے کہ الفاظ وتعبیرات سے آزاد ہوئے بغیر زبان سلیس اور رواں رہے اور مولف کے مقصود کی کما حقہ ترجمانی ہو سکے، لیکن چونکہ خطائیں لغزشیں بشریت کا لازمہ ہیں، اس سے کسی کو مفر نہیں، اس لئے میں اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق، غلطیوں لغزشوں سے معافی اور نفس وشیطان کے شر سے پناہ کا خواستگار ہوں، نیز احباب اور بہی خواہوں کے مخلصانہ مشوروں کا منتظر بھی، علامہ حریری نے کہا تھا:

وَإِن تَجِدْ عَيبًا فَسُدَّ الخَلَلَا　　فَجَلَّ مَنْ لَا عَيبَ فِيهِ وَعَلَا

اگر آپ کو کوئی عیب ملے تو خلل کی تلافی کر دینا، کیونکہ اللہ بزرگ وبرتر ہی کی ذات ہے جو بے عیب ہے۔

ساتھ ہی اللہ ذوالکرم سے پر امید ہوں کہ ان شاء اللہ کتاب اردو داں طبقہ کے حق میں مفید ثابت ہوگی، اللہ کرے کہ امت کے افراد بالخصوص علماء اور طالبان علم اس کتاب سے کما حقہ استفادہ کریں، اور اہل اسلام میں داخلی اختلاف و انتشار اور فرقہ واریت کے سب سے بنیادی سبب تقلید وتعصب، جمود وتعطل، رائے وقیاس کا چلن بلکہ کتاب وسنت کے نصوص پر اس کی ترجیح وبالادستی' ائمہ پرستی، تقلیدی جتھابندی' دلائل وبراہین سے عاری اقوال واقتباسات کو دین وشریعت کا درجہ دینے وغیرہ کے فساد اور امت پر مرتب ہونے والے اس کے انجام بد کا صحیح اندازہ لگائیں، اور پھر اس سے نکل کر کتاب وسنت اور سلف صالحین کے شفاف منہج کی حقانیت کو گلے لگائیں، آمین۔

میں اس کتاب کی اشاعت پر اللہ عزوجل کی حمد وشکر کے بعد اپنے اہل خانہ بالخصوص مشفق والدین کا بے انتہا شکر گزار ہوں' جن کی انتھک تعلیمی وتربیتی کوششوں سے دین کا علم اور اس کی خدمت کا یہ شرف حاصل ہوا، فجزاہم اللہ خیراً بعدہ خالص مسلک کتاب وسنت اور منہج سلف کی علمبردار صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی بالخصوص اس کے امیر محترم فضیلۃ الشیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ کا تہ دل سے ممنون ہوں، جن کی عقدی ومنہجی غیرت، علمی ودعوتی حمیت، جماعتی فکرولگن، پیہم جدوجہد اور حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں حسب معمول اس عظیم الشان کتاب کی اشاعت عمل میں آئی، اور بطور تحدیث نعمت مجھے اس حقیقت وسچائی کے حسن اعتراف میں ادنیٰ باک نہیں کہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی تمام تر سرگرمیاں' بالخصوص شعبہ نشرواشاعت سے شائع ہونے والی علمی، عقدی، منہجی، دعوتی اور اصلاحی نگارشات ومطبوعات کا جو مبارک سلسلہ قائم ہے وہ اللہ ذوالکرم کی توفیق ارزانی کے بعد امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ وتولاہ کے اعتناء خاص کی مرہون منت ہے، میں امیر محترم کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ رب کریم ملت وجماعت کے حق میں آپ کی ان مخلصانہ کاوشوں کو قبول فرمائے' انہیں آپ کے میزان حسنات کا حصہ

بنائے اور اس پر دنیا وعقبیٰ میں آپ کو اجر عظیم سے نوازے، آمین۔

اسی طرح اس موقع پر میں عالم اسلام کی دو معتبر، مستند اور مرجعی علمی، منہجی و دعوتی شخصیات کا بھی تہ دل سے سپاس گزار ہوں، ان میں سے پہلی شخصیت مشفق و مربی فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس مدنی حفظہ اللہ کی ہے جو عرصہ دراز سے المسجد الحرام کے مدرس و مفتی اور عالم اسلام کی مایہ ناز اسلامی یونیورسٹی ام القریٰ مکہ مکرمہ کے استاذ و پروفیسر ہیں، اور الحمدللہ اس مرکز توحید وسنت میں بیٹھ کر پوری دنیا کے لوگوں کو اپنے علم سے فیض پہنچا رہے ہیں، چنانچہ عرب وعجم کے ہزاروں لاکھوں علماء طلبہ اور عوام آپ کے شاگردان ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت بخشے اور آپ سے امت کو تادیر کسب فیض کرنے کی توفیق دے، آمین۔

اسی طرح دوسری شخصیت منہج سلف ومسلک اہل حدیث کے غیور اور بیباک شہرہ آفاق داعی، بیباک خطیب، مشفق و مربی فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ (شارجہ) کی ہے جو دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں توحید وسنت اور منہج سلف کی ضیاباری کرنوں سے ہزاروں لاکھوں لوگوں کے دلوں کو منور کر رہے ہیں، دعا گو ہوں کہ بار الہ آپ کو صحت وعافیت بخشے اور تادیر امت کو آپ کے علم سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

میں اپنے ان مربیان کا صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں جنہوں نے اپنی گوناگوں مشغولیات اور عدیم الفرصتی کے باوجود ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کتاب پر گرانقدر تقریظ تحریر فرمائی اور قیمتی باتوں سے نوازا، جس سے کتاب کی معنویت میں چار چاند لگ گئے اور اس کا حسن دو بالا ہوگیا، فجزاہما اللہ خیراً وتقبل جھودھما ومساعیھما، آمین۔

اخیر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہر خاص و عام کے لئے یکساں مفید بنائے اور اراکین صوبائی جمعیت بالخصوص اس کے امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ اور دیگر محسنین کو اجر جزیل سے نوازے، نیز اس کے مولف، محقق، مترجم، مقدم، مقرظین اور ناشر کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

۲۲/شعبان ۱۴۳۹ھ-۹/مئی ۲۰۱۸ء

ممبرا ممبئی

اخوکم فی اللہ
ابوعبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی
(شعبہ نشر واشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)
(inayatullahmadani@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ محقق

(ابوعماد مراد بن حافظ السخاوی ۔ممبر مجلس تحقیق علمی، دار الفتح شارقہ، متحدہ عرب امارات)

إنَّ الحمدَ للهِ نحمدُهُ، ونستعينُهُ ونستغفرُهُ، ونعوذُ باللهِ مِن شرورِ أنفسِنا ومِن سيِّئاتِ أعمالِنا، مَن يَهْدِهِ اللهُ فلا مُضِلَّ له، ومَن يُضلِلِ فلا هاديَ له. وأشهدُ أنْ لا إلهَ ألاّ اللهُ وحدهُ لا شريكَ له. وأشهدُ أنَّ محمدًا عبدُهُ ورسولُه.

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾﴾ [آل عمران: ۱۰۲]۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہئے اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾﴾ [النساء:۱]۔

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کرکے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَقُولُوا۟ قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَـٰلَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾﴾ [الاحزاب:۷۰-۷۱]۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ معاف فرمادے۔ اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا اس نے بڑی مراد پالی۔

حمد و صلاۃ کے بعد:

یقیناً سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور بدترین امور نئی ایجاد کردہ باتیں ہیں، اور ہر نو ایجاد بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

بلاشبہ امت کی قوت و شوکت کو کھوکھلا کرنے والی کچھ آفتیں اور بیماریاں ایسی ہیں جن کے اثرات نمایاں ہیں، جبکہ کچھ آفتیں امت کی گہرائی اور جڑوں میں پیوست ہوگئی ہیں، اور اندر سے میل کچیل، آلائش، اور گندے خون اور بدبودار پیپ باہر نکال رہی ہیں، جو امت کے جسم پر فرقہ واریت اور گروہ بندی کی شکل میں نمایاں اور اس کے رخ زیبا پر پژمردگی اور مرجھاؤ کے عیب کی شکل میں عیاں ہے۔ اور امت کے دعاۃ و مصلحین ان آفتوں، بلاؤں کے علاج میں کتنی ہی قابل قدر کوششیں اور قابل اجر و ثواب جد و جہد صرف کر ڈالیں ان کی کوششیں بارآور اور نتیجہ خیز نہیں ہوسکتیں تا آنکہ ان بیماریوں اور آفتوں کو جڑ سے ناپید اور تہس نہس کر دیا جائے۔

جن آفتوں اور بیماریوں کے سبب تفرقہ بازی اور گروہ بندی کی بلا عام ہوئی ہے وہ "تقلید اور مسلکی تعصب" ہے، چنانچہ اس تقلید اور مذہبی عصبیت کی بنا پر امت متعدد فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ گئی ہے ہر فرقہ اور ٹولی کا ایک نام ہے، جس کے ناحق دفاع میں وہ جان کی بازی لگائے ہوئے ہے، کوئی حنفی ہے، کوئی مالکی ہے، کوئی شافعی ہے، کوئی حنبلی ہے، تو کوئی ظاہری ہے، کوئی صوفی ہے، کوئی اشعری ہے، کوئی معتزلی ہے، کوئی شیعہ ہے... الخ۔

جبکہ ایک بابصیرت اور صاحب نظر شخص بخوبی جانتا ہے کہ اس کا بنیادی سبب جمود و تقلید، وحی الٰہی سے انحراف، سیرت مصطفیٰ ﷺ سے دوری، اور لوگوں کے آراء اور لیڈران کے اقوال و فرمودات کو' جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے نور سے عاری ہیں' مقدم کرنا ہے۔ حالانکہ کفار و مشرکین کے حق و ہدایت سے اعراض و سرتابی کا سبب بھی آباء و اجداد اور نام نہاد سرداروں کی اندھی تقلید، خواہشات نفسانی کی پیروی اور اسے حق پر ترجیح دینا تھا۔

جلیل القدر علماء حق کے اعلان و اظہار کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، جنہوں نے ان چیلنجز کو قوت ایمانی اور صبر و عزیمت کے ساتھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا ہے، چنانچہ انہوں نے تقلید کا بائیکاٹ کیا، سنت کو گلے لگایا، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام و فرامین کو اس بات سے بالاتر سمجھا کہ اس کے بالمقابل لوگوں کی باتیں رکھی جائیں- اور ان علماء کرام میں سرفہرست ائمہ اربعہ رحمہم اللہ وغیرہم ہیں- جو اٹھے اور لوگوں کو تقلید سے آگاہ و خبردار

کیا، بلکہ بعض ائمہ نے مقلد کو بہیمہ یعنی مویشی اور جانور سے متصف کیا، اور اس کے لئے قضاء وفتوی کے منصب پر فائز ہونا جائز نہیں قرار دیا، کیونکہ اس گھناؤنی لاعلاج بیماری کے نتیجہ میں امت کو لاحق ہونے والی سنگینی وخطرناکی کا انہیں پیشگی علم تھا۔

انہوں نے تقلید کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھیں، اور بعض کتابوں کے ضمن میں تقلید کی مذمت اور اتباع سنت کی ترغیب کی بابت ابواب قائم کئے اس موقف کی بابت قدیم وجدید جلیل القدر علماء نے یکساں کوششیں صرف کی ہیں، چنانچہ قدیم علماء میں امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں تقلید کی مذمت اور اتباع کی ترغیب میں کئی مستقل ابواب قائم کئے ہیں، اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ سے تقلید کی مذمت میں کئی اقوال منقول ہیں، اسی طرح دیگر علماء کرام سے۔ جہاں تک رہا معاملہ بعد کے علماء کا، تو امام شوکانی رحمہ اللہ نے اجتہاد وتقلید کے سلسلہ میں کئی کتابیں لکھیں، انہی میں علامہ معصومی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ''ہل المسلم ملزم باتباع مذہب معین'' میں تقلید کی حقیقت کو آشکارا کیا ہے، اور دار الفتح، شارقہ (متحدہ عرب امارات) نے ان کتابوں کو نشر کیا ہے' کیونکہ بیماری کے علاج میں ان کی بڑی تاثیر ہے۔

زیر نظر جلیل القدر کتاب پر کام کرنے کے سلسلہ میں ہمیں اس کی بابت محدث شام علامہ البانی رحمہ اللہ کے اس قول نے آمادہ کیا جو آپ نے اپنی کتاب ''صفۃ صلاۃ النبی ﷺ'' میں ارشاد فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''هُوَ كِتَابٌ فَذٌّ فِي بَابِهِ، يَجِبُ عَلَى كُلِّ مُحِبٍّ لِلحَقِّ أَن يَدرُسَهُ دِرَاسَةَ تَفَهُّمٍ وَتَدَبُّرٍ''[1]۔

یہ اپنے موضوع کی انوکھی اور لاجواب کتاب ہے، ہر محب حق کو اسے خوب سمجھ کر اور غور وتدبر سے پڑھنا چاہئے۔

یہ علامہ فلانی صالح بن نوح عُمَری' مقیم مکہ مکرمہ کی کتاب ہے- ان کا سوانحی خاکہ آگے آرہا ہے- جس میں مولف رحمہ اللہ اس میں بلند پایہ ائمہ اربعہ: ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد، اور ان کے پیروکاروں کے اقوال وفرمودات ذکر کررہے ہیں' تاکہ متعصبین کے سامنے تقلید کی بابت ان کے ائمہ کا حکم وفیصلہ آشکارا ہوجائے، ساتھ ہی اہل علم کے اقوال وفرمودات کے ذریعہ مقلدین کے بہت سارے شکوک وشبہات کی شافی وکافی تردید کررہے ہیں۔

مولف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کو مقدمہ، چار مقاصد اور خاتمہ میں تقسیم کیا ہے۔

مقدمہ میں: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور کتاب وسنت کی اتباع کے وجوب پر، اور بے اصل

(۱) حاشیہ مقدمہ صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ص ۵۱، ایڈیشن مکتبۃ المعارف، الریاض۔

رائے وقیاس کی مذمت پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے،اوراس بارے میں کتاب وسنت اوراقوال صحابہ کے روشن دلائل بیان کیے ہیں،رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور وفات کے بعد آپ کے ساتھ صحابہ،تابعین اور ائمہ سلف کا ادب واحترام کیسا تھا،اسے بیان فرمایا ہے،پھراس کے بعد سنت کی قسمیں بیان کی ہیں اوراس بارے میں امام ابن عبد البر رحمہ اللہ وغیرہ کے کئی اقوال نقل فرمائے ہیں،اورواضح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے جس کی تشفی بخش وضاحت نہ کردی ہو،لہٰذا بدعات اورنوایجاد باتوں کی ہرگز ضرورت نہیں۔

رہا پہلا مقصد:تواس میں تقلید کی مذمت اوراتباع سنت کی بابت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ،ان کے پیروکاروں اور علماء احناف کے فرمودات بیان کیے ہیں۔

اوردوسرے مقصد میں:اس کی بابت امام مالک بن انس رحمہ اللہ اوران کے پیروکاروں کے فرمودات بیان کیے ہیں۔

اور تیسرے اور چوتھے مقصد میں:اسی بابت امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ اوران کے پیروکاروں کے فرمودات بیان کیے ہیں۔

اورخاتمہ میں:مقلدین کے پیش کردہ شبہات کا ذکر کیا ہے اوران کی تردید فرمائی ہے،اسی طرح آثار کی بنیاد پر فتویٰ،اورنص کے خلاف رائے پرفتویٰ کے عدم جواز وغیرہ مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔

موضوع کی اہمیت اورتقلید کی خطرناکی وسنگینی کے پیش نظر میں نے دارالفتح کی مجلس تحقیق علمی' کے حکم سے اس کتاب پر کام کیا ہے،تاکہ اس کتاب کواس کے شایان شان عمدہ شکل میں پیش کیا جاسکے،کیونکہ یہ کتاب بہت پہلے منیریہ پریس میں چھپ چکی ہے،اوراس کے بعد ایک ایڈیشن پاکستان سے بھی شائع ہوا ہے'جو پہلے سے بالکل مختلف نہیں ہے'بلکہ یہ دونوں ہی ایڈیشن اقتباسات اورنقل بیانات میں اغلاط اورتصحیف وتحریف سے بھرے ہوئے ہیں،لہٰذا ہم نے ان کی وضاحت سے صرف نظر کردیا ہے،ورنہ کتاب کی ضخامت دوگنی ہوجاتی اور پڑھنے والا اپنے مقصد سے دور ہوجاتا۔

اس کتاب میں میرا کام:

ا۔میں نے اس کتاب کے نصوص کوتقریبی طور پر درست اورٹھیک کیا ہے،اورزیادہ تر مصادر سے'جو مجھے میسر آئے' ان کا موازنہ کیا ہے۔

۲۔مبہم وغیر واضح الفاظ کی وضاحت کی ہے اور کتاب میں موجود اعلام (شخصیات) کا تعارف پیش کیا ہے۔

۳۔حسب استطاعت کتاب کے مسائل پر نوٹ لگایا ہے۔

۴۔احادیث وآثار کی تخریج کی ہے،اور قابل اعتماد ائمہ حدیث وماہرین فن کے اقوال وفرمودات کی بنیاد پر ان کا درجہ (صحت وضعف) بیان کیا ہے۔

۵۔اصلی مصادر سے بعض اضافے کیے ہیں،جو مطبوعہ ایڈیشن میں نہ تھے،اور انہیں [ ] کے درمیان رکھا ہے۔

۶۔آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ کو نمایاں خط میں لکھا ہے۔

مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ ایڈیشن ایسا ہوگا جس میں کتاب کی خدمت ہوئی ہوگی،تاکہ پڑھنے والا اس سے استفادہ کرے اور اس کے تقاضہ کے مطابق عمل کرے،میرے لئے بطور عذر اتنا کافی ہے کہ میں نے اپنی پوری کوشش صرف کردی ہے،اب اگر میں درست ہوں تو یہ اللہ کی توفیق ہے اور اگر خطا کار ہوں تو وہ میرے ہاتھوں کا کرتوت اور شیطان کی جانب سے ہے،اللہ اپنے بھائیوں کی عیب پوشی کرنے والوں اور اللہ واسطے خفیہ نصیحت کرنے والوں پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے۔

میری توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے،میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی سے رجوع ہوتا ہوں،،،

تحریرکنندہ

ابوعماد مراد بن حافظ سخاوی

(ممبر مجلس تحقیق علمی،دارالفتح)

میں اس کی تحریر،نظر ثانی اور درستگی سے

۲۲/ جمادی الآخری ۱۴۱۸ھ میں شارجہ میں فارغ ہوا۔

❁ ❁ ❁

امام علامہ فُلّانی رحمہ اللہ کا سوانحی خاکہ(۱)

نسب نامہ:

یہ امام، محدث، علماء متاخرین کی شان، وقت کے مرجع (یا سند کے ایک بڑے عالم)، اصولی، اثری، مجاہد صالح بن محمد بن نوح بن عبد اللہ بن عمر بن موسیٰ بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن عبد اللہ بن عمر بن عبد اللہ بن عمر بن علی بن محمد بن احمد بن عبد العزیز بن عبد الرحمٰن بن ابو القاسم خلف بن ہانی بن ادریس بن عامر بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن عمر بن عبد اللہ بن علی بن ابو بکر بن سالم بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

چنانچہ یہ (عین پر پیش اور میم پر زبر کے ساتھ) عمر رضی اللہ عنہ کی طرب نسبت کرتے ہوئے عُمَری ہیں، برخلاف ان لوگوں نے جنہوں نے انہیں (عین پر زبر اور میم پر سکون کے ساتھ) عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے عَمری سمجھا ہے۔

ولادت، پرورش اور حصول علم کے لئے سفر:

شیخ رحمہ اللہ سنہ ۱۱۶۶ھ میں سوڈان میں اپنے عمری آباء واجداد کے وطن صوبہ فوت جلوا کے شہر نس میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی، اور اسی صوبہ کے علماء سے علم حاصل کیا، اس دور میں وہاں کے لوگ ٹھوس اور گہرے علم والے تھے، بالخصوص اصول وفروع میں، پھر سنہ ۱۱۷۸ھ میں آپ نے طلب علم کے لئے سفر کیا اس وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی، چنانچہ آپ قبلہ کے علاقوں میں تشریف لے گئے وہاں ایک سال قیام کیا، پھر باغی پہنچے اور وہاں شیخ

---

(۱) یہ سوانحی خاکہ فہرس الفہارس، از کتانی، ۱/ ۹۰۱-۹۰۶، والاعلام، از زرکلی، ۳/ ۲۸۱، ومعجم المؤلفین، از عمر رضا کحالہ، ۵/ ۱۲، اور ہدیۃ العارفین، از بغدادی، ۵/ ۴۲۴-۴۲۵، سے مختصراً ماخوذ ہے۔

فلانی نسبت: سوڈان کے "فُلّان" نامی ایک قبیلہ کی طرف ہے، جہاں ان کے اسلاف میں سے کوئی بسا تھا، ان کے بارے میں امام زرکلی نے لکھا ہے: وہ حدیث کے عالم، مجتہد، فقہائے مالکیہ میں سے اور اہل مدینہ میں سے تھے، وفات بھی مدینہ میں ہوئی۔ [دیکھئے: الاعلام، (۳/ ۱۵۳) (مترجم)]۔

محمد بن سنہ [1] سے چھ سالوں تک وابستہ رہے، پھر وہاں سے تنبکت گئے، اور وہاں ایک سال قیام کیا، پھر درعہ گئے اور زاویہ ناصریہ میں ایک سال قیام کیا، پھر مراکش گئے اور وہاں چھ مہینوں تک قیام کیا، پھر تیونس گئے اور وہاں کے علماء غریانی [2]، کواشی [3]، اور سوسی [4] وغیرہ سے کسب فیض کیا، پھر مصر تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء جیسے صعیدی [5] وغیرہ سے وابستہ رہ کر تین ماہ گزارا، پھر سرزمین حجاز میں قدم رنجہ ہوئے، اور سنہ ۱۱۸۷ھ میں قبر نبوی ﷺ کی زیارت فرمائی اور پھر مدینہ طیبہ کو اپنی جائے رہائش بنالیا، یہاں تک کہ سنہ ۱۲۱۸ھ میں وفات پائے۔

اساتذہ ومشائخ:

امام فلانی رحمہ اللہ نے عمر رسیدہ بزرگ امام ابوعبداللہ محمد بن سنہ فلانی رحمہ اللہ سے کسب فیض کیا، یہ بلند پایہ علماء وحفاظ میں سے تھے، اور آپ کے مشائخ میں علم وعمر میں سب سے بڑے، اور سب سے وسیع حفظ وفہم کے مالک تھے، آپ ان سے چار سالوں تک وابستہ رہے، اور پھر حج سے واپس ہوتے ہوئے مغربی طرابلس میں شیخ التاودی بن سودہ [6] سے ملاقات کی۔

---

(۱) یہ ابوعبداللہ محمد بن محمد بن سنہ فلانی شنقیطی عُمری ہیں، حدیث کے عالم، بن رسیدہ، وسیع الروایہ تھے، ان کی اپنے اساتذہ کی ایک فہرست ہے جس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کے اساتذہ کی تعداد (۹۲۰) ہے، اور ان میں سے ہر ایک کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات بیان کیا ہے، دیکھئے: الأعلام، اززرکلی، (۷/۲۹۶)، ومعجم المولفین، (۱۰/۲۲۱)، ومعجم المولفین، (۱۰/۲۲۱)۔

(۲) یہ الشمس محمد بن علی غریانی ابوعبداللہ، ابومحمد بھی کہا گیا ہے تیونسی، طرابلسی الاصل ہیں، امام محدث، اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ۱۱۹۵ھ میں وفات ہوئی، فہرس الفہارس، (۲/۸۸۵)۔

(۳) یہ صالح بن حسین ابوالفلاح کواشی ہیں، فقیہ، اصولی تھے، ولادت اور تعلیم وتربیت تیونس میں ہوئی، (۱۱۳۸-۱۲۱۸ھ)، معجم المولفین، (۵/۶)، وفہرس الفہارس، (۲/۸۸۵)۔

(۴) یہ شاید محدث ومورخ، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عبداللہ جزولی حسینی سوسی ہیں، (۱۱۱۸-۱۱۸۹ھ)، معجم المولفین، (۸/۲۸۰)۔

(۵) یہ علی بن احمد بن مکرم اللہ منفیسی عدوی مالکی ازہری ہیں جو صعیدی سے مشہور ہیں، ایک بلند پایہ امام، محقق، مالکی فقیہ، اصولی، متکلم تھے، اعمال اسیوط مصر کے قبیلہ بنو عدی میں پیدا ہوئے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، (۱۱۱۲-۱۱۸۹ھ)، سلک الدرر، از مرادی، ۳/۲۰۶، وہدایۃ العارفین، (۵/۷۶۹)، ومعجم المولفین، (۷/۳۰)۔

(۶) یہ ابوعبداللہ محمد بن طالب بن علی بن سودہ تاودی، مری، فاسی ہیں، اپنے دور میں مالکیہ کے فقیہ اور فاس میں شیخ الجماعۃ تھے، ان کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے ایک کتاب (زاد المجد الساری) ہے جو صحیح بخاری پر حاشیہ ہے، اسی طرح صحیح مسلم پر تعلیق بھی لگائی ہے۔ ۱۲۰۹ھ میں وفات ہوئی، الاعلام، از زرکلی، (۷/۳۰)، وایضاح المکنون، (۳/۴۱۹)، ومعجم المولفین، (۱۰/۹۶)۔

اور ان سے ابن سلیمان ردانی[1] کی اوائل، التحفہ کا کچھ حصہ اور ان کی تصنیف منسک اور نوویہ وغیرہ پڑھا۔ اسی طرح اپنے ماموں عثمان بن عبد اللہ فلانی شہید، صالح بن محمد بن عبد القادر فلانی عمری، محمد بن احمد عرف بابا[2]، اور عمر رسیدہ شیخ محمد بن محمد بن عبد اللہ مغربی مدنی اور دیگر علماء مغرب سے علم حاصل کیا۔

اسی طرح آپ نے علماء مشرق سے بھی علم حاصل کیا، وہاں کے علماء میں ابو الحسن علی صعیدی، مصطفیٰ رحمتی دمشقی[3] محمد بن عبد الرحمن کزبری دمشقی[4]، محمد بن عبد السلام ناصری درعی[5]، حافظ مصر سید مرتضیٰ زبیدی حسینی[6]، امیر ابراہیم بن محمد بن اسماعیل صنعانی[7]، اور دیگر علماء مشرق ہیں، اور آپ کے حجازی مشائخ میں سب سے اعلیٰ سند والے

---

(۱) یہ محمد بن سلیمان بن فاسی بن طاہر سوی، مغربی، ردانی پھر مکی ابو عبد اللہ کی کتاب ہے، یہ مغرب کے ایک بڑے محدث ہیں علم حدیث کے لئے بکثرت اسفار کئے ہیں، تارودانت میں پیدا ہوئے، اور طلب علم کے لئے مختلف جگہوں کا سفر کیا، دمشق میں وفات پائی، ان کی کتابوں میں: جمع الفوائد فی الحدیث، اور صلۃ الخلف عن أصول السلف، بھی ہے، یہ اصلاً سوس مغرب کے ہیں، ۱۰۹۴ھ میں وفات ہوئی۔ الأعلام، از زرکلی، (۷/ ۲۲)، ومعجم المولفین، (۱۰/ ۵۳)، وایضاح المکنون، (۳/ ۳۶۷)۔

(۲) یہ محمد بن احمد بن احمد بن احمد بن عمر بن محمد اقیت سوڈانی ہیں جو احمد بابا تنبکتی سے معروف ہیں، ان کے والد کی سیرت فہرس الفہارس (۱/ ۱۱۳) میں موجود ہے۔

(۳) یہ مصطفیٰ بن محمد بن رحمۃ اللہ بن عبد المحسن انصاری حنفی دمشقی پھر مدنی ہیں، جو ایوبی اور رحمتی سے مشہور ہیں، (۱۱۳۵-۱۲۰۶ھ)۔ ہدیۃ العارفین، (۶/ ۴۵۴)، ومعجم المولفین، (۱۲/ ۲۷۶، ۲۷۷)۔

(۴) یہ محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن زین العابدین بن عبد الکریم صفدی عطار ہیں جو کزبری سے مشہور ہیں، محدث ومسند تھے، ۱۱۴۰ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے، جامع اموی میں تدریس کے فرائض انجام دیا، اور ۱۲۲۱ھ میں دمشق ہی میں وفات ہوئی۔ معجم المولفین، (۱۰/ ۱۵۲)، وفہرس الفہارس، (۱/ ۴۸۵-۴۸۶)۔

(۵) یہ محمد بن عبد السلام بن عبد اللہ بن محمد الکبیر بن محمد بن ناصر درعی تمگروتی، ابو عبد اللہ ناصری ہیں، فقیہ، محدث، مسند، اور بڑے سفر کرنے والے تھے، ۱۲۳۹ھ میں وفات ہوئی، معجم المولفین، (۱۰/ ۱۷۰)۔

(۶) یہ محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق حسینی زبیدی ہیں جن کا لقب مرتضیٰ اور کنیت ابو الفیض ہے، لغوی، نحوی، محدث، اصولی، ادیب، شاعر، نثر نگار، مورخ اور علم انساب کے ماہر تھے، اصلاً عراق کے ہیں، لیکن جائے پیدائش شمال مغربی ہندوستان کا علاقہ بلگرام ہے، اور پرورش ملک یمن کے زبید میں ہوئی، حجاز کا سفر کیا اور مصر میں مقیم رہے، ان کی فضیلت مشہور ہے، بادشاہوں نے آپ سے خط وکتابت کی، طاعون کے سبب مصر میں وفات ہوئی، (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ)، ان کی بہت ساری تالیفات ہیں، ان میں معروف کتاب تاج العروس فی شرح القاموس ہے۔ معجم المولفین، (۱۱/ ۲۸۲)، والاعلام، از زرکلی، و(۷/ ۲۹۷-۲۹۸)، وہدیۃ العارفین، (۶/ ۳۴۷)۔

(۷) یہ ابراہیم بن محمد بن اسماعیل بن صلاح، امیر صنعانی زبیدی ہیں، ابن صلاح سے مشہور ہیں، مفسر، واعظ تھے، ۱۱۴۱ھ میں صنعاء میں پیدا ہوئے، اور ۱۲۱۳ھ میں مکہ میں وفات پائے۔ الاعلام، از زرکلی، (۱/ ۶۵)، ومعجم المولفین، (۱/ ۸۶)، وہدیۃ العارفین، (۵/ ۳۰)۔

عمر رسیدہ شیخ محمد بن محمد بن عبداللہ مغربی وزازی [1] ہیں، جنہوں نے عبداللہ بن سالم بصری سے علم حاصل کیا ہے [2]۔

شاگردان:

آپ کے شاگردان میں کتاب "حصر الشارد" کے مولف، شیخ حافظ محمد عابد سندی انصاری ہیں، جو حجاز کے مشہور ترین محدث ہیں [3]، اسی طرح مکہ کے عالم، مسند اور خطیب شیخ عمر بن عبدالکریم بن عبدالرسول شافعی ہیں [4]، اور مصر کے مسند علی بن عبدالبر ونائی ہیں [5]، اسی طرح شیخ عبدالرحمن بن احمد شنقیطی، مفتیٔ مدینہ اسماعیل بن زین العابدین برزنجی [6]، ادیب ابوالفیض حمدون بن الحاج فاسی [7]، اسماعیل بن ادریس رومی مدنی [8]، اور دیگر بڑے بڑے

---

(۱) یہ محمد بن محمد بن عبداللہ وزازی، پھر فاسی مالکی ہیں، بڑے فاضل تھے، ۱۱۶۶ھ میں وفات ہوئی۔ ہدیۃ العارفین، (۶/ ۳۲۹)۔

(۲) یہ عبداللہ بن سالم بن محمد بن عیسی بصری الاصل، پھر مکی، جمال الدین ہیں، محدث تھے، ولادت و وفات مکہ میں ہوئی، (۱۰۴۰-۱۱۳۴ھ)۔ ان کی ایک کتاب "الضیاء الساری علی صحیح البخاری" تین جلدوں میں اور اس کے علاوہ دیگر کتابیں ہیں۔ معجم المولفین، (۶/ ۵۶)، وہدیۃ العارفین، (۵/ ۴۸۰)، وایضاح المکنون، (۴/ ۷۵)۔

(۳) یہ محمد عابد بن احمد بن علی بن یعقوب سندھی انصاری ہیں، حنفی فقیہ ہیں، حدیث کے بھی عالم تھے، قاضی رہے، ان کی اصل سندھ کے شمالی حیدرآباد سیون ہے، مدینہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائے، ان کی "فلانی عن محمد بن سنہ عن محمد بن ارکماش عن الحافظ ابن حجر العسقلانی" بھی سند ہیں، جنہیں اپنی کتاب "حصر الشارد" سے بہت سی کتابیں روایت کرتے ہیں، ۱۲۵۷ھ میں وفات پائے۔ الاعلام، از زرکلی، (۷/ ۴۹)، والرسالۃ المستطرفہ، (ص ۸۵، ۶۴)، وایضاح المکنون، (۳/ ۱۹۶)۔

(۴) یہ عمر بن عبدالکریم بن عبدالرسول عطار شافعی ہیں، فقیہ، محدث، مسند تھے، ۱۲۴۹ھ میں مکہ میں وفات پائے۔ معجم المولفین، (۷/ ۲۹۳)، وفہرس الفہارس، (۲/ ۱۸۲-۱۸۳)۔

نوٹ: عبدالرسول نام رکھنا سراسر غلط ہے، کیونکہ بندگی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

(۵) یہ جمال الدین علی بن عبدالبر حسینی شافعی ہیں، ونائی سے مشہور ہیں، فقیہ، صوفی، محدث تھے، ۱۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۱۱ھ میں مدینہ میں وفات پائے، ان کی کئی تصنیفات ہیں۔ معجم المولفین، (۷/ ۱۱۷)، وہدیۃ العارفین، (۵/ ۷۷۰)، وایضاح المکنون، (۳/ ۴۷۸)۔

(۶) یہ احمد بن اسماعیل بن زین العابدین بن محمد الہادی بن زین بن جعفر بن حسن بن عبدالکبیر برزنجی، حسینی، موسوی مدنی کے والد ہیں۔ احمد صاحب کی وفات ۱۳۳۲ھ میں ہوئی، معجم المولفین، (۱/ ۱۶۴-۱۶۵)، وایضاح المکنون، (۴/ ۶۵۴)۔

(۷) یہ حمدون بن عبدالرحمن بن حمدون بن عبدالرحمن اسلامی ہیں، نسب کے اعتبار سے مرداسی ہیں، گھر اور پرورش گاہ کے اعتبار سے فاسی ہیں، ابن الحاج سلمی سے مشہور ہیں، مفسر، محدث، فقیہ، اور ادیب تھے، ۱۱۷۴ھ میں فاس میں پیدا ہوئے، اور ۱۲۳۲ھ میں وفات پائے، ان کی کئی تصنیفات ہیں۔ معجم المولفین، (۴/ ۷۶)، والاعلام، از زرکلی، (۲/ ۳۰۶)۔

(۸) یہ ابوزاہد اسماعیل بن ادریس اسلامبولی رومی پھر مدنی ہیں۔ فہرس الفہارس، (۱/ ۵۰۴، و ۲/ ۷۵۹)۔

علماء ہیں، کیونکہ صاحب سوانح (امام صالح فلانی) نے اپنے دور میں ایسی شہرت پائی کہ ان کے وقت میں اسلامی ممالک میں سے شاید ہی کوئی ملک خالی رہا ہو جہاں اُن کے کئی کئی شاگردان نہ ہوں، جیسا کہ اثبات اور رجال کے طبقات کا شغف رکھنے والے اس بات کو بخوبی جانتے ہیں۔

علمی مقام اور مسلک:

شیخ رحمہ اللہ پڑھنے پڑھانے دونوں اعتبار سے بچپن سے وفات تک حصول علم اور کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہے، اکابر علماء کرام نے آپ کی مدح وثنا فرمائی ہے، اور آپ کو علم، عمل اور اجتہاد کی خوبیوں سے متصف کیا ہے، آپ پرکھ کرنے والی بصیرت، نہایت وسیع فکر، قوت وچستی اور ہمت وعزیمت کے مالک تھے، اجتہاد کی طرف مائل تھے اور اسی کی ترغیب دیا کرتے تھے، تقلید کو ناپسند کرتے تھے اور اس سے نفرت دلاتے تھے، جو آپ کی اس کتاب کا مطالعہ کرے گا، وہ مقلدین اور ان کی کتابوں میں موجود بدعات اور گمراہیوں کے خلاف مولف کے سخت ترین حملہ کو بخوبی جان لے گا، بطورِ مثال اپنی زیرِ نظر کتاب کے مقدمہ میں مولف فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمودات کتاب وسنت پر عمل کرنے کی ترغیب سے بھرے پڑے ہیں، صحابہ وتابعین کے فیصلوں نے اس سلسلہ میں تمام تاریکیوں کو روشن کردیا ہے، ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ کے ارشادات نے اس کی صراحت کردی ہے اور ان کے پیروکاروں کے دلوں پر پڑے تمام پردوں کو چاک کردیا ہے، بلکہ ان ائمہ رحمہم اللہ کے اقوال میں اُن کے خلاف کتاب وسنت کی کوئی دلیل آجانے کے بعد ان کی تقلید حرام ہونے کی دوٹوک صراحت ہے، اور دلیل کے بعد متعصبین کا اُن کی تقلید کرنا گمراہی اور پاگل پنی ہے، نیز یہ کہ عامی کے علاوہ کے لئے بلا حجت وبرہان تقلید نہیں ہے''۔

ان کے شاگرد عبد الرحمٰن بن احمد شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے شیخ، فقیہ، محدث، نحوی، بیانی، معقول ومنقول کے تمام فنون کا علم رکھنے والے''۔

اسی طرح شیخ عابد سندھی نے آپ کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے: ''امام جن کا کوئی مقابلہ نہیں، ایسی گہری فہم والے جن کا کوئی جواب نہیں، چھوٹوں کو بڑوں سے ملانے والے ہیں''۔

محدث شام وجیہ کزبری آپ کی شان میں فرماتے ہیں: ''میرے اعلیٰ اور بلند پایہ اساتذہ میں سے شیخ امام

علامہ مختلف علوم وفنون کے ماہر، بہادر، عالی سند سے مشہور، نہایت پختہ اور روشن ذہن والے (شیخ فلانی) ہیں"۔

آپ کے بارے میں شمس قاوقجی فرماتے ہیں: "آپ تقریباً مجتہد تھے، اور جنہوں نے یقین سے آپ کے مرتبہ اجتہاد پر فائز ہونے کی بات کہی ہے ان میں کتاب "الدین الخالص" کے مولف ہیں، اسی طرح "الحطۃ" کے مصنف نے اور "عون الودود علی سنن ابی داود" کے مصنف نے آپ کو تیرہویں صدی ہجری کے مجددین میں شامل فرمایا ہے۔

رہی بات آپ کے مسلک کی تو آپ مسلکاً مالکی تھے، پھر علم سنت اور تفسیر کا اتنا گہرا علم حاصل کیا کہ اپنے دور میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بن گئے، اور اجتہاد کیا کہ اپنے دین میں کسی کی تقلید نہیں کریں گے، چنانچہ دلائل سے احکام کا استنباط کرنے لگے، مسائل کا خلاصہ کرنے لگے، دوسروں کا استدراک کرنے اور تالیف کرنے لگے، اور اپنی کتابوں میں سلف صالحین کے منہج وطریقہ پر چلنے لگے، اللہ آپ پر رحم کرے اور آپ کا درجہ بلند فرمائے۔

تالیفات:

۱۔ "إیقاظ ہمم أولی الابصار للاقتداء بسید المہاجرین والانصار" ہماری زیر نظر کتاب ہے۔

۲۔ تقویم الکلفۃ فیما للعلماء من الجبۃ والکلفۃ۔

۳۔ جمع الاحادیث القدسیۃ۔

۴۔ بڑا ثبت (محدث کی ڈائری جس میں وہ اپنی مرویات اور اساتذہ وغیرہ کے نام درج کرتا ہے) بنام: الثمار الیانعۃ فی رفع طرق المسلسلات والمسانید والاجزاء والجوامع۔

۵۔ إحیاء رسوم الاسانید العالیۃ بعد اندراسھا وتوثیق عری المسلسلات السامیۃ بعد انقطاعہا وإیضاح الطرق الھادیۃ بعد خفاء أعلامہا۔

اس کے مقدمہ میں شیخ نے لکھا ہے کہ انہوں نے اسے تین قسموں میں مرتب کیا ہے، اور وہ اس کے مقدمہ میں اپنے اساتذہ اور ان میں سے ہر ایک نے جس سے سنا ہے اُن کا تذکرہ کریں گے، پھر اس کے بعد آگے ایک حصہ علو سند کے کچھ فضائل پر مشتمل ہوگا، پھر پہلی قسم قرآن وحدیث اور ان کے تابع اصول، عقائد اور فقہ سے متعلقہ کتابوں کی اسانید کے بارے میں ہوگی۔ اور دوسری قسم: مسلسلات کے بارے میں ہوگی۔ اور تیسری قسم: عربی کتابوں اور

ان کے علاوہ دیگر عقلی و نقلی کتابوں کی اسانید کے بارے میں ہوگی۔ پھر تینوں قسموں کے نیچے ایک لاحقہ ہوگا جو صوفیوں کے سلسلوں کے بارے میں ہوگا، پھر ہر سلسلہ کی سند تلقین ہوگی، اور پھر اخیر میں انبیاء، علماء اور حکماء کی وصیتیں ہوں گی (۱)۔

۶۔ چھوٹا ثبت (ڈائری) بنام: قطف الثمر فی أسانید کتب الاثر، یہ تقریباً تیس اوراق میں ہے، یہ ایک نہایت مشہور، نفع بخش اور اعلیٰ ترین سند کا ثبت ہے (۲)۔

۷۔ تحفۃ الاکیاس بأجوبۃ الامام خیر الدین اِلیاس-اس سے مراد تاج الدین اِلیاس مفتی مدنی ہیں-یہ الف باء میں امام سیوطی رحمہ اللہ کے سوالوں کا منظوم ہے۔

وفات:

شیخ رحمہ اللہ تعلیم وتعلم کے لئے اسلامی ممالک کا بہت زیادہ سفر کرنے والے انسان تھے، چنانچہ انہوں نے ممالک کے ممالک طے کئے، وہاں کے لوگوں کے اخلاق کو پڑھا، اور اپنی پوری پاکیزہ زندگی بحث ومناظرے کئے، پھر چلتے چلتے مدینہ طیبہ میں سفر کا سلسلہ ختم کردیا، بالآخر سنہ ۱۲۱۸ھ میں وہیں آپ کی موت ہوئی اور وہیں دفن کئے گئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(۱) فہرس الفہارس، (۱/ ۲۸۷-۲۸۸)، قدرے تصرف کے ساتھ۔

(۲) فہرس الفہارس، (۲/ ۹۷۵)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۂ مولف

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اہل الحدیث کو دین کا محافظ اور چوکیدار بنایا، اور انہیں دشمنوں سرکشوں کے مکر وفریب سے محفوظ رکھا، اور تمام تر شکر و احسان اللہ کا ہے جس نے ان کے دلوں میں شرع مبین پر کار بند رہنے کی سوچ ڈالی، اور انہیں صحابہ وتابعین کے آثار کی پیروی کی توفیق ارزانی بخشی۔ اور درود وسلام ہو اس نبی ﷺ پر جن کی بعثت سے ہر گناہ ومنکر کو چھوڑا اور روندا گیا، اور بلا روک ٹوک ہمیشہ کے لئے ہر نیکی وبھلائی تک رسائی کا راستہ استوار ہوا، جن پر سب سے اچھی کتاب (قرآن کریم) اتاری گئی ہے، جو قدیم وجدید ہر دور میں ساری مخلوق میں سب سے زیادہ قابل تعظیم وتبجیل ہیں، اللہ بادشاہ علام کی جانب سے احترام واکرام کی تمام راہوں سے پہنچی ہوئی رحمت ہیں، جسے سنت مطہرہ کے مددگاروں اور حامیان کی نگرانی حاصل ہے، جو اس کا دفاع کرنے والے بہادر اور پامردسپاہی ہیں، جو تحریف وتراش کے شبہات پر تحقیق کے شعلے برسا کر ناقابل تسخیر دلائل وبراہین کے گولوں سے اہل زیغ وضلال کی بدعتوں کو خاکستر کردینے والے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ کا ستون بنایا ہے، اور ان کے ذریعہ ہر گھناؤنی بدعت کو بھسم کردیا ہے۔

حمد وصلاۃ کے بعد:

اپنے غنی مالک ومولیٰ کا محتاج صالح بن محمد عُمری معروف بہ فلانی کہتا ہے:

مجھ سے بعض لوگوں نے جو اپنی آخرت کے لئے توشہ تیار کرنا چاہتے ہیں اور اللہ کی کتاب اور اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر ذات (نبی ﷺ) کے طریقہ پر عمل کرنے کی جستجو رکھتے ہیں درخواست کیا کہ میں ان کے لئے اس بارے میں کتاب اللہ کی آیات، ثقہ اور معتبر راویوں کی نقل کردہ سنت رسول ﷺ، اور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم ورحمہم سے ماثور کچھ باتیں نقل کروں، تو میں اس کام سے بزدل کی طرح پیچھے ہٹا، اور اس میدان کارزار کی

زور آزمائی میں پڑنے سے کترایا، اور الٹے پاؤں بھاگا، اور سوچا کہ اس اہم کام سے دور رہنا ہی میری حیثیت کے لائق ومناسب ہے، لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ اُن کی چاہت میں مدد کرنا ہی زیادہ بہتر اور مناسب ہوگا، اس امید سے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے توفیق دے گا وہ اس پر عمل کریں گے۔

چنانچہ میں کہتا ہوں:

''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمودات کتاب وسنت پر عمل کرنے کی ترغیب سے بھرے پڑے ہیں، صحابہ وتابعین کے فیصلوں نے اس سلسلہ میں تمام تاریکیوں کو روشن کردیا ہے، ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ کے ارشادات نے اس کی صراحت کردی ہے اور ان کے پیروکاروں کے دلوں پر پڑے تمام پردوں [1] کو چاک کردیا ہے، بلکہ ان ائمہ رحمہم اللہ کے اقوال میں اُن کے خلاف کتاب وسنت کی کوئی دلیل آجانے کے بعد ان کی تقلید حرام ہونے کی دوٹوک صراحت ہے، اور دلیل کے بعد متعصبین کا اُن کی تقلید کرنا گمرہی اور پاگل پنی ہے، نیز یہ کہ عامی کے علاوہ کے لئے بلاحجت وبرہان تقلید روا اور جائز نہیں ہے'' [2]۔

لہٰذا آیئے میں اللہ کی قوت وتصرف سے یہ باتیں نقل کر رہا ہوں، اور اللہ کے فضل واحسان سے اسے اس کے قائلین صحابہ، تابعین اور ملت کے تبع تابعین کی طرف منسوب کروں گا، اور میرا خیال ہے کہ میں اسے اس سلسلہ میں وارد کتاب وسنت کے نصوص اور صحابہ وتابعین سے مروی آثار پر مشتمل ایک مقدمہ، اور چاروں ائمہ کے مسالک سے متعلق چار مقاصد پر مرتب کروں:

پہلا مقصد: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے بلند مناقب شاگردان کے اقوال وفرمودات کے بیان میں۔

دوسرا مقصد: امام دار الہجرۃ مالک بن انس رحمہ اللہ اور ان کے ماہر شاگردان کے اقوال کے بیان میں۔

تیسرا مقصد: قریش کے عالم امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ اور ان کے شاگردان کے عاجزی سے شفا بخش

---

(۱) الدجنۃ: جیم پر سکون اور نون مخفف پر فتحہ کے ساتھ، اس کا معنیٰ ظلمت وتاریکی ہے، اس کی جمع: دُجَن، اور نون پر تشدید کے ساتھ دُجّن بھی آتی ہے، اور اس کی بھی جمع: دُجنات آتی ہے۔ اور الدیاجی: گھٹاٹوپ اندھیری راتوں کو کہتے ہیں۔ نیز الدجنۃ: بدلی کے سبب ہونے والی گہری تاریکی کو بھی کہا جاتا ہے۔ دیکھئے: لسان العرب (مادہ دجن)، والنھایۃ فی غریب الحدیث، از ابن الاثیر، (۲/ ۱۰۲)۔

(۲) حتیٰ کہ عامی کے لئے بھی جائز نہیں، وہ جب کسی عالم سے کوئی مسئلہ پوچھے اور وہ اسے دلیل کے ساتھ فتویٰ دے، یا اُسے بتائے کہ اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم یہی ہے' اس کی اپنی رائے نہیں ہے' تو ایسا کرنے سے وہ متبع مانا جائے گا کسی بھی طرح مقلد نہیں کہلائے گا، یا جب مفتی بتائے یا فتویٰ دے تو عامی کو چاہئے کہ اُس سے پوچھے کہ: کیا یہ اللہ کا حکم ہے یا آپ کی اپنی رائے ہے؟ اگر وہ جواب دے کہ: اللہ کا حکم ہے' تو اس پر عمل کرے۔

اقوال کے بیان میں۔

چوتھا مقصد: ناصر سنت امام احمد بن حنبل سے نقل کردہ فرمودات اور کتاب وسنت پر عمل کی ترغیب سے متعلق ان کے شاگردان کے اقوال کے بیان میں۔

اور خاتمہ: مقلدین کے شبہات کی بیخ کنی اور نفس پرست متعصبین کے دلائل کے جواب میں۔

میں نے اس کتاب کا نام رکھا ہے:

''إِيقَاظُ هِمَمِ أُولِي الْأَبْصَارِ
لِلاقتِدَاءِ بِسَيِّدِ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
وَتَحذِيرِهِم عَنِ الابتِدَاعِ الشَّائِعِ فِي الْقُرَى وَالأَمصَارِ
مِن تَقْلِيدِ الْمَذَاهِبِ مَعَ الحَمِيَّةِ وَالعَصَبِيَّةِ بَينَ فُقَهَاءِ الْأَعْصَارِ''

مہاجرین وانصار کے پیشوا (نبی ﷺ) کی اتباع کرنے اور مختلف
ادوار کے فقہاء کے مابین حمیت وعصبیت کے ساتھ شہروں
بستیوں میں پھیلی ہوئی تقلید مذاہب کی بدعت سے
متنبہ اور چوکنا کرنے کے لئے عقلمندوں
کی ہمتوں کو بیدار کرنا۔

بنام

(اتباع سنت یا تقلید مذاہب؟ایک لمحہ فکریہ!)

❁ ❁ ❁

مقدمہ

* اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت
اور کتاب وسنت کی اتباع کا وجوب

* بے بنیاد رائے وقیاس کی مذمت

* کثرت مسائل سے تنبیہ

* علم کے اصول کا بیان اور اس کی جداگانہ ویکجا تعریف کی وضاحت

* حقیقی فقیہ یا عالم کہلانے کا حقدار کون؟

* اللہ کے دین میں تقلید کا فساد اور اسکی تردیدٗ
نیز تقلید اور اتباع کتاب وسنت میں فرق

مقدمہ

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور کتاب وسنت کی اتباع کا وجوب

اولاً: آیات قرآنیہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾ ﴾ [النحل:۸۹]۔

اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے، اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾ ﴾ [النحل:۴۴]۔

یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کی طرف نازل کردہ دین کی اتباع فرض کی ہے، اور انہیں آگاہ کر دیا ہے کہ اللہ کی نافرمانی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو چھوڑ دینے میں ہے، اسی لئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

﴿ وَلَٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٢﴾ صِرَاطِ

اللَّهِ﴾ [الشوری:۵۲-۵۳]۔

لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں، بیشک آپ راہ راست کی رہنمائی کر رہے ہیں جو اللہ کی راہ ہے۔

ساتھ ہی جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو سکھایا آپ پر ﷺ اپنی کتاب کی اتباع فرض قرار دی، فرمایا:

﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝٤٣﴾ [الزخرف:۴۳]۔

پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوط تھامے رہیں بیشک آپ راہ راست پر ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ [المائدۃ:۴۹]۔

آپ ان کے معاملات میں خدا کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بتلایا کہ ان کا دین مکمل ہے، چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدۃ:۳]۔

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔

پھر انہیں علم سے نواز کر احسان فرمایا اور حکم دیا کہ اسی علم پر اکتفا کریں اور اللہ کے دیئے ہوئے علم کے علاوہ کچھ نہ بولیں، چنانچہ اپنے نبی سے فرمایا:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ﴾ [الشوری:۵۲]۔

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے، آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟

اسی طرح اپنے نبی سے فرمایا:

﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۝٢٣ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾ [الکہف:۲۳-۲۴]۔

اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا۔ مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لینا۔

پھر اپنے نبی پر یہ حکم بھی اتارا:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ﴾ [الاسراء:۳۶]۔

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔

اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اُسے تمام ادیان پر غالب کر دے گرچہ مشرکین کو ناگوار ہو، اور آپ کے پیروکاروں کے لئے آپ کے اوپر اپنی کتاب اتاری جو ہدایت اور نور ہے، اور اپنے رسول ﷺ کو اس کتاب کے ظاہر و پوشیدہ، خاص و عام، ناسخ و منسوخ سے اپنی مراد اور کتاب سے اپنے منشا و مقصود کی رہنمائی کرنے والا بنایا، چنانچہ رسول ﷺ ہی کتاب اللہ کی تعبیر کرنے والے اور اس کے معانی کی رہنمائی کرنے والے تھے، پھر آپ کے صحابۂ کرام جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور انہیں آپ کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا' انہوں نے آپ ﷺ سے کتاب اللہ کی تعبیر و ترجمانی کی بابت ان چیزوں کو دیکھا اور انہیں آپ ﷺ سے منتقل کیا، چنانچہ وہ اللہ کی کتاب کے منشا و مقصود کی بابت تمام لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے، کیونکہ انہوں نے کتاب اللہ کے منشا و مقصود کا مشاہدہ کیا تھا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ اس قران کی تعبیر و ترجمانی کرنے والے رہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًا مُّبِينًا ۝٣٦﴾ [الاحزاب:۳۶]۔

اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُقَدِّمُوا۟ بَيْنَ يَدَىِ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝١﴾ [الحجرات:۱]۔

اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾﴾ [النور:۵۱]۔

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کردے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾﴾ [النساء:۱۰۵]۔

یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔

نیز ارشاد ہے:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٣﴾﴾ [الأعراف:۳]۔

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾﴾ [الانعام:۱۵۳]۔

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ يَقُصُّ الْحَقَّ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ﴿٥٧﴾﴾ [الانعام:۵۷]۔

حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اللہ تعالیٰ واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے

والا وہی ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿لَهُۥ غَيْبُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ أَبْصِرْ بِهِۦ وَأَسْمِعْ ۚ مَا لَهُم مِّن دُونِهِۦ مِن وَلِىٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِى حُكْمِهِۦٓ أَحَدًا ﴿٢٦﴾﴾ [الکہف:۲۶]۔

آسمانوں اور زمینوں کا غیب صرف اسی کو حاصل ہے وہ کیا ہی اچھا دیکھنے سننے والا ہے۔سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں، اللہ تعالی اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾﴾ [المائدۃ:۴۴]۔

جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾﴾ [المائدۃ:۴۵]۔

اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿٤٧﴾﴾ [المائدۃ:۴۷]۔

اور جو اللہ تعالی کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں وہ (بدکار) فاسق ہیں۔

اللہ عزوجل نے ایک ہی جگہ اتنی زیادہ اور بار بار تاکید اسی لئے فرمائی ہے کہ اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت سے فیصلہ نہ کرنے کا فساد بہت بڑا ہے اور اس کا نقصان اور بلاخیزی پوری امت کو عام ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْىَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾﴾ [الاعراف:۳۳]۔

آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو

تم جانتے نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں علم کے بغیر حجت وتکرار کرنے والے پر نکیر فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾﴾ [آل عمران:٦٦]۔

سنو! تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تمہیں علم تھا پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اور اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی کہے: کہ یہ حلال ہے، یا یہ حرام ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام نہیں کیا ہے، اور باخبر کیا ہے کہ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ٹومار باندھنے والا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ ٱلْكَذِبَ هَٰذَا حَلَٰلٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَٰعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾﴾ [النحل:١١٦-١١٧]۔

کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو، سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔ انہیں بہت معمولی فائدہ ملتا ہے اور ان کے لئے ہی دردناک عذاب ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے وجوب پر دلالت کرنے والی آیات بکثرت ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾﴾ [آل عمران:١٣٢]۔

اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿قُلْ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٣٢﴾﴾ [آل عمران:٣٢]۔

کہہ دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منھ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ فَأُوْلَٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّٰلِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُوْلَٰٓئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾﴾ [النساء:٦٩]۔

اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَأَرْسَلْنَٰكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا ﴿٧٩﴾ مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٨٠﴾﴾ [النساء:٧٩-٨٠]۔

ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔ اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

اسی طرح ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾﴾ [النساء:٥٩]۔

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

اسی طرح ارشاد باری ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾﴾ [النساء:

۱۳-۱۴]۔

اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا،ایسوں ہی کے لئے رسواکن عذاب ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَٱحْذَرُواْۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا ٱلْبَلَٰغُ ٱلْمُبِينُ ﴿٩٢﴾﴾ [المائدۃ:۹۲]۔

اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو۔اگر اعراض کروگے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْأَنفَالِۖ قُلِ ٱلْأَنفَالُ لِلَّهِ وَٱلرَّسُولِۖ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَأَصْلِحُواْ ذَاتَ بَيْنِكُمْۖ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١﴾﴾ [الانفال:۱]۔

یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں،آپ فرما دیجئے! کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں، سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱسْتَجِيبُواْ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْۖ وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾﴾ [الانفال:۲۴]۔

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجا لاؤ، جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے اور بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٤٦﴾﴾ [الانفال:٤٦]۔

اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر و سہار رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اسی طرح اللہ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾﴾ [النور:٥١-٥٢]۔

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کردے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی، اس کے رسول کی فرماں برداری کریں، خوف الٰہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے رہیں، وہی نجات پانے والے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٦﴾﴾ [النور:٥٦]۔

نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی فرمانبرداری میں لگے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٥٤﴾﴾ [النور:٥٤]۔

کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا ہے اور تم پر اس کی جوابدہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔ سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

نیز فرمان باری ہے:

﴿لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾﴾ [النور: ٦٣]۔

تم اللہ تعالیٰ کے نبی کے بلانے کو ایسا بلاوا نہ کرلو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہوتا ہے۔تم میں سے انہیں اللہ خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر چپکے سے سرک جاتے ہیں۔سنو جولوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾﴾ [النور: ٦٢]۔

باایمان لوگ تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر یقین رکھتے ہیں اور جب ایسے معاملہ میں جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے نبی کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں کہیں نہیں جاتے۔جولوگ ایسے موقع پر آپ سے اجازت لے لیتے ہیں حقیقت میں یہی ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاچکے ہیں۔پس جب ایسے لوگ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعامانگیں،بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾﴾ [الاحزاب: ٧٠-٧١]۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو۔تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کام سنوار

دے اور تمہارے گناہ معاف فرمادے، اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا اس نے بڑی مراد پالی۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾﴾ [الاحزاب:۲۱]۔

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١﴾﴾ [الحجرات:۱]۔

اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے: نبی کریم ﷺ کے قربانی ذبح کرنے سے پہلے ذبح نہ کیا کرو[1]۔

---

(۱) امام طبری نے آیت کریمہ کی تفسیر میں حسن بصری کا قول ذکر کیا ہے لیکن اس سے مختلف ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں: کہ حسن بصری نے فرمایا: کچھ مسلمانوں نے یوم النحر کو رسول اللہ ﷺ کی نماز عید سے پہلے قربانی کرلی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا۔ (تفسیر طبری ۱۱/ ۳۷۸)۔

اور امام مسلم (حدیث ۱۹۶۴) اور احمد نے (۳/ ۳۲۴) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو جنہوں نے آپ ﷺ سے پہلے قربانی کرلی تھی حکم دیا کہ دوسری قربانی کریں اور اس وقت تک قربانی نہ کریں جب تک کہ آپ ﷺ قربانی نہ کریں"۔

اور حسن بصری کے بیان کردہ واقعہ کو امام بخاری (حدیث ۵۵۰۰)، مسلم (۱۹۶۰) اور دیگر محدثین نے جندب بن سفیان سے روایت کیا ہے۔

نیز امام بخاری (حدیث ۹۵۴) ومسلم (حدیث ۶۹۰) نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی روایت کیا ہے:

"مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَلْيُعِدْ"۔

جو نماز سے پہلے قربانی کردے وہ دوبارہ قربانی کرے۔

اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور اسی کے ہم معنیٰ امام بخاری (حدیث ۹۵۵) ومسلم (حدیث ۱۹۶۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَرْفَعُوٓاْ أَصْوَٰتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ ٱلنَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُواْ لَهُۥ بِٱلْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَـٰلُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝٢ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَٰتَهُمْ عِندَ رَسُولِ ٱللَّهِ أُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱمْتَحَنَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝٣ إِنَّ ٱلَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ ٱلْحُجُرَٰتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝٤ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُواْ حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٥﴾ [الحجرات:۲-۵]۔

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ بیشک جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے حضور میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے۔ جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (بالکل) بے عقل ہیں۔ اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ خود سے نکل کر ان کے پاس آجاتے تو یہی ان کے لئے بہتر ہوتا، اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

﴿وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۝١٧﴾ [الفتح:۱۷]۔

جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے (درختوں) تلے نہریں جاری ہیں اور جو منھ پھیر لے اسے دردناک عذاب (کی سزا) دے گا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَٱلنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝١ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝٢ وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ۝٣ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْىٌ يُوحَىٰ ۝٤ عَلَّمَهُۥ شَدِيدُ ٱلْقُوَىٰ ۝٥﴾ [النجم:۱-۵]۔

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے۔ کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔ اسے پوری طاقت والے فرشتے

نے سکھایا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝٧﴾ [الحشر:۷]۔

اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَٱحْذَرُوا۟ ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا ٱلْبَلَٰغُ ٱلْمُبِينُ ۝٩٢﴾ [المائدۃ:۹۲]۔

اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو۔ اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۚ قَدْ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝١٠ رَّسُولًا يَتْلُوا۟ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ مُبَيِّنَٰتٍ لِّيُخْرِجَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ مِنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ ۚ﴾ [الطلاق:۱۰-۱۱]۔

پس اللہ سے ڈرو اے عقل مند ایمان والو۔ یقیناً اللہ نے تمہاری طرف نصیحت اتار دی ہے۔ (یعنی) رسول جو تمہیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ سناتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے۔

اسی طرح ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝٨ لِّتُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۚ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝٩﴾ [الفتح:۸-۹]۔

یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ (اے مسلمانو)، تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اللہ کی پاکی

بیان کرو صبح وشام۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِۦ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ [ھود:۱۷]۔

کیا وہ شخص جو اپنے رب کے پاس کی دلیل پر ہو اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف کا گواہ ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں [۱]، اور یہی بات مجاہد رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے [۲]۔

﴿وَمِن قَبْلِهِۦ كِتَٰبُ مُوسَىٰٓ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِۦ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِهِۦ مِنَ ٱلْأَحْزَابِ فَٱلنَّارُ مَوْعِدُهُۥ﴾ [ھود:۱۷]۔

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (گواہ ہو) جو پیشوا اور رحمت ہے (اوروں کے برابر ہو سکتا ہے؟) یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور تمام فرقوں میں سے جو بھی اس کا منکر ہو اس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم ہے۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احزاب (فرقوں) سے مراد تمام ملتیں ہیں [۳]۔

﴿فَٱلنَّارُ مَوْعِدُهُۥ ۚ فَلَا تَكُ فِى مِرْيَةٍ مِّنْهُ﴾ [ھود:۱۷]۔

اس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم ہے، پس تو اس میں کسی قسم کے شبہ میں نہ رہ۔

پھر یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کیا، [تو انہوں نے حجر اسود کا استلام کیا، میں خانہ کعبہ سے قریب ہی تھا، جب ہم مغربی کونے] [۴] کے پاس پہنچے جو حجر اسود کے بعد والا ہے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تا کہ اُسے چھولیں' تو انہوں نے کہا: کیا بات ہے' تم نے

---

(۱) امام طبری نے اسے اپنی تفسیر (۷/ ۱۷، فقرہ: ۱۸۰۶۳) میں ذکر کیا ہے' اس کی سند میں سعید بن ابوعروبہ اور قتادہ ہیں' یہ دونوں مدلس ہیں اور دونوں نے عن سے روایت کیا ہے۔

(۲) تفسیر طبری، (۷/ ۱۷، فقرہ: ۱۸۰۷۹)، اس کی سند مجاہد تک صحیح ہے، اسکے علاوہ دیگر سندوں سے بھی روایت کیا ہے، جن میں کلام ہے۔

(۳) تفسیر طبری (۷/ ۲۰، فقرہ: ۱۸۰۷۸-۱۸۰۸۹)، اس کی سند ابن جبیر تک صحیح ہے۔

(۴) مربع قوسین کے مابین کی عبارت بتقاضائے معنیٰ حدیث سے اضافہ ہے۔

کیوں کھینچا؟ میں نے کہا: کیا آپ چھوئیں گے نہیں؟ تو انہوں نے کہا: کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! فرمایا: تو کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں مغربی کونوں کو چھوتے ہوئے دیکھا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا: تو کیا تمہارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوہ نہیں ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، بالکل ہے۔ فرمایا: تو اُسے چھوڑ کر آگے بڑھو(1)۔

اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ انہوں نے کعبہ کے تمام کونوں کا استلام کیا، اور فرمایا: خانہ کعبہ کے کسی بھی کونے کو نہیں چھوڑنا ہے! تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب:۲۱]۔

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔

تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے سچ فرمایا(2)۔

میں کہتا ہوں: کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے وجوب کے بارے میں، بہت ساری آیتیں ہیں، لیکن ہم نے جتنا ذکر کیا ہے اتنا کافی ہے۔

ثانیاً: احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اسی طرح کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کے وجوب پر دلالت کرنے والی احادیث بھی بکثرت ہیں:

---

(۱) اثر صحیح ہے۔ اسے امام احمد (۱/ ۳۷) اور ابو یعلی نے اپنی مسند (۱/ ۱۶۳-۱۶۴، حدیث ۱۸۲) میں بسند: یحیی بن سعید عن جریج حدثنی سلیمان بن عتیق عن عبداللہ بن بابیہ عن یعلی، روایت کیا ہے۔ اور امام احمد (۱/ ۴۵) اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف (حدیث ۸۹۴۵) میں بسند: روح حدثنا ابن جریج أخبرنی سلیمان بن عتیق عن عبداللہ بن بابیہ عن بعض بنی یعلی، روایت کیا ہے۔ اور سند میں بعض بنی یعلی کا مجہول ہونا مضر نہیں کیونکہ ابن بابیہ نے سابق سند میں حدیث کو بلا واسطہ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اسے امام بیہقی نے السنن الکبری (۵/ ۷۷) میں بطریق: ابی عاصم ضحاک بن مخلد عن ابن جریج، روایت کیا ہے۔ اور سلیمان بن عتیق صدوق ہیں (تقریب التھذیب، ۲۵۹۳)۔ نیز اس حدیث کو امام احمد نے (۱/ ۷۱) ایک اور سند سے روایت کیا ہے جس میں ہے کہ یعلی کے ساتھ طواف کرنے والے عمر نہیں بلکہ عثمان رضی اللہ عنہما تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجر اسود کے استلام کرنے کی روایتیں ثابت ہیں، جن میں سے بعض عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں۔

(۲) اس اثر کو امام احمد (۱/ ۲۱۷) نے ان الفاظ کے ساتھ بروایت مجاہد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ اور بروایت ابن خثیم عن ابی الطفیل نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: میں ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا، اور پھر بقیہ حدیث ذکر کی۔ نیز اسے امام احمد (۱/ ۲۴۵، ۳۳۲، ۳۷۲) اور امام ترمذی (حدیث ۸۵۸) نے بھی روایت کیا ہے، اور امام بخاری نے اسے ابو الشعثاء سے مرسلاً روایت کیا ہے، (۱۰۸)۔

چنانچہ صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک بن سحماء کے ساتھ بدکاری سے متہم کیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی شکایت کی، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے لعان کی حدیث ذکر کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ذکر کیا:

''أَبْصِرُوهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ، سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ، خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ، فَهُوَ لِشَرِيكِ ابْنِ سَحْمَاءَ، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ كَذَا وَكَذَا فَهُوَ لِهِلَالِ بْنِ أُمَيَّةَ'' فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى النَّعْتِ الْمَكْرُوهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ''لَوْلَا مَا مَضَى مِنْ كِتَابِ اللَّهِ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ''[1]۔

اسے دیکھنا، اگر بچہ سرمگیں آنکھوں والا، کشادہ سرین والا اور بھری پنڈلیوں والا پیدا ہوا تو وہ شریک بن سحماء کا ہے، اور اگر ایسا ایسا پیدا ہوا تو ہلال بن امیہ کا ہے، چنانچہ بچہ ناپسندیدہ وصف کے مطابق پیدا ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ کی کتاب کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو میری اور اس کی ایک الگ حالت ہوتی۔

اللہ کی کتاب سے - واللہ اعلم - آپ کی مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَٰدَٰتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُۥ لَمِنَ الْكَٰذِبِينَ ۝﴾ [النور:۸]۔

اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔

اور حالت سے مراد - واللہ اعلم - یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اس کے بچے کی متہم شخص سے مشابہت کی بنیاد پر حد قائم کرنے والے تھے، لیکن اللہ کی کتاب نے فیصلہ کو بدل دیا، اور ہر قسم کی بات کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا، اس کے بعد اجتہاد و رائے زنی کا کوئی موضوع ہی باقی نہ رہ گیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کو ارسال کردہ رسالہ میں فرماتے ہیں:

ہمیں سفیان بن عیینہ نے عبید اللہ بن ابو یزید کے واسطے سے اور انہوں نے اپنے والد کے واسطے سے،

---

(۱) حدیث صحیح ہے۔ لعان کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو صرف امام بخاری (حدیث ۴۷۴۷) نے روایت کیا ہے مسلم نے نہیں، نیز اسے امام ترمذی (حدیث ۳۱۷۹)، وابو داود (حدیث ۲۲۰۴) نے روایت کیا ہے، اور اسی طرح امام بخاری (حدیث ۴۷۴۸) و مسلم (حدیث ۱۴۹۴) اور دیگر لوگوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

خبر دی[1] کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں قبیلہ بنو زہرہ کے ایک بزرگ کے یہاں بھیجا جو ہمارے گھر میں رہتے تھے، چنانچہ میں ان کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، تو انہوں نے اُن سے زمانہ جاہلیت کے بچوں میں سے ایک بچے کے بارے میں پوچھا، انہوں نے کہا: رہی بات بستر کی تو وہ فلاں کا ہے، لیکن نطفہ فلاں کا ہے، تو انہوں نے فرمایا: آپ نے سچ فرمایا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے بستر کا فیصلہ کیا ہے[2]۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے ابن ابی ذئب[3] کے واسطے سے ایسے شخص نے خبر دی ہے جسے میں متہم نہیں پاتا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے مخلد بن خفاف[4] نے خبر دی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: کہ میں نے ایک غلام خریدا اور اس کے بدلہ میں غلہ دیا، پھر اس غلام میں عیب ظاہر ہوا، چنانچہ میں نے یہ معاملہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے مجھے اُسے لوٹا دینے کا فیصلہ فرمایا اور میرے خلاف اُس غلہ کو بھی دیدینے کا فیصلہ کیا۔ تو میں عروہ کے پاس آیا، اور انہیں واقعہ بتلایا، انہوں نے کہا: میں شام کو ان کے پاس جاؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جیسے مسئلہ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ تاوان ضمانت کے

---

(۱) عبد اللہ بن ابو زید مولی آل قارظ بن شیبہ، ثقہ کثیر الحدیث ہیں۔ (تقریب التہذیب ۳۳۵۳)، بتایا جاتا ہے کہ اس کے والد کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت ملی تھی، ان کے والد ابو یزید مکی ہیں، اپنی کنیت سے ہی معروف ہیں بنو زہرہ کے حلیف تھے، دیکھئے: تقریب التہذیب (۸۳۵۳)۔

(۲) اثر اور حدیث دونوں صحیح ہیں۔ کتاب الأم، ۶/ ۱۹۷، کتاب الأقضیۃ، سند صحیح ہے، اسے امام بیہقی نے بھی السنن الکبری (۷/ ۴۰۲) میں روایت کیا ہے، امام ابن ماجہ (حدیث ۲۰۰۵) نے بھی ابو بکر بن ابی شیبہ کے طریق سے روایت کیا ہے لیکن واقعہ کے بغیر ذکر کیا ہے، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَضَى بِالْوَلَدِ لِلْفِرَاشِ'' رسول اللہ ﷺ نے بچہ کے بارے میں فیصلہ کیا ہے کہ بستر کا ہوگا۔ اسی طرح امام احمد (۱/ ۲۵) نے بھی روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں ایک اشکال ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ یزید بن ابو زیاد تھے، ممکن ہے ناسخین کی غلطی ہو۔ رہا یہ فیصلہ تو اسے صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے لہٰذا یہ متواتر المعنی ہے، چنانچہ صحابہ میں سے مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو امام بخاری (حدیث ۲۰۵۳)، مسلم (حدیث ۱۴۵۷) اور نسائی (حدیث ۳۴۸۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام بخاری (حدیث ۶۸۱۸)، مسلم (حدیث ۱۴۵۸) اور ترمذی (حدیث ۱۱۵۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اسی طرح یہ حدیث ابو امامہ، عمرو بن خارجہ، عبد اللہ بن زبیر، اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے امام نسائی کے یہاں موجود ہے، امام نسائی حدیث کے بعد کہتے ہیں: میرا خیال ہے یہ ابن مسعود سے نہیں مروی ہے اسی طرح عبد اللہ بن عمرو، علی اور دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے جنہیں اصحاب السنن اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔

(۳) یہ محمد بن عبد الرحمن بن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئب عامری ہیں، ثقہ اور فاضل تھے، التقریب (۶۰۸۲)۔

(۴) یہ مخلد بن خفاف بن ایماء بن رحضۃ غفاری ہیں، ان کے والد اور دادا دونوں کو شرف صحابیت حاصل ہے اس حدیث: ''الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ'' کے علاوہ ان کی کوئی اور حدیث معلوم نہیں۔ ابن عدی فرماتے ہیں: یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ مخلد مقبول ہیں، جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب التہذیب (۶۵۳۶) میں کہا ہے، اور امام بخاری نے کہا ہے: فیہ نظر۔

بدلے ہوگا[1]، تو میں جلدی سے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں گیا اور مجھے عروہ نے عائشہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کی جو بات بتلائی تھی انہیں بتلایا، تو عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے لئے اس سے آسان کیا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ کیا ہو- اور اللہ خوب جانتا ہے کہ حق ہی میرا مقصود تھا- اور پھر اس بارے میں مجھے رسول اللہ ﷺ کی سنت مل جائے تو عمر (یعنی خود) کا فیصلہ رد کرکے رسول اللہ ﷺ کی سنت نافذ کردوں، چنانچہ عروہ رحمہ اللہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہوں نے میرے حق میں یہ فیصلہ کیا کہ میں اس شخص سے وہ تاوان واپس لے لوں جس کے حق میں میرے خلاف فیصلہ کیا تھا[2]۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھ سے مدینہ کے ایک ایسے شخص نے جسے میں متہم نہیں کرتا ابن ابی ذئب کے واسطے سے بتایا ہے کہ انہوں نے فرمایا: سعد بن ابراہیم [3] نے ایک شخص کے مسئلہ میں ربیعہ بن ابوعبد الرحمن [4] کی رائے سے فیصلہ کیا، تو میں نے انہیں نبی کریم ﷺ کے حوالہ سے ان کے فیصلہ کے خلاف بتایا، تو سعد نے ربیعہ سے کہا: یہ ابن ابوذئب ہیں جو میرے یہاں قابل اعتماد ہیں مجھے نبی کریم ﷺ کے واسطے سے آپ کے فیصلہ کے خلاف بیان کررہے ہیں۔ تو ربیعہ نے ان سے کہا: آپ نے اجتہاد کیا اور آپ کا فیصلہ ہوچکا ہے! (یعنی بات ختم ہوگئی) تو سعد نے کہا: واہ کتنے تعجب کی بات ہے! کیا میں سعد بن ام سعد کا فیصلہ نافذ کروں اور رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ رد کردوں؟ ایسا نہیں ہوسکتا، بلکہ میں سعد بن ام سعد کا فیصلہ رد کرتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نافذ کرتا ہوں، چنانچہ سعد نے فیصلہ کی قرارداد منگوا کر اسے چاک کردیا اور جس کے خلاف فیصلہ کیا تھا اُس کے حق میں فیصلہ فرمایا[5]۔

---

(۱) یہ حدیث حسن ہے۔ اسے امام ابوداود (حدیث ۳۵۰۸)، ترمذی (حدیث ۱۲۸۵)، نسائی (حدیث ۴۴۹۰)، ابن ماجہ (حدیث ۲۲۴۲)، احمد (۶/ ۸۰) اور حاکم (۲/ ۱۵) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابوداود (حدیث ۲۹۹۴) میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

الخراج: خریدے ہوئے عینی سامانوں کے محصول کو کہتے ہیں۔

(۲) الرسالہ، از امام شافعی (ص ۴۴۸، ۴۴۹)، نیز قصہ کو امام بیہقی نے امام شافعی کی سند سے السنن الکبری (۵/ ۳۲۱-۳۲۲) میں روایت کیا ہے۔

(۳) یہ سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف قرشی ہیں، قاسم بن محمد بن ابوبکر کے زمانہ میں قاضئ مدینہ کے منصب پر فائز تھے، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقہ، فاضل اور عبادت گزار شخص تھے تقریب التہذیب (۲۲۲۷)۔

(۴) یہ ربیعہ بن ابوعبد الرحمن فروخ قرشی تیمی ابوعبد الرحمن مدنی ہیں، ربیعہ الرائی کے نام سے معروف ہیں، آل منکدر کے آزاد کردہ غلام تھے، بعض صحابہ اور اکابر تابعین کو پایا، مدینہ کے مفتی عام تھے، امام دار الہجرۃ مالک بن انس نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں رحمہما اللہ۔

(۵) الرسالۃ (ص ۴۵۰)، نیز اسے حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۷/ ۷۴) میں بھی ذکر کیا ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں ابوحنیفہ سماک بن فضل شہابی نے بتلایا، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابن ابوذئب نے مقبری (۱) کے واسطے سے اور انہوں نے ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ (۲) کے واسطے سے بیان کیا' وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال ' ارشاد فرمایا:

''مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِنْ أَحَبَّ أَخَذَ الْعَقْلَ وَإِنْ أَحَبَّ فَلَهُ الْقَوَدُ'' (۳)۔

جس کا کوئی شخص قتل کر دیا جائے اسے دو باتوں میں اختیار ہے: اگر چاہے تو دیت (خوں بہا) لے لے، اور اگر چاہے تو قصاص لے۔

ابوحنیفہ کہتے ہیں: کہ میں نے ابن ابی ذئب سے کہا: اے ابو الحارث کیا آپ اسے لیں گے؟ تو انہوں نے میرے سینے پر مارا، اور مجھے بہت ڈانٹ ڈپٹ کیا، سرزنش کی، برا بھلا کہا، اور فرمایا: میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بتا رہا ہوں اور تم کہتے ہو: کیا آپ اسے لیں گے؟ ہاں میں اسے لوں گا، اور یہی مجھ پر اور ہر سننے والے پر فرض ہے، یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں میں سے منتخب فرمایا ہے' ان کے ذریعہ اور اُن کے ہاتھوں پر لوگوں کو ہدایت دی ہے، لوگوں کے لئے وہی منتخب کیا ہے جو ان کے لئے اور ان کی زبان پر منتخب کیا ہے' لہٰذا مخلوق پر فرض ہے کہ تابع فرمان ہو کر یا ذلیل ہو کر اُن کی اتباع وفرمانبرداری کریں، کسی مسلمان کے لئے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ کہتے ہیں: وہ خاموش نہ ہوئے یہاں تک کہ میں سوچنے لگا کہ کاش خاموش ہو جاتے۔ بات ختم ہوئی (۴)۔

میں کہتا ہوں: حضرات عمر بن الخطاب، عمر بن عبدالعزیز اور سعد بن ابراہیم کے کردار اور رویہ پر ذرا غور کریں،

---

(۱) یہ سعید بن ابوسعید کیسان مقبری ہیں تابعین کے درمیانی طبقہ کے ہیں۔

(۲) یہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم خویلد بن عمرو بن صخر خزاعی کعبی ہیں۔

(۳) الرسالہ، از امام شافعی (ص ۴۵۲)، نیز دیگر سندوں سے امام ترمذی (حدیث ۱۴۰۶)، ابوداود (حدیث ۴۵۰۴)، احمد (۶/۳۸۵)، دارقطنی (حدیث ۳۲۹) اور بیہقی نے السنن الکبری (۸/۵۲) میں روایت کیا ہے۔ اور سماک بن فضل کے نام کی تحقیق الرسالہ (۴۵۱) میں ملاحظہ فرمائیں۔ نیز یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری (حدیث ۲۴۳۴)، صحیح مسلم (حدیث ۱۳۵۵) اور دیگر کتابوں میں بھی مروی ہے۔

بخیر النظرین: یعنی بخیر الامرین، دو معاملوں میں سے بہتر کا اختیار۔ نظر جسم اور معنی دونوں پر پڑتی ہے، دیدہ کی نظر جسموں کے لئے ہوتی ہے اور بصیرت کی نظر معانی کے لئے۔ دیکھئے: النہایۃ فی غریب الحدیث (۵/۷۷)۔ عقل: کے معنیٰ دیت یعنی خون بہا کے ہیں، اور القود: کے معنیٰ قصاص کے۔

(۴) الرسالہ ص: ۴۵۲۔

آپ پر آشکارا ہو جائے گا کہ صحابہ، تابعین اور تا قیامت ان کے سچے پیروکاروں نیز مسلمانوں کے تمام علماء کے یہاں یہی معروف تھا کہ مجتہد حاکم (فیصلہ کرنے والے) کا فیصلہ اگر کتاب اللہ یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نص (دلیل) کے خلاف ہو تو اُس فیصلہ کو توڑنا واجب ہے، اور اسے نافذ کرنا منع (حرام) ہے، کتاب اللہ یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کو عقلی احتمالات، نفسانی خیالات اور شیطانی عصبیت سے نہیں ٹکرایا جا سکتا، بایں طور کہ کہا جائے: ہو سکتا ہے یہ مجتہد اس نص سے واقف ہو لیکن کسی خاص وجہ سے جو اُسے سمجھ میں آئی ہو اُسے چھوڑ دیا ہو، یا وہ کسی دوسری دلیل سے آگاہ ہو، وغیرہ، جنہیں متعصب فقہاء کی ٹولیاں بولتی رہتی ہیں اور جاہل مقلدوں نے اس پر اتفاق کر رکھا ہے، لہٰذا خوب سمجھ لو۔

ابو النضر ہاشم بن قسم [1] بیان کرتے ہیں کہ ہم سے محمد بن راشد [2] نے عبدہ بن ابو لبابہ [3] سے، اور انہوں نے ہاشم بن یحییٰ مخزومی کے واسطے [4] سے بیان کیا کہ: بنو مخزوم کا ایک شخص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے فتویٰ پوچھا کہ: ایک عورت یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کو طواف افاضہ سے فارغ ہو جانے کے بعد حائضہ ہو گئی، تو کیا اس کے لئے پاک ہونے سے پہلے نکلنا جائز ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ تو ثقفی نے اُن سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسی عورت کے بارے میں آپ کے فتویٰ کے برخلاف فتویٰ دیا تھا۔ اتنا سننا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ اُسے دُرّے سے پیٹنے لگے اور کہا: ایک مسئلہ جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دیدیا ہے اُس بارے میں مجھ سے فتویٰ کیوں پوچھتا ہے؟؟ امام ابوداود نے اسے قریبی الفاظ سے روایت کیا ہے [5]۔

---

(۱) یہ ہاشم بن قاسم بن مسلم بن مقسم ابو النضر لیثی اصلاً خراسانی ہیں، ثقہ ہیں، تقریب التہذیب (۷۲۵۵)، ابن القسم نہیں ہیں جیسا کہ مذکور ہے۔

(۲) یہ محمد بن راشد خزاعی، معروف بہ مکحولی ہیں، ابو عبد اللہ، یا کہا گیا ہے ابو یحییٰ شامی ہیں، صدوق ہیں، بسا اوقات وہم کا شکار ہوتے ہیں، انکار تقدیر سے متہم ہیں تقریب التہذیب (۸۵۷۵)، ابن ابو راشد نہیں ہیں جیسا کہ اصل مطبوعہ نسخہ میں درج ہے۔

(۳) یہ عبدۃ بن ابو لبابہ ابو القاسم بزاز کوفی اسدی ہیں، ثقہ ہیں، تقریب التہذیب (۴۲۷۴)۔

(۴) شاید یہ ہشام بن یحییٰ بن عاص بن ہشام مخزومی ہیں، مستور ہیں، تقریب التہذیب (۷۳۰۷)، عبدہ نے جن لوگوں سے روایت کیا ہے اُن میں ان کا ذکر نہیں ہے، لیکن امام مزی نے کہا کہ: ان سے محمد بن راشد نے روایت کیا ہے، جن سے عبدۃ نے روایت کی ہے، اور پھر پلٹ کر کہتے ہیں: فیہ نظر، تہذیب الکمال، از مزی (۱۹ / ۲۸۲)۔

(۵) مذکور سند ضعیف ہے لیکن حدیث صحیح ہے۔ اسے امام ابوداود (حدیث ۲۰۰۴)، ترمذی (حدیث ۹۴۶)، اور احمد (۳ / ۴۱۶، ۴۱۷) نے حارث بن عبد اللہ بن اوس سے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی نے اسے صحیح ابوداود (حدیث ۱۷۶۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔ پھر کہا ہے کہ: یہ ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: کہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا حائضہ ہوئیں پھر طواف افاضہ کیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اب نکل سکتی ہے" (متفق علیہ) سے منسوخ ہے۔

امام ابو بکر بن ابو شیبہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں صالح بن عبد اللہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: کہ ہمیں سفیان نے عامر کے واسطے سے اور انہوں نے عتاب بن منصور رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:.....[1]۔

اور اسرائیل[2] ابو اسحاق[3] کے واسطے سے، اور وہ سعد بن ابو ایاس[4] کے واسطے سے، اور وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی، پھر جب اس کی ماں کو دیکھا تو وہ اُسے بھاگئی، چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا تاکہ اُس کی ماں سے نکاح کرلے (اس کا کیا حکم ہے)؟ انہوں نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، چنانچہ اس شخص نے اُس عورت سے نکاح کرلیا۔ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیت المال کے ذمہ دار تھے، چنانچہ وہ بیت المال کے نقد (سونا، چاندی) کو بیچتے تھے تو زیادہ دے کر کم لیتے ہیں، بہرکیف جب وہ مدینہ آئے تو ان دونوں مسائل کی بابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا، تو انہوں نے جواب دیا: وہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہیں ہے، نہ ہی چاندی کا چاندی کے بدلے لین دین درست ہے سوائے برابر سرابر کے۔ چنانچہ جب عبد اللہ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو اُس شخص (مستفتی) کے پاس گئے' اُسے نہ پایا، بلکہ اس کی قوم کے لوگوں کو پایا، اور ان سے کہا: میں نے تمہارے ساتھی کو جو حلال ہونے کا فتویٰ دیا تھا، وہ حلال نہیں ہے، اور کرنسی تبدیل کرنے والوں کے پاس آئے اور اُن سے کہا: اے نقدی کا تبادلہ کرنے والو! یقیناً میں تم سے جس طریقہ سے لین دین کیا کرتا تھا وہ حلال نہیں ہے، چاندی چاندی کے بدلے لینا دینا حلال نہیں ہے' سوائے برابر سرابر کے''[5]۔

---

(۱) یہاں کچھ خلل ہے۔

(۲) یہ اسرائیل بن یونس ابو یوسف سبیعی ہمدانی کبار تابعین میں سے ہیں، جو ثقہ ہیں۔

(۳) یہ اسرائیل بن یونس کے دادا عمرو بن عبد اللہ بن عبید ابو اسحاق سبیعی ہیں، مدلس ہیں' آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔

(۴) یہ سعد بن ایاس ابو عمرو شیبانی کبار تابعین میں سے ہیں' ثقہ مخضرم (عہد رسالت میں تھے لیکن ملاقات نہ ہوئی) ہیں تقریب التھذیب (۲۲۴۳)، سعد بن ابی ایاس نہیں ہیں۔

(۵) یہ اثر سعد بن ایاس کی مرویات میں سے ہے' عبد اللہ بن مسعود کی مرویات میں سے نہیں' جیسا کہ یعقوب بن سفیان نے المعرفۃ والتاریخ (۱/۴۴۱) میں ذکر کیا ہے، اور شادی کے اس واقعہ کو سعید بن منصور نے اپنی سنن (۳/۶۰۱، حدیث ۱۲۱۰) میں بطریق: حدیج بن معاویہ عن ابی اسحاق عن سعد بن ایاس روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے بنو شمخ کی کسی خاتون سے نکاح کیا۔۔۔ پھر ذکر کیا۔ حدیج صدوق ہیں غلطیاں کرتے ہیں، ===

اور صحیح مسلم میں لیث [1] عن یحییٰ بن سعید [2] عن سلیمان بن یسار حدیث مروی ہے کہ ابو ہریرہ، ابن عباس اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہم نے اس عورت کے بارے میں باہم مذاکرہ کیا جو حاملہ ہو اور شوہر کی وفات ہو جانے کے بعد بچہ کی پیدائش ہو تو وہ کونسی عدت گزارے گی؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ دونوں میں بعد والی (لمبی) عدت گزارے گی۔ اور ابو سلمہ نے کہا: وہ بچہ پیدا ہونے سے ہی حلال ہو جائے گی۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے بھتیجے کے ساتھ ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے کسی کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، تو انہوں نے فرمایا: سبیعہ [3] کا وضع حمل اپنے شوہر کی وفات کے چند دنوں بعد ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ان کی شادی کر دی جائے [4]، اور ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا اپنے اجتہادات سے سنت کی رجوع کرنے کا ذکر گزر چکا ہے، جو کافی ہے۔

امام الائمہ کے لقب سے معروف امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث مل جائے تو اس کے بعد کسی کے قول کا کوئی اعتبار نہیں [5]۔ امام الائمہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے کچھ شاگردان تھے جو ان کا مذہب اپناتے تھے اور نسبت کرتے تھے، حالانکہ وہ مقلد نہ تھے بلکہ مستقل امام تھے، جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المدخل'' میں یحییٰ بن محمد عنبری [6] کے واسطے سے ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

اصحاب الحدیث کے طبقات بہت (پانچ) ہیں: مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ، راہویہ اور امام محمد بن خزیمہ کے ماننے

=== تقریب التھذیب (١١٢٥)۔ لیکن یعقوب بن سفیان کی روایت کہ یہ عروہ بنت حارث ہے 'مصنف عبد الرزاق (٦ / ٢٧٣، حدیث ١٠٨١١) میں بطریق: سفیان ثوری عن ابی فروہ عن سعد عن ایاس، موجود ہے۔ اور یہ سند صحیح ہے، اسے خطیب بغدادی نے الفقیہ والمتفقہ (٢ / ٢٠٢) میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف (٣ / ١٧٢) میں بطریق: وکیع عن سفیان قریبی الفاظ سے روایت کیا ہے، نیز امام بیہقی نے بھی اپنی سنن (٧ / ١٥٩) میں بطریق: شعبہ عن فروہ قریبی الفاظ میں روایت کیا ہے۔

(١) یہ لیث بن سعد بن عبد الرحمن، کبار اتباع تابعین میں سے ہیں، ثقہ ثبت ہیں۔

(٢) یہ یحییٰ بن سعید انصاری ہیں۔

(٢) یہ سبیعہ بن حارث اسلمیہ صحابیہ ہیں۔

(٣) متفق علیہ: صحیح بخاری (حدیث ٤٩١١٠)، وصحیح مسلم (حدیث ١٤٨٥)، اور دیگر محدثین۔

(٤) المدخل الی معرفۃ السنن، از امام بیہقی، (ص ١٠٦ فقرہ ٢٩)۔

(٥) یہ ابو زکریا یحییٰ بن محمد بن عبد اللہ بن عنبر سلمی نیشاپوری ہیں جو امام حاکم نیشاپوری اور ابو علی نیشاپوری کے استاذ ہیں، ٣٤٤ھ میں وفات پائے، تذکرۃ الحفاظ (٣ / ٨٦٦)، وسیر اعلام النبلاء، (١٥ / ٥٣٣)۔

والے خزیمیہ (۱)۔

اور امام شافعی فرماتے ہیں: ایک دن مجھ سے کسی نے کہا: مجھے کوئی ایسا واقعہ بتایئے جس سے معلوم ہو کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی کام کیا ہو پھر حدیث رسول مل جانے پر اسے ترک کر دیا ہو؟ تو میں نے کہا:

مجھ سے سفیان نے زہری کے واسطہ سے بیان کیا' اور انہوں نے ابن المسیب کے واسطے سے کہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: کہ ''دیت (خون بہا) عاقلہ (آدمی کے باپ کی طرف سے اس کے قریبی رشتہ داران) پر ہوگا اور عورت اپنے شوہر کی دیت سے وارث نہ ہوگی'' یہاں تک کہ ضحاک بن سفیان نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں خط لکھا تھا کہ ''اشیم ضبابی کی بیوی کو اُن کی دیت سے وارث بنائیں'' تو عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کر کے حدیث رسول پر عمل کیا (۲)۔

اور مجھے امام ابن عیینہ نے عمرو بن دینار اور ابن طاوس کے واسطے سے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کا واسطہ (قسم) دیکر کہتا ہوں کہ اگر کسی نے جنین (ماں کے شکم میں رہنے والے بچے) کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے کچھ سنا ہو تو بتائے! حمل بن مالک بن نابغہ فوراً کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''كُنْتُ بَيْنَ جَارِيَتَيْنِ لِي، فَضَرَبَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِمِسْطَحٍ، فَأَلْقَتْ جَنِينًا مَيِّتًا، فَقَضَى فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِغُرَّةٍ'' (۳)۔

---

(۱) دیکھئے: إعلام الموقعین، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۲/ ۲۰۲۔ [مترجم]

(۲) الرسالۃ (ص ۴۲۶)، اور حدیث کو امام ابوداود (حدیث ۲۹۲۷)، ترمذی (حدیث ۱۴۱۵)، ابن ماجہ (حدیث ۲۶۴۲) اور احمد (۳/ ۴۵۲) نے روایت کیا ہے۔ اور علامہ البانی نے اسے صحیح سنن ابوداود (حدیث ۲۵۴۰) میں صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہ اشیم ضبابی صحابی ہیں، نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں حالت اسلام میں غلطی سے قتل کیے گئے۔

(۳) ''غرۃ'' اس غلام یا لونڈی کو کہتے ہیں جس کی قیمت (خون بہا) کے دسویں حصہ کے نصف (یعنی بیسویں حصہ) کے برابر ہو۔

اور یہ حدیث امام شافعی کی الرسالۃ (ص ۴۲۶-۴۲۷) میں بطریق: سفیان عن عمرو بن دینار عن ابن طاوس عن طاوس، مروی ہے، ابن طاوس سے نہیں۔ اور طاوس: ابن کیسان یمنی ہیں، اور ان کے بیٹے عبداللہ ہیں۔

لیکن یہ حدیث مرسل ہے' کیونکہ طاوس کی عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہے' البتہ امام ابوداود (حدیث ۴۵۷۲)، نسائی (حدیث ۴۷۷۹)، احمد (۴/ ۷۹، ۸۰) اور امام ابن ماجہ (حدیث ۲۶۴۱) نے اسے طاوس عن ابن عباس عن عمر رضی اللہ عنہم موصولاً روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے صحیح سنن ابوداود (حدیث ۳۸۲۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔ جبکہ اصل حدیث کو امام بخاری (حدیث ۵۷۵۸) و مسلم (حدیث ۱۶۸۱)، اور دیگر محدثین نے ابوہریرہ اور اسی طرح بریدہ اور مغیرہ بن شعبہ وغیرہ سے روایت کیا ہے۔

میں اپنی دو لونڈیوں (بیویوں) کے درمیان تھا اتنے میں ایک نے دوسرے کو مسطح (خیمہ کی لکڑی) سے مارا، جس کے سبب اس کا بچہ مردہ حالت میں ساقط ہوگیا' تو نبی کریم ﷺ نے اس کے بارے میں بطور دیت غرۃ (ایک غلام یا لونڈی) کا فیصلہ فرمایا۔

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

''لَوْ لَمْ نَسْمَعْ فِيهِ هَذَا لَقَضَيْنَا فِيهِ بِغَيْرِ هَذَا''۔

اگر ہم نے اس مسئلہ میں یہ حدیث نہ سنی ہوتی تو دوسرا فیصلہ کر دیتے۔

اور دوسروں نے [1] کہا: ''إِنْ كِدْنَا لِنَقْضِيَ فِيهِ بِرَأْيِنَا'' [2]۔

قریب تھا کہ اس مسئلہ میں ہم اپنی رائے سے فیصلہ کر دیتے۔

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے نص کے بالمقابل اپنا اجتہاد ترک کر دیا۔ اور ہر مسلمان پر یہی واجب ہے؛ کیونکہ اجتہاد رائے کی گنجائش محض اضطراری صورت میں ہوا کرتی ہے۔

﴿فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾﴾ [البقرۃ: ۱۷۳]۔

البتہ جو مجبور ہو جائے نہ چاہتے ہوئے اور نہ ہی حد سے تجاوز کرتے ہوئے' تو اس پر کوئی گناہ نہیں' بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اسی طرح قیاس: بھی محض اضطراری صورت میں ہی کیا جائے گا۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے قیاس کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے جواب دیا: محض اضطراری صورت میں''۔ اسے امام بیہقی نے المدخل میں نقل فرمایا ہے [3]۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ ہم مخابرہ [4] (طے شدہ نسبت پر کاشت' مثلاً ایک تہائی یا چوتھائی وغیرہ)

(۱) یعنی سفیان بن عیینہ یا عمرو بن دینار کے علاوہ نے۔

(۲) الرسالۃ (ص ۴۲۷-۴۲۸)۔

(۳) المدخل إلی السنن الکبری، (ص ۲۰۵، فقرہ ۲۴۸)، انہوں نے ''عند الضرورات'' کہا ہے، یعنی اضطراری صورتوں میں۔

(۴) المخابرۃ: متعین حصہ مثلاً ایک تہائی چوتھائی وغیرہ پر کھیتی باڑی کرنے کو کہتے ہیں، اور خبرۃ: کے معنی حصہ کے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے: کہ یہ خبار سے ماخوذ ہے، جس معنی نرم زمین کے ہوتے ہیں، اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ اصل میں خیبر سے بنا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسے اہل خیبر کو نصف پر باقی رکھا تھا۔ (النہایۃ فی غریب الحدیث، ۲/۷)۔

کرتے تھے، اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، یہاں تک کہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے[1] تو ہم نے اس حدیث کے سبب یہ کام چھوڑ دیا۔

عمرو بن دینار سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں: کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یوم النحر کو جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد طواف افاضہ سے پہلے خوشبو لگانے سے منع فرمایا، تو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”طَيَّبْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بِيَدَيَّ لِإِحْرَامِهِ، قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ، وَلِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ، وَسُنَّةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَحَقُّ أَنْ تُتَّبَعَ“[2]۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھنے سے پہلے آپ کے احرام کے لئے اور طواف افاضہ سے پہلے آپ کے تحلل کے لئے، اپنی ہاتھوں سے خوشبو لگائی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی سنت زیادہ مستحق اتباع ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: چنانچہ مائی عائشہ کی روایت کے سبب سالم نے اپنے دادا کا قول چھوڑ دیا۔

امام ابن عبدالبر اور ابن تیمیہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں: یہی ہر مسلمان کا وطیرہ ہونا چاہیے، نہ کہ اس طرح جیسے تقلیدی فرقہ کرتا ہے۔

کتاب العلم[3] - بَابُ مَا جَاءَ فِي ذَمِّ الْقَوْلِ فِي دِينِ اللّٰهِ تَعَالَى بِالرَّأْيِ وَالظَّنِّ وَالْقِيَاسِ عَلَى غَيْرِ أَصْلٍ وَعَيْبِ الْإِكْثَارِ مِنَ الْمَسَائِلِ دُونَ اعْتِبَارٍ - **(اس بات کا بیان کہ اللہ کے دین میں رائے وگمان اور کسی بنیاد کے بغیر قیاس کرنا مذموم ہے، اور جانچ پرکھ کے بغیر سوالات کی کثرت معیوب ہے) کے تحت امام ابن عبدالبر قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

---

(۱) متفق علیہ: بخاری (حدیث ۲۳۴۶)، ومسلم (حدیث ۱۵۴۸)، وغیرہ۔ اور رافع: یہ رافع بن خدیج بن رافع بن عدی انصاری صحابی ہیں، جو غزوۂ احد اور خندق میں شریک رہے، دیکھئے: تقریب التہذیب (۱۸۶۱)۔

(۲) اسے بطریق: عمرو عن سالم عن عائشہ رضی اللہ عنہا امام نسائی (حدیث ۲۶۸۴) نے روایت کیا ہے، اور دوسرے طرق سے امام بخاری (حدیث ۱۲۳۹)، ومسلم (حدیث ۱۱۸۹) اور دیگر محدثین نے ”قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ..“ (طواف کعبہ سے پہلے) کے بغیر روایت کیا ہے۔

(۳) یہ امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر قرطبی رحمہ اللہ کی کتاب ”جامع بیان العلم وفضلہ“ ہے، یہ بڑی یگانہ کتاب ہے، جو بہت سارے آداب پر مشتمل ہے، جن سے طالب علم کو آراستہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالی نے ہمیں اس کی تہذیب کر کے اسے قابل استفادہ بنانے کی توفیق بخشی، جو دار الفتح سے مطبوع ہے، اللہ تعالی کتاب اور دار الفتح دونوں کو نفع بخش بنائے۔

مجھ سے عبد الرحمن بن یحییٰ نے بیان کیا، اور ان سے علی بن محمد نے بیان کیا، اور ان سے احمد بن داود نے بیان کیا، اور ان سے سحنون بن سعید نے بیان کیا، اور ان سے عبد اللہ بن وہب نے بیان کیا، اور ان سے ابن لہیعہ نے بواسطہ ابوالاسود بیان کیا، اور انہوں نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا کہ وہ بیان کرتے ہیں: عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حج میں ہمارے یہاں تشریف لائے، چنانچہ میں ان کے پاس بیٹھا تو انہیں کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَنْتَزِعُ الْعِلْمَ مِنَ النَّاسِ بَعْدَ إِذْ أَعْطَاهُمُوهُ انْتِزَاعًا، وَلَكِنْ يَنْتَزِعُهُ مِنْهُمْ مَعَ قَبْضِ الْعُلَمَاءِ بِعِلْمِهِمْ، فَيَبْقَى نَاسٌ جُهَّالٌ يُسْتَفْتَوْنَ فَيُفْتُونَ بِرَأْيِهِمْ فَيَضِلُّونَ وَيُضِلُّونَ''[1]۔

یقیناً اللہ عزوجل لوگوں کو علم دینے کے بعد ان سے کھینچ کر نہیں لے لے گا، بلکہ علماء کو ان کے علم کے ساتھ موت دے کر لوگوں سے علم کھینچ لے گا، اور چند جاہل لوگ باقی بچیں گے، جن سے فتوے پوچھے جائیں گے اور وہ اپنی رائے سے فتوے دیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں بھی گمراہ کریں گے۔

عروہ کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی، پھر جب عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ دوبارہ حج کے لئے تشریف لائے تو مجھ سے مائی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بھتیجے! ذرا عبد اللہ کے پاس جاؤ اور تم نے ان کے واسطے سے جو حدیث مجھ سے بیان کی تھی اس کا تاکد کراؤ، چانچہ میں نے آ کر ان سے پوچھا، تو انہوں نے مجھے بالکل ویسے ہی بیان کیا جیسے پہلے بیان کیا تھا، میں نے آ کر عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا تو انہوں نے بڑا تعجب کیا، اور کہنے لگیں: اللہ کی قسم! عبد اللہ بن عمرو نے حدیث کو واقعی بہت اچھی طرح ازبر کیا ہے۔

اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہیں اور ان کے بارے میں کلام ہے[2]، لیکن ابن وہب فرماتے ہیں: مجھے

(۱) اس کی سند صحیح ہے۔ جامع بیان العلم وفضلہ (۲/ ۱۶۲-۱۶۳)، البتہ یہ حدیث صحیح بخاری (حدیث ۱۰۰، ۷۳۰۷)، مسلم (۲۶۷۳) اور دیگر کتابوں میں بھی ہے۔ اس میں یہ اضافہ نہیں ہے: عروہ کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی....

(۲) عبد اللہ بن لہیعہ صحیح الکتاب تھے، اپنی کتابوں سے حدیثیں بیان کرتے تھے، یہاں تک کہ کتابیں جل گئیں، لہٰذا جنہوں نے ان سے کتابوں کے جلنے سے پہلے سنا ہے ان کا سننا صحیح ہے اور انہی میں سے عبد اللہ بن وہب بھی ہیں جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے، لہٰذا سند صحیح ہے، دیکھئے: تہذیب الکمال، از حافظ مزی (۱۰/ ۴۵۷)، نیز ان کی متابعت بھی ہوئی ہے جیسا کہ بعد والی سند میں ہے۔

عبد الرحمن بن شریح نے ابو الاسود کے واسطے سے، اور انہوں نے عروہ کے واسطے سے اور انہوں نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

اور مجھ سے عبد الوارث بن سفیان نے بیان کیا ہے، اور ان سے قاسم بن اصبغ نے، اور ان سے عبید بن عبد الواحد بن شریک نے، اور ان سے نعیم بن حماد نے، اور ان سے ابن المبارک نے، اور ان سے عیسیٰ بن یونس نے، اور ان سے حریز بن عثمان رحبی نے اور ان سے عبد الرحمن بن جبیر بن نفیر نے اور ان سے ان کے والد نے، کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى بِضْعٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، أَعْظَمُهَا فِتْنَةً عَلَى أُمَّتِي قَوْمٌ يَقِيسُونَ الدِّينَ بِرَأْيِهِمْ، يُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللَّهُ، وَيُحِلُّونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ تَعَالَى"(۱)۔

میری امت تہتر سے زیادہ فرقوں میں بٹے گی، ان میں میری امت کے لئے سب سے بڑے فتنے والے وہ لوگ ہوں گے جو دین کو اپنی عقل ورائے سے قیاس کریں گے، رائے کے ذریعہ اللہ کے حلال کردہ حکم کو حرام اور حرام کردہ حکم کو حلال ٹھہرائیں گے۔

اور ہمیں احمد بن قاسم اور یعیش بن سعید نے خبر دی ہے اور انہیں قاسم بن اصبغ نے اور انہیں محمد بن اسماعیل ترمذی نے، اور انہیں نعیم نے اور انہیں ابن المبارک نے اور انہیں عیسیٰ بن یونس نے اور انہیں حریز بن عبد الرحمن بن جبیر بن نفیر نے اور انہیں ان کے والد نے، کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى بِضْعٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، أَعْظَمُهَا فِتْنَةً عَلَى أُمَّتِي قَوْمٌ يَقِيسُونَ الْأُمُورَ بِرَأْيِهِمْ، فَيُحَلِّلُونَ الْحَرَامَ وَيُحَرِّمُونَ الْحَلَالَ"(۲)۔

---

(۱) یہ حدیث صحیح نہیں۔ اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۸/ ۹۰) میں، ابن عدی نے الکامل (۷/ ۲۴۸۳) میں، خطیب بغدادی نے الفقیہ والمتفقہ (۱/ ۱۷۹-۱۸۰) اور تاریخ بغداد (۱۳/ ۳۰۷-۳۰۸) میں، بزار نے کشف الاستار (حدیث ۱۷۲) میں، حاکم نے مستدرک (۴/ ۴۳۰) میں، اور ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۳) میں روایت کیا ہے۔ اور ابن عدی اور زرکشی نے المعتبر (۲۲۷) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے، اسی طرح یحییٰ بن معین اور ابو زرعہ رازی نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

(۲) اس سے پیشتر تعلیق ملاحظہ فرمائیں۔

میری امت تہتر سے زیادہ فرقوں میں بٹے گی، ان میں میری امت کے لئے سب سے زیادہ فتنہ پرور وہ لوگ ہوں گے جو احکام و مسائل کو اپنی عقل و رائے سے قیاس کریں گے، چنانچہ حرام کو حلال ٹھہرائیں گے، اور حلال کو حرام ٹھہرائیں گے۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: اسے امام بیہقی نے اپنی سند سے نعیم بن حماد[1] سے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ اس حدیث کو ان سندوں سے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ تمام راویان قابل اعتبار ائمہ وحفاظ ہیں، سوائے حریز بن عثمان کے، کیونکہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے انحراف کئے ہوئے تھے، اور اس کے باوجود امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ان سے حجت پکڑی ہے، اور ساتھ ہی ان کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنی طرف نسبت کردہ علی رضی اللہ عنہ سے انحراف کی بات سے براءت کرلی ہے۔

اور نعیم بن حماد جلیل القدر امام ہیں، وہ جہمیہ کے خلاف ننگی تلوار تھے، اور امام بخاری نے ان سے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

امام ابوعمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہی بے بنیاد قیاس اور دین کے بارے میں اٹکل پچو اور گمان کی بنیاد پر بات کرنا ہے، کیا آپ حدیث میں فرمان نبوی: ''یُحَلِّلُوْنَ الْحَرَامَ وَیُحَرِّمُوْنَ الْحَلَالَ''۔ (وہ حرام کو حلال ٹھہرائیں گے، اور حلال کو حرام ٹھہرائیں گے) پر غور نہیں کرتے! جبکہ معلوم ہے کہ حلال وہ ہے جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں حلال کیا گیا ہے اور حرام وہ ہے جو اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنت میں حرام کیا گیا ہے، لہٰذا جو اس سے بے علم اور نابلد ہو اور پوچھے گئے سوالات کا بلا علم جواب دے، اور کتاب و سنت سے جو کچھ نکلا ہے اُس کے خلاف اپنی رائے سے قیاس کرے' تو وہ شرعی احکام و مسائل کو اپنی رائے سے قیاس کرنے والا ہے' اور ایسا شخص خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کررہا ہے، البتہ جو فروع کو ان کے اصولوں کی طرف لوٹائے وہ اپنی رائے کی بنیاد پر بولنے والا نہیں ہے۔ بات

---

(۱) یہ نعیم بن حماد بن معاویہ خزاعی، ابوعبداللہ مروزی، بھاری بھرکم اور کانے تھے، سنت پر سختی سے کاربند رہنے والے تھے، خلق قرآن کی آزمائش سے دوچار ہوئے، اور ۲۲۹ھ میں جیل ہی میں وفات پائے، اللہ ان پر رحم فرمائے۔ تہذیب الکمال (۱۹/ ۱۲۸-۱۳۸)۔ اور حدیث کو امام بیہقی نے المدخل (ص۱۸۸، فقرہ ۲۰۸) میں روایت کیا ہے، پھر کہا ہے: اس کی روایت میں نعیم بن حماد متفرد ہیں، اور بعض ضعفاء نے اسے ان سے چرالیا ہے، یہ حدیث منکر ہے، اس کے علاوہ دیگر کتابوں میں اس معنی کی دیگر صحیح روایتیں کافی ہیں۔

ختم ہوئی[1]۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابوعمر ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اسے ایسے ہی روایت کیا ہے اور سکوت اختیار کیا ہے نیز اسے رائے کی مذمت پر حجت پکڑنے کے موقع پر ذکر کیا ہے لہٰذا ان کے اس رویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث قابل حجت ہے، نیز اسے امام بیہقی نے المدخل[2] میں بھی روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ اسے بیان کرنے میں نعیم بن حماد تنہا ہیں، اور اُن سے ضعیف راویان کی ایک جماعت نے چرالیا ہے، یہ حدیث منکر ہے، اس معنیٰ کی دیگر صحیح احادیث آئی ہیں جو کافی ہیں، اور توفیق دہندہ اللہ ہی کی ذات ہے۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: شاید اس معنیٰ -یعنی رائے کی مذمت اور نص کی جگہ قیاس کے استعمال کی بابت- کی دیگر صحیح احادیث سے ان کی مراد جو اصل حدیث کی شاہد بھی ہے وہ روایت ہے جسے سنن اربعہ کے مصنفین ابوداود، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ نے اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''افْتَرَقَتِ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى أَوْ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَتَفَرَّقَتِ النَّصَارَى عَلَى إِحْدَى أَوْ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً''[3]۔

یہودی اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹے، اور نصاریٰ (عیسائی) اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹے، اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی۔

اور امام ابوداود نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: سن لو، یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''أَلَا إِنَّ مَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوا عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَإِنَّ هَذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ: ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَهِيَ

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۱۳۹، فقرہ ۱۹۹۷، ایڈیشن اول، دار ابن الجوزی)۔

(۲) المدخل، از امام بیہقی (ص ۱۸۸، فقرہ ۲۰۷)۔

(۳) حدیث صحیح ہے۔ اسے امام ابوداود (حدیث ۴۵۹۶)، ترمذی (حدیث ۲۶۴۰)، ابن ماجہ (حدیث ۳۹۹۱)، اور احمد بن حنبل (۲/۳۳۲) نے روایت کیا ہے۔ اور علامہ البانی نے اسے سلسلہ صحیحہ (حدیث ۲۰۳) میں صحیح قرار دیا ہے، روایت نسائی میں نہیں ہے۔

الْجَمَاعَةُ''[1]۔

سن لو! جو تم سے پہلے اہل کتاب تھے وہ بہتر فرقوں میں بٹے، اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹے گی، بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا، اور وہ جماعت ہے۔

ابن یحییٰ اور عمرو نے اپنی حدیث میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ:

''وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَجَارَى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ، كَمَا يَتَجَارَى الْكَلَبُ بِصَاحِبِهِ''[2]۔

اور میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن میں یہ خواہشات ایسے سرایت کرگئی ہوں گی جیسے کتا کاٹنے کے سبب پیدا ہونے والی بیماری مریض میں سرایت کرجاتی ہے۔

اور عمرو نے کہا ہے:

''الْكَلَبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ''۔

یہ بیماری مریض میں اس طرح سرایت کرجاتی ہے کہ اس کی کوئی رگ یا جوڑ باقی نہیں رہتا جس میں وہ داخل نہ ہوجائے۔

اور امام ترمذی نے فرمایا ہے: کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے:

''هِيَ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي''۔

---

(۱) حدیث حسن ہے۔ اسے ابوداود (حدیث ۴۵۹۷)، احمد (۴ / ۱۰۲)، دارمی (حدیث ۲۵۱۸) اور ابن ابی عاصم نے السنۃ (حدیث ۲) میں روایت کیا ہے، اور علامہ البانی سلسلۃ الصحیحۃ (حدیث ۲۰۴) میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۲) تجاری: یعنی یہ لوگ فاسد خواہشات میں ایک دوسرے کے موافقت کریں گے اور اس پر باہم اکٹھا ہونے کی دعوت دیں گے، ان کے اس عمل کو گھوڑے کے یکساں دوڑ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور الکلب: کاف ولام پر فتحہ کے ساتھ، کتے کو لاحق ہونے والی ایک معروف بیماری ہے، جسیں کتا جسے کاٹ لیتا ہے اس کی موت ہوجاتی ہے، النہایۃ فی غریب الحدیث (۱ / ۲۶۴)۔

اور ابن یحییٰ: محمد بن یحییٰ ذہلی درمیانی طبقہ کے تبع تابعین میں سے ہیں، ۲۵۸ھ میں وفات پائے۔

اور عمرو: عثمان بن سعید قرشی ابوحفص ہیں، ۲۵۰ھ میں وفات پائے۔ یہ دونوں امام ابوداود کے استاذ ہیں، اور حدیث کو امام ابوداود نے (حدیث ۴۵۹۷) روایت کیا ہے۔

یہ وہ جماعت ہوگی جو اس طریقہ پر گامزن رہے گی جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: نعیم بن حماد بخاری کے راویان میں سے ہیں (۱)۔

امام عبدالغنی مقدسی ''الکمال،،(۲) میں فرماتے ہیں: ابن حبان نے کہا ہے کہ یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ: نعیم بن حماد ثقہ صدوق ہیں، سچے آدمی ہیں، میں انہیں سب سے زیادہ جانتا ہوں، وہ بصرہ میں میرے ساتھی تھے، انہوں نے روح بن عبادہ سے پچاس ہزار حدیثیں لکھا ہے (۳)۔

اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: یقیناً وہ ثقہ لوگوں میں سے ہیں (۴)۔

اور امام احمد بن عبداللہ فرماتے ہیں (۵): نعیم بن حماد مروزی ثقہ ہیں۔

اور امام ابو حاتم فرماتے ہیں: ان کا مقام سچائی ہے۔

اور امام ابن سعد فرماتے ہیں: نعیم ادب اور شرافت والوں میں سے تھے، انہوں نے عراق اور حجاز میں بہت زیادہ حدیثیں حاصل کیں، پھر مصر آئے اور وہاں برابر مقیم رہے یہاں تک کہ ابو اسحاق بن ہارون (۶) کی خلافت میں وہاں سے نکل گئے، اور خلق قرآن کے مسئلہ میں ان سے پوچھا گیا، تو ان کی چاہت کے مطابق کوئی بھی جواب دینے سے انکار کر دیا، جس کے نتیجہ میں انہیں سامراء میں قید کر دیا گیا، اور پھر قید ہی میں رہے یہاں تک کہ سنہ ۲۲۸ھ میں جیل ہی میں ان کی وفات ہوگئی (۷)۔

اور امام ابو بکر خطیب بغدادی فرماتے ہیں: بتایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مسند جمع کی اور تصنیف کیا وہ

---

(۱) جی ہاں بخاری کے راویان میں سے ہیں، لیکن امام بخاری نے ان سے مقروناً (دوسرے راوی کے ساتھ) روایت کیا ہے، جیسا کہ حافظ مزی نے ذکر کیا ہے، تہذیب الکمال (۱۹/۱۳۹)، جس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ متابعات وشواہد میں ان کی روایت قبول کی جائے گی اور انفرادی طور پر رد کر دی جائے گی۔

(۲) یہ عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی ہیں، اور ان کی کتاب ''الکمال فی أسماء الرجال'' ہے۔

(۳) تہذیب الکمال (۱۹/۱۳۱)، نیز صفحہ (۱۳۴) میں یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ''حدیث میں ان کی کوئی حیثیت نہیں لیکن وہ صاحب سنت تھے''۔

(۴) تہذیب الکمال (۱۹/۱۳۰)۔

(۵) یہ احمد بن عبداللہ بن صالح ابو الحسن عجلی ہیں، امام و پیشوا تھے، ۲۶۱ھ میں وفات پائے، شذرات الذہب (۲/۱۴۱)، اور ان کا قول تہذیب الکمال (۱۹/۱۳۲) میں ہے۔

(۶) یہ عباسی خلیفہ معتصم باللہ محمد بن ہارون الرشید بن مہدی ہیں، (۱۷۹-۲۲۷ھ)، الأعلام، از زرکلی (۷/۳۵۱)۔

(۷) تہذیب الکمال (۱۹/۱۳۷)۔

نعیم بن حماد میں [1]۔ امام بخاری، ترمذی، ابو داود اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: جب آپ کو یہ بات معلوم ہوگئی تو مذکورہ حدیث اور اس سے حجت پکڑنے کی بابت حافظ ابو عمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی خاموشی کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی [2]۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم سے عبید بن محمد نے بیان کیا، اور اُن سے عبداللہ بن محمد قاضیٔ قلزم نے بیان کیا، اور ان سے محمد بن ابراہیم بن زیاد بن عبداللہ رازی نے بیان کیا، اور ان سے حارث بن عبداللہ نے ہمذان میں بیان کیا، اور ان سے عثمان بن عبدالرحمن وقاصی نے امام زہری کے واسطے سے بیان کیا، اور ان سے سعید بن مسیب نے بیان کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تَعْمَلُ هَذِهِ الْأُمَّةُ بُرْهَةً بِكِتَابِ اللَّهِ، وَبُرْهَةً بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، ثُمَّ يَعْمَلُونَ بِالرَّأْيِ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ فَقَدْ ضَلُّوا'' [3]۔

یہ امت ایک مدت تک اللہ کی کتاب پر عمل کرے گی، اور ایک مدت تک رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرے گی، پھر عقل ورائے پر عمل کرے گی، اور جب یہ رائے پر عمل کریں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔

ہمیں محمد بن خلیفہ نے بتلایا، ان سے محمد بن حسین نے بیان کیا، ان سے محمد بن لیث نے بیان کیا، ان سے جبارہ بن

---

(۱) تہذیب الکمال (۱۹/ ۱۳۰)۔

(۲) بلکہ امام ابن معین اور ابوزرعہ دمشقی نے اس حدیث کا انکار کیا ہے جیسا کہ تہذیب الکمال (۱۹/ ۱۳۲-۱۳۴) میں ہے۔ اور امام خطیب بغدادی فرماتے ہیں: اس حدیث کے سبب نعیم بن حماد کا مقام بہت سے علماء کے یہاں گر گیا۔ اور نعیم بن حماد کے بارے میں فیصلہ کن بات امام ابن حجر رحمہ اللہ کی ہے جو انہوں نے تہذیب التہذیب میں نعیم کی برائی کرنے والوں کے اقوال کی تردید کرنے کے بعد فرمائی ہے، کہتے ہیں: نعیم کا معاملہ یہ ہے کہ ان کی عدالت وسچائی ثابت شدہ ہے، البتہ ان کی حدیثوں میں کچھ اوہام ہیں جو معروف ہیں۔ اسی طرح نعیم کے بارے میں امام دارقطنی فرماتے ہیں: سنت کے امام ہیں کثیر الوہم ہیں۔ اور ابو احمد حاکم فرماتے ہیں: بسا اوقات ان کی بعض احادیث میں مخالفت کی گئی ہے، اور یہ بات گزر چکی ہے کہ امام ابن عدی ان حدیثوں کو تلاش کر رہے تھے جن میں ان سے وہم ہوا ہے۔ تہذیب التہذیب، (۱۰/ ۴۱۲-۴۱۳)۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ابن عدی نے نعیم کے جن اوہام کو جمع کیا ہے ان پر غور وفکر کے بعد ہی حکم لگایا ہے، اور جو حدیثیں ان میں شامل نہیں ہیں وہ اپنی اصل یعنی سلامتی پر باقی ہیں، واللہ اعلم۔

(۳) ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۳)، نیز اسے ابو یعلی (حدیث ۵۸۵۶) نے اپنی مسند میں، اور خطیب بغدادی (۲/ ۱۷۹) نے الفقیہ والمتفقہ میں روایت کیا ہے۔ اس میں عثمان بن عبدالرحمن وقاصی نامی راوی ہے جسے ابن معین نے کذاب قرار دیا ہے، تقریب التہذیب (۴۴۹۳)۔

مغلس نے بیان کیا، ان سے حماد بن یحییٰ الابح نے بیان کیا، وہ زہری سے، اور وہ سعید بن مسیب سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تَعْمَلُ هَذِهِ الْأُمَّةُ بُرْهَةً بِكِتَابِ اللَّهِ ثُمَّ تَعْمَلُ بُرْهَةً بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ تَعْمَلُ بَعْدَ ذَلِكَ بِالرَّأْيِ فَإِذَا عَمِلُوا بِالرَّأْيِ ضَلُّوا''[1]۔

یہ امت ایک مدت تک اللہ کی کتاب پر عمل کرے گی، پھر ایک مدت تک رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرے گی، پھر عقل ورائے پر عمل کرے گی، اور جب رائے پر عمل کریں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔

میں -یعنی ابن عبد البر- کہتا ہوں: اس حدیث کی سند میں جبارہ بن مغلس نامی راوی ہے' جس کے بارے میں کئی لوگوں نے کلام کیا ہے' اور یہ ابن ماجہ کے راویوں میں سے ہے۔

اور ہم سے عبد الرحمن بن یحییٰ نے بیان کیا، اور ان سے علی بن محمد نے بیان کیا، اور ان سے احمد بن داود نے بیان کیا، اور ان سے سحنون نے بیان کیا، اور ان سے ابن وہب نے بیان کیا، اور ان سے یونس بن یزید نے بیان کیا، اور وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا:

''يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الرَّأْيَ إِنَّمَا كَانَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مُصِيبًا؛ لِأَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُرِيهِ، وَإِنَّمَا هُوَ مِنَّا الظَّنُّ وَالتَّكَلُّفُ''[2]۔

اے لوگو! یقیناً رائے رسول اللہ ﷺ کی درست ہوتی تھی، کیونکہ اللہ عزوجل آپ کو سجھاتا تھا، لیکن ہماری رائے محض گمان اور تکلف ہے۔

میں -یعنی ابن عبد البر- کہتا ہوں: یہ روایت منقطع ہے' کیونکہ ابن شہاب نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا ہے، اور اسی سند سے امام بیہقی نے اسے المدخل میں بھی روایت کیا ہے، اور فرمایا ہے: کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کے یہ

(۱) یہ بھی ضعیف ہے۔ اس میں حماد بن یحییٰ الابح نامی راوی ہے' جو صدوق ہے غلطیاں کرتا ہے تقریب التہذیب (۱۵۰۹)، اور دوسرا راوی جبارہ بن مغلس ہے جو ضعیف ہے تقریب التہذیب (۸۹۰)، اس سے پہلے کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

[نوٹ: علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتابوں میں مذکورہ دونوں سندوں سے اسے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھئے: سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ (۷/ ۳۱۸، نمبر ۳۳۰۹)، وضعیف الجامع الصغیر (ص: ۳۶۱ نمبر ۲۴۵۷) (مترجم)]۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۴)، والفقیہ والمتفقہ، از خطیب بغدادی (۲/ ۱۸۰-۱۸۱)۔

تمام آثار مرسل یعنی منقطع ہیں [1]۔ بات ختم ہوئی۔

نیز اسی سند سے ابن وہب سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ مجھے ابن لہیعہ نے ابن الہاد [2] کے واسطے سے بتلایا، اور وہ محمد بن ابراہیم تیمی سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أَصْبَحَ أَهْلُ الرَّأْيِ أَعْدَاءَ السُّنَنِ؛ أَعْيَتْهُمُ الْأَحَادِيثُ أَنْ يَعُوهَا وَتَفَلَّتَتْ مِنْهُمْ أَنْ يَرْوُوهَا فَاسْتَبَقُوهَا بِالرَّأْيِ" [3]۔

اہل رائے سنتوں کے دشمن ہیں، وہ حدیثوں کو سمجھنے سے عاجز رہے، اور روایت کرنے سے بے بس رہ گئے تو رائے اپنا کر انہیں پیچھے چھوڑ دیا۔

ابن وہب فرماتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عیاش نے محمد بن عجلان کے واسطے سے خبر دی، وہ عبید اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اتَّقُوا الرَّأْيَ فِي دِينِكُمْ" [4]۔

اپنے دین میں رائے سے بچو۔

سحنون فرماتے ہیں: یعنی بدعات سے بچو۔

نیز ابن وہب فرماتے ہیں: کہ مجھے مدینہ کے ایک شخص نے ابن عجلان کے واسطے سے بتلایا، اور وہ صدقہ بن ابوعبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"إِنَّ أَصْحَابَ الرَّأْيِ أَعْدَاءُ السُّنَنِ؛ أَعْيَتْهُمْ أَنْ يَحْفَظُوهَا، وَتَفَلَّتَتْ مِنْهُمْ أَنْ يَعُوهَا، وَاسْتَحْيَوْا حِينَ سُئِلُوا، أَنْ يَقُولُوا: لَا نَعْلَمُ، فَعَارَضُوا السُّنَنَ بِرَأْيِهِمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ" [5]۔

یقیناً اہل رائے سنتوں کے دشمن ہیں، وہ سنتوں کو یاد نہ کر سکے اور انہیں سمجھنے سے عاجز رہے، اور سوال کئے

---

(۱) المدخل از بیہقی، (ص ۱۸۹-۱۹۰)، نیز سنن میں بھی روایت کیا ہے (۱۰/ ۱۷)۔

(۲) یہ یزید بن عبداللہ بن اسامہ بن الہاد لیثی، صحیحین کے راویوں میں سے ہیں۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۴)، اور اس میں "فاستبقوھا بالرأی" کے الفاظ ہیں یعنی رائے اپنا کر اسے پس پشت ڈال دیا، سند صحیح ہے۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۴)، والمدخل از بیہقی، (ص ۱۸۹-۱۹۰، فقرہ ۲۱۰)، ص (۱۳۴) میں بھی ذکر آئے گا۔

(۵) جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۴)۔

جانے پر انہیں یہ کہنے میں بھی شرم آئی کہ "ہم نہیں جانتے"، تو انہوں نے اپنی رائے سے سنت کی مخالفت کی، لہٰذا تم ان سے بچ کر رہنا اور انہیں اپنے سے قریب نہ پھٹکنے دینا۔

ہم سے احمد بن عبد اللہ نے بیان کیا، اور ان سے ان کے والد نے بیان کیا (تحویل سند) اسی طرح ہم سے عبد اللہ بن محمد بن یوسف نے بیان کیا، اور ان سے سہل بن ابراہیم نے بیان کیا، اور دونوں (سہل اور عبد اللہ) سے محمد بن فطیس نے بیان کیا، اور ان سے احمد بن یحییٰ اودی صوفی نے بیان کیا، اور ان سے عبد الرحمن بن شریک نے بیان کیا، اور ان سے ان کے والد نے بیان کیا، اور اس سے مجالد بن سعید نے بیان کیا، اور ان سے عامر بن شراحیل شعبی نے عمرو بن حریث کے واسطے سے بیان کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إِيَّاكُمْ وَأَصْحَابَ الرَّأْيِ؛ فَإِنَّهُمْ أَعْدَاءُ السُّنَنِ، أَعْيَتْهُمُ الْأَحَادِيثُ أَنْ يَحْفَظُوهَا، فَقَالُوا بِالرَّأْيِ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا"[1]۔

اہل رائے سے بچ کر رہنا؛ کیونکہ وہ سنتوں کے دشمن ہیں، ان سے حدیثیں یاد نہ ہوسکیں تو رائے سے فتویٰ دینے لگے، لہٰذا خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

ہم سے محمد بن خلیفہ نے بیان کیا، ان سے محمد بن حسین بغدادی نے بیان کیا، ان سے ابو بکر بن ابو داود نے بیان کیا، ان سے محمد بن عبد الملک قزاز نے بیان کیا، ان سے ابن ابی مریم نے بیان کیا[2]، ان سے نافع بن یزید نے ابن الہاد کے واسطے سے بیان کیا، وہ محمد بن ابراہیم تیمی سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إِيَّاكُمْ وَالرَّأْيَ؛ فَإِنَّ أَصْحَابَ الرَّأْيِ أَعْدَاءُ السُّنَنِ، أَعْيَتْهُمُ الْأَحَادِيثُ أَنْ يَعُوهَا، وَتَفَلَّتَتْ مِنْهُمْ أَنْ يَحْفَظُوهَا، فَقَالُوا فِي الدِّينِ بِرَأْيِهِمْ"[3]۔

رائے سے بچو؛ کیونکہ اہل رائے سنتوں کے دشمن ہیں، وہ حدیثوں کو سمجھنے سے عاجز رہ گئے اور وہ انہیں یاد نہ ہوسکیں، تو دین میں اپنی رائے سے فتویٰ دیا۔

---

(۱) سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۴)، اس میں مجالد بن سعید نامی راوی بالاتفاق ضعیف ہے تقریب التہذیب (۶۴۷۸)۔

(۲) یہ سعید بن حکم بن محمد بن سالم بن ابو مریم ہیں، ثقہ ثابت ہیں۔ تقریب التہذیب (۲۲۸۶)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۵)۔

امام ابو بکر بن ابو داود رحمہ اللہ [1] نے سنت سے متعلق اپنے قصیدہ میں فرمایا:

وَدَعْ عَنْكَ آرَاءَ الرِّجَالِ وَقَوْلَهُمْ ۔۔۔ فَقَوْلُ رَسُولِ اللّٰهِ أَزْكَى وَأَشْرَحُ

لوگوں کی رائیں اور باتیں اپنے سے دور رکھو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ان سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور واضح تر ہے۔

ہم سے احمد بن عبد اللہ بن بیان کیا، ان سے حسن بن اسماعیل نے بیان کیا، ان سے عبد الملک بن بحر نے بیان کیا، ان سے محمد بن اسماعیل نے بیان کیا، ان سے سنید [2] نے بیان کیا، ان سے یحییٰ بن زکریا نے بیان کیا، اور وہ مجالد بن سعید سے روایت کرتے ہیں اور وہ شعبی سے اور وہ مسروق سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا وَهُوَ شَرٌّ مِنَ الَّذِي قَبْلَهُ، أَمَا إِنِّي لَا أَقُولُ: أَمِيرٌ خَيْرٌ مِنْ أَمِيرٍ وَلَا عَامٌ أَخْصَبُ مِنْ عَامٍ، وَلٰكِنَّ فُقَهَاءَكُمْ يَذْهَبُونَ ثُمَّ لَا تَجِدُونَ مِنْهُمْ خَلَفًا، وَيَجِيءُ قَوْمٌ يَقِيسُونَ الْأُمُورَ بِرَأْيِهِمْ“ [3]۔

تم پر جو بھی دور آئے گا وہ پہلے سے بدتر ہو گا، خبردار! میں یہ نہیں کہنا چاہتا ہوں کہ فلاں امیر فلاں امیر سے بہتر ہو گا، نہ ہی یہ کہ فلاں سال فلاں سال سے زیادہ سرسبز ہو گا، بلکہ تمہارے فقہاء دنیا سے چلے جائیں گے اور تم ان کے بعد ان کا جانشین نہیں پاؤ گے، اور کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو احکام و مسائل کو اپنی رائے سے قیاس کریں گے۔

ہم سے عبد الرحمن نے بیان کیا، ان سے علی نے بیان کیا، ان سے سحنون نے بیان کیا، ان سے ابن وہب نے بیان کیا، ان سے سفیان نے بیان کیا، وہ مجالد سے روایت کرتے ہیں، اور وہ شعبی سے اور وہ مسروق سے اور وہ

(۱) یہ عبد اللہ بن ابو داود سلیمان بن اشعث، ابو بکر سجستانی حافظ امام بن امام ہیں، ۳۱۶ھ میں وفات پائے۔ طبقات الحنابلہ (۲/ ۵۱)، وتذکرۃ الحفاظ (۲/ ۷۶۷)۔

(۲) یہ سنید بن داود مصیصی محتسب ابو عبد اللہ ہیں، امام ابن ماجہ نے ان کی روایت لی ہے، اپنی امامت کے باوجود ضعیف قرار دیئے گئے ہیں، کیونکہ اپنے استاذ حجاج بن محمد کو تلقین کرتے تھے۔ تقریب التہذیب (۲۶۴۶)۔

(۳) اثر ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۵)، ودارمی (۱۸۸)، والمعجم الکبیر، از طبرانی (۹/ ۱۰۹)، والفقیہ والمتفقہ، از خطیب (۱/ ۱۸۲)۔ اس میں مجالد بن سعید ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے، جیسا کہ گزرا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے فرمایا:

''لَيْسَ عَامٌ إِلَّا وَالَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ، لَا أَقُولُ: عَامٌ أَمْطَرُ مِنْ عَامٍ، وَلَا عَامٌ أَخْصَبُ مِنْ عَامٍ، وَلَا أَمِيرٌ خَيْرٌ مِنْ أَمِيرٍ، وَلَكِنْ ذَهَابُ خِيَارِكُمْ وَعُلَمَائِكُمْ، ثُمَّ يَحْدُثُ قَوْمٌ يَقِيسُونَ الْأُمُورَ بِرَأْيِهِمْ فَيُهْدَمُ الْإِسْلَامُ وَيُثْلَمُ''(۱)۔

ہر سال کے بعد والا سال اُس سے بدتر ہوگا، میں یہ نہیں کہنا چاہتا ہوں کہ فلاں سال میں فلاں سال سے زیادہ بارش ہوگی، نہ یہ کہ فلاں سال فلاں سال سے زیادہ شاداب ہوگا، اور نہ ہی یہ کہ فلاں امیر فلاں سے بہتر ہوگا، بلکہ تمہارے نیک لوگ اور علماء دنیا سے چلے جائیں گے، پھر کچھ نئے لوگ پیدا ہوں گے جو مسائل کو اپنی رائے سے قیاس کریں گے جس سے اسلام ڈھہ جائے گا اور کھوکھلا ہو کر رہ (ٹوٹ) جائے گا۔

ہم سے محمد بن ابراہیم نے بیان کیا، ان سے احمد بن مطرف نے بیان کیا، ان سے سعید بن عثمان اور سعید بن حمیر نے بیان کیا، ان سے یونس بن عبد الاعلیٰ نے بیان کیا، ان سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، وہ مجالد بن سعید سے روایت کرتے ہیں، وہ شعبی کے واسطے سے مسروق سے روایت کرتے ہیں، اور وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے، کہ آپ نے فرمایا:

''لَيْسَ عَامٌ إِلَّا وَالَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ، وَلَا أَقُولُ: عَامٌ أَمْطَرُ مِنْ عَامٍ، وَلَا عَامٌ أَخْصَبُ مِنْ عَامٍ، وَلَا أَمِيرٌ خَيْرٌ مِنْ أَمِيرٍ، وَلَكِنْ ذَهَابُ خِيَارِكُمْ وَعُلَمَائِكُمْ، ثُمَّ يَحْدُثُ قَوْمٌ يَقِيسُونَ الْأُمُورَ بِرَأْيِهِمْ فَيُهْدَمُ الْإِسْلَامُ وَيُثْلَمُ''(۲)۔

ہر سال کے بعد والا سال اُس سے بدتر ہوگا، میں یہ نہیں کہنا چاہتا ہوں کہ فلاں سال میں فلاں سال سے زیادہ بارش ہوگی، نہ یہ کہ فلاں سال فلاں سال سے زیادہ شاداب ہوگا، اور نہ ہی یہ کہ فلاں امیر فلاں سے بہتر ہوگا، بلکہ تمہارے نیک لوگ اور علماء دنیا سے چلے جائیں گے، پھر کچھ نئے لوگ پیدا ہوں گے جو مسائل کو

---

(۱) سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲ / ۱۶۵)، اس کا حال سابقہ روایت جیسا ہے۔ عبد الرحمن: عبد الرحمن بن یحییٰ ہیں، علی: علی بن محمد ہیں، احمد: احمد بن داود ہیں، سحنون: سحنون بن سعید ہیں، ابن وہب: عبد اللہ بن وہب ہیں، سفیان: سفیان بن عیینہ ہیں، مسروق: مسروق بن اجدع ہیں، رحمہم اللہ جمیعاً۔ اور ''یثلم'' کے معنیٰ ہیں ٹوٹ جائے گا۔ (لسان العرب، مادۃ: ثلم)۔

(۲) اس کی حالت سابقہ روایت جیسی ہے، جامع بیان العلم (۲ / ۱۶۵)، والمدخل، از بیہقی، (ص ۱۸۷، فقرہ ۲۰۵)۔

اپنی رائے سے قیاس کریں گے، جس سے اسلام ڈھ جائے گا اور کھوکھلا ہو کر رہ (ٹوٹ) جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اسے امام بیہقی نے بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک ایسی سند سے روایت کیا ہے، جس کے راویان ثقہ ہیں[1]۔

ہم سے یونس بن عبد اللہ نے بیان کیا، ان سے محمد بن معاویہ نے بیان کیا، ان سے جعفر بن محمد فریابی نے بیان کیا، ان سے ابو بکر بن ابی شعبہ نے بیان کیا، ان سے ابو خالد احمر نے بیان کیا، اور وہ شعبی کے واسطے سے مسروق سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قُرَّاؤُكُمْ وَعُلَمَاؤُكُمْ يَذْهَبُونَ، وَيَتَّخِذُ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا''[2]۔

تمہارے فقہاء وعلماء چلے جائیں گے اور لوگ جاہل سردار بنا لیں گے۔

ہم سے احمد بن عبد اللہ نے بیان کیا، ان سے حسن بن اسماعیل نے بیان کیا، ان سے عبد الملک بن بحر نے بیان کیا، ان سے محمد بن اسماعیل نے بیان کیا، ان سے سنید بن داود نے بیان کیا، ان سے محمد بن فضیل نے بیان کیا، اور وہ سالم بن ابو حفصہ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ منذر ثوری کے واسطے سے ربیع بن خثیم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے پوچھا: اے عبد اللہ! اللہ نے آپ کو کتاب اللہ کا جو علم عطا فرمایا ہے اس پر اللہ کی حمد کیجئے اور جو علم اللہ نے اپنے لئے خاص رکھا ہے، اُسے اس کے جاننے والے کے سپرد کر دیجئے، اس کی کرید میں نہ پڑیئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ ۝٨٦ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَـٰلَمِينَ ۝٨٧ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُۥ بَعْدَ حِينٍۭ ۝٨٨ ﴾ [ص: ٨٦-٨٨][3]۔

کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ یہ تو تمام جہان والوں کے لئے سراسر نصیحت (وعبرت) ہے۔ یقیناً تم اس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد (صحیح

---

(۱) اسے امام بیہقی نے المدخل (ص ۱۸۶-۱۸۷) میں بطریق: مجالد عن الشعبی عن مسروق ذکر کیا ہے، اور مجالد بن سعید ثقہ نہیں ہیں۔

(۲) اس کی سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲/۱۶۶)، اور ابو خالد احمر سلیمان بن حیان ازدی کوفی ہیں، صدوق ہیں غلطیاں کرتے ہیں، تقریب التہذیب (۲۵۴۷)۔

(۳) اس کی سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲/۱۶۶)، اس میں سنید بن داود ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے، اور سالم بن ابو حفصہ: عجلی ابو انس کوفی ہیں، حدیث میں صدوق ہیں البتہ غالی شیعی ہیں، تقریب التہذیب (۲۱۷۱)، اور منذر: منذر بن یعلی ثوری ابو یعلی کوفی ہیں، ثقہ ہیں، تقریب التہذیب (۶۸۹۴)۔

طور پر) جان لو گے۔

فرماتے ہیں: - کہنے والے اس سے پہلے والی سند میں محمد بن اسماعیل ہیں، لہٰذا معلوم رہے [(۱)] - ہم سے سنید نے بیان کیا، ان سے محمد بن فضیل نے بیان کیا، اور وہ داود بن ابو ہند سے روایت کرتے ہیں، اور وہ مکحول کے واسطے سے ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّ اللَّهَ فَرَضَ عَلَيْكُمْ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا، وَنَهَى عَنْ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا، وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَعَفَا عَنْ أَشْيَاءَ رَحْمَةً لَكُمْ لَا عَنْ نِسْيَانٍ، فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا'' [(۲)]۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں فرض کی ہیں لہٰذا انہیں ضائع نہ کرو، اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے، انہیں پامال نہ کرو، اور کچھ پابندیاں عائد کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، اور کچھ چیزوں کو تم سے بھول کر نہیں، بلکہ تم پر رحم کرتے ہوئے، معاف کر دیا ہے، ان کے بارے میں کھود کرید نہ کرو۔

ہم سے عبد الرحمن نے بیان کیا،، ان سے احمد نے بیان کیا، ان سے اسحاق نے بیان کیا، ان سے محمد بن علی نے بیان کیا، ان سے عفان نے بیان کیا، ان سے عبد الرحمن بن زیاد نے بیان کیا، ان سے حسن بن عمرو فقیمی نے بیان، وہ ابو فزارہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''إِنَّمَا هُوَ كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّةُ رَسُولِهِ، فَمَنْ قَالَ بَعْدَ ذَلِكَ شَيْئًا بِرَأْيِهِ فَمَا أَدْرِي أَفِي حَسَنَاتِهِ يَجِدُهُ أَمْ فِي سَيِّئَاتِهِ؟'' [(۳)]۔

---

(۱) یہ مولف کی بات ہے، آنے والی سند میں قائل کی وضاحت کر رہے ہیں، کیونکہ جامع بیان العلم میں: ہم سے سنید نے بیان کیا۔۔۔ ہے۔

(۲) سند ضعیف ہے، لیکن حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ سنید ضعیف ہیں، اور مکحول کی ابو ثعلبہ سے سماعت ثابت نہیں ہے، تہذیب الکمال (۶۷۶۲)، اس حدیث کے مرفوع و موقوف ہونے میں اختلاف ہے، لیکن مرفوع ہونا زیادہ قریب ہے۔ اسے (مرفوعاً) امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۶) میں، دارقطنی نے اپنی سنن (۴/ ۱۸۳-۱۸۴) میں، ابو نعیم نے الحلیۃ (۹/ ۱۷) میں، خطیب بغدادی نے الفقیہ والمتفقہ (۲/ ۹) میں، بیہقی نے السنن الکبری (۱۰/ ۱۲-۱۳) میں، اور طبرانی نے معجم کبیر (۲۲/ ۲۲۱-۲۲۲، حدیث ۵۸۹) میں روایت کیا ہے۔ جبکہ موقوفاً اسے امام بیہقی نے (۱۰/ ۱۲) روایت کیا ہے، اس کے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے کچھ شواہد بھی موجود ہیں جو نا قابل حجت ہیں، اسے بزار (حدیث ۱۲۳)، حاکم (۲/ ۳۷۵)، بیہقی نے سنن (۱۰/ ۲) میں، اور طبرانی نے اوسط (حدیث ۴۷۶۱) میں روایت کیا ہے۔ اور اس میں احرم بن حوشب متروک ہے، اسی طرح دارقطنی نے اپنی سنن (۴/ ۲۸۹) میں روایت کیا ہے، اور اس میں نہشل خراسانی ہے وہ بھی متروک ہے۔

[نوٹ: اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی شواہد کی بنیاد پر حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: تخریج ''الایمان'' لابن تیمیہ، (ص: ۴۳)۔ (مترجم)]

(۳) اس کی سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۶)، اس میں عبد الرحمن بن زیاد بن انعم افریقی ہے، جو ضعیف ہے، تقریب التھذیب ===

حق اور قابل اتباع تو بس اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہیں، اب اُن کے بعد کوئی اپنی رائے سے کچھ کہے تو مجھے نہیں معلوم کہ وہ اُسے اپنی نیکیوں میں پائے گا یا اپنے گناہوں میں؟

ہم سے عبدالرحمن نے بیان کیا، ان سے علی نے بیان کیا، ان سے احمد نے بیان کیا، ان سے سحنون نے بیان کیا، ان سے ابن وہب نے بیان کیا، ان سے ابن لہیعہ نے بیان کیا، اور وہ عبید اللہ بن ابی جعفر سے روایت کرتے ہیں' وہ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''السُّنَّةُ مَا سَنَّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، لَا تَجْعَلُوا خَطَأَ الرَّأْيِ سُنَّةً لِلْأُمَّةِ''[1]۔

سنت وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مشروع کیا ہے، لہٰذا رائے کی غلطی کو امت کے لئے سنت نہ بناؤ۔

اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، ایسا محسوس ہوتا ہے گویا انہیں اس چیز کے وقوع کا علم ہوگیا ہو' لہٰذا اس سے چوکنا کر رہے ہوں، کیونکہ اِن زمانوں میں ہم نے سنت رسول ﷺ کے خلاف کتاب اللہ سے متصادم رائے دیکھا ہے' جسے لوگوں نے سنت بنا رکھا ہے اور اسے دین قرار دیا ہے' جس کی طرف وہ باہمی تنازعہ کے وقت رجوع کرتے ہیں، اور اسے مذہب کا نام دے رکھا ہے، اللہ کی قسم! یہ ایک بہت بڑی آفت ومصیبت اور حمیت وعصبیت ہے جس سے اسلام دوچار ہے! إنا للہ وإنا إلیہ راجعون[2]۔

ابن وہب فرماتے ہیں: مجھ سے یحییٰ بن ایوب نے ہشام بن عروہ کے واسطے سے بتلایا کہ انہوں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا ہے:

''لَمْ يَزَلْ أَمْرُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مُسْتَقِيمًا، حَتَّى أَدْرَكَ فِيهِمُ الْمُوَلَّدُونَ أَبْنَاءُ سَبَايَا الْأُمَمِ فَأَحْدَثُوا فِيهِمْ بِالرَّأْيِ فَأَضَلُّوا بَنِي إِسْرَائِيلَ''[3]۔

بنی اسرائیل کا دینی معاملہ ٹھیک ٹھاک تھا، یہاں تک کہ ان میں وہ لوگ پیدا ہوئے اور پرورش پائے' جو

=== (۳۸۶۲)، اسی طرح ابوفزارہ راشد بن کیسان اور ابن عباس کے درمیان انقطاع ہے۔

(۱) اس کے راویان ثقہ ہیں۔ البتہ عبید اللہ بن ابوجعفر اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۶)۔

(۲) ''اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے'' سے لے کر یہاں تک، مولف کی بات ہے۔

(۳) اس کی سند صحیح ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۶-۱۶۷)، ابن وہب تک اس کی سند وہی سابق سند ہے یعنی عبد الرحمن بن یحییٰ عن علی بن محمد عن احمد بن داود عن سحنون عنہ۔

ان میں سے نہ تھے، یعنی دیگر قوموں سے آئے ہوئے بنی اسرائیلیوں کے غلاموں کی اولاد تھے، چنانچہ انہوں نے ان میں اپنے رائے نافذ کی اور بنی اسرائیل کو گمراہ کر دیا۔

اور ابن وہب فرماتے ہیں: کہ مجھے یحییٰ بن ایوب نے بتلایا، وہ عیسیٰ بن ابو عیسیٰ کے واسطے سے شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ ان کو فرماتے ہوئے سنا:

''إِيَّاكُمْ وَالْمُقَايَسَةَ فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَئِنْ أَخَذْتُمْ بِالْمُقَايَسَةِ لَتُحِلُّنَّ الْحَرَامَ وَلَتُحَرِّمُنَّ الْحَلَالَ، وَلَكِنْ مَا بَلَغَكُمْ مِنْ حِفْظٍ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَاحْفَظُوهُ''[1]۔

قیاس آرائی ورائے زنی سے بچو، اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم قیاس آرائی سے کام لوگے تو ضرور حرام کو حلال ٹھہراؤ گے اور حلال کو حرام کرو گے، لہٰذا اس کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی حفظ کردہ جو حدیثیں تمہیں ملیں انہیں یاد کرو۔

ہم سے خلف بن قاسم نے بیان کیا، ان سے محمد بن قاسم بن شعبان نے بیان کیا، ان سے اسحاق بن ابراہیم بن یونس نے بیان کیا، ان سے عبد اللہ بن محمد الضعیف نے بیان ہے، ان سے اسماعیل بن علیہ نے بیان، ان سے صالح بن مسلم نے بیان کیا، وہ امام شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''إِنَّمَا هَلَكْتُمْ حِينَ تَرَكْتُمُ الْآثَارَ، وَأَخَذْتُمْ بِالْمَقَايِيسِ''[2]۔

یقیناً تم اس وقت ہلاک ہوئے جب تم نے احادیث کو چھوڑ کر قیاس آرائیاں اپنالیں۔

اور شعبی مسروق سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''لَا أَقِيسُ شَيْئًا بِشَيْءٍ، قُلْتُ: لِمَ؟ قَالَ: أَخْشَى أَنْ تَزِلَّ رِجْلِي''[3]۔

---

(۱) اس کی سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۷)، اس میں عیسیٰ بن ابوعیسیٰ الحناط نامی راوی متروک ہے، تقریب التھذیب (۵۳۱۷)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۷)، والحلیۃ، از ابونعیم (۴/ ۳۲۰)، والفقیہ والمتفقہ، از خطیب بغدادی (۱/ ۱۸۴)، اس میں ایک راوی صالح بن مسلم ابن رومان ضعیف ہے، تقریب التھذیب (۷۰۱۱)۔

(۳) اس کی سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۷)، اسے امام ابن عبد البر نے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: ہم سے خلف بن قاسم نے بیان کیا، ان سے ابن شعبان نے بیان کیا، ان سے محمد بن محمد بن بدر نے بیان کیا، ان سے ابو ہمام نے بیان کیا، ان سے اشجعی نے بیان کیا، وہ جابر سے وہ شعبی سے اور وہ مسروق سے روایت کرتے ہیں۔ مصنف کے اس سند کے ذکر نہ کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سابق سند سے مروی ہے، اور اس میں جابر بن یزید جعفی ہے جو ضعیف اور رافضی ہے، تقریب التھذیب (۸۷۸)۔

میں کسی چیز کو کسی پر قیاس نہیں کرتا! میں نے کہا: کیوں؟ فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ میرا قدم پھسل جائے گا۔

ہم سے ابن قاسم نے بیان، ان سے ابن شعبان نے بیان کیا، ان سے اسحاق بن ابراہیم نے بیان کیا، ان سے محمد بن علی بن حسن بن شقیق نے بیان کیا، ان سے نضر بن شمیل نے بیان کیا، ان سے ابن عون نے بیان کیا کہ ابن سیرین نے فرمایا:

"كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ عَلَى الطَّرِيقِ مَا دَامَ عَلَى الْأَثَرِ"[1]۔

صحابہ کا یہی خیال تھا کہ آدمی جب تک حدیث پر قائم رہے گا' راہ راست پر ہوگا۔

کہتے ہیں: ہم سے محمد بن عبد العزیز نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن حسن بن شقیق کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے عبداللہ بن المبارک کو ایک شخص سے کہتے ہوئے سنا ہے:

"إِنِ ابْتُلِيتَ بِالْقَضَاءِ فَعَلَيْكَ بِالْأَثَرِ"[2]۔

اگر تم منصب قضاء کی آزمائش میں پڑو، تو حدیث وسنت کو لازم پکڑو۔

اور امام ابن المبارک سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"إِنَّمَا الدِّينُ بِالْآثَارِ"[3]۔

دین کا دارومدار سنتوں پر ہے۔

نیز ابن المبارک ہی سے مروی ہے:

"لِيَكُنِ الَّذِي تَعْتَمِدُ عَلَيْهِ هُوَ الْأَثَرُ، وَخُذْ مِنَ الرَّأْيِ مَا يُفَسِّرُ لَكَ الْحَدِيثَ"[4]۔

تمہارا اصل اعتماد حدیث پر ہونا چاہیے، اور عقل و رائے کا استعمال اتنا ہی کرو جتنے سے حدیث کی وضاحت ہو جائے۔

(۱) اثر صحیح ہے۔ جامع بیان العلم (۲ / ۱۶۷)، و دارمی (۱۴۰، ۱۴۱)، و اصول الاعتقاد، از لالکائی (۱۹، ۱۱۰)، عن ابن عون۔

(۲) سند صحیح ہے۔ جامع بیان العلم (۲ / ۱۶۷)، و الحلیۃ، از ابونعیم (۸ / ۱۶۶)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲ / ۱۶۷)، و الحلیۃ، از ابونعیم (۷ / ۵۷)، البتہ اس میں "إنما الدین" کے بجائے "إنما العلم" ہے، یہ روایت بھی پہلی کی طرح ہے اسے محمد بن عبد العزیز اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ابن شقیق سے نہیں جیسا کہ پڑھنے والے کو گمان ہوتا ہے۔

(۴) جامع بیان العلم (۲ / ۱۶۸)، و الحلیۃ، از ابونعیم (۶ / ۱۵۸)، یہ بھی محمد بن عبد العزیز عن عبدان بن عثمان عن ابن المبارک مروی ہے۔

اور شریح سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''إِنَّ السُّنَّةَ سَبَقَتْ قِيَاسَكُمْ، فَاتَّبِعُوا وَلَا تَبْتَدِعُوا، فَإِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوا مَا أَخَذْتُمْ بِالْأَثَرِ''[1]۔

سنت تمہارے قیاس سے بہت آگے ہے، لہٰذا اتباع کرو، بدعتیں نہ ایجاد کرو، کیونکہ جب تک تم حدیث کو اپناتے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

اور عمر بن ثابت نے مغیرہ کے واسطے سے شعبی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''إِنَّ السُّنَّةَ لَمْ تُوضَعْ بِالْمَقَايِيسِ''[2]۔

سنت قیاسوں کی بنیاد پر نہیں بنائی گئی ہے۔

اور حسن بن واصل نے حسن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَشَعَّبَتْ بِهِمُ السُّبُلُ، وَحَادُوا عَنِ الطَّرِيقِ، فَتَرَكُوا الْآثَارَ، وَقَالُوا فِي الدِّينِ بِرَأْيِهِمْ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا''[3]۔

یقیناً تم سے پیشتر لوگ اس وقت ہلاک ہوئے جب سنت سے جداگانہ (قیاسات و بدعات کی) راہوں میں بکھر گئے، اور راہ راست سے مائل ہو گئے، سنت کو ترک کر دیا اور دین میں اپنی رائے سے بولنے لگے، لہٰذا خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

اور نعیم بن حماد نے ابو معاویہ سے انہوں نے اعمش سے، انہوں نے مسلم سے روایت کیا ہے کہ مسروق نے فرمایا:

''مَنْ يَرْغَبْ بِرَأْيِهِ عَنْ أَمْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ يَضِلَّ''[4]۔

جو اپنی رائے کی بنیاد پر اللہ کے حکم سے اعراض کرے گا، گمراہ ہو جائے گا۔

اور ابن وہب فرماتے ہیں: مجھے بکر بن مضر نے بتلایا، وہ قریش کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں، کہ

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۶۸)، اسے ابن عبد البر نے معلقاً روایت کیا ہے، اسی طرح اس کے بعد والی روایت کو بھی۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۱۶۸)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۱۶۸)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۱۶۸)، اور نعیم میں کچھ کلام ہے جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔

انہوں نے ابن شہاب کو کہتے ہوئے سنا -وہ لوگوں کے سنتوں کو چھوڑ کر قیاس و رائے میں پڑ جانے کا ذکر کر رہے تھے- کہ انہوں نے فرمایا:

''إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى إِنَّمَا انْسَلَخُوا مِنَ الْعِلْمِ الَّذِي كَانَ بِأَيْدِيهِمْ، حِينَ اسْتَبَقُوا الرَّأْيَ وَأَخَذُوا فِيهِ''(۱)۔

یقیناً یہود و نصاریٰ اس علم سے' جو اُن کے ہاتھوں میں تھا' تب نکل گئے (محروم ہو گئے) جب انہوں نے رائے کو مقدم کیا اور اسی کو اپنالیا۔

ابن وہب فرماتے ہیں: مجھے یحییٰ بن ایوب نے ہشام بن عروہ کے واسطے سے بتلایا، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''السُّنَنَ السُّنَنَ؛ فَإِنَّ السُّنَنَ قِوَامُ الدِّينِ''(۲)۔

سنتوں کو لازم پکڑو، سنتوں کو اپناؤ، کیونکہ سنتیں ہی دین کی بنیاد ہیں۔

نیز کہتے ہیں کہ عروہ فرماتے تھے:

''أَزْهَدُ النَّاسِ فِي عَالِمٍ أَهْلُهُ''(۳)۔

عالم کی سب سے زیادہ بے قدری اہل علم ہی کرتے ہیں۔

اور ہشام بن عروہ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَمْ يَزَلْ أَمْرُهُمْ مُعْتَدِلًا، حَتَّى نَشَأَ فِيهِمْ مُوَلَّدُونَ أَبْنَاءُ سَبَايَا الْأُمَمِ، فَأَخَذُوا فِيهِمْ بِالرَّأْيِ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا''(۴)۔

بے شک بنی اسرائیل کا دینی معاملہ معتدل و مناسب تھا، یہاں تک کہ ان میں وہ لوگ پرورش پائے' جو

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۶۸)، اس سند میں زہری سے روایت کرنے والا مجہول ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۱۶۸)، اسے ابن عبدالبر نے معلقاً روایت کیا ہے، اور ابن وہب کی سند صحیح ہے۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۱۶۸)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۱۶۸)، اس کی سند یہ ہے: محمد بن محمد سے مروی ہے کہ ہم سے محمد بن احمد بن یحییٰ نے بیان کیا، ان سے ابن الاعرابی نے بیان کیا، ان سے ابن الزیادی نے بیان کیا، ان سے یزید بن ابو حکیم نے بیان کیا، ان سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، اور وہ ہشام سے روایت کرتے ہیں۔

ان میں سے نہ تھے، یعنی دیگر قوموں سے آئے ہوئے بنی اسرائیلیوں کے غلاموں کی اولاد تھے، چنانچہ انہوں نے ان میں اپنی رائے نافذ کی، اور خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

اور امام زہری فرماتے ہیں:

''إِيَّاكُمْ وَأَصْحَابَ الرَّأْيِ؛ أَعْيَتْهُمُ الْأَحَادِيثُ أَنْ يَعُوهَا''[1]۔

دیکھنا اہل رائے سے بچ کر رہنا، یہ حدیثوں کو سمجھنے سے عاجز رہ گئے ہیں۔

امام ابو عمر (ابن عبد البر رحمہ اللہ) فرماتے ہیں:

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے نبی کریم ﷺ، آپ کے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم و رحمہم سے وارد احادیث و آثار میں جس رائے کی مذمت کی گئی ہے اور معیوب قرار دیا گیا ہے اس سے کونسی رائے مراد ہے[2]۔

چنانچہ جمہور علماء کا کہنا ہے کہ: مذکورہ مذموم رائے سے مراد دین کے احکام و مسائل میں استحسان اور گمان کی بنیاد پر کوئی بات کہنا، پیچیدہ اور فالتو مسائل کو ازبر کرنے میں مشغول رہنا، فروع اور جدید پیش آمدہ مسائل کو ان کے اصولوں کی طرف لوٹانے اور ان کی علتوں اور اعتبار پر غور کرنے کے بجائے، محض قیاس کی بنا پر ایک دوسرے کی طرف لوٹا دینا ہے، چنانچہ اس میں مسائل رونما ہونے سے پہلے ان میں رائے کا استعمال کیا جاتا ہے، اور پیش آنے سے پہلے اس کی فروع اور شقیں بنا دی جاتی ہیں، اور ہونے سے پہلے ان کے بارے میں شبہ گمان رائے کی بنیاد پر گفتگو کی جاتی ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ: اس قسم کی چیزوں میں مشغول و منہمک ہونے اور ڈوبنے سے سنتوں کو مٹانا اور اس کے بارے میں جہالت و لاعلمی کو بڑھاوا دینا اور کتاب و سنت اور ان کے معانی کے تئیں جہاں توقف کرنا مطلوب ہے وہاں توقف ترک کرنا لازم آتا ہے، اور انہوں نے اپنے موقف کی صحت کے لئے حسب ذیل کئی چیزوں سے استدلال کیا ہے:

ہمیں خلف بن احمد نے بتلایا ان سے احمد بن مطرف نے بیان کیا، ان سے سعید بن عثمان نے بیان کیا، ان سے نصر بن مرزوق نے بیان کیا، ان سے اسد بن موسیٰ نے بیان کیا، ان سے شریک نے بیان کیا، اور وہ لیث سے

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۶۹)۔

(۲) مولف رحمہ اللہ اس مسئلہ میں ابن عبد البر کے قول (۲/۱۶۹): چنانچہ ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ مذموم رائے سے مراد عقیدہ کے باب میں سنتوں کے مخالف بدعات ہیں۔۔۔کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے ہیں (۲/۱۷۰) اور جمہور کا قول نقل کیا ہے۔۔۔ یہ مولف رحمہ اللہ کا تصرف ہے۔

روایت کرتے ہیں، اور وہ طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''لَا تَسْأَلُوا عَمَّا لَمْ يَكُنْ؛ فَإِنِّي سَمِعْتُ عُمَرَ، يَلْعَنُ مَنْ سَأَلَ عَمَّا لَمْ يَكُنْ''[1]۔

تم ان مسائل کی بابت نہ پوچھو جو اب تک پیش نہیں آئے ہیں، کیونکہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو ناپیش آمدہ مسائل کے بارے میں پوچھنے والوں پر لعنت کرتے ہوئے سنا ہے۔

ہم سے عبداللہ بن محمد بن عبدالمومن نے بیان کیا، ان سے محمد بن بکر نے بیان کیا، ان سے ابو داود نے بیان کیا، ان سے ابراہیم بن موسیٰ رازی سے بیان کیا، ان سے عیسیٰ بن یونس نے بیان کیا، وہ اوزاعی سے روایت کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن سعد سے روایت کرتے ہیں، وہ صنابحی سے روایت کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْأُغْلُوطَاتِ''[2]۔

بے شک نبی کریم ﷺ نے مشکل اور پیچیدہ مسائل سے منع فرمایا ہے۔

اور ہمیں سعید بن نصر نے بتلایا، ان سے قاسم بن اصبغ نے بیان کیا، ان سے ابن وضاح نے بیان کیا، ان سے ابو بکر بن ابی شیبہ نے بیان کیا، ان سے عیسیٰ بن یونس نے بیان کیا، وہ اوزاعی سے روایت کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن سعد سے روایت کرتے ہیں، وہ صنابحی سے روایت کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْأُغْلُوطَاتِ''[3]۔

رسول اللہ ﷺ نے مشکل اور پیچیدہ مسائل سے منع فرمایا ہے۔

اوزاعی رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ: اس سے مراد دشوار مسائل ہیں۔

---

(۱) سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲ / ۱۷۰)، اور شریک: شریک بن عبداللہ نخعی قاضی ہیں، صدوق ہیں، بہت غلطیاں کرتے ہیں، تقریب التھذیب (۲۷۸۷)، اور لیث: لیث بن ابی سلیم ہیں وہ بھی ضعیف ہیں۔

(۲) سنداً ضعیف ہے۔ اسے امام ابوداود (حدیث ۳۶۵۶)، احمد بن حنبل (۵ / ۴۳۵)، طبرانی فی الکبیر (۱۹ / ۹۸۲) اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے۔ اس میں عبداللہ بن سعد ہیں جو مقبول ہیں، تقریب التھذیب (۳۳۴۹) یعنی متابعات میں میں مقبول ہیں، اور ان کا کوئی متابع موجود نہیں ہے سوائے ایک طریق کے جسے طبرانی نے معجم کبیر (۱۹ / ۹۱۳)، اور مسند الشامیین (حدیث ۲۱۳۰) میں روایت کیا ہے اور اس میں سلیمان بن داود شاذکونی ہے جو متروک ہے، دیکھئے: الجرح والتعدیل، از ابن ابی حاتم (۴ / ۱۱۴-۱۱۵)، ولسان المیزان (۲۹۸)۔ نیز اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی ضعیف سنن ابوداود (حدیث ۷۹۱) میں ضعیف قرار دیا ہے۔ اس میں 'الغلوطات' کا لفظ ہے، اور صنابحی: عبدالرحمن بن عسیلہ ہیں۔

(۳) ضعیف ہے، اس سے پہلے والی روایت ملاحظہ فرمائیں۔

اور ہم سے خلف بن سعید نے بیان کیا، ان سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، ان سے احمد بن خالد نے بیان کیا، ان سے علی بن عبدالعزیز نے بیان کیا، ان سے سلیمان بن احمد نے بیان کیا، ان سے ولید بن مسلم نے بیان کیا، وہ اوزاعی سے روایت کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن سعد سے روایت کرتے ہیں، وہ عبادہ بن نسی سے روایت کرتے ہیں، وہ صنابحی سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے پاس مسائل کا ذکر کیا، تو انہوں نے فرمایا:

''أَمَا تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ عُضَلِ الْمَسَائِلِ''[1]۔

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ نے پیچیدہ مسائل سے منع فرمایا ہے۔

نیز انہوں نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ:

''إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَرِهَ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا''[2]۔

رسول اللہ ﷺ پیچیدہ مسائل کو ناپسند کرتے تھے اور انہیں معیوب سمجھتے تھے۔

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَكْرَهُ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ''[3]۔

یقیناً اللہ عزوجل تمہارے قیل وقال (کہا گیا اور کہا) اور کثرت سوال کو ناپسند کرتا ہے۔

ہم سے عبدالوارث بن سفیان نے بیان کیا، ان سے قاسم بن اصبغ نے بیان کیا، ان سے احمد بن زہیر نے بیان کیا، ان سے اُن کے والد نے بیان کیا، ان سے عبدالرحمن بن مہدی نے بیان کیا، ان سے امام مالک نے بیان کیا، اور وہ زہری سے روایت کرتے ہیں، اور وہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

---

(۱) ضعیف جداً ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۱)۔ اس میں سلیمان بن احمد واسطی متروک ہے، امام بخاری نے فرمایا ہے: فیہ نظر۔ التاریخ الکبیر (۴/ ۳)، ولسان المیزان (۲۷۲)، والجرح والتعدیل، از ابن ابی حاتم (۴/ ۱۰۱)، نیز اس میں ولید بن مسلم ہے جو مدلس ہے، تقریب التھذیب (۷۴۵۶)، اس نے سماع کی صراحت نہیں کی ہے اسی طرح عبداللہ بن سعد مجہول ہے۔

(۲) متفق علیہ: بخاری (حدیث ۵۲۵۹)، مسلم (حدیث ۱۴۹۲)، نسائی (حدیث ۳۴۰۲)، ابوداود (حدیث ۲۲۴۵) وغیرہم۔

(۳) متفق علیہ: بخاری (حدیث ۲۴۰۸)، مسلم (حدیث ۵۹۳) وغیرہما، بروایت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام مسلم (حدیث ۱۷۱۵)، احمد (۲/ ۳۶۷، ۳۶۷، ۳۹۷)، اور امام مالک نے موطا (حدیث ۱۸۶۳) میں روایت کیا ہے۔

"لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا"[۱]۔

رسول اللہ ﷺ نے بکثرت یا پیچیدہ مسائل پر لعنت کی ہے اور اسے معیوب قرار دیا ہے۔

احمد بن زہیر نے اس حدیث کو اس سند سے اسی طرح ذکر کیا ہے، جو موطا کے الفاظ کے خلاف ہے، اور امام دارقطنی فرماتے ہیں: عبد الرحمن بن مہدی نے امام مالک سے حدیث لعان میں سے صرف یہی لفظ ذکر کیا ہے، اور قراد ابو نوح[۲] اور نوح بن میمون مضروب[۳] نے امام مالک سے اس پر ان کی متابعت کی ہے، چنانچہ انہوں نے عبد الرحمن بن مہدی کی حدیث کو ابوخیثمہ[۴] مخزومی[۵]، اور احمد بن سنان کی روایت سے ابن مہدی کے واسطے سے بالکل ویسے ہی ذکر کیا ہے جیسے ابن ابی خیثمہ نے ذکر کیا ہے۔

ہم سے ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی سعید بزار نے بیان کیا، ان سے عباس بن محمد نے بیان کیا، ان سے قراد نے بیان کیا، ان سے مالک نے بیان کیا، وہ ابن شہاب اور وہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"كَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا"[۶]۔

رسول اللہ ﷺ نے بکثرت یا پیچیدہ مسائل کو ناپسند کیا ہے اور معیوب قرار دیا ہے۔

کہتے ہیں: اور ہم سے عبد اللہ بن محمد بن ابوسعید اور حصین بن صفوان نے بیان کیا، ان سے عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے بیان کیا، ان سے ان کے والد نے بیان کیا، ان سے نوح بن میمون ابو محمد ابن نوح نے بیان کیا، ان سے مالک نے بیان کیا، وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں، کہ انہیں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ

---

(۱) حدیث صحیح ہے۔ جامع بیان العلم (۲/۱۷۱)، نیز امام مالک نے اپنی موطا (حدیث ۱۳۰۱) میں بروایت یحییٰ روایت کیا ہے، اس میں "لعن" کا لفظ نہیں ہے، اور بطریق عبد اللہ بن یوسف عن مالک امام بخاری (حدیث ۵۲۵۹) اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے ان سب میں "کرہ" کا لفظ ہے۔

(۲) یہ عبد الرحمن بن غزوان، ثقہ ہیں ان کی کچھ انفرادی روایتیں ہیں، ۲۰۷ھ میں وفات ہوئی تقریب التھذیب (۳۹۷۷)۔

(۳) یہ نوح بن میمون بن عبد الحمید بغدادی عرف مضروب ہیں، اصلا مرو کے ہیں ثقہ ہیں تقریب التھذیب (۷۲۱۱)۔

(۴) یہ زہیر بن حرب بن شداد ابوخیثمہ نسائی ہیں، ثقہ ثابت ہیں، امام مسلم نے ان سے ایک ہزار سے زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں، تقریب التھذیب (۲۰۴۲)، ایک ابواحمد بن زہیر بھی ہیں، جو صاحب کتاب العلم ابوخیثمہ کے بیٹے ہیں۔

(۵) مخزومی نام سے ابن مہدی سے روایت کرنے والا کون ہے مجھے اس کا علم نہ ہوسکا۔

(۶) جامع بیان العلم (۲/۱۷۱)، سابقہ تخریج یعنی اس صفحہ کا (حاشیہ ۱) ملاحظہ فرمائیں۔

کے بارے میں بتلایا کہ آپ ﷺ نے بکثرت یا پیچیدہ مسائل کو ناپسند کیا ہے اور معیوب قرار دیا ہے (۱)۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں: عبدہ بن ابولبابہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں: میری خواہش ہے کہ کاش مجھے اس دور کے لوگوں سے صرف اتنی سی بات مل جائے کہ نہ میں ان سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھوں، نہ وہ مجھ سے کسی مسئلہ کی بابت سوال کریں! کیونکہ لوگ اس کثرت سے سوالات کرتے ہیں جیسے اہل درہم (سیٹھ حضرات) ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں (۲)۔

ہم سے عبد الوارث نے بیان کیا، ان سے قاسم نے بیان کیا، ان سے احمد بن زہیر نے بیان کیا، ان سے عبد الوہاب بن نجدہ نے بیان کیا، ان سے اسماعیل نے بیان کیا، ان سے شرحبیل بن مسلم نے بیان کیا کہ انہوں نے حجاج بن عامر ثمالی رضی اللہ عنہ کو جو صحابہ رسول میں سے ہیں بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

''إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ'' (۳)۔

زیادہ سوالات کرنے سے بچو۔

اور اشہب (۴) کے مسموعات میں ہے: کہ امام مالک رحمہ اللہ سے فرمان رسول ﷺ: ''أَنْهَاكُمْ عَنْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ'' (میں تمہیں قیل وقال اور کثرت سوال سے منع کرتا ہوں) کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: رہا مسئلہ کثرت سوال کا تو مجھے نہیں معلوم کہ آیا وہ آپ لوگوں کے مسائل کی کثرت ہے جس سے میں منع کرتا رہتا ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مسائل کی کثرت کو ناپسند کیا ہے اور اسے معیوب قرار دیا ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَسۡـَٔلُواْ عَنۡ أَشۡيَآءَ إِن تُبۡدَ لَكُمۡ تَسُؤۡكُمۡ﴾ [المائدة:۱۰۱]۔

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۷۱)، سابقہ تخریج ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۱۷۱)، لیکن امام ابن عبد البر نے اپنی سند اوزاعی تک بیان کی ہے۔

(۳) حسن ہے۔ جامع بیان العلم (۲/۱۷۱)۔

(۴) یہ اشہب بن عبد العزیز بن داود ابو عمر قیسی امام مالک کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں: میں نے اشہب سے بڑا فقیہ (علم والا) نہیں دیکھا، (۱۴۰-۲۰۴ھ)، الدیباج المذہب (۱/۳۰۷-۳۰۸)۔

یا پھر لوگوں کا مانگنے کے لئے دست سوال دراز کرنا ہے۔

نیز جمہور نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جسے ابن شہاب نے عامر بن سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''أَعْظَمُ الْمُسْلِمِينَ فِي الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا، مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَحُرِّمَ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ''[1]۔

مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم مسلمان وہ ہے، جو کسی چیز کے بارے میں سوال کرے، جو مسلمانوں پر حرام نہ ہو اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام کر دی جائے۔

اسے ابن شہاب سے معمر، ابن عیینہ اور یونس بن یزید وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور یہ یونس بن یزید کی حدیث کے الفاظ ہیں جو ابن وہب نے ان سے روایت کیا ہے۔

نیز ابن وہب نے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: مجھ سے ابن لہیعہ نے اعرج کے واسطے سے بیان کیا ہے، وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ سُؤَالُهُمْ، وَاخْتِلَافُهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَخُذُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ''[2]۔

جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں تم مجھے چھوڑے رکھو (سوالات نہ کرو)، کیونکہ تم سے پہلے لوگ اپنے سوالات اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کے سبب ہلاک و برباد ہوئے، لہٰذا جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے باز رہو اور جب تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اسے انجام دو۔

ابن وہب فرماتے ہیں[3]: مجھے یونس بن یزید نے بسند ابن شہاب عن سعید بن مسیب وابی سلمہ بن عبد الرحمن عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ، اس سے قریبی الفاظ میں بتلایا ہے۔

اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) متفق علیہ: بخاری (حدیث ۷۲۸۹)، مسلم (حدیث ۲۳۵۸)، وغیرہ۔ وجامع بیان العلم (۲/ ۱۷۲)۔

(۲) صحیح ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۲)، یہ صحیح بخاری (۷۲۸۸)، و مسلم (۷/ ۱۳۳) وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

(۳) یہ سند صحیح مسلم میں ہے، ما قبل تخریج ملاحظہ فرمائیں۔

”أُحَرِّجُ بِاللَّهِ عَلَى كُلِّ امْرِئٍ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يَكُنْ، فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ بَيَّنَ مَا هُوَ كَائِنٌ“[1]۔

میں ہر شخص کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کوئی ایسی چیز کے بارے میں سوال نہ کرے جو پیش نہ آئی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہونے والا سب واضح فرما دیا ہے۔

اور جریر بن عبد الحمید اور محمد بن فضیل نے عطاء بن سائب سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”مَا رَأَيْتُ قَوْمًا خَيْرًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، مَا سَأَلُوهُ إِلَّا عَنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ مَسْأَلَةً، حَتَّى قُبِضَ ﷺ كُلُّهُنَّ فِي الْقُرْآنِ ﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ﴾ [البقرة: 222]، ﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلشَّهْرِ ٱلْحَرَامِ﴾ [البقرة: 217]، ﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْيَتَـٰمَىٰ﴾ [البقرة: 220] قَالَ: مَا كَانُوا يَسْأَلُونَ إِلَّا عَمَّا يَنْفَعُهُمْ“[2]۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے بہتر کسی قوم کو نہ دیکھا، انہوں نے آپ ﷺ سے پوری زندگی میں صرف تیرہ مسائل پوچھے، وہ سب قرآن میں موجود ہیں: (آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں) [البقرۃ: ۲۲۲]، (لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں کی بابت سوال کرتے ہیں) [البقرۃ: ۲۱۷]، (اور آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں) [البقرۃ: ۲۲۰]، فرماتے ہیں: صحابہ آپ ﷺ سے صرف وہی مسائل پوچھتے جو ان کے لئے نفع بخش ہوتے۔

ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث میں تیرہ مسائل میں سے صرف تین مسائل ہیں۔

میں کہتا ہوں[3]: اگر ان کا مقصود قرآن کریم میں موجود سوالات کی تعداد ہے جیسا کہ بظاہر ابن عباس رضی اللہ

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۲)، ودارمی (حدیث ۱۲۴)، وابن بطہ فی الابانہ (۳۱۷)، وخطیب بغدادی فی الفقیہ والمتفقہ (۲/ ۷)، بطریق: ابن عیینہ عن عمرو بن مرہ عن طاووس عن عمر رضی اللہ عنہ۔ اس کے راویان ثقہ ہیں لیکن طاووس اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔

(۲) سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۳)، ودارمی (حدیث ۱۲۵)، والطبرانی فی الکبیر (۱۱/ ۱۲،۲۸۸/ ۳۵۴)، وابن بطہ فی الابانہ (۲۹۶)۔ اس میں عطاء بن السائب ہیں، جو ثقہ ہیں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، بقیہ راویان ثقہ ہیں، اور ابن فضیل نے عطاء سے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے۔

(۳) قائل علامہ فلانی ہیں۔ اور بدیہی طور پر سوالات میں: ﴿يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ ٱلْكِتَـٰبِ﴾ [النساء: ۱۵۳] نہیں ہے۔ ===

عنہما کے قول سے معلوم ہوتا ہے،تو وہ سوالات یہ ہیں:

== امام سیوطی نے الاتقان (۲/۳۱۵-۳۱۶) میں اس اثر کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

''ما رأيتُ قومًا خيرًا من أصحابِ رسولِ اللهِ ﷺ، ما سألوهُ إلا عن اثنتي عشرةَ مسألةً كلُّها في القرآن''۔

میں نے رسول گرامی ﷺ کے صحابہ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا انہوں نے رسول ﷺ سے صرف بارہ مسائل پوچھے وہ سب قرآن میں ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

امام رازی نے: ''أربعة عشر حرفًا'' (چودہ مسائل) کے الفاظ سے ذکر کیا ہے،اور کہا ہے کہ ان میں سے آٹھ سورہ بقرہ میں ہیں:

۱۔ ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾ [البقرۃ:۱۸۶]۔

(جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں)

۲۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ﴾ [البقرۃ:۱۸۹]۔ (لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں)۔

۳۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ﴾ [البقرۃ:۲۱۵]۔ (آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟)

۴۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ﴾ [البقرۃ:۲۱۷]۔ (لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت پوچھتے ہیں)

۵۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ [البقرۃ:۲۱۹]۔ (لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں)

۶۔ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ﴾ [البقرۃ:۲۲۰]۔ (آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں)

۷۔ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ﴾ [البقرۃ:۲۱۹]۔ (آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟)

۸۔ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ﴾ [البقرۃ:۲۲۲]۔ (لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں)

۹۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ﴾ [المائدۃ:۴]۔ (آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال ہے؟)

۱۰۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ﴾ [الانفال:۱]۔ (یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں)

۱۱۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا﴾ [النازعات:۴۲]۔

(یہ لوگ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کا وقت دریافت کرتے ہیں)

۱۲۔ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ [طہ:۱۰۵]۔ (وہ آپ سے پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں)

۱۳۔ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾ [الاسراء:۸۵]۔ (اور یہ لوگ آپ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں)

۱۴۔ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَن ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾ [الکہف:۸۳]۔ (آپ سے ذوالقرنین کا واقعہ یہ لوگ دریافت کر رہے ہیں)

امام سیوطی فرماتے ہیں: روح اور ذوالقرنین کی بابت سوال کرنے والے یا تو مشرکین مکہ تھے یا پھر یہودی حضرات،جیسا کہ اسباب نزول میں وارد ہے،لہٰذا خالص (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے سوالات بارہ ہی ہیں جیسا کہ روایت صحیح ہے۔بات ختم ہوئی۔

اور اگر فرمان باری:﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ [النساء:۱۷۶]۔

(آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں،آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے)۔

کو شامل کر لیا جائے تو تعداد تیرہ ہو جائے گی،جیسا کہ دوسری روایت میں آیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ﴾ [البقرۃ:۲۱۹]۔

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ﴾ [البقرۃ:۲۱۵]۔

آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟

نیز ارشاد ہے:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْأَهِلَّةِ﴾ [البقرۃ:۱۸۹]۔

لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ﴾ [المائدۃ:۴]۔

آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال ہے؟

نیز ارشاد ہے:

﴿يَسْـَٔلُكَ ٱلنَّاسُ عَنِ ٱلسَّاعَةِ﴾ [الاحزاب:۶۳]۔

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

اسی طرح ارشاد ہے:

﴿يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ ٱلْكِتَٰبِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَٰبًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ﴾ [النساء:۱۵۳]۔

آپ سے یہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب لائیں۔

جمہور علماء کا کہنا ہے: کہ جو رائے کی مذمت میں مروی مرفوع احادیث اور آثار صحابہ وتابعین پر غور کرے گا، اس کے سامنے ہم نے جو ذکر کیا ہے واضح ہو جائے گا۔ نیز وہ کہتے ہیں: کہ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ سلف رحمہم اللہ احکام سے متعلقہ مسائل میں جواب دینے سے بھی کتراتے اور ناپسند کرتے تھے جب تک کہ وہ مسائل پیش نہ آجائیں؟ تو بھلا وہ استحسان، گمان اور تکلف کی بنیاد پر کوئی بات کیسے لکھ سکتے تھے اور اسے دین کیونکر بنا سکتے تھے؟ اور اس سلسلہ میں

انہوں نے کچھ احادیث و آثار بھی ذکر کئے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

ہم سے سعید بن نصر نے بیان کیا، ان سے قاسم بن اصبغ نے بیان کیا، ان سے ابن وضاح نے بیان کیا، ان سے ابو بکر بن ابی شیبہ نے بیان کیا، ان سے ابو خالد احمر نے بیان کیا، وہ محمد بن عجلان سے روایت کرتے ہیں، وہ طاؤس سے، اور وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لَا تَعْجَلُوا بِالْبَلِيَّةِ قَبْلَ نُزُولِهَا؛ فَإِنَّكُمْ إِنْ لَا تَفْعَلُوا أَوْشَكَ أَنْ يَكُونَ فِيكُمْ مَنْ إِذَا قَالَ سُدِّدَ وَوُفِّقَ، وَإِنَّكُمْ إِنْ عَجِلْتُمْ تَشَتَّتَتْ بِكُمُ الطُّرُقُ هَا هُنَا وَهَا هُنَا“[1]۔

مصیبت کی آمد سے پہلے اس کی جلدی نہ مچاؤ، کیونکہ جب تم ایسا نہیں کرو گے تو ممکن ہے کہ تم میں ایسے لوگ رہیں جو اگر کہیں تو انہیں درستی ملے اور وہ توفیق سے ہمکنار ہوں، اور اگر تم جلدی مچاؤ گے تو ادھر اُدھر مختلف راہوں میں بھٹک جاؤ گے۔

اور عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”إِنَّهُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَسْأَلَ عَمَّا لَمْ يَكُنْ؛ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ قَضَى فِيمَا هُوَ كَائِنٌ“۔

کسی کے لئے ان مسائل کی بابت سوال کرنا حلال نہیں' جو پیش نہیں آئے ہیں، بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو کچھ ہونے والا ہے' سب کا فیصلہ فرما دیا ہے۔

اور مسروق نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، تو انہوں نے پوچھا: کیا یہ مسئلہ پیش آچکا ہے؟ کہا: نہیں! فرمایا: ”تو مجھے مہلت دو' یہاں تک کہ پیش آجائے“[2]۔

اور خارجہ بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: وہ کسی بھی مسئلہ میں جو ان سے پوچھا جاتا، اپنی رائے سے

---

(۱) اس کی سند ضعیف ہے، اس لئے کہ طاؤس اور معاذ کے درمیان انقطاع ہے اور ابو خالد احمر صدوق ہے غلطیاں کرتا ہے، نیز اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲ / ۱۷۴) میں، طبرانی نے معجم کبیر (۲۰ / ۲۵۳) میں، ابن بطہ نے الابانہ (۲۹۲) میں روایت کیا ہے، اور امام دارمی نے موقوفاً (۱۵۳)، نیز وہب بن عمرو تک ارسال کرتے ہوئے مرفوعاً (۱۱۶) روایت کیا ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲ / ۱۷۴)، والفقیہ والمتفقہ، از خطیب بغدادی (۲ / ۸)، والابانہ، از ابن بطہ (۳۱۶،۳۱۵) بروایت سفیان۔ اور امام دارمی نے (۱۵۰،۱۴۹) میں شعبی سے ”فاجلنی حتی تکون“ اور ”فاعفنا حتی یکون“ کے الفاظ میں روایت کیا ہے۔ اور فاجمنی کا معنیٰ ہے مجھے مہلت دو۔

کچھ نہیں بولتے، یہاں تک کہ پوچھتے: یہ مسئلہ پیش آیا چکا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں پیش آیا ہوتا، تو اس بارے میں کچھ نہ بولتے، ورنہ اس کا جواب دیتے۔

کہتے ہیں: کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا، تو معلوم کرتے کہ: کیا یہ پیش آچکا ہے؟ اگر بتایا جاتا کہ: اے ابوسعید! ابھی پیش نہیں آیا ہے، بلکہ ہم اس کی تیاری کر رہے ہیں، تو فرماتے: اسے چھوڑ دو، اور اگر پیش آچکا ہوتا تو انہیں اس کا جواب دیتے''[1]۔

ابن وہب فرماتے ہیں: مجھے ابن ابی الزناد نے ہشام بن عروہ کے واسطے سے بتلایا کہ انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد کبھی کسی مسئلہ میں اپنی رائے سے جواب دیتے ہوئے نہیں سنا، کہتے ہیں: اور بسا اوقات کسی چیز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''یہ سراسر سلطان کی جانب سے ہے''[2]۔

اور ہم نے بشر بن حارث سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے فرمایا: ''جسے اس بات کی خواہش ہو کہ اس سے پوچھا جائے حالانکہ وہ پوچھے جانے کا اہل نہ ہو تو اس سے سوال کیا جانا مناسب نہیں''[3]۔

ابن ہب فرماتے ہیں: مجھے بکر بن مضر نے ابن ہرمز کے واسطے سے بتلایا کہ، انہوں نے فرمایا: میں نے اہل مدینہ کو پایا، کہ مدینہ میں کتاب وسنت کے سوا کچھ نہ تھا، مسئلہ درپیش ہوتا تو اس کی بابت سلطان غور وفکر کرتا۔

اور ابن وہب کہتے ہیں کہ مجھ سے امام مالک نے کہا: ''میں نے اس شہر مدینہ والوں کو پایا کہ یہ آج لوگوں کے یہاں سوالات کی جو کثرت پائی جاتی ہے اسے سخت ناپسند کرتے تھے''[4]۔

ابن وہب فرماتے ہیں: یعنی مسائل کی بھرمار۔

کہتے ہیں: امام مالک نے مزید فرمایا: لوگ انہی باتوں سے فتویٰ دیتے تھے جو سنتے تھے اور جن کا علم ہوتا تھا، آج کل لوگوں کے یہاں جو بہت ساری باتیں ہیں ان کے یہاں نہیں تھیں۔

---

(۱) اسے امام ابن البر نے جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۴) میں، خطیب بغدادی نے الفقیہ والمتفقہ (۲/ ۸) میں، ابن بطہ نے الابانہ (۳۱۸) میں، اور دارمی نے (۱۲۲) صحیح سند سے روایت کیا ہے، اور دارمی کی روایت زہری سے ہے، فرماتے ہیں: ''ہمیں پتہ چلا کہ زید بن ثابت...''۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۴)، ابن وہب تک اپنی سند سے ذکر کیا ہے۔

(۳) ابن عبدالبر نے اسے یونہی تعلیقاً ذکر کیا ہے، جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۵)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۵)۔

اور ابن وہب فرماتے ہیں: ہمیں اشہل بن حاتم نے عبداللہ بن عون کے واسطے سے بتلایا، وہ ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابومسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کیا مجھے اطلاع نہیں ہے کہ تم لوگوں کو فتویٰ دیتے ہو حالانکہ تم امیر نہیں ہو، دیکھو خیر و بھلائی کے ذمہ دار سے سخت گیری دور رکھنا''[1]۔

نیز عمر رضی اللہ فرماتے تھے:

''إِيَّاكُمْ وَهَذِهِ الْعُضَلَ؛ فَإِنَّهَا إِذَا نَزَلَتْ بَعَثَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهَا مَنْ يُقِيمُهَا وَيُفَسِّرُهَا''[2]۔

ان پیچیدہ فرضی مسائل سے بچو، کیونکہ جب وہ پیش آئیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں درست کرنے اور تفسیر کرنے والے کو بھیج دے گا۔

ابن وہب فرماتے ہیں: مجھے ابن لہیعہ نے یزید بن ابی حبیب کے واسطے سے بتلایا کہ عبدالملک بن مروان نے ابن شہاب سے کوئی سوال کیا، تو انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا یہ مسئلہ پیش آچکا ہے؟ کہا: نہیں، تو انہوں نے فرمایا: اسے چھوڑ دیجئے، جب پیش آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا کوئی حل نکال دے گا''[3]۔

ہم سے عبدالوارث بن سفیان نے بیان کیا، ان سے قاسم بن اصبغ نے بیان کیا، ان سے احمد بن زہیر نے بیان کیا، ان سے ان کے والد نے بیان کیا، ان سے جریر نے بیان کیا، وہ لیث کے واسطے سے مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَسْأَلُوا عَمَّا لَمْ يَكُنْ، فَإِنَّ عُمَرَ كَانَ يَلْعَنُ مَنْ سَأَلَ عَمَّا لَمْ يَكُنْ''[4]۔

---

(۱) ضعیف ہے۔ اسے امام ابن البر نے جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۵) میں اپنی سند سے ذکر کیا ہے، اور اشہل بن حاتم صدوق ہیں غلطیاں کرتے ہیں، تقریب التحذیب (۵۳۴)، اور ابن سیرین کی ملاقات عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی ہے۔ نیز امام دارمی نے (۱۷) بطریق ابن المبارک عن ابن عون عن ابن سیرین روایت کیا ہے، اس کی صحیح سند ہے سوائے اس کے کہ ابن سیرین اور عمر کے درمیان انقطاع ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۵)۔

(۳) سند حسن ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۵)۔

(۴) اس کی سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۵)، اور خطیب بغدادی نے الفقیہ والمتفقہ (۲/ ۸) میں اسی سند سے روایت کیا ہے، اور اس میں لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف ہے۔ نیز امام دارمی نے (۱۲۲) بطریق: مسلم بن ابراہیم عن حماد بن زید منقری عن ابیہ وھو زید بن درہم عن ابن عمر، روایت کیا ہے، اور زید کو ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ حافظ ابن حجر نے مقبول کہا ہے، تقریب التحذیب (۲۱۳۵)، لہٰذا اثر حسن ہے، ان شاء اللہ۔

اے لوگو! جو مسائل پیش نہیں آئے ہیں' ان کی بابت سوال نہ کرو، کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ نا پیش آئے مسائل کی بابت سوال کرنے والوں پر لعنت کرتے تھے۔

ہم سے عبدالوارث نے بیان کیا، ان سے قاسم نے، ان سے احمد بن زہیر نے، ان سے ان کے والد نے، ان سے عبدالرحمن بن مہدی نے، ان سے موسیٰ بن علی نے، اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ: جب کوئی انسان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سوال کرتا تو وہ پوچھتے: کیا اللہ کی قسم! یہ مسئلہ پیش آچکا ہے؟ اگر وہ کہتا: ہاں، تو آپ غور کرتے، ورنہ کوئی بات نہیں کرتے [1]۔

اور کچھ لوگ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کچھ چیزوں کے بارے میں پوچھا، انہوں نے جواب دیا اور انہوں نے اسے لکھ لیا، پھر انہوں نے سوچا کہ آپ کو اس کی خبر دیدیں، چنانچہ وہ آپ کے پاس آئے اور بتلایا کہ ہم نے جوابات لکھ لئے ہیں! تو انہوں نے کہا: میں معذرت چاہتا ہوں، شاید جو کچھ میں نے تمہیں بتلایا ہے' سب غلط ہے' میں نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا ہے [2]۔

سنید کہتے ہیں: ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، وہ عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ جابر بن زید کو بتایا گیا کہ لوگ آپ سے جو کچھ سنتے ہیں لکھ لیتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا: اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون، یہ ایک رائے لکھتے ہیں' جس سے میں کل رجوع کرلوں گا؟! [3]۔

سنید فرماتے ہیں: ہم سے یزید نے عوام بن حوشب کے واسطے سے مسیب بن رافع سے بیان کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ: جب قضاء و فیصلہ کا کوئی ایسا مسئلہ آجاتا جو کتاب اللہ یا سنت میں نہیں ہوتا، تو اس مسئلہ کو امراء کی جانب سے منتخب کردہ فتویٰ کمیٹی کو پیش کیا جاتا، اور اس مسئلہ کے لئے اہل علم اکٹھا ہوتے، اور جس بات پر ان سب کی رائے کا اتفاق ہوتا وہی حق مانا جاتا" [4]۔

---

(۱) اثر صحیح ہے۔ جامع بیان العلم (۲/۱۷۵)، والفقیہ والمتفقہ (۲/۸)۔ موسیٰ بن علی: ابن رباح لخمی ہیں، ان سے امام مسلم، اصحاب سنن اور امام احمد نے روایت کیا ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں: صدوق ہیں بسا اوقات غلطی کرتے ہیں تقریب التھذیب (۶۹۹۴)، نیز امام دارمی نے اس سے قریب قریب زہری سے روایت کیا ہے (۱۲۲) اور اس میں ہے: ہمیں پتہ چلا کہ زید بن ثابت ۔۔ پھر ذکر کیا۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۱۷۵)۔

(۳) سند ضعیف ہے، اس میں سنید بن داود مصیصی ضعیف ہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے، جامع بیان العلم (۲/۱۷۶)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۱۷۶)۔ اس کی بھی حالت پہلی جیسی ہے۔

امام طبری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تہذیب الآثار'' میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: ہم سے حسن بن صباح بزار نے بیان کیا، ان سے اسحاق بن ابراہیم حنینی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو دین تمام ومکمل ہو چکا تھا، اس لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث وآثار کی اتباع کی جائے رائے کی پیروی نہ کی جائے، کیونکہ جب رائے کی پیروی کی جائے گی تو دوسرا شخص آئے گا جو تم سے زیادہ مضبوط رائے والا ہوگا، تو تمہیں اس کی پیروی کرنی پڑے گی، چنانچہ جب جب کوئی شخص تم پر غالب ہوگا تم اس کی پیروی کروگے میرا خیال ہے ایسی صورت میں دین مکمل نہیں رہ جائے گا[1]۔

عبدان فرماتے ہیں: کہ میں نے عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: تمہارا اصل اعتماد حدیث پر ہونا چاہیے، اور عقل ورائے کا استعمال اتنا ہی کرو جتنے سے حدیث کی وضاحت ہو جائے۔

کہتے ہیں: امام ابن المبارک بیان کرتے ہیں کہ مالک بن دینار نے قتادہ سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ تم جو بھی علم لوگوں کو پہنچا رہے ہو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کھڑے ہو؟ تو میں نے کہا: یہ درست نہیں ہے، یہ درست نہیں ہے[2]۔

اور حسن بن علی حلوانی نے ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: مجھ سے علی بن مدینی نے بیان کیا، ان سے معن بن عیسیٰ نے بیان کیا، ان سے مالک نے بیان کیا، وہ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک شخص سعید بن مسیب کے پاس آیا، اور ان سے کوئی سوال کیا، انہوں نے اسے املا کرایا، پھر آپ کی رائے پوچھا، تو انہوں نے اسے جواب دیا، تو اس شخص نے لکھ لیا، چنانچہ سعید کی مجلس میں سے ایک شخص نے پوچھا: اے ابو محمد! کیا ہم آپ کی رائے بھی لکھ لیں؟ تو سعید نے اس شخص سے کہا: اپنا دفتر مجھے دو، اس نے دفتر دیا تو آپ نے اسے جلا دیا[3]۔

کہتے ہیں: ہم سے نعیم نے بیان کیا، ان سے ابن المبارک نے بیان کیا، وہ عبداللہ بن موہب سے روایت

---

(۱) سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۶)، اس میں حسن بن صباح ہے جو صدوق ہے وہم کا شکار ہوتا ہے، تقریب التھذیب (۱۲۵۱)، اور اسحاق بن ابراہیم حنینی ضعیف ہے، تقریب التھذیب (۳۳۷)، ابن عبدالبر نے اثر کو امام طبری کی کتاب کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۶)، اس میں عبارت: أتدري أي حكم رفعت؟ کے بجائے: أتدري أي علم رفعت؟ ہے۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۶-۱۷۷) تعلیقاً۔

کرتے ہیں کہ ایک شخص قاسم بن محمد کے پاس آیا اور ان سے کوئی مسئلہ پوچھا، انہوں نے جواب دیا، جب وہ واپس ہوا تو آپ نے اسے بلایا، اور کہا: یہ نہ کہنا کہ: قاسم نے کہا ہے یہی حق ہے! بلکہ جب تمہیں مجبوری ہو تو اس پر عمل کر لینا(۱)۔

ہم سے محمد بن خلیفہ نے بیان کیا، ان سے محمد بن حسن نے بیان کیا، ان سے جعفر بن محمد فریابی نے بیان کیا، ان سے عباس بن ولید بن مزید نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے امام اوزاعی کو کہتے ہوئے سنا ہے:

''عَلَيْكَ بِآثَارِ مَنْ سَلَفَ؛ وَإِنْ رَفَضَكَ النَّاسُ، وَإِيَّاكَ وَآرَاءَ الرِّجَالِ وَإِنْ زَخْرَفُوا لَكَ الْقَوْلَ''(۲)۔

سلف کے آثار کو لازم پکڑے رہنا' خواہ لوگ تمہیں دھتکاریں، اور لوگوں کی اپنی رایوں سے بچنا' خواہ تمہیں کتنی ہی چکنی چپڑی باتیں پیش کریں۔

اور فریابی کے علاوہ نے اسے بطریق عباس بن ولید عن أبیہ عن الاوزاعی، اسی کے مثل روایت کیا ہے، اس میں اس طرح ہے:

''وَإِنْ زَخْرَفُوهُ بِالْقَوْلِ، فَإِنَّ الأَمْرَ يَنْجَلِي وَأَنْتَ مِنْهُ عَلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ''(۳)۔

اگر چہ اسے چکنی چپڑی بات چیت سے مزین کریں، کیونکہ معاملہ واضح ہوگا، اور تم اس میں راہ راست پر ہوگے۔

اور امام بخاری نے ابن بکیر کے واسطے سے لیث سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ربیعہ نے ابن شہاب سے کہا: اے ابو بکر! اگر تم لوگوں کو اپنی رائے سے بیان کرنا تو بتلا دینا کہ یہ تمہاری رائے ہے، اور اگر تم لوگوں کو سنت سے بیان کرنا تو انہیں بتلا دینا کہ یہ سنت رسول ﷺ ہے، تاکہ لوگ اُسے تمہاری رائے نہ سمجھ لیں(۴)۔

ہم سے عبد الرحمن بن یحییٰ نے بیان کیا، ان سے علی بن محمد نے بیان کیا، ان سے احمد بن داود نے بیان کیا، ان

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۷۷)، بعض نسخوں میں عبد اللہ بن وہب ہے، اور شاید وہی زیادہ صحیح ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۱۷۷)، اس میں ''آراء'' کے بجائے ''آثار'' کا لفظ ہے۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۱۷۷)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۱۷۷)، اور ابن بکیر امام بخاری کے شیخ یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر ہیں۔

سے سحنون نے بیان کیا،ان سے ابن وہب نے بیان کیا،وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے مالک بن انس رحمہ اللہ نے کہا-اس وقت آپ مسائل کے کثرت جواب پر نکیر فرمارہے تھے-:اے عبداللہ! جس کا تمہیں علم ہو،بولو اور اس کی دلیل پیش کرو،اور جس کا علم نہ ہو خاموش رہو،البتہ لوگوں کے لئے کسی کی گندی تقلید نہ کرو (۱)۔

ہم سے احمد بن عبداللہ بن محمد بن علی نے بیان کیا،ان سے ان کے والد نے بیان کیا،ان سے محمد بن عمر بن لبابہ نے بیان کیا،ان سے مالک بن علی قرشی نے بیان کیا،ان سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا،وہ بیان کرتے ہیں:کہ میں امام مالک رحمہ اللہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ آپ رورہے ہیں'میں نے سلام کیا،آپ نے سلام کا جواب دیا،پھر خاموش ہو کر رونے لگے،تو میں نے ان سے پوچھا:اے ابوعبداللہ! آپ کیوں رورہے ہیں؟ تو کہنے لگے: اے ابن قعنب! مجھ سے جو کوتاہی ہوئی ہے'اس کی بابت مجھے اللہ کا خوف ہورہا ہے،کاش مجھے ہر لفظ کے بدلے جو میں نے کہا ہے'ایک کوڑا مارا جاتا،اور ان مسائل کے تئیں مجھ سے جو رائے زنی کا معاملہ سرزد ہوا ہے'نہ ہوا ہوتا، کیونکہ جو کچھ ہوا ہے'میرے لئے اس میں گنجائش تھی (۲)۔

اور محمد بن حارث بن اسد خشنی نے ذکر کیا ہے،کہتے ہیں مجھ سے ابوعبداللہ محمد بن عباس نحاس نے بیان کیا،وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابومحمد سعید بن محمد بن حداد کو سنا،وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے سحنون بن سعید کو فرماتے ہوئے سنا،وہ کہہ رہے تھے:میں نہیں جانتا کہ یہ رائے کیا چیز ہے جس کے سبب ناحق خون بہایا گیا،حرام شرمگاہوں کو حلال کیا گیا اور حقوق کو پامال کیا گیا'جب کہ معاملہ صرف اتنا سا ہے کہ ہم نے ایک نیک آدمی کو دیکھا اور اس کی تقلید کرلی (۳)۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں:جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو علم کی برکت سے محروم کرنا چاہتا ہے تو اس کی زبان پر

(۱) اس کی سند صحیح ہے۔جامع بیان العلم (۲/۱۷۷)۔امام مالک نے عبداللہ بن وہب سے اور امام ربیعۃ الرائ نے ابن شہاب سے جو بات کہی ہے'اس سے جواب دینے میں مفتی کی ذمہ داری آشکارا ہوتی ہے،اور ہم اسے سے پہلے بھی واضح کرآئے ہیں کہ مفتی پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ یہ اس کی اپنی بات ہے یا اس کی کوئی دلیل ہے'اور مسئلہ کی دلیل کیا ہے' گرچہ عام آدمی نہ بھی سمجھے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہوجائے اور دلیل پیش کرنے کے اس قاعدہ کو مزید مضبوط کرے جسے سلف امت نے دین کو آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لئے قائم کیا تھا'جس کا سبب بہت سارے مفتیان یا نام نہاد مفتیان ہیں۔

(۲) سند ضعیف ہے۔جامع بیان العلم (۲/۱۷۷)،اس میں ابن لبابہ ضعیف ہے'یہ اہل روایت میں سے نہ تھا،ابن الفرضی نے تاریخ علماء اندلس میں اس کی سوانح لکھی ہے۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۱۷۸)۔

پیچیدہ مسائل (جن میں غلطی کا خطرہ ہوتا ہے) ڈال دیتا ہے[1]۔

اور ہم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو بدترین مسائل لے کر آتے ہیں اور اللہ کے بندے ان کا فتویٰ دیتے ہیں''[2]۔

اور عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ میں نے حماد بن زید کو کہتے ہوئے سنا:

کہ ''ایوب سے پوچھا گیا: کیا بات ہے آپ رائے کے بارے میں غور نہیں کرتے؟ تو ایوب نے کہا: یہ سوال تو ایسے ہی ہے جیسے گدھے سے کہا جائے: تو جگالی کیوں نہیں کرتا! ارے بھئی میں باطل چبانا پسند نہیں کرتا''[3]۔

اور ہم نے رقبہ بن مصقلہ سے روایت کیا کہ انہوں نے ایک شخص سے، جسے کسی رائے پرست کے پاس آتے جاتے دیکھا، کہا: ''اے فلاں! تمہارے لئے اس کی اتنی رائے کافی ہے جو تم نے چبالیا ہے، اب بغیر اعتماد کے اپنے گھر واپس جاؤ''[4]۔

امام شعبی فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! ان لوگوں نے مجھے مسجدوں سے اتنا متنفر کر دیا ہے کہ اب وہ مجھے اپنے گھر کے کوڑے سے بھی زیادہ ناپسند لگتی ہیں'' میں نے پوچھا[5]: اے ابو عمرو! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ''اَرَاَیت'' (آپ کی کیا رائے ہے؟) والے!'' اور فرمایا: ''ان میں حکم، حماد اور ان کے ساتھی بھی ہیں''[6]۔

ربیع بن خثیم فرماتے ہیں:

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۸)، اپنی سند سے ذکر کیا ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۸)، ابن عبدالبر نے تعلیقاً روایت کیا ہے اور ابن بطہ نے اسے الابانہ (۳۰۴، ۳۰۵) میں موصولاً روایت کیا ہے۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۸)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۸)۔

(۵) کہنے والے صالح بن مسلم ہیں، جو ضعیف ہیں، تقریب التہذیب (۷۰۱)۔

(۶) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۸-۱۷۹)، و المدخل، از بیہقی (ص ۱۹۱، فقرہ ۲۱۵)، والفقیہ والمتفقہ از خطیب (۱/ ۱۸۴)، اور الطبقات، از ابن سعد (۶/ ۲۵۱)، بروایت صالح بن سلیم، یونس بن ابو اسحاق نے الابانہ (۶۰۰، ۶۰۱) میں ان کی متابعت کی ہے، چنانچہ بالمعنی مروی ہے، روایت آگے ص (۱۳۷) میں آرہی ہے۔

"دیکھنا یہ کہنے سے بچنا کہ: اللہ نے اسے حرام کیا ہے، یا منع فرمایا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا، میں نے اسے حرام کیا ہے نہ منع کیا ہے"، نیز فرماتے ہیں: "اور یہ کہنے سے بھی کہ: اللہ نے اسے حلال کیا ہے، یا اس کا حکم دیا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا: میں نے اسے حلال کیا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے"[1]۔

ابن وہب اور عتیق بن یعقوب نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: "نہ یہ لوگوں کا طریقہ تھا، نہ ہمارے سلف کا وطیرہ تھا، نہ ہی میں جن کی پیروی کرتا ہوں ان میں سے کسی کو کسی چیز کے بارے میں یہ کہتے ہوئے پایا کہ: یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، وہ حضرات اس کی جرأت نہیں کرتے تھے، بلکہ یہ کہتے تھے کہ: ہم اسے ناپسند کرتے ہیں، اور اسے بہتر سمجھتے ہیں، اور ہم اس سے احتراز کرتے ہیں اور اسے ٹھیک خیال کرتے ہیں"۔

اور عتیق بن یعقوب نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ: وہ حلال اور حرام نہیں کہتے تھے، کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا:
﴿قُلْ أَرَءَيْتُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَٰلًا قُلْ ءَآللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ ۖ أَمْ عَلَى ٱللَّهِ تَفْتَرُونَ ۝٥٩﴾ [یونس:۵۹]۔

آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا، آپ پوچھیے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افترا ہی کرتے ہو؟

حلال وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے"[2]۔

امام ابن عمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام مالک کے اس قول کا معنیٰ یہ ہے کہ: جو بھی علم رائے اور استحسان کے طور پر لیا جائے گا اس میں حلال، یا حرام نہیں کہا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم"[3]۔

نیز امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ بعض پیش آمدہ مسائل کی بابت جب سلف سے سوال کیا جاتا' جن کو وہ

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۷۹)، اس میں عطاء بن سائب ہیں جو اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور عبیدہ بن حمید نے ان سے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے۔
(۲) جامع بیان العلم (۲/۱۷۹)۔
(۳) جامع بیان العلم (۲/۱۷۹)۔

اپنی رائے سے اجتہاد کرتے تھے، تو کہتے ہیں:

﴿إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴾ [الجاثیۃ:۳۲]۔

ہمیں کچھ یوں ہی سا خیال ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں۔

اور عربی شاعر ابوالعتاہیہ نے کہا خوب کہا ہے:

وَمَا كُلُّ الظُّنُونِ تَكُونُ حَقًّا وَلَا كُلُّ الصَّوَابِ عَلَى الْقِيَاسِ

نہ تو سارے گمان حق ہوتے ہیں، نہ ہی پوری درستی مبنی بر قیاس ہوتی ہے۔

اور ابووائل فرماتے ہیں:

''أرأیت (آپ کی کیا رائے ہے؟) والوں کے ساتھ نہ بیٹھو''[1]۔

اور امام شعبی فرماتے ہیں:

''مجھے ''أرأیت'' (تمہارا کیا خیال ہے) سے زیادہ نفرت کسی اور لفظ سے نہیں ہے''[2]۔

اور داود داودی فرماتے ہیں کہ مجھ سے شعبی نے کہا:

''میری تین اہم باتیں یاد رکھنا: ایک یہ کہ: جب تم کوئی مسئلہ پوچھو اور تمہیں جواب دے دیا جائے تو اس کے بعد'' یہ نہ کہو کہ آپ کی کیا رائے ہے؟'' کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ﴿أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ﴾ [الفرقان:۴۳]۔[3] (کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے؟)

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۷۹)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۱۷۹)۔

(۳) شاید مناسب آیت سورۃ الجاثیہ کی ہے:

﴿أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِۦ وَقَلْبِهِۦ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِۦ غِشَٰوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِنۢ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴾ [الجاثیہ:۲۳]۔

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے، اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔

کیونکہ سورۃ الفرقان کی آیت: ﴿أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴾ [الفرقان:۴۳]۔ میں فاء نہیں ہے اور جاثیہ کی آیت میں فاء کا اضافہ ہے۔

یہاں تک کہ پوری آیت پڑھی، دوسری یہ کہ جب تم سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس نہ کرو، کیونکہ اندیشہ ہے کہ تم کسی حلال کو حرام، یا حرام کو حلال کردو، اور تیسری یہ کہ جب تم سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس کا تمہیں علم نہ ہو، تو کہہ دو کہ میں نہیں جانتا' میں بھی تمہارے ہی جیسا ہوں''[1]۔

اور شعبی فرماتے ہیں:

''یقیناً تم سے پہلے کے لوگ ''تمہارا کیا خیال ہے؟'' ہی میں برباد ہوئے''[2]۔

اور لیث بن سعد فرماتے ہیں:

''میں نے ربیعہ بن عبدالرحمن کو خواب میں دیکھا، تو ان سے پوچھا: ابوعثمان! آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا: میرا انجام بہت بہتر ہوا، البتہ جو بہت کچھ مجھ سے رائے کی باتیں ہوگئی تھیں' وہ میرے حق میں قابل ستائش نہ رہیں''[3]۔

اور یحییٰ بن ایوب فرماتے ہیں:

''مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ اہل علم کہا کرتے تھے: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بھلائی نہیں سکھانا چاہتا ہے' تو اُسے پیچیدہ مسائل میں الجھا دیتا ہے''[4]۔

اور رقبہ بن مصقلہ سے اہل رائے کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا: ''وہ جو نہیں ہوا ہے اس کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، اور جو ہوا ہے اُس کے سب سے بڑے جاہل ہیں''[5]۔

ان کی مراد یہ ہے کہ انہیں سلف کے علوم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

میں (مولف کتاب' فُلّانی) کہتا ہوں: یہ چیز مقلدین کی جماعت اور متعصبین کے گروہ میں' ایک امر مشاہد ہے' کیونکہ جب آپ ان میں سے کسی سے کہیں گے: ذرا بتاؤ کہ اگر نمازی چار رکعت والی نماز میں بھول کر تین رکعتوں پر

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۸۰)۔ داود الأودی: ابن یزید بن عبدالرحمن زعافری، ابویزید کوفی اعرج ہیں' جو ضعیف ہیں' تقریب التھذیب (۱۸۱۸)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۱۸۰)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۱۸۰)، سند کے ساتھ۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۱۸۰)، سند کے ساتھ۔

(۵) جامع بیان العلم (۲/ ۱۷۸، ۱۸۱)۔

سلام پھیر دے' تو کیا کرے؟ تو وہ فوراً کہے گا: ہمارے مسلک میں ایسا ہے! اور اگر آپ اس سے کہیں گے: کہ میں آپ کا مسلک نہیں پوچھ رہا ہوں' بلکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین کا عمل پوچھ رہا ہوں! تو گھاٹی میں پیشاب کرنے والے گدھے کی طرح اکڑ کر کھڑا ہو جائے گا[1] اور غصہ سے لال پیلا ہونے لگے گا۔

ابو عمر ابن عبد البر فرماتے ہیں:

ہم سے عبد الرحمن بن عبد اللہ بن خالد نے بیان کیا، ان سے یوسف بن یعقوب نجیرمی نے بصرہ میں بیان کیا، ان سے عباس بن فضل نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن شبیب کو کہتے ہوئے سنا، کہ انہوں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''رَأْيُ الأَوْزَاعِي، وَرَأْيُ مَالِكٍ، وَرَأْيُ أَبِي حَنِيفَةَ كُلُّهُ رَأْيٌ، وَهُوَ عِنْدِي سَوَاءٌ، وَإِنَّمَا الحُجَّةُ فِي الآثَارِ''[2]۔

امام اوزاعی کی رائے، امام مالک کی رائے اور امام ابو حنیفہ کی رائے، سب رائیں ہیں، اور میرے نزدیک سب یکساں ہیں، حجت و دلیل تو آثار و احادیث میں ہے۔

ابو عمر فرماتے ہیں: سہل بن عبد اللہ تستری کے واسطے سے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''جو بھی شخص علم میں نئی بات ایجاد کرے گا' قیامت کے دن اس کی بابت سوال کیا جائے گا' اگر وہ سنت کے مطابق ہوگی تو سلامت رہے گا، ورنہ برباد ہو جائے''۔

امام ابن عبد البر کی طویل بات ختم ہوئی[3]۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''المدخل إلی علم السنن'' میں مزید باتیں ذکر کی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

''بَابُ مَا يُذْكَرُ مِنْ ذَمِّ الرَّأْيِ وَتَكَلُّفِ الْقِيَاسِ فِي مَوْضِعِ النَّصِّ''۔

نص (کتاب وسنت کی دلیل) کے بالمقابل رائے اور قیاس کی مذمت کا بیان۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) ''شخ بولہ'' یعنی پیشاب نہ روک سکے۔ (لسان العرب، مادہ: شخخ)۔

(۲) سند صحیح ہے۔ جامع بیان العلم (۲/۱۸۲)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۱۸۲)۔

﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ﴾ [النساء:۵۹]۔

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ﴾ (پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو)، سے مراد –واللہ اعلم– مسلمانوں کے امراء ہیں جن کی اطاعت کا انہیں حکم دیا گیا ہے، اور ﴿فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ﴾ (تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف) یعنی –واللہ اعلم– اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی طرف لوٹاؤ[۱]۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِي مُسۡتَقِيمٗا فَٱتَّبِعُوهُۖ وَلَا تَتَّبِعُواْ ٱلسُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَن سَبِيلِهِۦۚ﴾ [الانعام:۱۵۳]۔

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔

امام مجاہد فرماتے ہیں: یعنی بدعات وشبہات میں ڈال دیں گی[۲]۔

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے جعفر بن محمد سے روایت کیا ہے وہ اپنے والد سے اور وہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ، وَعَلَا صَوْتُهُ، وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ، حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ، يَقُولُ: ''**صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ**'' وَيَقُولُ: ''**بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ**'' وَيَقْرُنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى، وَيَقُولُ: ''**أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**'' ثُمَّ يَقُولُ: ''**أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ، مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ**

---

(۱) المدخل (ص ۱۸۴)، اپنی سند سے ذکر کیا ہے، والرسالۃ (ص ۸۰، ۸۱)، امام شافعی رحمہ اللہ کی بقیہ بات یہ ہے: ''اگر تم جانو، اور اگر تم نہ جانو، تو اس بارے میں تم یا تم میں سے جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے ان سے پوچھ لے''۔

(۲) المدخل (ص ۱۸۴)، وسنن دارمی، مقدمہ (۵۰۳)، مجاہد تک حسن سند کے ساتھ، وتفسیر طبری (۵/ ۳۹۶-۳۹۷)۔

وَعَلَيَّ'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ[1]۔

رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور غصہ سخت ہو جاتا، ایسا محسوس ہوتا گویا آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہوں، آپ فرماتے: صبح یا شام میں لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ اور فرماتے: میری بعثت اور قیامت ان دونوں (انگلیوں) کی طرح ہیں، اور اپنی (شہادت اور درمیانی) دونوں انگلیوں کو باہم ملاتے۔ اور فرماتے: حمد وصلاۃ کے بعد، یقیناً سب سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور بدترین امور نئی ایجاد کردہ چیزیں ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ پھر فرماتے: میں ہر مومن کا اس کی جان سے زیادہ حقدار ہوں، جس نے کوئی مال چھوڑا، وہ اس کے گھر والوں کے لئے ہے، اور جس نے کوئی قرض یا بال بچے چھوڑا، تو اس کی دیکھ ریکھ میرے ذمہ ہے۔

نیز اسے امام ثوری نے جعفر سے روایت کیا ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں:

''وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ''[2]۔

اور ہر نئی ایجاد کردہ چیز بدعت ہے، اور ہر بدت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نئی ایجاد کردہ باتوں کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ نو ایجاد باتیں جو کتاب اللہ، یا سنت رسول ﷺ، یا اثر یا اجماع کے خلاف ہوں، تو یہ بدعت ضلالت ہے۔

۲۔ وہ نو ایجاد باتیں جن میں ان میں سے کسی چیز کی خلاف ورزی نہ ہو، تو یہ غیر مذموم نو ایجاد بات ہے۔

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے ماہ رمضان کے قیام اللیل کے بارے میں جو فرمایا تھا:

---

(۱) صحیح مسلم (حدیث ۸۶۷)، وابن ماجہ (حدیث ۴۵)، ونسائی (حدیث ۱۵۷۸)، واحمد بن حنبل (۳/ ۲۹۶)، وبیہقی، السنن الکبری (۳/ ۲۰۶)، والمدخل (ص ۱۸۵، فقرہ ۲۰۰)۔ اور ابو جعفر: محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۲) صحیح مسلم (حدیث ۸۶۷)۔

[نوٹ: یہ الفاظ اس طرح صحیح مسلم میں نہیں ہیں، بلکہ سنن نسائی، اور ابن خزیمہ میں ہیں، دیکھئے: سنن النسائی، کتاب صلاۃ العیدین، باب کیف الخطبۃ (۳/ ۱۸۸، حدیث ۱۵۷۸)۔ وصحیح ابن خزیمۃ، کتاب الجمعۃ، باب صفۃ خطبۃ النبی ﷺ (۳/ ۱۴۳، حدیث ۱۷۸۵) (مترجم)]۔

''نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ''(کیا خوب نیا طریقہ ہے یہ)۔
اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ ایک نئی چیز ہے، لیکن اس میں گزشتہ طریقہ کی کوئی تردید نہیں ہے[1]۔
نیز امام بیہقی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:
''اتَّبِعُوا وَلَا تَبْتَدِعُوا، فَقَدْ كُفِيتُمْ''[2]۔
اتباع کرو، بدعتیں ایجاد نہ کرو، کیونکہ تمہارے لئے کفایت کی جا چکی ہے۔
نیز عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''يَكُونُ بَعْدِي رِجَالٌ يُعَرِّفُونَكُمْ مَا تُنْكِرُونَ، وَيُنْكِرُونَ عَلَيْكُمْ مَا تَعْرِفُونَ، فَلَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللَّهَ، وَلَا تَعْمَلُوا بِرَأْيِكُمْ''[3]۔

(۱) عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو امام بخاری (حدیث ۲۰۱۰) اور امام مالک نے موطا (حدیث ۲۵۲) میں روایت کیا ہے، اور امام شافعی کے اثر کو امام بیہقی نے امام شافعی سے المدخل (ص ۲۰۶، فقرہ ۲۵۳) میں مختصراً روایت کیا ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت کے احیاء پر محمول ہے، اس سے اصطلاحی بدعت مراد نہیں ہے، جس سے امر شرعی کی برابری اور دین میں نئی بات پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے!!

(۲) المدخل (ص ۱۸۵-۱۸۶، فقرہ ۲۰۳)، اس کی اصل بخاری میں ہے (حدیث ۶۰۹۸)، نیز اسے ابن ابو خیثمہ نے کتاب العلم (۵۴) میں، وکیع نے الزہد (۳۲۵) میں، اور ان سے امام احمد نے الزہد (۱۶۲) میں، امام طبرانی نے معجم کبیر (۹/ ۱۶۸) میں، اور دارمی نے (۲۰۵) میں روایت کیا ہے۔ اور امام ہیثمی مجمع الزوائد میں فرماتے ہیں: اس کے راویان صحیح کے راویان ہیں۔

(۳) یہ المدخل (ص ۱۷۸، فقرہ ۲۰۶)، مسند احمد (۵/ ۳۲۵)، اور مستدرک حاکم (۳/ ۳۵۶)، میں کئی طرق سے عبادہ سے ان الفاظ میں مروی ہے:
''سَيَلِيكُمْ أُمَرَاءُ بَعْدِي يُعَرِّفُونَكُمْ مَا تُنْكِرُونَ، وَيُنْكِرُونَ عَلَيْكُمْ مَا تَعْرِفُونَ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَلَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللَّهَ''۔
عنقریب میرے بعد تمہارے اوپر ایسے امراء ذمہ دار ہوں گے جو جن باتوں کو تم منکر جانتے ہو معروف وبھلائی بتائیں گے اور جن باتوں کو تم معروف اور نیکی جانتے ہوا سے گناہ ومنکر ٹھہرائیں گے، لہٰذا تم میں سے جو یہ دور پائے اللہ کی نافرمانی کرنے والے کی اطاعت نہ کرے۔
نیز اسے عبداللہ بن احمد نے اپنی زوائد میں (مسند احمد ۵/ ۳۲۹) اتنے اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے: ''فَلَا تَعْتَلُّوا بِرَبِّكُمْ'' (لہٰذا تم گناہوں میں ان کی اطاعت نہ کرنا، یہ سوچ کر کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے، کیونکہ تمہیں اس کی اجازت نہیں ہے)۔
اور اسی طرح اس کے معنیٰ کو امام احمد (۳/ ۱۲۷) نے، السنن الکبریٰ میں (۱/ ۳۹۹) بیہقی نے، اور سنن میں (۲۸۶۵) ابن ماجہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:
''سَيَلِي أَمْرَكُمْ قَوْمٌ يُطْفِئُونَ السُّنَّةَ، وَيُحْدِثُونَ الْبِدْعَةَ، وَيُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيتِهَا'' فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أَدْرَكْتُهُمْ، كَيْفَ أَفْعَلُ؟ قَالَ: ''تَسْأَلُنِي يَا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ كَيْفَ تَفْعَلُ؟ لَا طَاعَةَ، لِمَنْ عَصَى اللَّهَ'' قَالَهَا ثَلَاثًا۔ ===

میرے بعد کچھ لوگ پیدا ہوں گے، تم جن چیزوں کو منکر (برائی) سمجھتے ہو، انہیں معروف (نیکی) بنائیں گے، اور جن چیزوں کو نیکی اور بھلائی سمجھتے ہو، انہیں منکر اور برائی بنائیں گے، لہٰذا اللہ کی نافرمانی کرنے والے کی اطاعت نہیں ہے، اور نہ تم اپنی رائے پر عمل کرو۔

نیز عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لَنْ يَسْتَكْمِلَ مُؤْمِنٌ إِيمَانَهُ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُكُمْ بِهِ''[1]۔

کوئی مومن اپنا ایمان ہرگز اس وقت تک مکمل نہیں کرسکتا، جب تک کہ اس کی خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں، جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس کی روایت میں نعیم بن حماد منفرد ہیں، لیکن میں کہتا ہوں: یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ نعیم ثقہ صدوق ہیں،

=== عنقریب کچھ ایسے لوگ تمہارے ذمہ دار ہوں جو سنت کو بجھائیں (مٹائیں) گے، نت نئی بدعتیں ایجاد کریں گے، اور نمازوں کو اپنے اوقات سے موخر کریں گے! میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر میں ایسے لوگوں کو پاؤں تو کیا کروں؟ فرمایا: اے ام عبد کے بیٹے! تم مجھ سے پوچھتے ہو کیا کرو گے؟ اللہ کی نافرمان کرنے والے کی اطاعت نہیں کرنی ہے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا)۔

(۱) ضعیف ہے۔ اسے امام بیہقی نے المدخل (ص ۱۸۸-۱۸۹، فقرہ ۲۰۹) میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۳۶۹/۴) میں، بغوی نے شرح السنۃ (حدیث ۱۰۴) میں اور ابن ابی عاصم نے السنۃ (۱۲/۱، حدیث ۱۵) میں روایت کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں: ''لا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ''۔ (تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا تا آنکہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع ہو جائیں) اس کی صحت کی بابت حافظ ابن رجب نے جامع العلوم والحکم میں حدیث (۴۲) کے تحت گفتگو فرمائی ہے اور اس کے راوی نعیم بن حماد کے ضعف کی وضاحت فرمائی، برخلاف مولف کے موقف کے۔ اور حدیث میں یہی ایک علت نہیں ہے، بلکہ نعیم کا استاذ بھی مجہول ہے اور سند میں اضطراب بھی ہے۔

[نوٹ: اس حدیث کی تصحیح وتضعیف میں اہل علم کا اختلاف رہا ہے، کچھ لوگوں نے صحیح کہا ہے اور کچھ نے ضعیف قرار دیا ہے، چنانچہ تضعیف کرنے والوں کے علاوہ امام نووی نے اپنی اربعین (۴۱) میں اس کی تصحیح کی ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے، (فتح الباری، از ابن حجر ۲۸۹/۱۳)۔ البتہ ضعیف ماننے کی صورت میں بھی اس بارے میں مناسب موقف یہ ہے کہ قرآن کریم سے اس کے متعدد شواہد ہونے کے سبب اس کا معنیٰ صحیح ہے مثلاً: (النساء: ۶۵، الاحزاب: ۳۶، القصص: ۵۰، وغیرہ)، اور قرآنی شواہد کی بنیاد پر احادیث کی تصحیح یا تحسین متعدد علماء متقدمین کا منہج رہا ہے، جن میں ابن جریر طبری اور دیگر ائمہ ومحدثین ہیں جیسا کہ علامہ شیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ نے صراحت فرمائی ہے اور علامہ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب اور علامہ عثیمین رحمہم اللہ نے اس کے معنیٰ کو قطعی صحیح اور اس کے ضعف کو غیر مضر قرار دیا ہے، دیکھئے: تیسیر العزیز الحمید، (ص ۴۹۲)، وشرح الأربعین النوویۃ، از محمد بن عثیمین (ص: ۳۹۵)، وشرح الأربعین، از صالح بن عبدالعزیز آل شیخ، (ص: ۵۲۵) واللہ اعلم۔ (مترجم)]۔

''التقریب'' میں اتنا اضافہ ہے کہ وہ بہت غلطیاں کرتے ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''اتَّقُوا الرَّأْيَ فِي دِينِكُمْ''[1]۔ اپنے دین میں رائے سے بچو۔

اور شعبی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! ان لوگوں نے مجھے مسجدوں سے اتنا متنفر کر دیا ہے کہ اب وہ مجھے اپنے گھر کے کوڑے سے بھی زیادہ ناپسند ہیں'' میں نے پوچھا: اے ابو عمرو! کن لوگوں نے؟ فرمایا: ''ان اَرَاَیتی، اہل رائے لوگوں نے جب یہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو یاد کرنے سے عاجز ہو گئے تو آ کر بحث و جھگڑا کرنے لگے''[2]۔

امام زہری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثقہ راویان پر مشتمل سند سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّهِمُوا الرَّأْيَ عَلَى الدِّينِ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أَرُدُّ أَمْرَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِرَأْيِي اجْتِهَادًا، فَوَ اللَّهِ مَا آلُو عَنِ الْحَقِّ، وَذَلِكَ يَوْمُ أَبِي جَنْدَلٍ، وَالْكِتَابُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَهْلِ مَكَّةَ، فَقَالَ: ''**اكْتُبُوا: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ**''. فَقَالُوا: تَرَانَا قَدْ صَدَّقْنَاكَ بِمَا تَقُولُ، وَلَكِنَّكَ تَكْتُبُ كَمَا كُنْتَ تَكْتُبُ: بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ، قَالَ: فَرَضِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبَيْتُ عَلَيْهِمْ، حَتَّى قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ''**تَرَانِي أَرْضَى وَتَأْبَى أَنْتَ؟**'' قَالَ: فَرَضِيتُ''[3]۔

اے لوگو! دین پر رائے کو متہم کرو، کیونکہ یقیناً میرا خیال ہے کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا حکم رد کر دیتا، کیونکہ اللہ کی قسم میں حق کے بارے میں کسی کی پروا نہیں کرتا، یہ ابو جندل

(۱) المدخل (ص ۱۸۹-۱۹۰، فقرہ ۲۱۰)، و جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۴)، اس کی تخریج ص (۹۸) حاشیہ (۴) میں گزر چکی ہے۔

(۲) دیکھئے: ص (۹۸، ۹۹، ۱۰۵)۔

(۳) اسے امام بیہقی نے المدخل (ص ۱۹۲، فقرہ ۲۱۷) میں، طبرانی نے معجم کبیر (۱/ ۲۶) میں، بزار نے البحر الزخار (۱/ ۲۵۱-۲۵۴، حدیث ۱۴۸) میں روایت کیا ہے، اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱/ ۱۷۹) میں کہا ہے: اس کے راویان ثقہ ہیں، گرچہ کہ اس میں مبارک بن فضالہ ہے جو مدلس ہے اور عن سے روایت کیا ہے۔

والے (یعنی صلح حدیبیہ کے) دن کی بات ہے، جب صلح نامہ رسول اللہ ﷺ اور اہل مکہ والوں کے سامنے لکھا جارہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لکھو، بسم اللہ الرحمن الرحیم''، تو اہل مکہ نے کہا: آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ جو کچھ کہیں گے ہم اس کی تصدیق کرلیں گے؟ (یعنی ایسا نہیں لکھ سکتے)، بلکہ آپ وہی لکھیں جو لکھا کرتے تھے: ''بسمک اللھم'' (اے اللہ تیرے نام سے)۔ کہتے ہیں: بالآخر رسول اللہ ﷺ راضی ہوگئے، لیکن میں نے انکار کردیا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: ''مجھے دیکھ رہے ہو کہ میں راضی ہو چکا ہوں، اور تم انکار کر رہے ہو؟'' کہتے ہیں: تو میں نے بھی مان لیا۔

اور ابو حصین (۱) سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ابو وائل (۲) نے بیان فرمایا:

''لَمَّا قَدِمَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ مِنْ صِفِّينَ أَتَيْنَاهُ نَسْتَخْبِرُهُ، قَالَ: فَقَالَ: اتَّهِمُوا الرَّأْيَ عَلَى الدِّينِ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ لَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَمْرَهُ لَرَدَدْتُ، وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، وَمَا وَضَعْنَا أَسْيَافَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا لِأَمْرٍ يُفْظِعُنَا إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ قَبْلَ هَذَا الأَمْرِ، مَا نَسُدُّ مِنْهَا خُصْمًا إِلَّا انْفَجَرَ عَلَيْنَا خُصْمٌ مَا نَدْرِي كَيْفَ نَأْتِي لَهُ'' (۳)۔

جب سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ صفین سے واپس آئے تو ہم حالات سے آگاہی کے لئے ان کے پاس گئے، کہتے ہیں: انہوں نے کہا: دین پر رائے کو متہم کرو، کیونکہ ابو جندل والے (یعنی صلح حدیبیہ کے) دن اگر مجھے رسول اللہ ﷺ کا حکم ٹھکرانے کی طاقت ہوتی تو میں آپ ﷺ کا حکم رد کردیتا، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں، اور ہم نے جب بھی کسی اندوہناک ہنگامی معاملہ میں اپنی تلواروں کو اپنے کندھوں پر رکھا (بے نیام کیا) اس میں ہمارے لئے ضرور کوئی بھلائی کی صورت نکل گئی، سوائے اس فتنہ کے، کہ اس کا ایک کنارہ سنبھالا جاتا ہے تو دوسرا کنارہ پھٹ جاتا ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اسے روکنے کی کیا تدبیر کریں۔

(۱) یہ عثمان بن عاصم کوفی ہیں، ثقہ ثابت اور اہل سنت میں سے ہیں تقریب التھذیب (۴۴۸۴)۔

(۲) یہ شقیق بن سلمہ کوفی، ثقہ مخضرم ہیں تقریب التھذیب (۲۸۱۶)۔

(۳) متفق علیہ: بخاری (حدیث ۳۱۸۱)، ومسلم (حدیث ۱۷۸۵)، واحمد (۳/ ۴۸۵)، وابن عبد البر: جامع بیان العلم (۲/ ۳۸)، لیکن انہوں نے بطریق اعمش عن وائل روایت کیا ہے۔

اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

اور علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

''لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ بَاطِنُ الْخُفَّيْنِ أَحَقُّ بِالْمَسْحِ مِنْ ظَاهِرِهِمَا، وَلَكِنْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِهِمَا''[1]۔

اگر دین عقل ورائے (کی بنیاد پر) پر ہوتا تو موزوں کا باطنی حصہ ظاہری حصہ کی بہ نسبت مسح کا زیادہ حقدار ہوتا لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں کے اوپری حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اوابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''لَا يَزَالُ النَّاسُ عَلَى الطَّرِيقِ مَا اتَّبَعُوا الْأَثَرَ''[2]۔

''لوگ جب تک سنت رسول ﷺ کی پیروی کریں گے راہ راست پر قائم رہیں گے''۔

اورعروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے:

''سنتوں کی پیروی دین کی بنیاد ہے''[3]۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم سے ابوسعید نے بیان کیا، ان سے ابو بکر نے بیان کیا، ان سے بشر نے بیان کیا، ان سے حمیدی نے بیان کیا، ان سے یحییٰ بن سلیم نے بیان کیا، ان سے داود بن ابو ہند[4] نے بیان کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین کو فرماتے ہوئے سنا:

''سب سے پہلے قیاس ابلیس نے کیا، اس نے قیاس کرتے ہوئے کہا:

---

(۱) صحیح ہے۔ المدخل (ص ۱۹۳-۱۹۴، فقرہ ۲۱۹)، ومعرفۃ السنن والآثار (حدیث ۳۴۴)، وابن حزم فی الاحکام (۶/ ۱۰۲۰)، وابو داود (حدیث ۱۶۲)، اور علامہ البانی نے اسے صحیح ابوداود (حدیث ۱۴۷، ۱۴۹) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) المدخل (ص ۱۹۴، فقرہ ۲۲۰)، وجامع بیان العلم وفضلہ (۲/ ۶۳، ۱۶۷)، ابن سیرین کے حوالہ سے۔

(۳) المدخل (ص ۱۹۵، فقرہ ۲۲۱)، وجامع بیان العلم وفضلہ (۲/ ۱۶۸)، ابن عبدالبر کے یہاں اس طرح ہے: سنتوں کو لازم پکڑو، سنتوں کو لازم پکڑو، کیونکہ سنتیں دین کا ستون ہیں۔ پھر فرمایا: "عالم کی سب سے زیادہ بے قدری اہل علم ہی کرتے ہیں"۔ جیسا کہ اس کا بیان ہو چکا ہے۔

(۴) یہ امام بیہقی کے شیخ یحییٰ بن محمد الحاکم ہیں، اور ابو بکر محمد بن حسن بن کوثر بربہاری ہیں، ۳۶۲ھ میں وفات پائے، ضعیف جدا ہیں، (میزان الاعتدال، ۳/ ۵۱۹)، اور بشر: ابن موسیٰ یا ابن صلاح اسدی ہیں ثقہ امام حافظ ہیں، ۲۸۸ھ میں وفات پائے، (تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۶۱۱)، اور حمیدی: عبداللہ بن زبیر معروف محدث عالم سند اور حافظ ہیں، اور یحییٰ بن سلیم طائفی صدوق بد حافظہ ہیں، ۱۹۳ھ میں وفات پائے تقریب التھذیب (۷۵۶۳)۔

﴿خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۝﴾ [الاعراف: ۱۲]۔

آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو خاک سے پیدا کیا ہے۔

اور سورج و چاند کی عبادت قیاسوں ہی کے سبب کی گئی"[1]۔

حسن سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے:

"اللہ کے دین کی بابت اپنی خواہشات اور رائے کو الزام دو، اور اپنی ذات اور دین کی بابت اللہ کی کتاب کو خیر خواہ بناؤ (اس کی نصیحت قبول کرو)"[2]۔

اور امام شعبی فرماتے ہیں:

"مجھے "اَرَاَیت" (تمہاری کیا رائے ہے) سے زیادہ نفرت کسی اور لفظ سے نہیں ہے"[3]۔

اور ابن عون بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی نے فرمایا:

"سلف سے کوئی چیز باقی نہیں بچی ہے، جو تمہاری کسی فضیلت کے سبب تمہارے لئے چھپائی گئی ہو (کہ تم بعد میں آکر اُسے اپنی رائے سے انجام دو گے)"[4]۔

عامر بن یساف سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے اوزاعی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

"جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث مل جائے، تو اے عامر! دیکھنا اس کے علاوہ کچھ نہ کہنا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے پہنچانے والے تھے"[5]۔

اور سفیان ثوری سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"علم سراپا، احادیث و آثار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہے"[6]۔

---

(۱) المدخل (ص ۱۹۶، فقرہ ۲۲۳)، و جامع بیان العلم وفضلہ (۲/ ۹۳)، وتفسیر طبری (۸/ ۹۸)، و دارمی (حدیث ۱۸۹)۔

(۲) المدخل (ص ۱۹۶، فقرہ ۲۲۴) صحیح سند کے ساتھ، اور "انتصحوا" کا معنیٰ ہے نصیحت قبول کرو۔

(۳) المدخل (ص ۱۹۷، فقرہ ۲۲۶)، و جامع بیان العلم وفضلہ (۲/ ۱۸۰)، والابانہ از ابن بطہ (۶۰۵)، اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

(۴) المدخل (ص ۱۹۹، فقرہ ۲۳۲)، ابراہیم: ابراہیم نخعی ہیں۔

(۵) المدخل (ص ۲۰۰، فقرہ ۲۳۴)، والفقیہ والمتفقہ، از خطیب بغدادی (۱/ ۱۳۹)، اور عامر بن یساف کے بارے میں ابو حاتم کہتے ہیں: ٹھیک ٹھاک ہیں، ۲۰۰ھ میں وفات پائے۔ (الجرح والتعدیل ۶/ ۳۲۹)۔

(۶) المدخل (ص ۲۰۰، فقرہ ۲۳۵)، والحلیہ از ابونعیم (۸/ ۱۶۵)، جامع بیان العلم، از ابن عبدالبر (۲/ ۴۳، ۱۶۷)۔

اور ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

""علم (سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں جھگڑنا دل کو سخت کرتا ہے اور کینہ پیدا کرتا ہے"[1]۔

ابو الاسود کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن المبارک سے کہا: رائے کو لکھنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اگر تم حدیث کو سمجھنے کی حد تک رائے لکھو تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر اُسے دین بنانے کے لئے لکھو تو جائز نہیں ہے"[2]۔

ابن وہب فرماتے ہیں کہ مجھ سے عبد العزیز بن ابوسلمہ نے بیان کیا، کہ میں عراق گیا تو عراق والے میرے پاس آئے اور کہنے لگے: ہمیں ربیعہ الرائے کے بارے میں بتلایئے؟، کہتے ہیں: میں نے کہا: اے عراقیو! تم انہیں ربیعہ رائے کہتے ہو! نہیں اللہ کی قسم! میں نے ان سے زیادہ کسی کو سنت کا یاد کرنے والا نہیں دیکھا"[3]۔

اور سفیان سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ربیعہ بن عبد الرحمن نے فرمایا:

"جب قیاس گندہ ہو یعنی بُرا ہو تو اُسے چھوڑ دو"۔

وکیع فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"مِنَ الْقِيَاسِ قِيَاسٌ أَقْبَحُ مِنَ الْبَوْلِ فِي الْمَسْجِدِ"[4]۔

بعض قیاس ایسے ہوتے ہیں جو مسجد میں پیشاب کرنے سے بھی زیادہ بُرے ہوتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے سچ فرمایا ہے، یہ وہ قیاس ہے جو کتاب اللہ یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نص سے ٹکرانے والا ہو۔

اور یحییٰ بن ضریس[5] بیان کرتے ہیں:

میں نے سفیان کو کہتے ہوئے سنا، جب آپ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: آپ ابوحنیفہ پر کیا عیب لگاتے

(۱) المدخل (ص ۲۰۲، فقرہ ۲۳۹)، ومناقب الشافعی، از بیہقی (۲/ ۱۵۰-۱۵۱)۔

(۲) المدخل (ص ۲۰۲، فقرہ ۲۴۱)، میں ابن المبارک سے روایت کرنے والے ابوالاسود کنیت والے کسی شخص کو نہیں جان سکا۔

(۳) المدخل (ص ۲۰۳، فقرہ ۲۴۲)، والمعرفۃ والتاریخ، از فسوی (۱/ ۶۷۲)، وتاریخ بغداد، از خطیب بغدادی (۸/ ۴۲۳)۔

(۴) المدخل (ص ۲۰۳، فقرہ ۲۴۳)، والمعرفۃ والتاریخ، از فسوی (۱/ ۶۷۳)۔

(۵) یہ یحییٰ بن ضریس بجلی قاضی ہیں، صدوق ہیں، ۲۰۳ھ میں وفات پائے، تقریب التہذیب (۷۵۷۱)۔

ہیں؟انہوں نے کہا: اُن کا کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا: میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا ہے: کہ میں اللہ کی کتاب سے (مسئلہ) لوں گا، اگر اس میں نہ پاؤں گا تو رسول ﷺ کی سنت سے لوں گا، اور اگر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں نہ پاؤں گا تو آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جن سے چاہوں گا لوں گا، اور جنہیں چاہوں گا چھوڑوں گا، اور ان کی بات کو چھوڑ کر دوسروں کی بات نہیں لوں گا، البتہ جب معاملہ ابراہیم، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطاء اور سعید بن المسیب - اور کئی نام لئے - تک پہنچ جائے تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اجتہاد کیا ہے اُن کی طرح میں اجتہاد کروں گا''۔

کہتے ہیں: یہ سن کر سفیان بہت دیر تک خاموش رہے، پھر کچھ باتیں اپنی رائے سے کہی، جسے مجلس کے ہر ہر فرد نے لکھ لیا:

''نَسْمَعُ الشَّدِيدَ مِنَ الْحَدِيثِ فَنَخَافُهُ، وَنَسْمَعُ اللَّيِّنَ مِنْهُ فَنَرْجُوهُ، وَلَا نُحَاسِبُ الْأَحْيَاءَ، وَلَا نَقْضِي عَلَى الْأَمْوَاتِ، نُسَلِّمُ مَا سَمِعْنَا، وَنَكِلُ مَا لَا نَعْلَمُ إِلَى عَالِمِهِ، وَنَتَّهِمُ رَأْيَنَا لِرَأْيِهِمْ''[1]۔

ہم حدیث میں سخت بات سنتے ہیں تو اس سے ڈرتے ہیں، نرم بات سنتے ہیں تو اس کی امید کرتے ہیں، ہم زندوں کا محاسبہ کرتے ہیں، نہ مردوں کا فیصلہ کرتے ہیں، جو سنتے ہیں اُسے تسلیم کرتے ہیں، اور جو نہیں جانتے اُسے اس کے جاننے والے کے سپرد کر دیتے ہیں، اور اُن کی رائے کے سامنے اپنی رائے کو متہم کرتے ہیں۔

شیخ احمد بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں[2]:

ہم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں ذکر کر دیا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں اُن کا اختلاف ہو تو ان میں سے کسی کی بات کو کسی پر کیسے اور کن بنیادوں پر ترجیح دی جائے گی، کسی شخص کے لئے ان میں سے کسی کی بات کو یونہی بلا دلیل محض خواہش نفس کی بنا پر اختیار کر لینا درست نہیں ہے۔

اور سفیان ثوری نے جو بات کہی ہے: ''وَنَتَّهِمُ رَأْيَنَا لِرَأْيِهِمْ'' (ہم اُن کی رائے کے سامنے اپنی رائے کو متہم

---

(۱) المدخل (ص ۲۰۳-۲۰۴، فقرہ ۲۴۵)۔

(۲) اس قول کو امام بیہقی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے، اور الفاظ یہ ہیں کہ: امام شافعی نے فرمایا: ہم نے صحابہ کے بارے میں..... المدخل (ص ۲۰۴، فقرہ ۲۴۶)، شاید ان کا بیہقی کے واسطے سے ذکر کرنا زیادہ مناسب ہو۔

کرتے ہیں) اگر ان کا مقصود صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جب وہ کسی مسئلہ میں متفق ہوں' یا ان میں سے کسی نے کوئی بات تنہا کہی ہو اور ہمیں ان میں سے اس کا کوئی مخالف معلوم نہ ہو [تب تو ان کی بات ٹھیک ہے، اور اگر ان کی مراد تابعین ہیں، جب وہ کسی مسئلہ میں متفق ہوں' یا ان میں سے کسی نے کوئی بات تنہا کہی ہو اور ہمیں ان میں سے اس کا کوئی مخالف معلوم نہ ہو][1] تو ہمارے بعض اصحاب نے بھی یہی بات کہی ہے، لیکن اگر وہ کسی مسئلہ میں مختلف ہوں' تو اُن کے اقوال میں سے صحیح ترین قول کا انتخاب کرنے میں اجتہاد کرنا ضروری ہے، توفیق دہندہ اللہ ہی کی ذات ہے"[2]۔

ہمیں ابوعبداللہ حافظ نے بتلایا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوزکریا عنبری[3] کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالولید[4] کو فرماتے ہوئے سنا:- انہوں نے نبی کریم ﷺ کی ایک مرفوع حدیث بیان کی -تو ان سے کسی نے کہا: آپ کی کیا رائے ہے؟ تو فرمایا:

"لَيْسَ لِي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَأْيٌ"۔ رسول ﷺ کی حدیث ہوتے ہوئے میری کوئی رائے نہیں۔

اور یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں:

"لَا يُحْتَاجُ مَعَ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى قَوْلِ أَحَدٍ، وَإِنَّمَا كَانَ يُقَالُ: سُنَّةُ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، لِيُعْلَمَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَاتَ وَهُوَ عَلَيْهَا"[5]۔

---

(۱) مربع قوسین کے درمیان کی عبارت المدخل میں موجود نہیں ہے' شاید سقط ہے۔

(۲) المدخل (ص ۲۰۴، فقرہ ۲۴۷)۔

(۳) یہ امام حاکم اور ابو علی نیشاپوری کے شیخ یحییٰ بن محمد بن عبداللہ بن عنبر ابوزکریا عنبری سلمی ہیں، اس کے بارے میں امام حاکم فرماتے ہیں: انصاف ور اپنے ہمجولیوں کے درمیان یگانہ روزگار مفسر تھے، اور امام ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: مفسر محدث علامہ تھے، ۳۴۴ھ میں وفات پائے، سیر اعلام النبلاء (۱۵/ ۵۳۳)۔

(۴) اصل مطبوعہ نسخے میں ایسے ہی ہے' جبکہ ابوالولید اور عنبری کے درمیان دو لوگ ہیں، جیسا کہ المدخ (ص ۲۰۶، فقرہ ۲۵۲) میں ہے، اور وہ دونوں یہ ہیں: امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ (وفات: ۳۱۱ھ) اور امام بخاری کے ساتھی محمد بن یحییٰ ذہلی، (وفات: ۲۵۸ھ)، رہے ابوالولید تو وہ ہشام بن عبدالملک طیالسی ہیں جن کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی تقریب التھذیب (۷۳۰۱)، وتذکرۃ الحفاظ (۱/ ۳۸۲)۔

(۵) المدخل (ص ۱۰۶، فقرہ ۲۹) اپنی سند سے، اور اسی طرح حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث (ص ۸۴-۸۵) میں اور خطیب بغدادی نے الفقیہ والمتفقہ (۱/ ۲۲۲) میں روایت کیا ہے۔ اور یحییٰ بن آدم امام احمد اور یحییٰ بن معین کے شیخ ابوزکریا کوفی ہیں، ۲۰۳ھ میں وفات پائے، تذکرۃ الحفاظ (۱/ ۳۵۹)۔

نبی کریم ﷺ کا حکم و فرمان ہوتے ہوئے کسی کے قول کی کوئی حاجت نہیں، البتہ نبی کریم ﷺ، اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سنت' اس لئے کہا جاتا تھا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ اسی پر قائم تھے۔

میں کہتا ہوں: یہ (درج ذیل) حدیث اسی بات پر محمول کی جانی چاہئے:

''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي''(۱)۔

تم میری سنت کو اور میرے بعد ہدایت یافتہ نیک جانشینوں کی سنت کو لازم پکڑنا۔

چنانچہ اس صورت میں عطف (اور) کے سبب کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہ جاتی، لہذا خلفاء راشدین کی کوئی علٰحدہ سنت نہیں ہے' جس کی پیروی کی جائے' سوائے اس کے جس پر رسول اللہ ﷺ گامزن تھے۔

اور مجاہد سے مروی ہے: ''لَيْسَ أَحَدٌ إِلَّا يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيُتْرَكُ مِنْ قَوْلِهِ، إِلَّا النَّبِيَّ ﷺ''(۲)۔

ہر کسی کی کوئی بات لی جا سکتی ہے اور کوئی بات چھوڑی جا سکتی ہے' سوائے نبی کریم ﷺ کے۔

اس کا معنیٰ امام شعبی سے بھی مروی ہے۔

نیز شعبی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''مَا حَدَّثُوكَ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَخُذْ بِهِ، وَمَا قَالُوا فِيهِ بِرَأْيِهِمْ، فَبُلْ عَلَيْهِ''۔

لوگ جو کچھ تمہیں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے واسطے سے بیان کریں' اُسے لے لو، اور جس میں اپنی رائے سے بولیں' اُس پر پیشاب کردو۔

ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اُن کا مقصود حدیث رسول ﷺ کے مخالف رائے ہے(۳)۔

❁ ❁ ❁

(۱) صحیح۔ ابوداود (حدیث ۴۶۰۷)، ترمذی (حدیث ۲۶۷۶)، ابن ماجہ (حدیث ۴۲)، احمد (۴/ ۱۲۶)، دارمی (حدیث ۹۵)، مناقب الشافعی، از بیہقی (۱/ ۱۰-۱۱)، مستدرک حاکم (۱/ ۶۵-۶۷)، و معجم کبیر طبرانی (۱۸/ ۲۴۶)، والسنۃ، از ابن ابی عاصم (۱/ ۲۹-۳۰)، و صحیح ابن حبان (حدیث ۵)، بروایت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ۔ علامہ البانی نے اسے صحیح سنن ابوداود (حدیث ۳۸۵۱) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) اسے امام بیہقی نے المدخل (ص ۱۰۷، فقرہ ۳۰) میں اپنی سند سے، ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲/ ۱۱۲) میں، اور ابونعیم نے الحلیۃ (۳/ ۳۰۰) میں روایت کیا ہے۔ نیز یہ روایت حکم بن عتیبہ سے بھی مروی ہے اسے ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲/ ۱۱۲) میں روایت کیا ہے۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۳۰)، مصنف عبد الرزاق (۱۱/ ۲۵۶)، والحلیۃ از ابونعیم (۴/ ۳۱۹)۔

باب
علم کے اصول اور اس کی حقیقت کی معرفت اور مطلق طور پر فقہ وعلم کا نام کسے دیا جا سکتا ہے؟

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے عبد الرحمن بن زیاد افریقی کی سند سے عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''الْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ، وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ، وَسُنَّةٌ قَائِمَةٌ، وَفَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ''[1]۔

حقیقی علم تین ہیں، اس کے علاوہ جو کچھ ہے اضافی ہے: محکم آیت، ثابت سنت اور عادل فریضہ۔

میں کہتا ہوں: اسے امام ابو داود، ابن ماجہ اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں عبد الرحمن بن رافع ہے ان دونوں میں کلام ہے[2]۔

ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) ضعیف۔ جامع بیان العلم وفضلہ (۲/۲۹)، عن عبد الرحمن بن زیاد افریقی عن عبد الرحمن بن رافع عن ابن عمرو۔ اور اسے اسی نام کے باب کے تحت ذکر کیا ہے۔

(۲) سنن ابو داود (حدیث ۲۸۸۵)، وابن ماجہ (حدیث ۵۴)، ومستدرک حاکم (۴/۳۳۲)، علامہ البانی نے اسے ضعیف سنن ابو داود (۶۱۵) میں ضعیف قرار دیا ہے، عبد الرحمن بن زیاد افریقی بن انعم قاضی معافری حافظہ میں ضعیف ہیں جبکہ وہ ایک نیک آدمی تھے، ۱۵۶ھ میں وفات پائے، تقریب التھذیب (۳۸۶۳)، اور عبد الرحمن بن رافع تنوخی مصری ہیں، افریقہ کے قاضی تھے، یہ بھی ضعیف ہیں، ۱۱۳ھ میں وفات پائے، تقریب التھذیب (۳۸۵۶)۔

ثابت سنت سے مراد [دائمی سنت ہے جس کی پابندی کی جارہی ہو، اس کی سند کا اہتمام کیا گیا ہو]۔ اور عادل فریضہ: سے مراد وہ فریضہ ہے جو اپنی بابت علم کے وجوب اور حق و درست ہونے میں قرآن کے برابر ہو] (1)۔

عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''الْعِلْمُ ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ: كِتَابٌ نَاطِقٌ، وَسُنَّةٌ مَاضِيَةٌ، وَلَا أَدْرِي'' (2)۔

علم تین چیزوں کا نام ہے: محکم کتاب، گزری ہوئی (عمل کردہ) سنت، اور 'میں نہیں جانتا'۔

میں کہتا ہوں: اسے امام دیلمی نے مسند الفردوس میں موقوفاً روایت کیا ہے، اسی طرح ابونعیم نے، امام طبرانی نے الاوسط میں، خطیب بغدادی نے راویان امام مالک میں، اور دارقطنی نے غرائب مالک میں موقوفاً روایت کیا ہے، امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: موقوف کی سند حسن ہے (3)۔

ابوعمر ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے مروی ہے:

''إِنَّمَا الْأُمُورُ ثَلَاثَةٌ: أَمْرٌ تَبَيَّنَ لَكَ رُشْدُهُ فَاتَّبِعْهُ، وَأَمْرٌ تَبَيَّنَ لَكَ زَيْغُهُ فَاجْتَنِبْهُ، وَأَمْرٌ اخْتُلِفَ فِيهِ فَكِلْهُ إِلَى عَالِمِهِ'' (4)۔

درحقیقت مسائل تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جس کی نیکی و درستی تمہارے سامنے واضح ہوگئی ہو تو اس کی اتباع کرو، دوسرے وہ جس کی کجی و گمراہی تمہارے سامنے واضح ہوگئی ہو، تو اس سے اجتناب کرو، اور تیسرے وہ جس میں اختلاف ہو تو اُسے اس کے جاننے والے کے حوالہ کردو۔

---

(1) مربع قوسین کے درمیان کی عبارت کی بابت میں واقف نہیں ہوسکا کہ وہ ابن عبدالبر کا قول ہے، شاید علامہ فلانی کا قول ہے۔ لیکن اصل مطبوعہ نسخہ میں ایسے ہی ہے۔

(2) جامع بیان العلم (۲/ ۳۰)، والمعجم الاوسط، از طبرانی (حدیث ۱۰۰۵)، ومسند الفردوس، از دیلمی (حدیث ۴۰۱۳)۔ اس کی سند بہت زیادہ ضعیف ہے، اس میں عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز عمری ہیں امام نسائی نے اسے جھوٹ سے متہم کیا ہے، لسان المیزان (۴/ ۱۱۲)۔

(3) امام دارمی نے (۱۳۴) اپنی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ابوالشعثاء جابر بن زید سے کہا: تم بصرہ کے فقہاء میں سے ہو لہٰذا دیکھنا صریح قرآن یا گزری ہوئی (معمول بہ) سنت سے ہی فتویٰ دینا، کیونکہ اگر تم اس کے علاوہ کچھ کروگے تو خود ہلاک ہوگے اور دوسروں کو بھی ہلاک کروگے۔

(4) ضعیف جداً معجم کبیر از طبرانی (۱۰/ ۱۰۷۷۴)، اور جامع بیان العلم (۲/ ۳۰)، اس میں ہشام بن زیاد مدنی متروک ہے تقریب التھذیب (۷۲۹۲)۔

اور اپنی سند سے کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف سے روایت کیا ہے وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ ﷺ''(١)۔

میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑا ہے جب تک تم ان پر مضبوطی سے کاربند رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔

نیز ابو عمر فرماتے ہیں کہ: عروہ کے نام عمر بن عبد العزیز کے خط میں ہے:

''تم نے خط میں مجھ سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کی بابت پوچھا ہے: تو فیصلہ میں سرفہرست اللہ کی کتاب کی پیروی ہے، پھر سنت رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ فیصلہ ہے، پھر ائمہ ہدایت کا فیصلہ ہے، پھر اہل علم ورائے سے مشورہ کرنا ہے''(٢)۔

اور امام ابن ابو عمر نے سفیان بن عیینہ کے واسطے سے ذکر کیا ہے فرماتے ہیں کہ ابن شبرمہ یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

مَا فِي الْقَضَاء شَفَاعَة لمخاصم ... عِنْد اللبيب وَلَا الْفَقِيه الْعَالم

هون عَليّ إِذا قضيت بِسنة ... أَو بِالْكتاب برغم أنف الراغم

وقضيت فِيمَا لم أجد أثرا بِهِ ... بنظائر مَعْرُوفَة ومعالم(٣)

فیصلہ میں عقلمند یا فقیہ عالم کے یہاں کسی فریق کے لئے سفارش کی گنجائش نہیں ہوتی، کسی فریق کے نا چاہتے ہوئے بھی اگر میں اللہ کی کتاب یا سنت رسول ﷺ سے فیصلہ کرلوں تو میرے لئے آسان ہے، اور اگر مسئلہ کی بابت مجھے کوئی حدیث واثر نہ ملے گا تو میں اہل علم کے یہاں معروف شواہد اور نمایاں مثالوں کے ذریعہ فیصلہ کردوں گا۔

---

(١) صحیح ہے۔ جامع بیان العلم (٢/ ٣٠)، ومستدرک حاکم (١/ ٩٣)، وموطا امام مالک (١٦١٩)، بلاغاً، بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اور اس حدیث کے صحیح طرق ہیں۔ دیکھئے: السلسلۃ الصحیحۃ، از علامہ البانی، (حدیث ١٧٦١)۔

(٢) جامع بیان العلم (٢/ ٣٠)۔

(٣) جامع بیان العلم (٢/ ٣٠-٣١)، اور ابن ابو عمر: محمد بن یحیی بن ابو عمر ابو عبد اللہ عدنی، صدوق ہیں، ان کے بارے میں ابو حاتم نے کہا ہے: ان میں غفلت پائی جاتی ہے تقریب التہذیب (٦٣٩١)۔

ابن وہب بیان کرتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا:

''فیصلے دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ فیصلہ جو اللہ کی کتاب میں آیا ہو اور اسے سنت نے مستحکم کیا ہو'' فرمایا: اور دوسرا وہ جو حاکم اپنے اجتہاد رائے سے کرے' اسے بھی اللہ کی توفیق یابی کی امید ہوتی ہے، فرمایا: اور ایک تکلف کرنے والا ہوتا ہے' یہی قابل طعن وملامت ہے (۱)۔

نیز اپنی سند سے ابن وہب سے روایت کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا:

''لوگوں کے مابین ہونے والے فیصلے دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو اللہ کی کتاب میں ہو' یا اسے سنت نے مستحکم کیا ہو، یہی فیصلہ واجب ہے اور یہی درست ہے، اور دوسرا وہ جس میں عالم اپنی رائے سے اجتہاد کرے، اسے بھی توفیق یابی کی امید ہے، اور تیسرا تکلف کرنے والا ہے' یہ بے توفیقی کا زیادہ سزاوار ہے'' (۲)۔

ابن وہب فرماتے ہیں، امام مالک نے فرمایا:

''علم وحکمت اللہ کا نور ہے' اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس کی توفیق دیتا ہے' علم کثرت مسائل کا نام نہیں ہے'' (۳)۔

اور اس کتاب میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو کہتے ہوئے سنا:

''کثرت مسائل سے کوئی فقیہ نہیں ہوتا، بلکہ فقہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے' عطا فرماتا ہے'' (۴)۔

ابن وضاح فرماتے ہیں:

''سحنون سے پوچھا گیا: کیا عالم کو جن باتوں کا علم ہو' ان میں اس کے لئے ''میں نہیں جانتا'' کہنے کی گنجائش ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جن مسائل میں کتاب اللہ یا سنت صحیحہ کی دلیل موجود ہو' ان میں تو گنجائش نہیں ہے' لیکن جو مسائل عقل ورائے کا نتیجہ ہیں' ان میں اس کے لئے گنجائش ہے؛ کیونکہ اُسے نہیں معلوم کہ اُس کی رائے صحیح ہے یا غلط؟'' (۵)۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۳۱/۲) سند کے ساتھ۔

(۲) جامع بیان العلم (۳۱/۲)۔

(۳) جامع بیان العلم (۳۱/۲)۔

(۴) جامع بیان العلم (۳۱/۲)۔

(۵) جامع بیان العلم (۳۱/۲)۔

نیز ابن وہب نے اپنی جامع کے کتاب العلم میں ذکر کیا ہے' کہتے ہیں میں نے امام مالک کو کہتے ہوئے سنا: ''علم کثرت روایت سے نہیں ہوتا، بلکہ علم اللہ کا نور ہے جسے وہ دلوں میں ڈالتا ہے''(1)۔

اور اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا: ''علم وحکمت اللہ کا نور ہیں' اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس کی توفیق دیتا ہے، کثرت مسائل کا نام علم نہیں ہے''(2)۔

ابو عمر ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن شاکر نے بتلایا، ان سے محمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز نے بیان کیا، ان سے اسلم بن عبدالعزیز نے بیان کیا، ان سے مزنی اور ربیع بن سلیمان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا:

''لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ فِي شَيْءٍ حَلَالٌ وَلَا حَرَامٌ؛ إِلَّا مِنْ جِهَةِ الْعِلْمِ، وجِهَةُ الْعِلْمِ مَا نُصَّ فِي الْكِتَابِ أَوْ فِي السُّنَّةِ، أَوْ فِي الْإِجْمَاعِ، فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فِي ذَلِكَ، فَالْقِيَاسِ عَلَى هَذِهِ الْأُصُولِ مَا كَانَ فِي مَعْنَاهَا''(3)۔

کسی کے لئے کسی بھی مسئلہ میں حلال وحرام کہنا جائز نہیں سوائے علم کی روشنی میں، اور علم کی روشنی کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ کی نص (دلیل) ہے' یا اجماع امت ہے، اگر ان میں مسئلہ نہ ملے تو ان اصولوں پر قیاس کی روشنی میں۔

ابو عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اجماع اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ ٱلْمُؤْمِنِينَ﴾ [النساء:115]۔

اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے۔

کیونکہ اختلاف کے ساتھ یہ واضح چیز درست نہ ہوگی۔

اسی طرح فرمان نبوی ہے:

---

(1) جامع بیان العلم (2/31)۔

(2) جامع بیان العلم (2/31)۔

(3) اس کی سند صحیح ہے۔ جامع بیان العلم (2/32)۔

''لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ''[1]۔

میری امت کسی گمراہی پر اتفاق نہیں کر سکتی۔

اور میرا موقف یہ ہے کہ صحابہ کے اجماع کی مخالفت جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ کیونکہ ان تمام پر تفسیر سے لاعلم ہونا ممکن نہیں۔

نیز فرمان باری تعالیٰ:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [البقرۃ:۱۴۳]۔

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔

میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر صحابہ کی جماعت کا کسی بات پر اجماع ہو جائے تو وہ ان کے مخالفین پر حجت ہوگا جیسا کہ نبی کریم ﷺ تمام صحابہ پر حجت اور گواہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: اتنا ہی نہیں بلکہ کتاب وسنت میں اجماع کے دلائل بکثرت ہیں۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور ابو عمر ابن عبد البر نے اپنی سندوں سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے- الفاظ انہی کے ہیں- کہ انہوں نے فرمایا:

''يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ! مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: ''لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنَّهُ لَا يَسْأَلُنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ؛ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ، إِنَّ أَسْعَدَ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ''[2]۔

---

(۱) صحیح۔ اسے امام احمد (۶/۳۹۶)، اور طبرانی نے معجم کبیر (۲/۲۱۷۲) میں ابو بصرہ غفاری سے روایت کیا ہے، امام ابن عبد البر نے اسے اپنی جامع میں معلقاً ذکر کیا ہے، جامع بیان العلم (۲/۳۲)۔ نیز اسے امام ابو داود (حدیث ۴۲۵۳) نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے، وابن ماجہ (۳۹۵۰) نے انس رضی اللہ عنہ سے، اور ترمذی (۲۱۶۷)، اور حاکم نے مستدرک (۱/۱۱۶) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ دیکھئے: آداب الزفاف، از علامہ البانی رحمہ اللہ (ص ۲۴۰)، شیخ نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ [نوٹ: علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کئی کتابوں میں صحیح یا حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (۳/۳۱۹، حدیث ۱۳۳۱)، وصحیح الجامع الصغیر، (حدیث ۱۷۸۶، ۱۸۴۸) (مترجم)]۔

(۲) صحیح بخاری (انہی الفاظ کے ساتھ) کتاب الرقاق (حدیث ۶۵۷۰)، واحمد (۲/۳۷۳)، وجامع بیان العلم از ابن عبد البر (۲/۳۳)۔ نیز امام بخاری نے اسے: ''خالصاً من قلبہ أو نفسہ'' کے الفاظ سے بھی روایت کیا ہے، تمام روایتیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

اے اللہ کے رسول ﷺ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ سعادتمند کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو ہریرہ! یقیناً میرا خیال تھا کہ اس حدیث کے بارے میں مجھ سے تم سے پہلے کوئی نہ پوچھے گا؛ کیونکہ میں نے حدیث کی بابت تمہارا شغف دیکھا ہے، یقیناً قیامت کے دن میری شفاعت سے سب سے زیادہ سعادتمند وہ ہوگا جس نے اپنے دل کے اخلاص کے ساتھ لا إله إلا الله کہا ہوگا''۔

ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ثقہ راویان پر مشتمل سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ! مَاذَا رَدَّ إِلَيْكَ رَبُّكَ فِي الشَّفَاعَةِ؟ فَقَالَ: ''وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَقَدْ ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَوَّلُ مَنْ يَسْأَلُنِي عَنْ ذَلِكَ؛ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْعِلْمِ''[1]۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! شفاعت کے سلسلہ میں آپ کے رب نے آپ کو کیا جواب دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، یقیناً میرا خیال تھا کہ اس بارے میں مجھ سے سب سے پہلے سوال کرنے والے تم ہوگے؛ کیونکہ علم کی بابت میں تمہارے شوق سے واقف ہوں'' اور حدیث ذکر فرمائی۔

امام ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ پہلی حدیث میں: ''لِمَا رَأَيْتُ مِنَ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ'' (کیونکہ میں نے حدیث کی بابت تمہارا شغف دیکھا ہے) اور اس حدیث میں: ''لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْعِلْمِ'' (کیونکہ علم کی بابت میں تمہارے شوق سے واقف ہوں) کے بارے میں فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے ''حدیث'' کو مطلق طور پر ''علم'' کا نام دیا ہے، اور اسی کے مثل نبی رحمت کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

''نَضَّرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا، ثُمَّ بَلَّغَهَا غَيْرَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيهٍ،

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۳۳)۔ لیکن مصنف رحمہ اللہ کے کہنے کے مطابق نہیں بلکہ اس سند میں سالم بن ابی سالم جیشانی ہے، حافظ ابن حجر تقریب التہذیب (۲۱۷۳) میں اس کی بابت فرماتے ہیں: مقبول ہے یعنی متابعات میں، ورنہ وہ کمزور ہے۔ اسی طرح اس میں معاویہ ہذلی یعنی معاویہ بن مغیث یا معاویہ بن متعب ہذلی ہے، حافظ ابن حجر تعجیل المنفعۃ (ص ۳۰۷) میں اس کی بابت فرماتے ہیں: اسے ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے لیکن وہ مجہول ہے۔ نیز امام احمد نے اسے سالم عن معاویہ کے طریق سے (۲/ ۳۰۷) اور ایک اور طریق سے معاویہ سے روایت کیا ہے (۲/ ۵۱۸)۔

وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ“[1]۔

اللہ تعالیٰ اس بندے کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات سنی اور اُسے ازبر کرلیا، پھر اُسے دوسروں تک پہنچا دیا کیونکہ بسا اوقات فقہ حاصل کرنے والا فقیہ نہیں ہوتا، اور بسا اوقات فقہ حاصل کرنے والا اُس تک فقہ پہنچاتا ہے جو اُس سے زیادہ فقہ والا ہوتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے حدیث کو مطلقاً فقہ کا نام دیا ہے، اور اسی قبیل سے نبی کریم ﷺ کا وہ فرمان بھی ہے جو آپ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنی حدیثوں کے لکھنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا تھا: ”قَيِّدِ الْعِلْمَ“ علم کو قید کرلو، تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! علم کو قید کرنا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اَلْكِتَابُ“ اُسے لکھ لینا[2]۔

چنانچہ آپ ﷺ نے تدبر کرنے اور سمجھنے والوں کے لئے اپنی حدیث کو مطلق طور پر ”علم“ کا نام دیا۔

اور ایک ایسی سند سے جس کے راویان صحیح کے راویان ہیں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أَبَا الْمُنْذِرِ، أَيُّ آيَةٍ مَعَكَ فِي كِتَابِ اللَّهِ أَعْظَمُ؟“ ابو المنذر! تمہیں اللہ کی کتاب کی سب سے عظیم آیت کونسی یاد ہے؟ (دو مرتبہ)۔ کہتے ہیں: میں نے کہا:

﴿ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْحَيُّ ٱلْقَيُّومُ﴾ [البقرۃ:۲۵۵]۔

اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے۔

کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے میرے سینے پر مارا اور فرمایا:

”لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ أَبَا الْمُنْذِرِ“ ابو المنذر تمہیں علم مبارک ہو، اور پوری حدیث ذکر کی[3]۔

---

(۱) صحیح ہے۔ اس حدیث کو کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے: امام ترمذی (حدیث ۲۶۵۶)، ابو داود (حدیث ۳۶۶۰)، ابن ماجہ (حدیث ۲۳۰)، احمد (۵ / ۱۸۳)، اور ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲ / ۴۶) میں صحیح سند سے روایت کیا ہے، اور معجم کبیر (۵ / ۴۸۹۰) میں امام طبرانی نے اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے، علامہ البانی نے اسے صحیح ترمذی (حدیث ۲۱۳۹) میں صحیح قرار دیا ہے، اسی طرح جبیر بن مطعم، ابن مسعود اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔

(۲) حسن ہے۔ جامع بیان العلم (۱ / ۸۸، ۲ / ۳۴)، وطبرانی فی الاوسط (۸۵۲)، والحاکم فی المستدرک (۱ / ۱۰۶) وغیرہم۔

(۳) صحیح۔ جامع بیان العلم (۱ / ۳۴)، نیز اسے امام مسلم (حدیث ۸۱۰)، ابو داود (حدیث ۱۴۶۰) اور دیگر لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔

اور ثقہ راویان پر مشتمل سند سے ابو داود بن ابو عاصم سے روایت کیا ہے کہ ابوسلمہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں: کہ میں اور ابو ہریرہ ابن عباس رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خاتون آئی، اور اس نے عرض کیا کہ وہ حالتِ حمل میں تھی، اور اسی دوران اس کے شوہر کی وفات ہوگئی، اور اس نے بتایا کہ شوہر کی وفات کے دن سے چار ماہ گزرنے سے پہلے ہی اس کا وضع حمل ہوگیا (بچے کی پیدائش ہوگئی) اب وہ کیا کرے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ: تم آخری عدت گزاروگی! ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: میرے پاس اس بارے میں علم ہے، اور سبیعہ اسلمیہ کی حدیث ذکر کی[1]۔

امام مالک نے محمد بن شہاب سے روایت کیا، اور انہوں نے عبد الحمید بن عبد الرحمن سے، اور انہوں نے عبداللہ بن عبداللہ بن حارث سے، اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب ملک شام کے سفر پر نکلے تو انہیں بتایا گیا کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے، اور اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں اختلاف ہوگیا، اتنے میں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے کہا: اس بارے میں میرے پاس علم ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ ...''۔

جب تم کسی سرزمین میں وباء کی خبر سنو تو..... اور پوری حدیث ذکر کی[2]۔

میں (مصنف کتاب) کہتا ہوں: یہ احادیث و آثار صراحت کرتے ہیں کہ علم کا نام مطلق طور پر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے نصوص، اجماع اور نص نہ ملنے کی صورت میں ان اصولوں پر کئے گئے قیاس پر بولا جاتا ہے (ان لوگوں کے نزدیک جو قیاس کے قائل ہیں)، نہ کہ اس پر جس کی مقلدین و متعصبین راگ الاپتے رہتے ہیں کہ علم صرف عقل و رائے پر مبنی مسلکی کتابوں میں محصور ہے، باوجودیکہ ان میں سے بعض کتابیں (اور اُن میں تحریر کردہ

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۳۴)، اس حدیث کی طرف پہلے اشارہ ہوچکا ہے، دیکھئے: ص (۸۶)۔

(۲) متفق علیہ: صحیح بخاری (حدیث ۵۷۳۰)، وصحیح مسلم (حدیث ۲۲۱۹)، وجامع بیان العلم (۲/ ۳۴-۳۵)۔ نیز اسے امام بخاری ومسلم نے سعد بن ابی وقاص عن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی روایت کیا ہے، بخاری (حدیث ۳۴۷۳) ومسلم (حدیث ۲۲۱۸)، وغیرہ۔

اور بقیہ حدیث اس طرح ہے: ''فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ، وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا، فِرَارًا مِنْهُ''۔

تو وہاں نہ جاؤ، اور اگر کسی سرزمین میں وبا پھیل جائے اور تم وہاں ہو تو اس سے بچنے کے لئے وہاں سے نکل کر مت بھاگو۔

کہتے ہیں: یہ سنکر عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد کی اور واپس ہوگئے۔

باتیں) احادیث نبویہ کے نصوص و دلائل سے صریح متصادم ہیں۔

جبکہ امام شعبی نے فرمایا تھا: "وَمَا قَالُوا فِيهِ بِرَأْيِهِمْ، فَبُلْ عَلَيْهِ"۔

لوگ جس میں اپنی رائے سے بولیں اُس پر پیشاب کر دو۔

یہ تابعین کے دور کی بات ہے جن کے بارے میں سید المرسلین نبی کریم ﷺ نے خیر و بھلائی کی شہادت دی ہے [1]، تو بھلا تیرہویں صدی ہجری کے لوگوں کی رائے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، جنہوں نے محض حمیت اور تعصب کو اپنا دین بنالیا ہے، اور چند ٹولیوں میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں: چنانچہ ایک ٹولی خلیلیوں [2] کی ہے، جن کا دعویٰ ہے کہ محمد ﷺ پر نازل کردہ پوری شریعت مختصر خلیل میں محصور ہے، اور اسے اللہ عزوجل کی کتاب کا درجہ دے رکھا ہے، چنانچہ اسی کے منطوق و مفہوم اور اس کی ہر چھوٹی بڑی بات کی پیروی کرنے لگے ہیں۔

اسی طرح ایک اور ٹولی کنزیوں یا دُرّیوں کی ہے [3]، جن کا دعویٰ ہے کہ جو کچھ ان دونوں کتابوں میں ہے وہی علم ہے، اور یہ دونوں کتابیں ہر وہم و خطا سے مبرا اور پاک ہیں، اور اگر ان دونوں کتابوں سے کوئی علم باقی رہ گیا ہو تو اس کا سرچشمہ اسعدیہ اور خیریہ ہیں [4]، اور جو کچھ ان کتابوں میں ہے اُن کے علماء کے یہاں وہ عمل میں انسانیت

---

(۱) متواتر المعنی حدیث کی طرف اشارہ ہے: "خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ"۔ (سب سے بہتر لوگ میرے دور کے لوگ ہیں، پھر اس کے بعد جو ان سے متصل ہیں، پھر اس کے جو ان سے متصل ہیں)۔ اسے بہت سے صحابہ نے روایت کیا ہے۔

(۲) یہ خلیل بن اسحاق جندی ابو الضیاء مصری مالکیؒ کی مالکی مسلک کے فروعی مسائل سے متعلق کتاب "المختصر" کے مولف کی طرف نسبت ہے، جو مختصر خلیل کے نام سے معروف ہے، ۷۴۹ھ میں وفات پائے۔ الدیباج المذھب (۱/ ۳۵۷)، و ہدیۃ العارفین (۵/ ۳۵۲)۔

(۳) یہ متاخرین احناف میں سے ہیں، جو حنفیہ کے فروعی مسائل سے متعلق کتاب کنز الدقائق از امام نسفی کے متن پر اکتفا کرتے ہیں، جن کا نام عبداللہ بن احمد ابو البرکات حافظ الدین نسفی ہے، ۷۱۰ھ میں وفات ہوئی۔ اس کتاب کی بہت ساری شرحیں ہیں، ان میں سے: البحر الرائق ابن النجیم مصری کی ہے، جو ۹۷۰ھ میں وفات پائے، اور رمز الحقائق بدر الدین محمود بن احمد عینی کی ہے جو ۸۵۵ھ میں وفات پائے، اور دیگر شرحیں ہیں۔

اور جہاں تک رہا دُرّی حضرات کا مسئلہ تو یہ متن الدرر کے متبعین کی طرف منسوب ہے، جو دراصل احناف کے فروعی مسائل سے متعلق درر البحار نامی کتاب ہے، جس کے مولف محمد بن یوسف بن الیاس قونوی حنفی ہیں، یہ ۷۸۸ھ میں وفات پائے، اور اس کی بھی کئی شرحیں اور حواشی ہیں۔

(۴) الاسعدیہ: یہ امام ابو حنیفہ کے مسلک پر اسعد مدنی یعنی مفتی احناف اسعد بن ابو بکر اسکداری کے فتاوے ہیں، ان کی وفات ۱۱۱۶ھ میں ہوئی۔ ہدیۃ العارفین (۵/ ۲۰۵)، و معجم المولفین (۲/ ۲۴۶)۔

اور خیریہ: خیر الدین بن احمد بن علی بن زین الدین بن عبد الوہاب ایوبی رملی حنفی کی طرف منسوب ہے، ان کی وفات ۱۰۸۱ھ میں ہوئی، ان کی ایک کتاب ہے "الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ"، معجم المولفین (۴/ ۱۳۲)۔

کی سب سے بہتر ذات محمد ﷺ پر جبریل علیہ السلام کے ذریعہ نازل کردہ شریعت پر بھی مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ اور آپ کے متبعین پر درود وسلام اور برکتیں نازل فرمائے۔

اوران میں سے ایک گروہ منہجیوں یا منہاجیوں کا ہے (۱)، چنانچہ یہ گروہ ان دونوں کتابوں کے منطوق ومفہوم کی جستجو میں لگا رہتا ہے اور جو کچھ ان میں ہے اسی بنیاد پر اللہ کی عبادت کرتا ہے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ﴾ [النساء:۵۹]۔

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف۔

عطاء ابن ابی رباح فرماتے ہیں:

''(اللہ کی طرف) یعنی اللہ کی کتاب کی طرف، اور (رسول کی طرف) یعنی رسول ﷺ کی سنت کی طرف''(۲)۔

اور میمون بن مہران سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''إِلَى اللَّهِ: إِلَى كِتَابِ اللَّهِ، وَإِلَى الرَّسُولِ: قَالَ: مَا دَامَ حَيًّا، فَإِذَا قُبِضَ فَإِلَى سُنَّتِهِ''(۳)۔

اللہ کی طرف، یعنی اللہ کی کتاب کی طرف، اور رسول کی طرف یعنی آپ کی زندگی میں آپ کی طرف اور وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف۔

امام ابن عبدالبر نے ثقہ راویان پر مشتمل سند (۴) سے ابن عون سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''ثَلَاثٌ أُحِبُّهُنَّ لِي وَلِإِخْوَانِي: هَذَا الْقُرْآنُ يَتَدَبَّرُهُ الرَّجُلُ وَيَتَفَكَّرُ فِيهِ، فَيُوشِكُ أَنْ يَقَعَ عَلَى عِلْمٍ لَمْ يَكُنْ يَعْلَمُهُ، وَهَذِهِ السُّنَّةُ يَطْلُبُهَا وَيَسْأَلُ عَنْهَا، وَيَذَرُ النَّاسَ إِلَّا مِنْ خَيْرٍ''(۵)۔

تین چیزیں میں اپنے لئے اور اپنے بھائیوں کے لئے پسند کرتا ہوں: یہ قرآن آدمی اس میں غور وتدبر

---

(۱) یہ شافعی حضرات ہیں: اور منہجیون کی نسبت ابوزکریا انصاری کی المنہاج کی طرف ہے اور منہاجیون: کی نسبت امام نووی کی کتاب المنہاج کی طرف ہے، جو مذہب شافعی کی ایک کتاب ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۳۵)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۳۵)، وتفسیر طبری (۵/ ۹۶)۔

(۴) بلکہ اس میں عبدالواحد بن سلیمان ازدی خادم ابن عون ہیں جن کے بارے میں امام ذہبی میزان (۵۲۹۰) میں فرماتے ہیں: مجہول ہے۔

(۵) جامع بیان العلم (۲/ ۳۵)، سند سابقہ علت کی بنا پر ضعیف ہے۔

کرے، اسے وہ علم حاصل ہوگا جو وہ نہیں جانتا تھا، اور اس سنت کو حاصل کرے اور اس کی بابت سوال کرے، اور لوگوں سے کنارہ کش رہے سوائے خیر کے کاموں میں۔

احمد بن خالد فرماتے ہیں: یہ وہ حق ہے جس میں شک نہیں، نیز فرماتے ہیں: ''ابن وضاح اس بات کو بہت پسند کرتے تھے اور، اور کہتے تھے: یہ بڑی اچھی بات ہے، یہ بڑی اچھی بات ہے''(۱)۔

اور یحییٰ بن اکثم (۲) فرماتے ہیں:

''تمام علوم میں کوئی علم ایسا نہیں ہے جو علماء، طلباء اور تمام مسلمانوں پر قرآن کے ناسخ ومنسوخ کے علم سے زیادہ ضروری ہو، کیونکہ قرآن کے ناسخ پر ایمان رکھنا بطور ذمہ داری واجب ہے، اور اس پر عمل کرنا بحیثیت دین لازم ہے، اور منسوخ پر عمل کیا جائے گا، نہ اس کی جستجو کی جائے گی، لہٰذا ہر عالم پر اس کا علم حاصل کرنا واجب ہے؛ تاکہ خود اپنے آپ اور اللہ کے بندوں پر کوئی ایسی چیز واجب نہ ٹھہرادے، جسے اللہ نے واجب نہیں کیا ہے اور ان سے کوئی فرض نہ ساقط کردے جسے اللہ نے واجب قرار دیا ہے''(۳)۔

عطاء رحمہ اللہ فرمان باری:

﴿أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ [النساء:۵۹]۔

فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''طَاعَةُ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ اتِّبَاعُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ'' ﴿وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ قَالَ: ''أُولُو الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ''(۴)۔

''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت: کتاب وسنت کی اتباع ہے، اور تم میں سے معاملات کے ذمہ دار: علم

---

(۱) احمد بن خالد بن بن یزید ابو عمرو قرطبی ابن الجباب ہیں، جو ابن عبد البر کے اساتذہ میں سے ہیں، تذکرۃ الحفاظ (۳/ ۳۴)، والاعلام از زرکلی (۱/ ۱۱۸)، اور ابن وضاح: محمد بن وضاح بن بزیع قرطبی ابو عبد اللہ محدث وفقیہ ہیں، ۲۸۶ھ میں وفات پائے۔ الاعلام، از زرکلی (۷/ ۳۵۸)، ومعجم المولفین (۱۲/ ۹۴)، والفہرست از ابن ندیم (ص ۱۹۳)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۳۵)۔ اس میں ''والاخذ بناسخہ'' کے الفاظ ہیں، اور یحییٰ بن اکثم: ابن محمد بن قطن تمیمی مروزی ابو محمد مشہور قاضی ہیں، ثقہ صدوق ہیں، البتہ حدیث کی چوری سے متہم ہیں جبکہ ایسا ہوا نہیں ہے، ۲۴۰ھ میں وفات پائے، تقریب التھذیب (۷۵۰۷)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۳۵)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۳۵-۳۶)، وتفسیر طبری (۵/ ۹۵)۔

وفقہ والے ہیں''۔

اور مجاہد سے مروی ہے کہ: اولوا الامر سے مراد اہل فقہ (علماء) ہیں [1]۔

میں کہتا ہوں:

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ علم فقہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے آئی ہوئی باتوں یعنی قرآن واحادیث، نیز آثار صحابہ، اجماع اور نص نہ ہونے کی صورت میں (مذکورہ اصولوں پر مبنی) قیاس ہے۔

بقیہ بن ولید بیان کرتے ہیں کہ امام اوزاعی نے مجھ سے کہا:

''يَا بَقِيَّةُ! الْعِلْمُ مَا جَاءَ عَنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ ، وَمَا لَمْ يَجِئْ عَنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَلَيْسَ بِعِلْمٍ'' [2]۔

اے بقیہ! علم وہ ہے جو محمد ﷺ کے صحابہ کے واسطے سے آئے، جو محمد ﷺ کے صحابہ کے واسطے سے نہ آئے وہ علم نہیں ہے۔

نیز بقیہ فرماتے ہیں: کہ میں نے امام اوزاعی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''علم وہ ہے جو محمد ﷺ کے صحابہ کے واسطے سے آئے، جو محمد ﷺ کے صحابہ کے واسطے سے نہ آئے وہ علم نہیں ہے'' [3]۔

قتادہ رحمہ اللہ فرمان باری تعالیٰ:

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۳۶)، وتفسیر طبری (۵/۹۵)۔ مجاہد: ابن جبر ابو الحجاج مخزومی، ثقہ اور تفسیر وعلم میں امام ہیں، ۱۰۳ھ میں وفات ہوئے، تقریب التھذیب (۶۴۸۱)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۳۶)، اور بقیہ بن ولید: ابن صائد بن کعب کلاعی ابو یحمد، صدوق ہیں، ضعفاء سے بہت زیادہ تدلیس کرتے ہیں، تقریب التھذیب (۷۳۴)، اور اوزاعی: عبد الرحمن بن عمرو بن ابو عمرو اوزاعی ابو عمرو فقیہ ہیں، ثقہ اور جلیل القدر ہیں، ۱۵۷ھ میں وفات پائے، تقریب التھذیب (۳۹۶۷)، اور امام اوزاعی کی بقیہ بات جسے ابو عمر نے جامع بیان العلم میں ذکر کیا ہے، وہ بھی بڑی نفیس ہے، میں اسے یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں: ''يَا بَقِيَّةُ، لَا تَذْكُرْ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ نَبِيِّكَ ﷺ إِلَّا بِخَيْرٍ، وَلَا أَحَدًا مِنْ أُمَّتِكَ، وَإِذَا سَمِعْتَ أَحَدًا يَقَعُ فِي غَيْرِهِ فَاعْلَمْ أَنَّهُ إِنَّمَا يَقُولُ: أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ''۔ (اے بقیہ! نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کا تذکرہ سوائے بھلائی کے نہ کرو، نہ ہی امت میں سے کسی کا، اور اگر کسی کو اس کے علاوہ کرتے سنو تو جان لو کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے: کہ میں اس سے بہتر ہوں!)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۳۶)۔

﴿وَيَرَى ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ ٱلْحَقَّ﴾ [سبا:٦]۔

اور جنہیں علم ہے وہ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ (سراسر) حق ہے۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "یہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں"[1]۔

عمر بن عبد الواحد کہتے ہیں میں نے امام اوزاعی رحمہ اللہ کو ابن المسیب رحمہ اللہ کے واسطے سے بیان کرتے ہوئے سنا، کہ اُن سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: "اس میں نبی کریم ﷺ کے صحابہ کا اختلاف ہے، اور ان کے بالمقابل میری کوئی رائے نہیں ہے"۔

ابن وضاح فرماتے ہیں: یہی حق ہے۔

ابو عمر کہتے ہیں: "اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اُن کے لئے صحابہ کے خلاف کوئی قول لانا درست نہیں ہے"[2]۔

مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

"(حقیقی) علماء تو نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہیں"[3]۔

اور سعید بن جبیر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

"جس چیز کو بدری صحابہ نہ جانتے ہوں، وہ دین نہیں ہے"[4]۔

طلق بن غنام کہتے ہیں: کہ کسی مسئلہ کا جواب دینے میں ابو حفص بن غیاث نے دیر کی، تو میں نے ان سے کہا: (کیا بات ہے؟)، فرمایا: "دراصل یہ رائے ہے، اس میں کتاب وسنت کی کوئی دلیل نہیں ہے، یہ تو بس میں اپنا گوشت کاٹ رہا ہوں، تو مجھے کس بات کی جلدی ہے"[5]۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۳۶)، وتفسیر طبری (۲۲/ ۴۴)، اور قتادہ: ابن دعامہ سدوسی ابو الخطاب بصری ہیں، ثقہ ثابت ہیں، بتایا جاتا ہے کہ گونگے بہرے پیدا ہوئے تھے، ۱۱۰ھ کے بعد وفات پائے تقریب التہذیب (۵۵۱۸)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۳۶)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۳۷)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۳۷)۔

(۵) جامع بیان العلم (۲/ ۳۸)۔

ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوسفیان حمیری نے فرمایا کہ میں نے ہشیم سے قرآن کی تفسیر کے بارے میں پوچھا کہ اس میں اختلاف کیسے ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا: "لوگ رائے زنی کرنے لگے اس لئے اختلاف ہوا"[1]۔

عاصم احول بیان کرتے ہیں کہ: جب ابن سیرین رحمہ اللہ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا: تو کہتے: اس مسئلہ میں میرے پاس صرف رائے ہے، جسے میں متہم کرتا ہوں، تو ان سے کہا جاتا: ٹھیک ہے اپنی رائے سے ہی کچھ کہہ دیجئے!! تو کہتے: اگر میں جانوں کہ میری رائے بدستور باقی رہے گی، تب تو کہہ دوں؛ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ آج میری رائے کچھ ہے، کل دوسری ہو جائے گی تو مجھے لوگوں کے پیچھے ان کے گھر جا جا کر بتانا پڑے گا[2]۔

سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا: "میں نے اس مسئلہ میں کچھ نہیں سنا ہے" سائل نے کہا: "مجھے آپ کی رائے بھی منظور ہے" تو سالم نے اس سے کہا: "ہوسکتا ہے میں تمہیں اپنی رائے بتادوں اور تم چلے جاؤ، پھر تمہارے جانے کے بعد میری رائے بدل جائے تو میں تمہیں کہاں پاؤں گا!"[3]۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا جس کی بابت ان کے پاس کوئی دلیل نہ ہوتی، تو کہتے: "اگر تم چاہو تو تمہیں گمان سے بتادوں"[4]۔

ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں عبد الرحمن بن یحییٰ نے بتلایا، ان سے علی بن محمد نے بیان کیا، ان سے احمد بن سلیمان نے بیان کیا، ان سے سحنون نے بیان کیا، ان سے ابن وہب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے خالد بن سلیمان حضرمی کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے دراج ابوالسمح کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "لوگوں پر ایک دور ایسا آئے گا جب آدمی اپنی سواری کو فربہ کرے گا، یہاں تک کہ وہ فربگی (چربی) کے سبب بیٹھ جائے گی، پھر اس پر سوار ہو کر شہر شہر چکر لگائے گا، یہاں تک کہ سواری تھک کر نڈھال ہو جائے گی، وہ سنت کے ذریعہ فتویٰ دینے والے کی تلاش کرے گا، جس نے اس سنت پر عمل کیا ہو، لیکن اسے ظن وگمان سے فتویٰ دینے والا ہی ملے گا"۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۴۰)۔ اور ابوسفیان حمیری: سعید بن یحییٰ بن مہدی حذاء واسطی متوسط صدوق ہیں تقریب التھذیب (۲۴۱۷)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۴۰)، صحیح سند کے ساتھ۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۴۰)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۴۰)۔

میں کہتا ہوں:

ابو سمح نے سچ فرمایا ہے، شاید انہوں نے یہ بات حدیث صحیح سے لی ہے' عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا، اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا''(۱)۔

یقیناً اللہ تعالیٰ کھینچ کر علم نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں (کے دلوں) سے کھینچ لے، بلکہ علماء کو اٹھا کر علم اٹھالے گا، یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہ چھوڑے گا، تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، جن سے سوال کیا جائے گا، اور وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، چنانچہ وہ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں: میں نے احمد بن قاسم کو پڑھ کر سنایا کہ قاسم بن اصبغ نے لوگوں سے بیان کیا، ان سے حارث بن ابی اسامہ نے بیان کیا، ان سے یزید بن ہارون نے بیان کیا، ان سے محمد بن عبد اللہ فزاری نے بیان کیا، ان سے عبد اللہ بن زحر نے بیان کیا، وہ علی بن زید سے، وہ قاسم سے اور وہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ بَعَثَنِي هُدًى وَرَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ، وَأَمَرَنِي رَبِّي أَنْ أَمْحَقَ الْمَزَامِيرَ وَالْمَعَازِفَ وَالْخُمُورَ وَالْأَوْثَانَ الَّتِي كَانَتْ تُعْبَدُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَأَقْسَمَ رَبِّي بِعِزَّتِهِ، لَا يَشْرَبُ عَبْدٌ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا إِلَّا سَقَيْتُهُ مِنْ حَمِيمِ جَهَنَّمَ مُعَذَّبًا أَوْ مَغْفُورًا لَهُ، وَلَا يَدَعُهَا عَبْدٌ مِنْ عَبِيدِي تَحَرُّجًا عَنْهَا إِلَّا سَقَيْتُهُ إِيَّاهَا مِنْ حَظِيرَةِ الْقُدُسِ''(۲)۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا والوں کے لئے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا ہے' اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسریاں، گانے موسیقی، شراب اور ان بتوں کو مٹادوں' جن کی جاہلیت میں عبادت کی جارہی تھی،

(۱) متفق علیہ: بخاری (حدیث ۱۰۰)، ومسلم (۲۶۷۳)، ودیگر محدثین، اور مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں، دیکھئے: (ص ۹۱،۹۰)۔

(۲) ضعیف۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۸۵-۱۸۶)، واحمد (۵/ ۲۵۷، ۲۶۸)، ومعجم کبیر از طبرانی (۸/ ۷۸۰۳)۔ اور علی بن یزید الہانی ہیں جو ضعیف ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔

اور میرے رب نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ جو بھی بندہ دنیا میں شراب (نشہ آور مادہ) پیئے گا میں اُسے ضرور جہنم کا کھولتا پانی پلاؤں گا' خواہ اُسے عذاب ہوتا رہے گا یا بخش دیا جائے گا، اور جو بھی بندہ اُس سے اجتناب کرتے ہوئے چھوڑ دے گا میں اُسے پاکیزہ پناہ گاہ یعنی جنت کی شراب پلاؤں گا۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ إِقْبَالًا وَإِدْبَارًا، [وَإِنَّ لِهَذَا الدِّينِ إِقْبَالًا وَإِدْبَارًا]، وَإِنَّ مِنْ إِقْبَالِ هَذَا الدِّينِ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ، حَتَّى إِنَّ الْقَبِيلَةَ لَتَتَفَقَّهُ مِنْ عِنْدِ أَسْرِهَا، - أَوْ قَالَ: اخِرِهَا - حَتَّى لَا يَكُونَ فِيهَا إِلَّا الْفَاسِقُ أَوِ الْفَاسِقَانِ، فَهُمَا مَقْمُوعَانِ ذَلِيلَانِ، إِنْ تَكَلَّمَا أَوْ نَطَقَا قُمِعَا وَقُهِرَا وَاضْطُهِدَا''، ثُمَّ ذَكَرَ ''أَنَّ مِنْ إِدْبَارِ هَذَا الدِّينِ أَنْ تَجْفُوَ الْقَبِيلَةُ كُلُّهَا الْعِلْمَ مِنْ عِنْدِ أَسْرِهَا، حَتَّى لَا يَبْقَى إِلَّا الْفَقِيهُ أَوِ الْفَقِيهَانِ، فَهُمَا مَقْمُوعَانِ ذَلِيلَانِ إِنْ تَكَلَّمَا أَوْ نَطَقَا، قُمِعَا وَقُهِرَا وَاضْطُهِدَا، وَقِيلَ: أَتَطْغَيَانِ عَلَيْنَا؟ وَحَتَّى يُشْرَبَ الْخَمْرُ فِي نَادِيهِمْ وَمَجَالِسِهِمْ وَأَسْوَاقِهِمْ، وَتُنْحَلُ الْخَمْرُ اسْمًا غَيْرَ اسْمِهَا، وَحَتَّى يَلْعَنَ اخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا، أَلَا فَعَلَيْهِمْ حَلَّتِ اللَّعْنَةُ''[1]۔

یقیناً ہر چیز کا عروج و زوال ہوتا ہے، اس دین کا بھی عروج و زوال ہے، اس دین کا عروج وہ ہے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے، اور حالت یہ ہے کہ پورا کا پورا قبیلہ (ایک ایک فرد) دین کا علم حاصل کرلے گا' حتی کہ اس میں صرف اِکے دُکے فاسق و بدعمل باقی رہ جائیں گے، اور وہ ذلیل و رسوا اور پست ہوں گے' اگر کچھ بولیں گے یا زبان کھولیں گے تو کچل کر ذلیل و مجبور کر دیئے جائیں گے۔ پھر آپ نے ذکر فرمایا کہ: اس دین کا زوال یہ ہوگا کہ پورا قبیلہ (ایک ایک فرد) علم سے روگردانی کرے گا، یہاں تک کہ صرف ایک دو فقیہ اور علم والے رہ جائیں گے، اور وہ بھی کچلے ہوئے اور پست ہوں گے، اگر کچھ بولیں گے یا زبان کھولیں گے تو انہیں مجبور و بے سہارہ کر دیا جائے گا، اور کہا جائے گا: کیا تم دونوں ہم لوگوں پر زیادتی و سرکشی کرنا چاہتے ہو؟ اور نوبت یہاں تک جا پہنچے گی کہ ان کی عام و خاص مجلسوں اور بازاروں میں

---

(۱) ضعیف۔ جامع بیان العلم (۲/۱۸۶)، و معجم کبیر از طبرانی (۸/۷۸۰۷)۔ اس کی علت بھی پہلے جیسی ہے، اور مربع قوسین کے درمیان کی عبارت جامع بیان العلم سے ہے، مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔

کھلے عام شراب پی جائے گی، شراب کا نام بدل کر دوسرا نام دیدیا جائے گا، اور اس امت کے اخیر والے پہلے والوں پر لعنت کریں گے، سن لو! ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت مسلط ہو چکی ہوگی''۔

اور مکمل حدیث ذکر فرمائی۔

میں کہتا ہوں: یقیناً رسول گرامی ﷺ کی پیشین گوئی سچ ہے[1]، یہ ساری چیزیں پیش آچکی ہیں، کیونکہ سلف کے یہاں فقیہ کا نام- جیسا کہ گزر چکا ہے- کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ کے جاننے والوں اور اُن کے بعد کے علماء امت پر بولا جاتا تھا، اب رہے وہ لوگ جو آراء رجال میں مشغول ہیں اور اُسے اپنا دین ومذہب بنا رکھا ہے اور کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور صحابہ وتابعین کے فیصلوں اور اُن کے آثار کو پس پشت ڈال دیا ہے انہیں فقیہ کا نام نہیں دیا جاسکتا' بلکہ یہ تو خواہش نفس اور عصبیت کہے جانے کے زیادہ لائق وسزاوار ہے!! اور یقیناً ہم اپنے اس دور میں ابو سمح کی کہی ہوئی بہت سی باتوں کا مشاہدہ کر چکے ہیں؛ چنانچہ میں نے مغرب کے آخری سرے اور سوڈان کے آخری گوشے سے حرمین شریفین کا چکر لگایا ہے' لیکن مجھے کوئی نہ ملا جس سے کسی پیش آمدہ مسئلہ کی بابت سوال کیا جائے' تو وہ رب العالمین کی کتاب، سید المرسلین ﷺ کی سنت، اور صحابہ وتابعین کے آثار کی طرف رجوع کرتا ہو سوائے تین لوگوں کے، اور ان میں سے ہر ایک ستایا ہوا اور حسد زدہ تھا، اس کے ملک وشہر کے تمام نام نہاد فقہاء، بیشتر عوام اور صالحین کہلانے والے لوگ اس سے بغض ونفرت کرتے تھے، اور ان علماء سے دشمنی اور حسد کا واحد سبب اُن کا کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے تمسک ووابستگی اور متعصب مقلدین کے جتھے کی باتوں کا ٹھکرانا تھا[2]۔

---

(۱) جی ہاں! رسول گرامی ﷺ کی بات سچ ہے لیکن سابقہ بات کی نسبت نبی ﷺ کی طرف ثابت نہیں، یہاں مصنف رحمہ اللہ کی تصدیق بے محل ہے۔

(۲) مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے گویا مصنف رحمہ اللہ ہمارے درمیان رہ چکے ہوں، اور گویا یہ ابلیس کی سنت ہے جسے وہ ہر زمانہ میں کام سنت کی مخالفت میں پیش کرتا ہے۔ اور ان متعصب مقلدین کی سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ علم کا پیمانہ ہی الٹ دیتے ہیں' گویا وہ اپنے پھونکوں سے نبی کریم ﷺ کی سنت کو بجھانا چاہتے ہیں! چنانچہ آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ پہلے مسائل گھڑتے ہیں پھر اس کے لئے توڑ مروڑ کر دلیلیں بناتے ہیں! اس کی ایک مثال وہ بھی ہے جسے میں نے ٹیلیویژن کے کسی حلقہ میں دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک داڑھی والا آدمی بیٹھا ہوتا ہے' جو اپنے ہاتھ میں تسبیح کا مالا گھماتا رہتا ہے اور ایک دوسرا شخص ہوتا ہے جس کے چہرے پر معمولی داڑھی ہوتی ہے' اس نے داڑھی پر زیادتی کر رکھی ہوتی ہے، اور تیسرا ٹیلیویژن پر گفتگو کرنے والا مکمل دڑھمنڈا ہوتا ہے، یہ تینوں مل کر میلاد نبوی کے نام سے اپنی ایجاد کردہ بدعات کو ثابت کرنے پر استدلال کی نامسعود کوشش کرتے ہیں، چنانچہ پہلا شخص میلاد نبی کی مشروعیت پر دلیل دیتے ہوئے کہتا ہے: کہ دین اسلام میں خوشی کا اظہار کرنے کے لئے دف بجانا جائز ہے، اور امت کی ہدایت کے لئے نبی کریم ﷺ کی بعثت کی نعمت پر شکریہ ادا کرنے کے لئے جس جشن پر سب سے زیادہ خوشی منانا واجب ہے وہ نبی کریم ﷺ کی میلاد ہے، ===

ابوعمر اپنی سند سے عثمان بن عطاء سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ کے کسی صحابی سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا: ''مجھے محمد ﷺ کی امت میں اپنی رائے سے کوئی بات کہتے ہوئے اپنے رب سے شرم آتی ہے''(۱)۔

عطاء فرماتے ہیں:

''سب سے کمزور علم دیکھنے کا علم ہے بایں طور کہ آدمی کہے: میں نے فلاں کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے جبکہ ہوسکتا ہے اُس نے بھول کر کیا ہو''(۲)۔

ابن المقفع یتیمہ میں فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! ان لوگوں کا یہ کہنا: کہ دین بحث وتکرار کا نام نہیں'' بالکل درست بات ہے، اور وہ اس میں سچے ہیں واقعی دین بحث وتکرار کا نام نہیں ہے ورنہ اگر دین بحث وتکرار کا نام ہوتا تو لوگوں کے سپرد کر دیا گیا ہوتا، وہ اُسے اپنی رائے وگمان سے ثابت کرتے، اور لوگوں کے سپرد کی ہوئی ہر چیز کا انجام بربادی ہوتا ہے اور بدعتیوں پر اس سے بڑا عیب کچھ نہیں کہ انہوں نے دین کو عقل ورائے کی اُپج بنالیا، جبکہ رائے اعتماد ویقین کی چیز نہیں ہے، عقل ورائے شک وگمان کے درجہ سے آگے نہیں بڑھتی بلکہ اس کے قریب ہی ہوتی ہے یقین وپختگی تک کسی طرح نہیں پہنچتی! چنانچہ آپ لوگوں نے کسی کو کسی ایسے امر میں جس کا اُسے علم ویقین ہو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا ہوگا کہ وہ کہے: میرا

=== اس لئے میلاد کی مناسبت پر نبی کریم ﷺ اور آپ کی ولادت کا جشن مناتے ہوئے دف بجانے میں چنداں حرج نہیں، بلکہ جو جشن نہ منائے اس کے دین میں خلل ہے!! اور اس طرح انہوں نے یہ فراموش کر دیا کہ وہ ہستیاں جو ایمان، رسول ﷺ سے محبت، آپ کی سنت کی حرص وجستجو اور آپ کے لائے ہوئے دین کی پابندی میں ان سے کہیں زیادہ افضل تھیں ان سے ان موجودہ شکلوں میں یا کسی بھی شکل میں جشن میلاد ثابت نہیں ہے، اور جتنا ان کے لئے کافی تھا اتنا ہمارے لئے بھی کافی ہے..... مقلدو! اصل یہ ہے دلیل سے حکم مستنبط کر کے اس پر عمل کیا جائے، نہ کہ بدعتی عمل کی دلیل پیش کی جائے!! اللہ کی قسم! یہ جشن میلاد نبی کریم ﷺ کی توقیر واحترام نہیں بلکہ آپ ﷺ کی ذات پر عیب وقدح ہے، کیونکہ انہوں نے ایک ایسا کام ایجاد کرلیا ہے جس کا نبی کریم ﷺ نے حکم نہیں دیا ہے، اور اُسے دین سمجھ رکھا ہے، لہٰذا یہ نبی کریم ﷺ پر استدراک اور تعاقب ہے اور آپ ﷺ پر اس بات کا بہتان باندھنا ہے کہ آپ نے دین کا ایک اچھا کام چھپایا، امت کو اس کی خبر نہیں دی! اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۳۱)، اس کی سند ضعیف ہے، اس میں ابن ابو سلیم ہے اس میں کمزوری ہے، اور اصل میں عطاء عن أبیہ ہے، جبکہ صحیح عثمان بن عطاء عن أبیہ ہے، اور اس کے والد ابو مسلم خراسانی ہیں، اور عثمان اور اس کے والد دونوں ضعیف ہیں تقریب التھذیب (۴۵۰۲)۔

(۲) اسے ابوعمر بن عبدالبر نے جامع بیان العلم (۲/ ۳۱) میں روایت کیا ہے، یہ بھی پہلے جیسی ہے۔

ایسا خیال ہے، میں ایسا سوچتا ہوں، اسی لئے میں اس شخص سے زیادہ اپنے دین کی بے وقعتی کرنے والا کسی کو نہیں سمجھتا جس نے اپنی اور لوگوں کی رائے کو اپنا حتمی دین بنالیا ہو"[1]۔

ابو عمر فرماتے ہیں:

''مصعب زبیری نے اپنے قصیدہ میں- واللہ اعلم- اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

أَ أَقْعُدُ بَعْدَمَا رَجَفَتْ عِظَامِي ... وَكَانَ الْمَوْتُ أَقْرَبَ مَا يَلِينِي

أُجَادِلُ كُلَّ مُعْتَرِضٍ خَصِيمٍ ... وَأَجْعَلُ دِينَهُ غَرَضًا لِدِينِي

فَأَتْرُكُ مَا عَلِمْتُ لِرَأْيِ غَيْرِي ... وَلَيْسَ الرَّأْيُ كَالْعِلْمِ الْيَقِينِ

وَمَا أَنَا وَالْخُصُومَةُ وَهْيَ لَبْسٌ ... تُصَرَّفُ فِي الشِّمَالِ إِلَى الْيَمِينِ

وَقَدْ سُنَّتْ لَنَا سُنَنٌ قِوَامٌ ... يَلُحْنَ بِكُلِّ فَجٍّ أَوْ وَجِينِ

وَكَانَ الْحَقُّ لَيْسَ بِهِ خَفَاءٌ ... أَغَرَّ كَغُرَّةِ الْفَلَقِ الْمُبِينِ

وَمَا عِوَضٌ لَنَا مِنْهَاجُ جَهْمٍ[2] ... بِمِنْهَاجِ ابْنِ آمِنَةَ الْأَمِينِ

فَأَمَّا مَا عَلِمْتُ فَقَدْ كَفَانِي ... وَأَمَّا مَا جَهِلْتُ فَجَنِّبُونِي

فَلَسْتُ بِمُكَفِّرٍ أَحَدًا يُصَلِّي[3] ... وَمَا أُحَرِّمُكُمْ أَنْ تُكَفِّرُونِي

وَكُنَّا إِخْوَةً نَرْمِي جَمِيعًا ... فَنَرْمِي كُلَّ مُرْتَابٍ ظَنِينِ

فَمَا بَرِحَ التَّكَلُّفُ أَنْ رَمَيْنَا ... لِشَأْنٍ وَاحِدٍ فَوقَ الشُّؤُونِ

فَأَوْشَكَ أَنْ يَخِرَّ عِمَادُ بَيْتٍ ... وَيَنْقَطِعَ الْقَرِينُ مِنَ الْقَرِينِ[4]

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۴۱)۔

(۲) یہ جہم بن صفوان منکرین صفات الٰہی فرقہ جہمیہ کا پیشوا ہے۔

(۳) اہل سنت و جماعت کا مذہب یہی ہے کہ معین شخص کی تکفیر نہ کی جائے، جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے تعبیر فرمائی ہے، چنانچہ عقیدہ طحاویہ میں کہتے ہیں: "وَلَا نُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ، مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهُ" (ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کسی گناہ کے سبب کافر نہیں قرار دیتے جب تک کہ وہ اسے حلال نہ سمجھے)، نیز اس پر ابن ابو العز حنفی رحمہ اللہ کی شرح ملاحظہ فرمائیں (۲/ ۴۳۲، ایڈیشن موسسۃ الرسالہ)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۱۱۵-۱۱۶)۔

کیا اب جبکہ میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور موت مجھ سے بہت قریب ہے'میں ہر اعتراض کرنے والے جھگڑالو کے ساتھ بیٹھ کر بحث وتکرار کروں اور اُس کے دین کو اپنے دین کا نشانہ بنادوں۔ اور جس چیز کا مجھے علم ہے اُسے کسی کی رائے کی بنا پر چھوڑ دوں، جبکہ رائے علم یقین جیسا نہیں ہے۔ مجھے بحث وتکرار اور جھگڑے سے کیا سروکا زیہ تو ایک تلبیس ہے جسے دائیں بائیں گھمایا جاتا ہے۔ ہمارے لئے تو ٹھوس سنتیں مقرر ہیں جو ہر گلی اور شاہراہ کو روشن کئے ہوئے ہیں، حق میں کوئی غموض وپیچیدگی نہیں' وہ تو روشن صبح کی مانند تابناک ہے۔ ہمارے لئے جہم بن صفوان (بدعتی) کا طریقہ آمنہ کے لال امین (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے طریقہ کا بدیل نہیں ہوسکتا، جو مجھے معلوم ہے وہ میرے لئے کافی ہے'اور جو مجھے نہیں معلوم مجھے اس سے دور ہی رکھو۔ میں کسی نمازی کو کافر نہیں کہہ سکتا' البتہ تمہیں اپنی تکفیر سے منع نہیں کرسکتا' ہم تو بھائی بھائی تھے سب مل کر ہر شک وگمان کرنے والے کا جواب دیتے تھے،لیکن افسوس! کہ اس تکلف اور دین میں رائے زنی نے ہمیں تمام کاموں سے بڑھ کر صرف ایک کام میں لگادیا، اور نوبت یہاں آگئی ہے کہ گھر کی بنیاد ڈھہنے کو ہے اور ساتھی ساتھی سے جدا ہو رہا ہے۔

فرماتے ہیں: میں اس امت کے پیش روسلف کے مابین کوئی اختلاف نہیں پاتا کہ حقیقت میں رائے علم نہیں ہے [1]۔

(۱) جامع بیان العلم (۲/۴۱)۔

علم کے اصول

علم کا اصول اور سرچشمہ: کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے، اور سنت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

وہ اجماع اور اتفاق ہے جسے ایک جماعت دوسری جماعت سے نقل کرتی ہے (یعنی متواتر)۔

یہ عذر و بہانہ کو کاٹ دینے والے دلائل میں سے ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی اختلاف نہ ہو اور ان کے اجماع کو رد کرنے والا اللہ کے نصوص میں سے ایک نص کو رد کرنے والا ہے، ایسے شخص سے توبہ کروانا، اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں اس کا خون بہانا واجب ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے اجماع کردہ مسئلہ سے خارج ہو کر ان تمام لوگوں کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل رہا ہے۔

سنت کی دوسری قسم:

خبر واحد ہے جو ثقہ معتبر عادل افراد سے منقول ہو، اور حدیث صحیح اور سند متصل ہو۔

یہ قسم علماء امت کی ایک جماعت کے نزدیک جو سند اور آئیڈیل ہیں، عمل واجب کرتی ہے، جبکہ بعض دیگر علماء کا کہنا ہے کہ سنت کی یہ قسم علم اور عمل دونوں واجب کرتی ہے[1]۔

بشر بن سری سقطی[2] فرماتے ہیں:

''میں نے علم کی بابت غور کیا تو دیکھا کہ دو چیزیں ہیں: حدیث اور رائے، چنانچہ حدیث میں مجھے انبیاء ورسل

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۴۱-۴۲)۔

(۲) یہ بشر بن السری، ابو عمرو افوہ بصری ہیں، مکہ میں سکونت اختیار کی، بڑے پختہ اور معتبر واعظ تھے، جہم بن صفوان کی رائے سے مطعون کیے گئے، پھر معذرت کی اور تائب ہوئے، ۶۳ سال کی عمر میں ۱۹۵ھ میں وفات پائے، تقریب التھذیب (۶۸۷) وسیر اعلام النبلاء، (۹/۳۳۲)۔ اور السری بن المغلس سقطی صوفی ابو الحسن بغدادی ہیں، ۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۳ھ میں وفات پائے، ان کی کوئی اولاد بشر نام کی نہیں ہے یہ غلطی جامع بیان العلم کے کسی نسخہ سے منقول ہوئی ہے شاید ناسخین کی غلطی ہے۔

علیہم السلام کا ذکر ملا، موت کا ذکر ملا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ربوبیت اور اس کے جلال وعظمت کا ذکر ملا، جنت وجہنم اور حلال وحرام کا ذکر ملا، اسی طرح صلہ رحمی اور دیگر بھلائیوں کا تذکرہ ملا، اور جب رائے میں غور کیا تو اس میں مجھے، مکروفریب، مقابلہ آرائی، حق وصولی، دین میں سودے بازی، حیلہ گری، قطع رحمی، اور حرام پر جرأت وجسارت ملی'' [اسی جیسی بات یونس بن اسلم سے بھی مروی ہے](1)۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

''''مجھے عبدالرحمن بن یحییٰ نے یہ شعر سنائے، انہیں ابوعلی حسن بن خضر اسیوطی نے مکہ میں سنائے، انہیں ابوالقاسم محمد بن جعفر اخباری نے سنائے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابوعبدالرحمن عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنے والد کے واسطے سے یہ اشعار سنائے:

دينُ النبيِّ محمدٍ ﷺ أخبارُ ... نِعْمَ المطيَّةُ للفتى الآثارُ

لا تُخدَعَنَّ عن الحديث وأهلِهِ ... فالرأيُ ليلٌ، والحديثُ نهارُ

ولربما جهل الفتى طُرُقَ الهُدَى ... والشمسُ طالعةٌ لها أنوارُ (2)

نبی کریم محمد ﷺ کا دین حدیثیں ہیں، آدمی کے لئے سب سے عمدہ دلیل وبنیاد احادیث وآثار ہی ہیں، حدیث اور اہل حدیث کی بابت دھوکہ میں نہ ڈال دیا جانا، کیونکہ رائے رات اور حدیث دن ہے، بسا اوقات انسان نشانات راہ سے لاعلم ہوتا ہے حالانکہ آفتاب روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے۔

اور بعض اہل علم نے کیا خوب کہا ہے:

العِلْمُ قَالَ اللهُ، قَالَ رَسُولُهُ ... قَالَ الصَّحَابَةُ لَيْسَ خُلْفٌ فِيْهِ

مَا العِلْمُ نَصْبُكَ لِلخِلافِ سَفَاهَةً ... بَيْنَ النُّصُوصِ وَبَيْنَ رَأْيِ سَفِيْهِ

كَلَّا وَلا نَصْبُ الخِلافِ جَهَالَةً ... بَيْنَ الرَّسُولِ وَبَيْنَ رَأْيِ فَقِيْهِ

كَلَّا وَلا رَدُّ النُّصُوصِ تَعَمُّدَاً ... حَذَرَاً مِنَ التَّجْسِيمِ والتَّشْبِيْهِ

(1) جامع بیان العلم (۲/ ۴۳)، اور مربع قوسین کے درمیان کا اضافہ دار ابن الجوزی کے نسخہ (ص ۷۸۱) سے کیا گیا ہے۔

(2) جامع بیان العلم (۲/ ۴۳)۔

حَاشَا النُّصُوصَ مِنَ الَّذِي رُمِيتُ بِهِ　　مِنْ فِرْقَةِ التَّعْطِيلِ وَالتَّمْوِيهِ[1]

علم: اللہ نے فرمایا، اس کے رسول ﷺ نے فرمایا اور صحابہ نے فرمایا' کا نام ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے بے وقوفی کرتے ہوئے نصوص اور فقیہ کی رائے کے درمیان تمہارے اختلاف وٹکراؤ کھڑا کرنے کا نام علم نہیں ہے ہرگز نہیں! نہ نادانی کرتے ہوئے رسول ﷺ اور فقیہ کی رائے کے درمیان اختلاف کھڑا کرنے کا نام ہے ہرگز نہیں! اور نہ ہی جسم اور تشبیہ سے بچنے کے لئے جان بوجھ کر نصوص کو ٹھکرانے کا نام دین ہے، کتاب وسنت کے نصوص دھوکہ دینے والے فرقۂ معطلہ کی تہمتوں سے بری ہیں۔

ابو عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اور میں نے کہا ہے:

مَقَالَةُ ذِي نُصْحٍ وَذَاتُ فَوَائِدَ　　إِذَا مِنْ ذَوِي الْأَلْبَابِ كَانَ اسْتِمَاعُهَا

عَلَيْكُمْ بِآثَارِ النَّبِيِّ فَإِنَّهَا　　مِنْ أَفْضَلِ أَعْمَالِ الرَّشَادِ اتِّبَاعُهَا[2]

ایک خیر خواہ کی بڑی مفید بات ہے بشرطیکہ عقلمند اسے غور سے سنیں: نبی کریم ﷺ کی احادیث وآثار کو لازم پکڑو، کیونکہ وہ قابل اتباع افضل اعمال میں سے ہے۔

(۱) فرقۂ تعطیل (معطلہ): وہ فرقہ ہے جس نے صفات الٰہی کے نصوص سے متبادر ہونے والے معنیٰ کو باطل معنیٰ قرار دیا، کہ وہ اللہ کے شایان شان نہیں کیونکہ اس سے اللہ کی طرف عدم کی نسبت ہوتی ہے، اور پھر اسی بنا پر انہوں نے اللہ کے شایان شان معنیٰ پر دلالت کرنے والے معنیٰ کا بھی انکار کر دیا۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۳۳)۔

باب

علم ادیان کی تعریفات' اور حالات وظروف کے مطابق بدلنے والے تمام علوم کی معرفت کا بیان*

علامہ ابوعمر ابن عبد البر فرماتے ہیں:

''اہل کلام کے یہاں اس معنیٰ میں: علم کی تعریف یہ ہے کہ جس چیز کا تمہیں یقین ہو جائے اور واضح سمجھ میں آجائے' وہ علم ہے، اور ہر شخص جسے کسی بات کا یقین ہو جائے اور حقیقت سمجھ میں آجائے وہ اس کا عالم ہے، اور اسی بنا پر جسے کسی چیز کا یقین نہ ہو' بلکہ کسی کی تقلید میں کہے' وہ اس کا عالم نہیں ہے، اور علماء کی جماعت کے یہاں تقلید اتباع سے دیگر ہے' کیونکہ اتباع: یہ ہے کہ آپ کہنے والے کی اتباع اُس کی بات کی فضیلت اور موقف کی درستگی کی بنا پر کریں، جبکہ تقلید: یہ ہے کہ آپ کہنے والے کی بات کو' اس کی بات' بات کی وجہ اور اس کے معنیٰ کی معرفت کے بغیر مان لیں' اور اس کے علاوہ کی بات کو ٹھکرا دیں' یا اُس کی غلطی واضح ہونے کے باوجود اُس کی مخالفت کے ڈر سے' اُس کی اتباع کرتے رہیں' حالانکہ اُس بات کا فساد آپ کے سامنے عیاں ہو چکا ہو! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین میں ایسی بات کہنا حرام ہے''[1]۔

[نیز فرماتے ہیں][2]: ''تمام ادیان والوں کے یہاں علوم کی تین قسمیں ہیں: علم اعلیٰ، علم متوسط اور علم اسفل''[3]۔

---

* باب کا نام جامع بیان العلم (۲/۴۵) سے ماخوذ ہے، اُس میں مزید یہ بھی ہے: ''وَسَائِرِ الْعُلُومِ الْمُنْتَحِلَاتِ عِنْدَ جَمِيعِ أَهْلِ الْمَقَالَاتِ''۔

(۱) جامع بیان العلم (۲/۴۵)۔

(۲) یہ لازمی اضافہ ہے' تاکہ واضح ہو سکے کہ یہ بات ابن عبد البر کی ہے' کیونکہ مصنف رحمہ اللہ نے تقدیم وتاخیر کے ذریعہ تصرف کرکے نقل کیا ہے۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۴۶)۔

''چنانچہ علم اعلیٰ: علم دین ہے، جس کی بابت اللہ تعالیٰ کی اپنی کتابوں میں اور اپنے رسولوں کی زبانی نازل کردہ صریح نص کے بغیر کسی کے لئے بات کرنا جائز نہیں ہے''[1]۔

''اور علم اوسط: دنیوی علوم کی معرفت ہے جن میں کسی چیز کی معرفت اس کی نظیر وہم مثل کی معرفت کے ذریعہ ہوتی ہے، اور اس پر اس کی جنس ونوع کے ذریعہ استدلال کیا جاتا ہے، جیسے: طب اور ہندسہ (انجینئرنگ) کا علم''[2]۔

''اور علم اسفل: صناعت وکاریگری اور اس قسم کے دیگر اعمال کا پختہ علم ہے، جیسے: تیراکی، گھوڑسواری، تیراندازی، نقش ونگاری، خوش نویسی، اور ان جیسے دیگر اعمال جو کسی کتاب میں جمع کئے جانے، یا وصف بیانی سے کہیں زیادہ ہیں''[3]۔ ''ان علوم کو اعضاء وجوارح کی مشق کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے، خلاصہ کلام یہ کہ: علم اعلیٰ، ادیان کا علم ہے، علم اوسط: جسموں کا علم ہے، اور علم اسفل: اعضاء جسمانی کی مشق کا علم ہے''[4]۔

''اور اہل ادیان کا اتفاق ہے کہ علم اعلیٰ: دین کا علم ہے، اور اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ دین کی معرفت تین قسموں کی ہوتی ہے:

پہلی قسم:

خاص معرفت، یعنی ایمان واسلام کی معرفت، اور یہ توحید واخلاص کا علم ہے، اس علم کی رسائی نبی کریم ﷺ ہی کے ذریعہ ممکن ہے، کیونکہ وہی اللہ کی طرف سے پہنچانے والے، اور اللہ کے منشا ومقصود کی وضاحت کرنے والے ہیں۔ اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی توحید وازلیت کی بابت اللہ کی مخلوق میں اس کی کاریگری کے دلائل پر غور وتدبر کے ذریعہ، نیز قرآن میں بتائی ہوئی تمام باتوں اور اللہ کے فرشتوں، رسولوں اور کتابوں کی تصدیق کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے۔

دوسری قسم: دین وشریعت سے آگاہی کے سرچشمہ کی معرفت، یہ نبی کریم ﷺ کی معرفت ہے، جن کی زبان اور

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۴۹)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۴۶)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۴۶)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۴۹)۔

ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے دین کے احکامات مشروع فرمائے اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی معرفت جنہوں نے ان باتوں کو آپ ﷺ سے امت تک پہنچایا، اور ان افراد کی معرفت جنہوں نے اس علم کو یکھا اور آپ کے زمانہ تک پہنچایا (ان تمام طبقات کی معرفت)، اور اس خبر کی معرفت جو اپنے تواتر اور نمایاں ہونے کے سبب عذر و بہانہ ختم کر دیتی ہے۔

علماء نے اصول کی کتابوں میں خبروں کی نوعیتوں اور ان کے نکلنے کی جگہوں کا خلاصہ بیان کیا ہے جو دیکھنے والے کے لئے کافی اور تشفی بخش ہیں۔ [لہٰذا رجوع فرمائیں] [1]۔

تیسری قسم:

سنتوں اور ان کے حقوق و آداب کی معرفت اور احکام کا علم ہے، اور اس میں خواص عادلوں کی خبر، اور اس کی معرفت، فرض و نفل، اور حقوق و زیادتی کی معرفت، اجماع اور شذوذ وغیرہ کی معرفت داخل ہے، اہل اسلام کا کہنا ہے کہ ان چیزوں کی معرفت کے بغیر فقہ کی رسائی نہیں کی جا سکتی، توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے" [2]۔

(۱) مربع قوسین کی درمیان کی عبارت مصنف کی ہے، جامع بیان العلم میں نہیں ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۴۹)۔

باب

فقیہ یا عالم کہلانے کا سچا حقدار کون؟ یا اہل علم کے یہاں فتویٰ دینے کا مجاز کون؟

امام ابوعمر ابن عبدالبر نے کئی سندوں سے، جن میں بعض کے راویان ثقہ ہیں، روایت کیا ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ''**يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ!**'' قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ. ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ: ''**تَدْرِي أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟!**'' قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ''**فَإِنَّ أَفْضَلَ النَّاسِ أَفْضَلُهُمْ عَمَلًا إِذَا فَقِهُوا فِي دِينِهِمْ**'' ثُمَّ قَالَ: ''**يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ!**'' قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، قَالَ: ''**أَتَدْرِي أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟!**'' قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ''**أَعْلَمُ النَّاسِ أَبْصَرُهُمْ بِالْحَقِّ إِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ، وَإِنْ كَانَ مُقَصِّرًا فِي الْعَمَلِ، وَإِنْ كَانَ يَزْحَفُ عَلَى اسْتِهِ**''[1]۔

---

(۱) روایت ضعیف جداً ہے۔ اسے ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲/ ۵۳) میں اور یعقوب بن سفیان فسوی نے المعرفہ والتاریخ (۲/ ۳۰۲-۳۰۳) میں روایت کیا ہے۔ اس میں عقیل الجعدی ہے جو متروک ہے۔ امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۴/ ۱/ ۵۳/ ۲۳۲) میں منکر الحدیث کہا ہے، اسی طرح ابوحاتم رازی نے الجرح والتعدیل (۱۲۱۴) میں، نیز اس میں صعق بن حزن عیشی ہے جو صدوق ہے وہم کا شکار ہوتا ہے، تقریب التھذیب (۲۹۳۱)۔ بات ویسی نہیں ہے جیسی مصنف نے کہا ہے، بلکہ یہ کئی سندوں سے مروی ہے ان میں سے کوئی بھی سند کلام یا انقطاع سے خالی نہیں ہے۔

[نوٹ: اس حدیث کو متعدد ائمہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے مستدرک حاکم کی سند میں عقیل بن یحییٰ الجعدی ہے، اس کے متروک ومنکر الحدیث ہونے کے سبب روایت ضعیف ہے لیکن طبرانی اور ابن ابی حاتم کی روایت کو جس میں بکیر بن معروف ابومعاذ دامغانی ہے اہل علم نے حسن قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے طبرانی کی سند کو شواہد ومتابعات میں حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (۲/ ۶۹۹-۷۰۰)، نیز دیکھئے: مختصر تلخیص الذہبی (۲/ ۹۳۵-۹۳۶) (مترجم)]۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: اے عبداللہ بن مسعود! میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! حاضر ہوں، فرمایا: کیا تم جانتے ہو لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں! فرمایا: لوگوں میں سب سے افضل وہ ہیں جو سب سے افضل عمل کرنے والے ہیں' بشرطیکہ انہیں دین کا علم ہو! پھر کہا: اے عبداللہ بن مسعود! میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! حاضر ہوں، (تین مرتبہ) فرمایا: کیا تم جانتے ہو لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں! فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا وہ ہے جو لوگوں کے اختلاف کے وقت سب سے زیادہ حق کی بصیرت رکھنے والا ہو، اگرچہ اس کے عمل میں کوتاہی ہو، اگرچہ وہ اپنی سرین کے بل گھسٹ رہا ہو۔

ابو یوسف فرماتے ہیں: یہی فقہاء کی خوبی ہے، اور ایک روایت میں ہے: ''سب سے افضل عمل والا وہ ہے جو سب سے افضل علم والا ہے''[1]۔

اور ایک سند سے روایت کیا ہے' جس میں اسحاق بن اسید ہے- جو ضعیف ہے[2]-:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ''**أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِالْفَقِيهِ كُلَّ الْفَقِيهِ؟**'' قَالُوا: بَلَى قَالَ: ''**مَنْ لَمْ يُقَنِّطِ النَّاسَ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ، وَلَمْ يُؤَيِّسْهُمْ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ، وَلَمْ يُؤَمِّنْهُمْ مِنْ مَكْرِ اللَّهِ، وَلَا يَدَعُ الْقُرْآنَ رَغْبَةً عَنْهُ إِلَى مَا سِوَاهُ، أَلَا لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَفَقُّهٌ، وَلَا عِلْمٍ لَيْسَ فِيهِ تَفَهُّمٌ، وَلَا قِرَاءَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَدَبُّرٌ**''[3]۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں پورے طور پر (مکمل) فقیہ کے بارے میں نہ بتلاؤں؟! لوگوں نے کہا: ضرور بتلایئے! آپ ﷺ نے فرمایا: جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے' جو انہیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرے' جو انہیں اللہ کے مکر سے بے خوف نہ کرے، اور جو قرآن سے بے اعتنائی کرتے ہوئے' اُسے چھوڑ کر دوسری چیز کو نہ اپنائے، خبردار! ایسی

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۵۳)۔

(۲) تقریب التہذیب (۳۴۲)۔

(۳) منکر ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۵۵)، علامہ البانی نے منکر قرار دیا ہے، سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ (۷۴۳)۔

عبادت میں کوئی بھلائی نہیں، جس میں علم وفقہ نہ ہو، ایسے علم میں کوئی خیر نہیں جس میں فہم اور سمجھ نہ ہو، اور ایسی تلاوت میں کوئی بھلائی نہیں، جس میں غور وتدبر نہ ہو۔

ابوعمر فرماتے ہیں:

''یہ حدیث مرفوعاً صرف اسی سند سے مروی ہے، اکثر محدثین اسے علی رضی اللہ عنہ پر موقوف قرار دیتے ہیں''[1]۔

لقمان علیہ السلام سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے مالدار کون ہے؟ فرمایا: ''جو ملی ہوئی نعمت پر راضی ہو''۔ لوگوں نے مزید پوچھا: سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ [فرمایا: ''جسے لوگوں کے علم سے مزید علم حاصل ہو''[2]۔

کعب احبار سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اے رب! تیرے بندوں میں سب سے بڑا علم والا کون ہے؟ اللہ نے فرمایا[3]:] ''وہ عالم جو علم کا بھوکا ہو''۔ ابن وہب فرماتے ہیں: مقصد یہ ہے کہ جو اپنے علم سے آسودہ نہ ہو۔

عفرہ کے غلام عمر سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے رب! تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: ''جو لوگوں سے علم حاصل کر کے اپنا علم بڑھانا چاہتا ہے''[4]۔

ابن عبدالبر نے ایک سند سے جس میں صدقہ بن عبداللہ ہے، روایت کیا ہے:

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ''**لَا يَفْقَهُ الْعَبْدُ كُلَّ الْفِقْهِ حَتّٰى يَمْقُتَ النَّاسَ فِي ذَاتِ اللّٰهِ، وَلَا يَفْقَهُ الْعَبْدُ كُلَّ الْفِقْهِ حَتّٰى يَرَى لِلْقُرْآنِ وُجُوهًا كَثِيرَةً**''۔

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بندہ اس وقت تک پورا فقیہ نہیں ہوسکتا جب تک اللہ کی ذات کی بابت لوگوں سے غصہ نہ ہو، اور بندہ اس وقت تک پورا فقیہ نہیں

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۵۵)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۵۵)۔

(۳) مربع قوسین کے درمیان کی عبارت اصل مطبوعہ نسخہ سے ساقط ہے، ہم نے اسے جامع بیان العلم (۲/ ۵۵) سے مکمل کیا ہے۔ اور کعب سے مراد: کعب احبار ہیں۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۵۵)۔

ہوسکتا جب تک قرآن کریم کے بہت سارے وجوہ نہ سمجھے۔

ابوعمر فرماتے ہیں: صدقہ بن عبداللہ سمین سے معروف ہیں یہ محدثین کے یہاں ضعیف ہیں [1]، ان کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے، اور یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں ہے [2] صحیح بات یہ ہے کہ یہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

عبدالرزاق [3] کی سند سے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''لَنْ تَفْقَهَ كُلَّ الْفِقْهِ حَتَّى تَرَى لِلْقُرْآنِ وُجُوهًا كَثِيرَةً، وَلَنْ تَفْقَهَ كُلَّ الْفِقْهِ حَتَّى تَمْقُتَ النَّاسَ فِي ذَاتِ اللَّهِ، ثُمَّ تُقْبِلُ عَلَى نَفْسِكَ فَتَكُونُ لَهَا أَشَدَّ مَقْتًا مِنْكَ لِلنَّاسِ'' [4]۔

تم ہرگز پورے فقیہ نہیں ہوسکتے جب تک کہ قرآن کے بہت سارے وجوہات نہ سمجھو، اور ہرگز پورے فقیہ نہیں ہوسکتے جب تک کہ اللہ کی ذات کے لئے لوگوں سے ناراض نہ ہو اور پھر اپنے نفس کی طرف دیکھو تو لوگوں سے اپنی ناراضگی سے زیادہ اس سے ناراض ہو۔

ابوعمر فرماتے ہیں:

ابوداود کہتے ہیں ہم سے محمد بن عبید نے حماد بن زید کے واسطے سے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایوب سے پوچھا: ''ان کی اس بات کہ: جب تک کہ قرآن کے بہت سارے وجوہات نہ سمجھو'' کے بارے میں آپ کیا کیا خیال ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''یہی صحیح ہے، یہی درست ہے'' [5]۔

ایاس بن معاویہ فرماتے ہیں:

''میرے پاس کوئی مسئلہ آتا ہے جس کے بارے میں میں دو وجہیں جانتا ہوں، تو ان میں سے جو بھی اختیار کرلیتا ہوں سمجھتا ہوں کہ میں نے حق فیصلہ کیا ہے'' [6]۔

---

(۱) تقریب التھذیب (۲۹۱۳)۔

(۲) اس میں ابان بن ابوعیاش ہے جو اس سے بھی بدتر ہے یعنی متروک ہے تقریب التھذیب (۱۴۲)، جامع بیان العلم (۲/۵۶)۔

(۳) مصنف عبدالرزاق بن ابی شیبہ (حدیث ۲۴۰۷۳)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۵۶)، والزھد از امام احمد (ص ۱۶۷)، والحلیۃ از ابونعیم (۱/۲۱۱)، اگر ابوقلابہ کی ابوالدرداء سے سماعت صحیح ہو تو روایت صحیح ہے۔

(۵) جامع بیان العلم (۲/۵۶)۔

(۶) جامع بیان العلم (۲/۵۶)، صحیح سند کے ساتھ۔

اور اپنی سند سے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''جو اختلاف نہیں جانتا' اس نے اپنی ناک سے فقہ کی خوشبو بھی نہیں سونگھا ہے''[1]۔

یزید بن زریع فرماتے ہیں کہ میں نے سعید بن ابوعروبہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''جس نے اختلاف نہیں سنا ہے' اُسے عالم شمار ہی نہ کرو''[2]۔

محمد بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن عبداللہ رازی کو کہتے ہوئے سنا:

''جسے قراء کے اختلاف کا علم نہ ہو وہ قاری نہیں ہے' اور جسے فقہاء کے اختلاف کا علم نہ ہو وہ فقیہ نہیں ہے''[3]۔

عثمان بن عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''کسی کے لئے لوگوں کو اس وقت تک فتویٰ دینا جائز نہیں' جب تک کہ اُسے لوگوں کے اختلاف کا علم نہ ہو، کیونکہ اگر وہ ایسا نہ ہوگا تو اُس علم کو رد کر دے گا جو اُس کے پاس کے علم سے زیادہ قابل اعتماد ہے''[4]۔

سفیان بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایوب سختیانی کو کہتے ہوئے سنا:

''لوگوں میں فتویٰ کی سب سے زیادہ جرأت کرنے والے وہ ہیں جنہیں علماء کے اختلاف کا سب سے کم علم ہے، اور لوگوں میں فتویٰ سے سب سے زیادہ احتیاط کرنے والے وہ ہیں' جنہیں علماء کے اختلاف کا سب سے زیادہ علم ہے''[5]۔

کہتے ہیں: ابن عیینہ فرماتے ہیں:

''علم درحقیقت وہ ہے: جو ہر حدیث کو اس کا حق دے''[6]۔

نعیم بن حمد فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہ کو کہتے ہوئے سنا:

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۵۷)، اس کی سند میں رواد بن جراح صدوق ہے' آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہوا لہٰذا اُسے ترک کر دیا گیا تقریب التھذیب (۱۹۵۸)، اسی طرح اس کا شیخ بھی ضعیف ہے تقریب التھذیب (۲۲۷۶)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۵۷)، صحیح سند کے ساتھ۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۵۷)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۵۷)، اور عثمان بن عطاء بن ابومسلم خراسانی ابومسعود مقدسی ضعیف ہے تقریب التھذیب (۴۵۰۲)۔

(۵) جامع بیان العلم (۲/ ۵۷)، اس سند میں نعیم بن حماد ہے' جس کے اوہام ہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

(۶) جامع بیان العلم (۲/ ۵۸)۔ اس میں بھی نعیم بن حماد ہے، جیسا کہ گزرا۔

''لوگوں میں فتوی کی سب سے زیادہ جسارت کرنے والے وہ ہیں جنہیں علماء کے اختلاف کا سب سے کم علم ہے''[1]۔

حارث بن یعقوب فرماتے ہیں:

''بلاشبہہ پورا فقیہ وہ ہے جو قرآن کا فقیہ ہو اور اُسے شیطانی چالوں کا بھی علم ہو''[2]۔

عیسیٰ بن دینار نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ''فتویٰ دینا کس کے لئے جائز ہے؟ فرمایا: ''فتویٰ دینا اُسی کے لئے جائز ہے جسے اہل علم کے اختلاف کا علم ہو''۔ ان سے پوچھا گیا: کیا اہل رائے کے اختلاف کا علم ہونا چاہئے؟ فرمایا: ''نہیں! بلکہ محمد ﷺ کے صحابہ کے اختلاف، نیز قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ کے ناسخ ومنسوخ کا علم ہونا چاہئے، تو ہی فتویٰ دے سکتا ہے''[3]۔

میں کہتا ہوں:

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عام سلف کے یہاں ناسخ ومنسوخ کا معنیٰ کبھی پورے طور پر حکم اٹھالینا ہوتا ہے اور یہی متاخرین کی اصطلاح ہے اور کبھی عام، مطلق، اور ظاہر وغیرہ کی دلالت ختم کر دینا؛ یا تو عام کی تخصیص کے ذریعہ، یا مطلق کی تقیید اور اُسے مقید پر محمول کرنے، اور اس کی تفسیر و وضاحت وغیرہ کے ذریعہ، حتیٰ کہ وہ استثناء، صفت اور شرط وغیرہ کو بھی نسخ کا نام دیتے ہیں؛ کیونکہ نسخ ظاہر کی دلالت ختم کرکے اصل معنیٰ ومراد بیان کرنے کو بھی شامل ہے، لہٰذا اُن کے یہاں اور اُن کی زبان میں نسخ کے معنیٰ اُس لفظ کے علاوہ سے بلکہ کسی خارجی چیز کے ذریعہ بھی معنیٰ کی وضاحت کرنا ہے اور جو ان کی باتوں پر غور کرے گا اس طرح کی چیزیں بے شمار دیکھے گا، اور وہ بہت سارے اشکالات زائل ہوجائیں گے جو اُن کی باتوں کو بعد کی جدید اصطلاح پر محمول کرنے کے سبب لازم آئی ہیں''[4]۔ بات ختم ہوئی۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۵۸)، یہ بھی پہلے جیسی ہے یہ سفیان کا قول ہے پہلا ایوب سختیانی سے نقل کیا تھا۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۵۸)، اس سند کے راویان ثقہ ہیں، سوائے سلیمان بن قاسم کے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے (۷/ ۱۳۴)، لہٰذا وہ مجہول شمار کیا جائے گا۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۵۷)۔

(۴) اعلام الموقعین، (۱/ ۳۵)۔

ابوعمر کہتے ہیں: عبدالملک بن حبیب فرماتے ہیں کہ میں نے ابن الماجشون کو فرماتے ہوئے سنا:

''سلف کہا کرتے تھے: جو قرآن و احادیث میں امام نہ ہو وہ فقہ میں امام نہیں ہوسکتا، اور جو فقہ میں امام نہ ہو وہ احادیث و آثار میں امام نہیں ہوسکتا''[۱]۔

کہتے ہیں: اور ابن الماجشون نے مجھ سے کہا:

''جو ماضی (علم سلف) کا عالم نہیں وہ موجودہ وقت کا فقیہ نہیں ہوسکتا''[۲]۔

علی بن حسن بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن المبارک کو سنا کہ ان سے سوال کیا گیا: ''آدمی فتویٰ کب دے سکتا ہے؟'' تو انہوں نے فرمایا: ''جب وہ حدیث کا عالم اور رائے پر نظر رکھنے والا ہو''[۳]۔

یحییٰ بن سلام فرماتے ہیں:

''جسے اختلاف کا علم نہ ہو اس کے لئے فتویٰ دینا مناسب نہیں اور جسے اقوال کا پتہ نہ ہو اس کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ ''یہ قول مجھے زیادہ محبوب ہے''[۴]۔

عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں:

''ایسا شخص حدیث کا امام نہیں ہوسکتا جو شاذ حدیثیں ڈھونڈتا پھرے، یا ہر سنی ہوئی بات بیان کرے، یا ہر ایک سے حدیث بیان کرے''[۵]۔

سعید بن ابوعروبہ بیان کرتے ہیں:

''جس نے اختلاف نہیں سنا اسے عالم شمار ہی نہ کرو''[۶]۔

قبیصہ بن عقبہ بیان کرتے ہیں:

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۵۸)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۵۸)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۵۷)، والمدخل، از بیہقی (ص۱۷۹، فقرہ ۱۸۷)، والفقیہ والمتفقہ، از خطیب بغدادی (۲/۱۵۷)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۵۹)۔

(۵) جامع بیان العلم (۲/۵۹)۔

(۶) جامع بیان العلم (۲/۵۹)، بسند حسن۔

''جسے لوگوں کے اختلاف کا علم نہیں وہ کامیاب نہیں ہوسکتا''[1]۔

عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں:

''لَا يَكُونُ إِمَامًا فِي الْعِلْمِ مَنْ أَخَذَ بِالشَّاذِّ مِنَ الْعِلْمِ، وَلَا يَكُونُ إِمَامًا فِي الْعِلْمِ مَنْ رَوَى عَنْ كُلِّ أَحَدٍ، وَلَا يَكُونُ إِمَامًا فِي الْعِلْمِ مَنْ رَوَى كُلَّ مَا سَمِعَ''[2]۔

ایسا شخص علم کا امام نہیں ہوسکتا جو شاذ علم لے، نہ وہ علم کا امام ہوسکتا ہے جو ہر ایک سے روایت کرے، نہ ہی وہ علم کا امام ہوسکتا ہے جو ہر سنی ہوئی بات روایت کرے۔

مالک بن انس نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ وہ فرماتے تھے:

''کوئی عالم، یا شریف، یا فضیلت والا ایسا نہیں ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو، لیکن فضیلت اس کی کمی سے زیادہ ہوتی ہے، اس کے فضل کے سبب اس کی کمی ختم ہو جاتی ہے، جیسے کسی میں عیب زیادہ ہو تو اس کی فضیلت جاتی رہتی ہے''[3]۔

اور ان کے علاوہ کسی نے کہا ہے:

''عالم غلطی سے محفوظ نہیں رہ سکتا، لہٰذا جس کی غلطی کم درستی زیادہ ہو وہ عالم ہے، اور جس کی درستی کم غلطی زیادہ ہو وہ جاہل ہے''[4]۔

(۱) جامع بیان العلم (۲/۵۹)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۵۹)، بسند صحیح۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۵۹-۶۰)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۶۰)۔

باب

تقلید کا فساد اور اس کی تردید نیز تقلید اور اتباع میں فرق

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی جگہوں پر تقلید کی مذمت فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ [التوبۃ:۳۱]۔

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے۔

امام بیہقی نے المدخل میں اور ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں اپنی سندوں سے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے فرمان باری تعالیٰ:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ [التوبۃ:۳۱]۔

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے۔

کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ لوگ اُن کی عبادت کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں۔ البتہ وہ ان کے لئے حرام کو حلال ٹھہراتے تھے تو وہ اسے حلال سمجھتے تھے، اور حلال کو حرام ٹھہراتے تھے تو وہ اُسے حرام سمجھتے تھے، اس وجہ سے وہ رب بن گئے (۲)۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

یہ حدیث عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً مروی ہے: ہمیں ابو عبد اللہ اسحاق

---

(۱) یہ بات جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۳) میں ابن عبد البر نے کہی ہے۔

(۲) المدخل، از بیہقی (ص ۲۰۹، فقرہ ۲۵۸، ۲۵۹)، وسنن کبری (۱۰/ ۱۱۶)، وتفسیر ابن جریر طبری (۱۰/ ۸۱)، وجامع بیان العلم (۲/ ۱۳۳)۔ اور امام سیوطی نے الدر المنثور (۳/ ۲۳۱) میں عبد الرزاق، ابن ابو حاتم، ابن المنذر، شعب الایمان بیہقی اور ابو الشیخ کا حوالہ دیا ہے۔

بن محمد بن یوسف سوسی نے بتایا، ان سے ابوجعفر محمد بن عبد اللہ بغدادی نے بیان کیا، ان سے عبد العزیز نے بیان کیا، ان سے ابوغسان اور ابن الاصبہانی نے بیان کیا (تحویل سند) ہم سے ابوعبد اللہ حافظ نے بیان کیا، انہیں ابوعون (۱) محمد بن احمد ماہان نے مکہ میں بیان کیا، ان سے علی بن عبد العزیز نے بیان کیا، ان سے ابن الاصبہانی نے بیان کیا، ان سے عبد السلام بن حرب نے بیان کیا، ان سے غطیف بن اعین نے' جو اہل جزیرہ کے ہیں' مصعب بن سعید کے واسطے سے بیان کیا:

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَفِي عُنُقِي صَلِيبٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لِي: ''**يَا عَدِيُّ اطْرَحْ هَذَا الْوَثَنَ مِنْ عُنُقِكَ**'' قَالَ: فَطَرَحْتُهُ، وَقَالَ: وَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ، وَهُوَ يَقْرَأُ سُورَةَ بَرَاءَةٍ، فَقَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ: ﴿ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَـٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ﴾ [التوبة:31]. قَالَ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ؟ فَقَالَ: ''**أَلَيْسَ يُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللهُ فَتُحَرِّمُونَهُ، وَيُحِلُّونَ مَا حَرَّمَ اللهُ فَتَسْتَحِلُّونَهُ؟**'' قَالَ: قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: ''**فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ**''.

هَذَا لَفْظُ حَدِيثِ السُّوسِيِّ، وَفِي رِوَايَةِ الْحَافِظِ:

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ''**أَلَيْسَ كَانُوا يُحِلُّونَ لَكُمُ الْحَرَامَ فَتُحِلُّونَهُ، وَيُحَرِّمُونَ عَلَيْكُمُ الْحَلَالَ فَتُحَرِّمُونَهُ؟**'' قَالَ: قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: ''**فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ**''(۲)۔

عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی' تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عدی! اپنے گلے سے اس بت کو نکال پھینکو۔ کہتے ہیں: میں نے پھینک دیا، اور آپ کے پاس پہنچا تو آپ سورۂ براءت کی تلاوت کر رہے تھے' چنانچہ آپ نے یہ آیت پڑھی: (ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے) یہ سن کر میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم ان کی عبادت نہیں کرتے تھے! آپ نے فرمایا: کیا اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو وہ حرام

(۱) اصل میں ''ابن عون'' ہے جو غلط ہے، جو ہم نے لکھا ہے وہی صحیح ہے۔ دیکھئے: المدخل (ص ۲۱۰، فقرہ ۲۶۱)۔

(۲) روایت حسن ہے۔ المدخل (ص ۲۱۰، فقرہ ۲۶۱)، وسنن کبری (۱۰/ ۱۱۶)، وجامع بیان العلم (۲/ ۱۳۳)، وترمذی (حدیث ۳۰۹۵)، ومعجم کبیر از طبرانی (۱۷/ ۹۲)، علامہ البانی نے اسے صحیح ترمذی (حدیث ۲۴۷۱) میں حسن قرار دیا ہے۔

کرتے تھے تو تم اُسے حرام نہیں سمجھتے تھے، اور اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال کرتے تھے تو تم حلال نہیں سمجھتے تھے؟ کہتے ہیں: جی ہاں، ایسا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: "یہی ان کی عبادت ہے"۔

یہ سوسی کی حدیث کے الفاظ ہیں، حافظ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

کیا ایسا نہیں تھا کہ وہ تمہارے لئے حرام کو حلال قرار دیتے تھے تو تم اسے حلال سمجھتے تھے اور تمہارے اوپر حلال کو حرام کرتے تھے تو تم اسے حرام سمجھتے تھے؟، میں نے کہا: جی ہاں، ایسا تو تھا۔ آپ نے فرمایا: "یہی ان کی عبادت ہے"۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

ہم سے عبدالوارث بن سفیان نے بیان کیا، ان سے قاسم بن اصبغ نے بیان کیا، ان سے ابن وضاح نے بیان کیا، ان سے یوسف بن عدی نے بیان کیا، ان سے ابوالاحوص نے بیان کیا، وہ عطاء بن السائب کے واسطے سے ابوالبختری سے فرمان باری:

﴿ٱتَّخَذُوٓاْ أَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَٰنَهُمۡ أَرۡبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ﴾ [التوبۃ:۳۱]۔

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے۔

کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کی تفسیر میں فرمایا:

اگر انہوں نے لوگوں کو اللہ کے سوا اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا ہوتا تو ان کا کہنا نہ مانتے، لیکن جب انہوں نے اللہ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرایا، اور اس کا حکم دیا تو انہوں نے ان کا کہا مان لیا، اور یہی ربوبیت ہے"[1]۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهِۦ عِلۡمٌ﴾ [الاسراء:۳۶]۔

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ مَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ فِي قَرۡيَةٖ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوهَآ إِنَّا وَجَدۡنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٖ

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۳)، والمدخل (ص۲۰۹ فقرہ ۲۰۸)۔

وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّقۡتَدُونَ ۝٢٣ ۞ قَٰلَ أَوَلَوۡ جِئۡتُكُم بِأَهۡدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمۡ عَلَيۡهِ ءَابَآءَكُمۡ ﴾
[الزخرف: ۲۳۔ ۲۴]۔

اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو (ایک راہ پر اور) ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔ (نبی نے) کہا بھی کہ اگر چہ میں تمہارے پاس اس سے بہت بہتر (مقصود تک پہنچانے والا) طریقہ لے آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔

چنانچہ باپ دادوں کی پیروی ان کی قبول ہدایت کی راہ میں رکاوٹ بن گئی، اور انہوں نے جواب دیا:

﴿ إِنَّا بِمَآ أُرۡسِلۡتُم بِهِۦ كَٰفِرُونَ ۝٢٤ ﴾ [الزخرف: ۲۴]۔

ہم اس کے منکر ہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے۔

ان کے اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ ۞ إِنَّ شَرَّ ٱلدَّوَآبِّ عِندَ ٱللَّهِ ٱلصُّمُّ ٱلۡبُكۡمُ ٱلَّذِينَ لَا يَعۡقِلُونَ ۝٢٢ ﴾ [الانفال: ۲۲]۔

بے شک بدترین خلائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ (ذرا) نہیں سمجھتے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ إِذۡ تَبَرَّأَ ٱلَّذِينَ ٱتُّبِعُواْ مِنَ ٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُواْ وَرَأَوُاْ ٱلۡعَذَابَ وَتَقَطَّعَتۡ بِهِمُ ٱلۡأَسۡبَابُ ۝١٦٦ وَقَالَ ٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُواْ لَوۡ أَنَّ لَنَا كَرَّةٗ فَنَتَبَرَّأَ مِنۡهُمۡ كَمَا تَبَرَّءُواْ مِنَّاۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ ٱللَّهُ أَعۡمَٰلَهُمۡ حَسَرَٰتٍ عَلَيۡهِمۡۖ وَمَا هُم بِخَٰرِجِينَ مِنَ ٱلنَّارِ ۝١٦٧ ﴾ [البقرۃ: ۱۶۶۔۱۶۷]۔

جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے۔ اور تابعدار لوگ کہنے لگیں گے، کاش ہم دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال دکھائے گا ان کو حسرت دلانے کو، یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے۔

نیز اللہ عزوجل نے کافروں کو کوستے اور ان کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ مَا هَٰذِهِ ٱلتَّمَاثِيلُ ٱلَّتِيٓ أَنتُمۡ لَهَا عَٰكِفُونَ ۝٥٢ قَالُواْ وَجَدۡنَآ ءَابَآءَنَا لَهَا عَٰبِدِينَ ۝٥٣ ﴾ [الانبیاء:

۵۲-۵۳]۔

یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّآ أَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّونَا ٱلسَّبِيلَا۠ ﴾ [الاحزاب:۶۷]۔

ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔

قرآن کریم میں باپ دادوں اور بڑوں، سرداروں کی تقلید کی مذمت کے سلسلہ میں ان جیسی بہت سی آیتیں ہیں، اہل علم نے ان آیات سے تقلید کے ابطال پر استدلال کیا ہے' ان لوگوں کا کافر ہونا اہل علم کے لئے ان آیات سے استدلال کرنے سے مانع نہیں ہوا؛ کیونکہ تشبیہ اس اعتبار سے نہیں واقع ہوئی ہے کہ دونوں میں سے ایک کافر اور دوسرا مومن ہے، بلکہ تشبیہ دراصل اس اعتبار سے واقع ہوئی ہے کہ دونوں تقلیدوں میں مقلد کے پاس کوئی حجت و دلیل نہیں ہے' جیسے کوئی شخص کسی کی تقلید میں کفر کرے، دوسرا کسی کی تقلید میں گناہ کرے، تیسرا اپنے دنیوی مسئلہ میں کسی کی تقلید کرے اور صحیح رخ سے چوک جائے' تو ان میں سے ہر ایک بلا حجت و دلیل تقلید کرنے کے سبب قابل ملامت ہوگا؛ کیونکہ یہ تمام تقلیدیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں' گرچہ گناہ الگ الگ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُضِلَّ قَوۡمَۢا بَعۡدَ إِذۡ هَدَىٰهُمۡ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَۚ ﴾

[التوبة:۱۱۵]۔

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کرکے بعد میں گمراہ کردے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچیں۔

ہمارے ذکر کردہ نصوص میں تقلید کے باطل ہونے کی دلیل ہے، اور جب تقلید باطل ہے تو ان اصولوں کو تسلیم کرنا ضروری ہے' جو واجب التسلیم ہیں، اور وہ: کتاب، وسنت اور وہ چیزیں ہیں جو کسی جامع دلیل کی بنا پر ان کے ہم معنیٰ ہیں [1]۔ بات ختم ہوئی۔

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۳-۱۳۴)۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

ہمیں ابو عبد اللہ حافظ نے بتلایا، ان سے ابو العباس محمد بن یعقوب نے بیان کیا، انہیں ربیع بن سلیمان نے بتایا، ان سے امام شافعی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں:

''علم شریعت کی دو صورتیں ہیں: اتباع اور استنباط۔ اتباع: یعنی اللہ کی کتاب کی اتباع' اگر اس میں نہ ہو تو سنت رسول کی، اگر اس میں نہ ہو تو عام سلف کے قول کی' بشرطیکہ ہمیں اس کے کسی مخالف کا علم نہ ہو (یعنی اجماع)، اگر وہ بھی نہ ہو تو اللہ کی کتاب پر قیاس، اگر وہ نہ ہو تو سنت رسول ﷺ پر قیاس، اگر وہ بھی نہ ہو تو عام سلف کے قول جس کا کوئی مخالف نہ ہو' پر قیاس'، اور قیاس کی بات صرف اسی حالت میں جائز ہے''[1]۔

کہا گیا ہے:

''بلا حجت و دلیل علم حاصل کرنے والے کی مثال رات میں لکڑیاں چننے والے جیسی ہے' جو لکڑی کا گٹھر اٹھائے اور اُس میں اژدھا ہو' جو اُسے ڈنک مار دے اور اُسے اس کا پتہ ہی نہ ہو''[2]۔

امام بیہقی نے اپنی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں جو کتاب ملی ہے' اس پر عمل کرو' اسے چھوڑنے میں کسی کے لئے کوئی عذر نہیں ہے، اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو میری سنت پر عمل کرو جو گزر چکی ہے، اگر میری کوئی سنت نہ ملے تو میرے صحابہ کی بات پر عمل کرو، کیونکہ میرے صحابہ کی مثال آسمان کے تاروں جیسی ہے' تم جسے بھی اپناؤ گے راہیاب ہو گے، اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے''[3]۔

امام بیہقی فرماتے ہیں: اس حدیث کا متن مشہور ہے' لیکن اس کی سندیں ضعیف ہیں' اس بارے میں کوئی بھی سند صحیح نہیں ہے، واللہ اعلم[4]۔ بات ختم ہوئی۔

---

(۱) المدخل (ص ۲۰۷، فقرہ ۲۵۵)۔

(۲) یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، جیسا کہ المدخل (ص ۲۱۱، فقرہ ۲۶۳)، ومناقب الشافعی (۲/ ۱۴۳)، وآداب الشافعی از ابن ابو حاتم (ص ۱۰۰)، اور الحلیۃ از ابونعیم (۹/ ۱۲۵) میں ہے۔

(۳) موضوع ہے۔ اسے امام بیہقی نے المدخل (ص ۱۶۲-۱۶۳، فقرہ ۱۵۲) میں، خطیب نے الکفایۃ (ص ۴۸) میں روایت کیا ہے۔ اور ملا علی قاری نے اسے الموضوعات (ص ۱۸) میں ذکر کیا ہے، علامہ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱/ ۱۴۶، حدیث ۵۹) میں کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

(۴) المدخل (ص ۱۶۴، فقرہ ۱۵۴)۔

امام ابن عبد البر فرماتے ہیں:

ہمیں عبد الوارث بن سفیان نے بتلایا، ان سے قاسم بن اصبغ نے بیان کیا، ان سے ابو بکر عبد اللہ بن عمرو بن محمد عثمانی نے مدینہ میں بیان کیا، ان سے عبد اللہ بن مسلم نے بیان کیا، ان سے کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف مزنی نے بیان کیا، وہ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''**إِنِّي لَأَخَافُ عَلَى أُمَّتِي مِنْ بَعْدِي أَعْمَالٍ ثَلَاثَةٍ**'' قَالُوا: وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ''**أَخَافُ عَلَيْهِمْ مِنْ زَلَّةِ الْعَالِمِ، وَمِنْ حُكْمٍ جَائِرٍ، وَمِنْ هَوًى مُتَّبَعٍ**''(۱)۔

یقیناً مجھے اپنے بعد اپنی امت کے بارے میں تین کاموں کا بڑا خوف ہے: لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: ''مجھے ان کے بارے میں عالم کی لغزش، ظالم کے فیصلہ اور خواہش نفس کی پیروی کا ڈر ہے''۔

اور اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''**تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللَّهِ، وَسُنَّةَ رَسُولِهِ ﷺ**''(۲)۔

میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑا ہے، جب تک ان پر مضبوطی سے کاربند رہو گے، ہرگز گمراہ نہ ہو گے: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

اپنی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

''ثَلَاثٌ يَهْدِمْنَ الدِّينَ: زَلَّةُ الْعَالِمِ، وَجِدَالُ مُنَافِقٍ بِالْقُرْآنِ، وَأَئِمَّةٌ مُضِلُّونَ''(۳)۔

تین چیزیں دین کو ڈھادیتی ہیں: عالم کی چوک، قرآن کے ذریعہ منافق کی حجت، اور گمراہ گر ائمہ وپیشوایان۔

---

(۱) ضعیف۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۴)، والمدخل از بیہقی (ص ۴۴۲، فقرہ ۸۳۰)۔ کثیر بن عبد اللہ بن عمرو ضعیف ہے، تقریب التہذیب (۵۶۱۷)۔ اسی طرح طبرانی نے معجم کبیر (۱۷/ ۱۴) میں اور بزار نے کشف الاستار (حدیث ۱۸۲) میں روایت کیا ہے۔

(۲) سند ضعیف ہے، حدیث صحیح ہے۔ جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۴)، ومستدرک حاکم (۱/ ۹۳) بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور امام مالک نے موطا (حدیث ۱۶۱۹) میں بلاغاً اور اسی طرح دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (حدیث ۱۷۶۱)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۵)، بسند صحیح۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ہر روز اپنی مجلس میں کہا کرتے تھے (کم ہی چھوٹتا تھا)، فرماتے تھے:

''اللَّهُ حَكَمٌ قِسْطٌ، هَلَكَ الْمُرْتَابُونَ، إِنَّ وَرَاءَكُمْ فِتَنًا يَكْثُرُ فِيهَا الْمَالُ، وَيُفْتَحُ فِيهِ الْقُرْآنُ، حَتَّى يَقْرَأَهُ الْمُؤْمِنُ وَالْمُنَافِقُ، وَالْمَرْأَةُ وَالصَّبِيُّ، وَالْأَسْوَدُ وَالْأَحْمَرُ، فَيُوشِكُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقُولَ: قَدْ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ فَمَا أَظُنُّ أَنْ تَتَّبِعُونِي، حَتَّى أَبْتَدِعَ لَهُمْ غَيْرَهُ، فَإِيَّاكُمْ وَمَا ابْتُدِعَ؛ فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. وَإِيَّاكَ وَزَيْغَةَ الْحَكِيمِ؛ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَتَكَلَّمُ عَلَى لِسَانِ الْحَكِيمِ بِكَلِمَةِ الضَّلَالَةِ، وَإِنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الْحَقِّ، فَتَلَقَّوْا الْحَقَّ عَمَّنْ جَاءَ بِهِ؛ فَإِنَّ عَلَى الْحَقِّ نُورًا''۔قَالُوا: وَكَيْفَ زَيْغَةُ الْحَكِيمِ؟ قَالَ: هِيَ الْكَلِمَةُ تَرُوعُكُمْ وَتُنْكِرُونَهَا، وَتَقُولُونَ: مَا هَذِهِ؟ فَاحْذَرُوا زَيْغَتَهُ وَلَا يَصُدَّنَّكُمْ عَنْهُ، فَإِنَّهُ يُوشِكُ أَنْ يَفِيءَ وَأَنْ يُرَاجِعَ الْحَقَّ، وَإِنَّ الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ مَكَانَهُمَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَمَنِ ابْتَغَاهُمَا وَجَدَهُمَا''[1]۔

اللہ تعالیٰ انصاف وفیصلہ کرنے والا ہے،شک کرنے والے ہلاک ہوگئے،یقیناً تمہارے بعد فتنوں کے دن آنے والے ہیں،جس میں مال کی بہتات ہوگی،اور قرآن اس قدر کھول دیا جائے گا کہ اسے مومن،منافق، بچہ،عورت،کالے،گورے سب پڑھ لیں گے،اور قریب ہے کہ ان میں سے کوئی کہے گا: میں قرآن پڑھا ہوا ہوں لیکن میرا خیال ہے،جب تک میں اس کے علاوہ کوئی نئی بات (بدعت) نہیں کہوں گا،لوگ میری پیروی نہیں کریں گے! لہٰذا بدعتوں سے بچ کر رہنا، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔اور حکیم (عالم) کی لغزش سے بھی بچ کر رہنا، کیونکہ بسا اوقات شیطان حکیم کی زبان سے گمرہی کی بات کہلوا دیتا ہے اور کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے،لہٰذا حق جہاں سے بھی آئے،اُسے قبول کر لینا، کیونکہ حق پر ایک نور ہوتا ہے! لوگوں نے پوچھا: حکیم کی لغزش کیسے ہوتی ہے؟ فرمایا: تم اس کی کسی بات سے مرعوب ومتاثر ہو جاؤ گے،لیکن اُسے ناپسند کرو گے اور کہو گے: یہ کیسی بات ہے؟ لہٰذا اس کی لغزش اور میلان سے بچ کر رہنا،البتہ دیکھنا یہ لغزش تمہیں اس سے علم حاصل کرنے سے نہ روکے،کیونکہ قریب ہے کہ وہ اس سے رجوع کر لے اور حق کی طرف پلٹ آئے،اور علم وایمان تاقیامت اپنی جگہ پر قائم رہیں گے،جو بھی ان کی جستجو کرے گا، حاصل کر لے گا۔

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۵)،وسنن ابو دواد (حدیث ۴۶۱۱)،بعض روایتوں میں الفاظ کا معمولی اختلاف ہے،صحیح ابو داود (حدیث ۳۸۵۵)۔

اپنی سند سے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے فرمایا:

''مجھے تمہارے بارے میں ان باتوں کا خوف ہے: عالم کی چوک، قرآن کے ذریعہ منافق کی حجت، جبکہ قرآن حق ہے اور قرآن کے اوپر راستوں کے نشانات کی طرح روشنی ہوا کرتی ہے''[1]۔

اپنی سند سے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ كَيْفَ تَصْنَعُونَ بِثَلَاثٍ؟ دُنْيَا تَقْطَعُ أَعْنَاقَكُمْ، وَزَلَّةِ عَالِمٍ وَجِدَالِ مُنَافِقٍ بِالْقُرْآنِ، فَسَكَتُوا، فَقَالَ: أَمَّا الْعَالِمُ فَإِنِ اهْتَدَى فَلَا تُقَلِّدُوهُ دِينَكُمْ، وَإِنِ افْتُتِنَ فَلَا تَقْطَعُوا مِنْهُ أَنَاتَكُمْ؛ فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يُفْتَتَنُ ثُمَّ يَتُوبُ، وَأَمَّا الْقُرْآنُ فَلَهُ مَنَارٌ كَمَنَارِ الطَّرِيقِ لَا يَخْفَى عَلَى أَحَدٍ، فَمَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ فَلَا تَسْأَلُوا عَنْهُ، وَمَا شَكَكْتُمْ فَكِلُوهُ إِلَى عَالِمِهِ، وَأَمَّا الدُّنْيَا فَمَنْ جَعَلَ اللَّهُ الْغِنَى فِي قَلْبِهِ فَقَدْ أَفْلَحَ، وَمَنْ لَا فَلَيْسَ بِنَافِعَتِهِ دُنْيَاهُ''[2]۔

اے عرب والو! تین چیزوں کے بارے میں تم کیا کرو گے؟ دنیا جو تمہاری گردنیں کاٹ دے گی (تباہ کن دنیا)، عالم کی لغزش، اور قرآن کے ذریعہ منافق کی حجت، سب خاموش رہے، تو انہوں نے فرمایا: دیکھو عالم اگر ہدایت یافتہ ہو تو اپنے دین کو اس کا مقلد نہ بنانا (دین کی کوئی بات بلا دلیل وحجت نہ لینا)، اور اگر فتنہ زدہ ہو تو بھی اس سے اپنا تعلق نہ توڑنا؛ کیونکہ مومن فتنہ میں پڑتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے۔ رہا قرآن تو قرآن کے اوپر راستوں کے نشانات کی طرح روشنی ہوتی ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہوتی، لہٰذا تمہیں جس کا علم ہو اُس کے بارے میں کسی سے نہ پوچھنا اور جس میں شک وشبہہ ہو اُسے اس کے جاننے والے کے سپرد کر دینا۔ اور رہی دنیا تو اللہ نے جس کے دل میں مالداری ڈال دی ہے وہ کامیاب ہے اور جو اس سے محروم ہے، اُسے اس کی دنیا نفع نہیں پہنچا سکتی۔

اپنی سند سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے فرمایا:

''تین چیزوں کے بارے میں تم کیا کرو گے: عالم کی لغزش، قرآن کے ذریعہ منافق کی حجت اور تمہاری

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۵)، اس کی سند میں حسن بصری اور ابوالدرداء کے درمیان انقطاع ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۶)، اس کے راویان ثقہ ہیں سوائے عبد اللہ بن سلمہ کے، جو صدوق ہے، اس کا حافظہ بگڑ گیا تھا، تقریب التھذیب (۳۳۶۴)۔

گردنیں کاٹ دینے والی دنیا۔ رہی عالم کی لغزش: تو اگر عالم ہدایت یافتہ ہو تو اپنے دین کو اس کا مقلد نہ بنانا (دین کی کوئی بات بلا دلیل و حجت نہ لینا)، اور رہی قرآن کے ذریعہ منافق کی حجت: تو راستوں کے نشان کی طرح قرآن کی روشنی ہوتی ہے، لہٰذا تمہیں جس کا علم ہو اُس پر عمل کرنا اور جس کا علم نہ ہو اُسے اللہ کے حوالہ کر دینا۔ اور رہی گردنیں کاٹ دینے والی دنیا تو اپنے سے نیچے والوں کو دیکھنا اپنے سے اوپر والوں کو مت دیکھنا''[1]۔

حکماء نے عالم کی لغزش کو کشتی کے شگاف سے تشبیہ دیا ہے؛ کیونکہ اگر کشتی ڈوبے گی تو اس کے ساتھ بہت سارے لوگ ڈوب جائیں گے اور جب یہ بات صحیح اور ثابت ہے کہ عالم سے لغزش اور غلطی ہوتی ہے تو کسی کے لئے کسی قول کی بنیاد پر فتویٰ دینا یا اسے دین سمجھنا جائز نہیں جس قول کی وجہ کا اسے علم نہ ہو[2]۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثقہ راویوں پر مشتمل سند سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

''اغْدُ عَالِمًا، أَوْ مُتَعَلِّمًا، وَلَا تَغْدُ إِمَّعَةً فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ''[3]۔

عالم بنو، یا طالب علم بنو، اس کے درمیان تردد کرنے والا نہ بنو (جو کسی رائے پر قائم نہیں رہتا، بلکہ ہر کس و ناکس کی رائے کی موافقت کرتا اور اس کی تقلید کرتا ہے)۔

ابن وہب کہتے ہیں: میں نے سفیان سے ''إمعة'' کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھ سے بواسطہ ابوالزعراء بواسطہ ابوالاحوص بیان کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم جاہلیت میں امعہ اسے کہتے تھے جسے کھانے کی دعوت دیجاتی تو وہ اپنے ساتھ کسی اور کو بھی ساتھ لے جاتا، اور آج تمہارے درمیان امعہ وہ ہے جس نے اپنے دین کو لوگوں کا مقلد بنا دیا ہے''[4]۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۳۶)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۱۳۶)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۱۳۶)، وملحق المعرفۃ والتاریخ، از فسوی (۳/۳۹۹)، والعلم، از ابن ابی خیثمہ (۱۹)، والمدخل، از بیہقی (ص ۲۶۷-۲۶۸، فقرہ ۳۷۸)، ومعجم کبیر از طبرانی (۹/۱۶۳) بسند حسن۔

اور ''إمعة'': اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے دین کو ہر کس و ناکس کا مقلد بنالے، یعنی بلا دلیل و برہان اور بغیر سوچے سمجھے اپنے دین کو دوسرے کے دین کے تابع کر لے۔ النھایۃ (۱/۳۱۲)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۱۳۷)، ودارمی (حدیث ۳۳۹)، حسن سے مرسلاً روایت ہے۔ اور المحقب: بھی وہ ہے جو اپنے دین کو ہر ایک کا مقلد بنا دے، النھایۃ (۱/۳۱۲)۔

ابوعبید کہتے ہیں:

''امعہ: اصل میں اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی کوئی اپنی رائے اور سوچ نہ ہو بلکہ وہ ہر ایک کی رائے کے پیچھے چلے کسی بات پر قائم نہ رہے، اور ''المحقب الناس دینہ'' اُسے کہتے ہیں جو اس کی بھی اتباع کرے اور اُس کی بھی''۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''وَيْلٌ لِلْأَتْبَاعِ مِنْ عَثَرَاتِ الْعَالِمِ''. قِيلَ: كَيْفَ ذَلِكَ؟ قَالَ: ''يَقُولُ الْعَالِمُ شَيْئًا بِرَأْيِهِ، ثُمَّ يَجِدُ مَنْ هُوَ أَعْلَمُ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْهُ، فَيَتْرُكُ قَوْلَهُ ذَلِكَ، ثُمَّ يَمْضِي الْأَتْبَاعُ''[1]۔

عالم کی لغزشوں کی پیروی کرنے والوں کے لئے بربادی ہے! پوچھا گیا: وہ کیسے؟ فرمایا: عالم اپنی رائے سے کوئی بات کہہ دیتا ہے پھر کسی ایسے شخص سے ملاقات ہوتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بابت اُس سے زیادہ علم والا ہوتا ہے تو وہ اپنی بات چھوڑ دیتا ہے لیکن اس کے پیروکار اسی پر عمل کرتے رہتے ہیں۔

بیان کرتے ہیں کہ: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کمیل بن زیاد نخعی سے کہا: -یہ اہل علم کے یہاں بڑی مشہور حدیث ہے اپنی شہرت کے سبب سند سے بے نیاز ہے-:

''اے کمیل! یہ دل برتن ہیں سب سے بہتر دل وہ ہیں جن میں سب سے زیادہ خیر سمویا ہوا ہو، اور لوگوں کی تین قسمیں ہیں: عالم ربانی، راہ نجات کا متلاشی طالب علم، اور احمق و نادان ہر چیخنے والے کے پیچھے بھاگنے والے گھٹیا لوگ جنہیں علم کی کوئی روشنی ملی ہے نہ کسی معتبر علم والے کی شاگردی حاصل ہوئی ہے''۔ مزید فرمایا: یقیناً یہاں علم کی جگہ ہے -اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا- بشرطیکہ تمہیں اچھے طالب علم مل جائیں؟؟ اچھے سمجھنے والے ملتے بھی ہیں تو غیر معتبر ہوتے ہیں دین کو دنیا کے لئے استعمال کرتے ہیں اللہ کی حجتوں سے اُس کی کتاب پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کو لے کر اس کی نافرمانیوں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ افسوس ہے ایسے طالب حق پر جو بصیرت سے عاری ہو، ادنیٰ شبہہ آتے ہی اُس کے دل میں شک پیدا ہو جائے نہ جانے کہ حق کہاں ہے؟ بولے تو غلطی کرے، غلطی کرے تو غلطی کا احساس بھی نہ ہو جس چیز کی حقیقت سے نا آشنا ہو اس پر فریفتہ ہو جائے ایسا شخص ہر فتنہ میں پڑنے والے کے لئے فتنہ ہے، سراپا بھلائی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کو دین کی معرفت عطا کردے اور آدمی کی

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۷)، والمدخل (ص ۴۴۵ فقرہ ۸۳۵، ۸۳۶)، الفقیہ والمتفقہ، از خطیب بغدادی (۲/ ۱۴)۔

جہالت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے دین سے نابلد ہو"[1]۔

حارث اعور سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا، تو وہ بڑی جلدی سے اندر داخل ہوئے، پھر جوتا پہنے، چادر اوڑھے مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے! ان سے پوچھا گیا: اے امیر المؤمنین! (کیا بات ہوگئی؟) آپ سے جب مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو آپ اس میں تپائی ہوئی سلاخ (یا سکہ) کی مانند (بالکل تیز طرار) ہوا کرتے تھے! فرمایا: مجھے قضاء حاجت کی سخت ضرورت تھی اور اس حالت میں آدمی کی کوئی رائے نہیں ہوتی! اور پھر یہ اشعار پڑھنے لگے:

إِذَا الْمُشْـكِلَاتُ تَصَدَّيْنَ لِي ... كَشَفْتُ حَقَائِقَهَا بِالنَّـــظَرْ

فَإِنْ بَرِقَتْ فِي مُخَيِّلِ الصَّـوَابِ ... عَمْيَاءُ لَا يُجَلِّيــــهَا الْبَصَرْ

مُقَنَّعَةٌ بِغُيُوبِ الْأُمُــــورِ ... وَضَعْتُ عَلَيْهَا صَحِيحَ الْفِكَرْ

لِسَانًا كَشَقْــــشَقَةِ الْأَرْحَبِيِّ ... أَوْ كَالْحُسَامِ الْيَـمَانِيِّ الذَّكَرْ

وَقَلْبًا إِذَا اسْتَنْـــطَقَتْهُ الْفُنُ ... ونُ أَبَرَّ عَلَيْــــهَا بِوَاهٍ دِرَرْ

وَلَسْتُ بِإِمَّعَةٍ فِي الرِّجَـــالِ ... يُسَائِلُ هَذَا وَذَا مَا الْخَبَــرْ

وَلَكِنَّنِي مِذْرَبُ الْأَصْـــغَرَيْنِ ... أُبَيِّنُ مَعَ مَا مَضَى مَا غَبَرْ[2]

جب مشکلات میرے سامنے کھڑی ہوتی ہیں تو میں عقل ونظر کے ذریعہ ان کے حقائق کو کھول دیتا ہوں، اور اگر درستی کی بدلیوں میں اس طرح چمکتی ہیں کہ نگاہ اس کی تمیز نہ کر پائے اور پیچیدگیوں کی پردہ میں پوشیدہ ہوتی ہیں، تو میں ان پر صحیح غور وفکر کی کسوٹی رکھ دیتا ہے، اور وہ زبان استعمال کرتا ہوں جو ارجی سانڈ کی زبان کی طرح تیز یا پھر یمنی تلوار کی طرح رواں ہوتی ہے، اور وہ دل لگاتا ہوں کہ جب مختلف فنون میں دلائل کا تقاضہ ہوتا ہے تو وہ موسلا دھار بارش کی طرح مسائل پر غالب آجاتا ہے، میں لوگوں میں بے رائے مقلد نہیں ہوں جو اس سے اُس سے پوچھتا

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۷-۱۳۸)، والفقیہ والمتفقہ (۱/ ۴۹-۵۰)، والحلیۃ از ابونعیم (۱/ ۷۹-۸۰)، اس میں ابوحمزہ ثمالی ہے، اس کا نام ثابت بن ابوصفیہ ہے، یہ رافضی ضعیف ہے، اسی طرح عبدالرحمن بن جندب فزاری مجہول ہے لسان المیزان (۳/ ۴۰۸)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۸)، بسند ضعیف، کیونکہ حارث اعور: ابن عبداللہ ہمدانی حوتی کوفی ہے، اسے شعبی نے کذاب قرار دیا ہے، اور وہ رفض سے متہم ہے، اس کی حدیث میں ضعف ہے تقریب التھذیب (۱۰۲۹)۔

پھرے کہ کیا خبر ہے؟ بلکہ میں طرار دل وزبان والا ہوں ماضی و مستقبل دونوں کے حقائق کو آشکارا کر لیتا ہوں۔

ابو علی فرماتے ہیں: ''المخیل'' اس بدلی کو کہتے ہیں جس سے بارش کا امکان ہو، اور ''الشقشقۃ'' اس چیز کو کہتے ہیں جو بگڑا سانڈ اپنے منہ سے نکالتا ہے، اسی سے مرد خطباء کو بھی شقائق کہا گیا ہے، اور ''اہز'' کے معنیٰ مطالبہ سے زیادہ بولنے کے ہیں [1]۔

ابو عمر اپنی سند سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: شقائق کے قبیل سے وہ بھی ہے جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ خطبہ دے رہا ہے، بڑی لفاظی کر رہا ہے، تو فرمایا:

''إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُطَبِ مِنْ شَقَاشِقِ الشَّيْطَانِ'' [2]۔

بلاشبہ بہت سی تقریریں شیطان کی چرب زبانیاں ہوتی ہیں۔

اور اپنی سند سے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''لوگوں کا طور طریقہ اپنانے سے بچو، کیونکہ آدمی جنتیوں کا عمل کرتا رہتا ہے پھر اللہ کے علم کے مطابق پلٹ کر جہنمیوں کا عمل کرنے لگتا ہے' اسی پر اس کی موت ہوتی ہے اور وہ جہنمیوں میں سے ہو جاتا ہے، اسی طرح آدمی جہنمیوں کا عمل کرتا رہتا ہے پھر اللہ کے علم کے مطابق پلٹ کر جنتیوں کا عمل کرنے لگتا ہے' اسی پر اس کی موت ہوتی ہے اور وہ جنتیوں میں سے ہو جاتا ہے، لیکن اگر تمہیں کرنا ہی ناگزیر ہو تو وفات شدگان کے طریقہ کی پیروی کرو، زندوں کی نہیں'' [3]۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''أَلَا لَا يُقَلِّدَنَّ أَحَدُكُمْ دِينَهُ رَجُلًا، إِنْ آمَنَ آمَنَ، وَإِنْ كَفَرَ كَفَرَ، فَإِنَّهُ لَا أُسْوَةَ فِي الشَّرِّ'' [4]۔

خبردار! تم میں سے کوئی اپنے دین کو کسی آدمی کا مقلد نہ بنائے' اگر وہ ایمان لائے تو یہ بھی لائے، اگر وہ کفر کرے تو یہ بھی کفر کرے' کیونکہ برائی میں کسی کو آئیڈیل بنانا جائز نہیں۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۸)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۹)، بسند صحیح۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۹)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۹)۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں: صولی نے مراغی کے واسطے سے یہ اشعار سنائے انہیں ابو العباس طبری نے سنائے، وہ ابو سعید طبری سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے حسین بن علی بن حسین بن علی بن عمر بن علی نے یہ اشعار سنائے، وہ اپنے دور کے افضل ترین لوگوں میں سے تھے:

تُرِيدُ تَنَامُ عَلَى ذِي الشَّبَهْ وَعَلَّكَ إِنْ نِمْتَ لَمْ تَنْتَبِهْ

فَجَاهِدْ وَقَلِّدْ كِتَابَ الْإِلَهِ لِتَلْقَى الْإِلَهَ إِذَا مِتَّ بِهْ

فَقَدْ قَلَّدَ النَّاسُ رُهْبَانَهُمْ وَكُلٌّ يُجَادِلُ عَنْ رَاهِبِهْ

وَلِلْحَقِّ مُسْتَنْبَطٌ وَاحِدٌ وَكُلٌّ يَرَى الْحَقَّ فِي مَذْهَبِهْ

فَفِيمَا أَرَى عَجَبٌ غَيْرَ أَنَّ بَيَانَ التَّفَرُّقِ مِنْ أَعْجَبِهْ (۱)

کیا تم شبہ والے کے سامنے آنکھ موندھ کر سونا چاہتے ہو، شاید سو جاؤ تو بیدار نہ ہو سکو، اس لئے اللہ کی کتاب کی اتباع کرتے ہوئے اس سے لڑو تاکہ مرنے کے بعد روز قیامت اللہ سے اس کی کتاب کے ساتھ ملو، کیونکہ لوگوں نے اپنے پیروں درویشوں کی تقلید کر رکھی ہے اور ہر ایک اپنے درویش کے دفاع کے لئے جھگڑا و تکرار کرتا ہے، حالانکہ حق کا ایک ہی سرچشمہ ہے جبکہ ہر ایک حق اپنے مسلک میں سمجھتا ہے، بہر حال میرا خیال بظاہر بڑا عجیب ہے لیکن فرقہ بندی کا بیان اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"يَذْهَبُ الْعُلَمَاءُ، ثُمَّ يَتَّخِذُ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَّالًا، يُسْأَلُونَ فَيُفْتُونَ بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَيَضِلُّونَ وَيُضِلُّونَ"(۲)۔

علماء ختم ہو جائیں گے، پھر لوگ جاہلوں کو اپنا سردار اور پیشوا بنا لیں گے ان سے سوالات کئے جائیں گے اور وہ علم کے بغیر فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

یہ تمام نصوص تقلید کی نفی اور اس کے بطلان کے دلائل ہیں اس کے لئے جو سمجھے اور نیک توفیق سے ہمکنار ہو۔

ایوب فرماتے ہیں:

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۳۹)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۱۳۹)، اس کی تخریج (ص ۹۰، ۱۵۷) میں بروایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ گزر چکی ہے۔

"تم اپنے استاذ کی غلطی نہیں جان سکتے جب تک کہ دوسرے کی مجلس میں نہ بیٹھو"[1]۔

عبید اللہ بن معتز فرماتے ہیں:

"ہانکے جانے والے چوپائے اور تقلید کرنے والے انسان میں کوئی فرق نہیں!"[2]۔

یہ ساری باتیں عوام الناس کے علاوہ کے لئے ہیں' کیونکہ عوام کے لئے پیش آمدہ مسئلہ میں اپنے علماء کی تقلید ناگزیر ہو جاتی ہے' کیونکہ عوام کو دلیل کی جگہوں کی کوئی واقفیت نہیں ہوتی، اور سمجھ نہ ہونے کے سبب وہ اس علم تک رسائی نہیں کر سکتے، کیونکہ علم کے کئی درجات ہیں' اس کا ادنیٰ درجہ حاصل کئے بغیر اعلیٰ درجہ کا کوئی راستہ نہیں' اور یہی وہ چیز ہے جو عوام اور طلب دلیل کے درمیان حائل ہے، واللہ اعلم۔

علماء کرام کا اس امر میں اختلاف نہیں کہ عوام پر اپنے علماء کی تقلید واجب ہے'[3] اور فرمان باری تعالیٰ:

﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل:۴۳]۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

سے عوام ہی مراد ہیں، نیز علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر نابینا شخص کے لئے قبلہ کی سمت کا تعین دشوار ہو تو جس کی خبر پر اسے اعتماد ہو' اس پر اس کی تقلید ضروری ہے، تو اسی طرح جسے اپنے دین کے معنیٰ و مطلب کے سلسلہ میں کوئی علم و بصیرت نہ ہو' اس کے لئے کسی عالم کی تقلید ضروری ہے"[4]۔ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کی بات ختم ہوئی۔

ہمارے استاذ الاساتذہ محمد حیاۃ سندھی[5] رحمہ اللہ ....

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۴۰)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۱۴۱)، اس کے کہنے والے: عبد اللہ بن معتز ہیں جو شاعر اور ادیب ہیں، ۲۴۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۹۶ھ میں قتل ہو کر وفات پائے، یہ ابن معتز بن متوکل بن معتصم بن ہارون رشید ہیں، ان کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے کتاب الآداب والبدائع وغیرہ ہیں، ہدیۃ العارفین (۵/۴۳۳)، اور یہ عبد اللہ ہیں عبید اللہ نہیں، آگے کی باتیں ابن عبد البر کی ہیں۔

(۳) [نوٹ: تقلید کسی کے لئے روا نہیں، اپنی حد تک عوام کی بھی ذمہ داری ہے کہ مفتی سے دلیل مانگیں، یا کم از کم پوچھیں کہ کیا یہ مسئلہ کتاب وسنت کے مطابق ہے یا پھر آپ کی اپنی رائے ہے؟ اور فسألوا أھل الذکر... والی آیت کریمہ بدیہی طور پر مسئلہ اور اس کی دلیل وتعلیل یا کم از کتاب وسنت سے ہونے کی بابت تاکید ہر دو سوالوں کو شامل ہے' اس کتاب کا صفحہ (۶۲) حاشیہ (۲) ملاحظہ فرمائیں، نیز دیکھئے: (ص ۱۹۳) (مترجم)]۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۱۴۰)۔

(۵) یہ شیخ محمد بن حیاۃ بن ابراہیم سندھی مدنی حدیث کے عالم ہیں، ان کی ولادت سندھ میں اور قیام و وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی، ان کی بہت ساری تصنیفات ہیں، ان میں سے شرح اربعین نوویہ، شرح الحکم العطائیۃ اور شرح الترغیب والترھیب ہیں، ۱۱۶۳ھ میں وفات پائے، الاعلام از زرکلی (۶/۱۳۶)۔

خزانۃ الروایات [1] کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''یہاں عامی سے مراد بالکل عامی مجرد جاہل ہے' جو نصوص اور احادیث کا معنیٰ اور اس کی تفسیر وشرح وغیرہ سرے سے نہیں جانتا! ورنہ وہ عالم جو نصوص آیات واحادیث کا معنیٰ جانتا ہو' اہل درایت میں سے ہو، اس کے یہاں محدثین کی جانب سے' یا اُن کی اپنی قابل اعتماد مشہور ومتداول کتابوں سے اُن احادیث کی صحت ثابت ہو' تو اس کے لئے اُن پر عمل کرنا جائز (بلکہ واجب ولازم) ہے' خواہ اس کے مذہب کے خلاف ہو''۔

مزید فرماتے ہیں:

''رہا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ: ''عامی پر فقہاء کی پیروی واجب ہے'' تو یہ بات اس خالص عامی پر محمول ہے' جو احادیث کا معنیٰ اور اس کی توضیحات بالکل نہ سمجھتا ہو، کیونکہ صاحب ''الھدایۃ'' [2] نے اپنے قول: ''اس لئے کہ عام آدمی احادیث کی معرفت تک نہ پہنچنے کے سبب معذور ہوتا ہے'' سے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اسی طرح: ''اور اگر وہ اس کی تفسیر سمجھے تو کفارہ واجب ہوگا'' سے بھی اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عامی سے مراد غیر عالم ہے۔

اور حمیدی [3] میں ہے:

''عامی عام کی طرف منسوب ہے' اس سے مراد جاہل لوگ ہیں''۔

چنانچہ ان اشارات سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کی عامی سے مراد: وہ جاہل ہے جو نصوص کا معنیٰ نہیں جانتا''۔

بات کا خلاصہ ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں: اس باب اور رائے کی مذمت کے باب میں حافظ ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ کے ذکر کردہ سابقہ

---

(۱) خزانۃ الروایات فروعی مسائل میں قاضی جکن حنفی ہندوستانی کی کتاب ہے' جو صوبہ گجرات کے قصبہ کن کے رہنے والے تھے، کشف الظنون (۱/ ۷۰۲)۔

(۲) الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، اس کے مولف ابو الحسن علی بن ابو بکر بن عبد الجلیل الراشدانی المرغینانی ہیں، ان کی وفات ۵۹۳ھ میں ہوئی، یہ کتاب فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے، اس کی بہت ساری شرحیں ہیں، اسی طرح بعض اہل علم نے اس میں وارد احادیث کی تخریج کا بھی اہتمام کیا ہے، ان میں سے ایک کتاب نصب الرایۃ لأحادیث الھدایۃ، علامہ زیلعی کی ہے، جس کی حافظ ابن حجر نے الدرایۃ کے نام سے تلخیص فرمائی ہے، کشف الظنون (۲/ ۲۰۳۹-۲۰۴۰)۔

(۳) شاید یہ حنفیہ کے فروعی مسائل میں نسفی کی کتاب کنز الدقائق پر حمیدی کی شرح ہے اور حمیدی قرق امیر حمیدی ہیں، ۸۶۰ھ میں وفات پائے، کشف الظنون (۱۵۱۵)، والاعلام، از زرکلی، (۶/ ۳۴-۳۵)، ومعجم المولفین (۸/ ۱۳۰)۔

آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے یہاں عامی سے مراد: نرا جاہل ہے، اور غور کرنے والے کے لئے یہ چیز ظاہر ہے، لیکن حافظ ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ:

''علماء کرام کا اس امر میں اختلاف نہیں کہ عوام پر اپنے علماء کی تقلید واجب ہے' اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل: ۴۳]۔ (پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔) سے عوام ہی مراد ہیں۔ الخ

محل نظر ہے، کیونکہ اس بارے میں ان کا اجماع کا دعویٰ ناقابل تسلیم ہے۔

چنانچہ امام اصفہانی (۱) نے اپنی تفسیر میں امام ابن دقیق العید (۲) سے عامی کے اجتہاد کے قائل علماء کرام کے یہاں عامی کے اجتہاد کے بارے میں نقل فرمایا ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے:

''اس دور میں جس میں غیر معصوم (بے سروپا) بلکہ مختلف و متضاد بشری چاہتوں کے مطابق فتوؤں کا دور دورہ ہے' اگر کوئی شخص سوال کرے تو اُسے چاہئے کہ مفتی سے پوچھے: کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے یہی حکم دیا ہے؟ اب اگر مفتی جواب دے: ہاں، تو اس کی بات لے لے، اس پر اس سے زیادہ تحقیق واجب نہیں ہے' اور مفتی پر بھی لازم نہیں ہے کہ اس کے سامنے آیت و حدیث اور اس کا معنیٰ و مدلول' اور صحیح اصولوں کی روشنی میں مستنبط مسائل کا ذکر کرے۔ اور اگر مفتی جواب دے کہ یہ میرا قول ہے، یا میری اپنی رائے ہے، یا فلاں کی رائے یا اس کا مسلک ہے' اور فقہاء میں سے کسی ایک کی تعیین کرے، یا اسے ڈانٹ دے، یا خاموش رہے، تو سائل کے لئے اس کے علاوہ کسی دوسرے عالم کی تلاش کرنا جائز (بلکہ واجب) ہے' جو اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ بتائے اور اس مسئلہ میں اسے دین اسلام کی میں کیا کرنا چاہئے اُس کی رہنمائی کرے''۔

جو کتاب وسنت کے عالم ہی سے فتویٰ پوچھے جانے پر ابھارنے کے سلسلہ میں سلف امت اور ائمہ اربعہ کے اقوال پر غور کرے گا' وہ ہماری ذکر کردہ بات کی سچائی سے بخوبی واقف ہو جائے گا۔ عبد اللہ بن امام احمد رحمہما اللہ

---

(۱) شاید یہ ابو الثناء شمس الدین محمود بن عبد الرحمن شافعی اصفہانی ہیں، ان کی ایک تفسیر ہے جو انہی کے نام سے مشہور ہے، جس میں انہوں نے تفسیر الکشاف از زمخشری اور مفاتیح الغیب از رازی کو بخوبی جمع کر دیا ہے، ۷۴۹ھ میں وفات پائے۔

(۲) یہ یحییٰ بن علی بن وہب بن مطیع ابو الفتح تقی الدین معروف بہ ابن دقیق العید، محدث، فقیہ، اصولی اور شاعر ہیں، انہوں نے مالکیہ کے فروعی مسائل میں مختصر ابن الحاجب کی شرح فرمائی ہے، تذکرۃ الحفاظ، از ذہبی (۴/ ۲۶۲-۲۶۴)، و معجم المؤلفین (۱۱/ ۷۰)۔

فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے پوچھا: آدمی کے ساتھ کوئی ہنگامی معاملہ پیش آجائے اور اسے کچھ اہل حدیث وروایت، جنہیں فقہ کا علم نہ ہو، اور کچھ اہل رائے جنہیں حدیث کا علم نہ ہو کے سوا کوئی نہ ملے، تو وہ کیا کرے؟

فرمایا: وہ اہل الحدیث سے پوچھے اہل الرائے سے نہ پوچھے، کیونکہ ضعیف حدیث بھی رائے سے بہتر ہے"[1]۔

اس کے علاوہ اس باب میں بہت ساری چیزیں ہیں، جن کا ذکر باعث طوالت ہے۔

مفتی کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ اللہ کا یا اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے، سوائے اس کے کہ اس کی کوئی صریح دلیل ہو، یا وہ حکم اجماعی طور پر مستنبط ہو، یا اس کی طاقت واستطاعت کے مطابق بہت زیادہ قوی الدلالت ہو۔

لیکن اگر اسے استحسان یا مصالح مرسلہ، یا قول صحابی، یا تقلید، یا قیاس وغیرہ کے ذریعہ فتویٰ دے تو اس کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے یا اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے، حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ، فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ، وَلَكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ حُكْمَ اللهِ فِيهِمْ أَمْ لَا''[2]۔

جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرلو اور وہ تم سے چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر اتارو، تو تم انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر نہ اتارو، بلکہ اپنے حکم وفیصلہ پر اتارو، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ تم ان کے بارے میں اللہ کے حکم وفیصلہ کو پاسکو گے یا نہیں۔

یہ اس کے باوصف کہ ہوسکتا ہے وہ حکم قرآن کے لفظ یا سنت سے لفظ یا نبی کریم ﷺ کے غزوات میں آپ ﷺ کے صحیح عمل سے منصوص ہو - جیسا کہ اکثر ہوا ہے -، تو بھلا قیاس وغیرہ باہم متعارض امور کے بارے کیا کہا جاسکتا ہے، جس میں سے ایک بھی دوسرے قوی تر کے تعارض سے خالی نہیں ہوتا!!

فرماتے ہیں: ہمیں ہمارے شیخ فقیہ علامہ کمال الدین جعفر بن تغلب الادفوی [3] نے ابو الفتح علامہ مجتہد تقی

---

(۱) [دیکھئے: العدۃ فی أصول الفقہ (۵ / ۱۵۹۶)، والمسودۃ فی أصول الفقہ (ص: ۵۱۵)، وإعلام الموقعین عن رب العالمین (۶ / ۱۱۴)، والجامع لعلوم الامام أحمد (۵ / ۱۵۲)، ومسائل الامام أحمد روایۃ ابنہ عبد اللہ، (ص: ۴۳۸، مسئلہ: ۱۵۸۵) (مترجم)]۔

(۲) صحیح مسلم (حدیث ۱۷۳۱)، وسنن ابو داود (حدیث ۲۶۱۲)، وترمذی (حدیث ۱۶۱۷)، والسنن الکبریٰ نسائی (حدیث ۸۵۸۶)، وابن ماجہ (حدیث ۲۸۵۸)، بروایت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ۔

(۳) یہ ابو الفضل شافعی فقیہ اور مورخ ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ۶۷۰ھ میں ولادت اور ۷۴۹ھ میں وفات ہوئی، ان کی کتابوں میں الامتاع فی أحکام السماع، اور وفیات کے سلسلہ میں البدر السافر وتحفۃ المسافر وغیرہ ہیں، ھدیۃ العارفین (۵ / ۲۵۴)۔

الدین بن دقیق العید کے بارے میں بتلایا کہ انہوں نے ان سے تقریباً پندرہ بیاضیں منگوائیں اور اپنے مرض الموت میں لکھ کر انہیں اپنے بستر کے نیچے رکھ دیا، ان کی وفات کے بعد جب ہم نے اسے نکال کر دیکھا تو وہ تمام باتیں مطلق طور پر تقلید کی حرمت میں تھیں، بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں:

حافظ ابوعمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا کہنا کہ فرمان باری تعالیٰ: ﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل: ۴۳]۔ (پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔) سے عوام ہی مراد ہیں۔ اور اس پر اجماع کا دعویٰ کرنا محل نظر ہے!!

کیونکہ ابن جریر طبری، امام بغوی اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ: یہ آیت کریمہ مشرکین مکہ کے بارے میں اتری ہے، جنہوں نے محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ: اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ عظیم تر ہے کہ اس کا رسول کوئی انسان ہو، اس نے ہماری طرف فرشتہ کیوں نہیں بھیجا!!

تو اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل: ۴۳]۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

یعنی اہل تورات و انجیل سے پوچھ لو، اہل ذکر سے اللہ تعالیٰ کی مراد اہل کتاب ہیں، کیونکہ وہ اگرچہ محمد ﷺ کی نبوت کے منکر تھے، لیکن رسولوں کے بشر ہونے کے منکر نہ تھے، اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم اس لئے دیا کہ وہ نبی ﷺ پر ایمان لانے والوں کی تصدیق کہ بہ نسبت ایمان نہ لانے والوں کی تصدیق سے زیادہ قریب تھے"[1]۔

اور ابن زید فرماتے ہیں:

"ذکر سے مراد: قرآن ہے، معنی یہ ہے کہ اگر تم نہیں جانتے ہو تو قرآن کے علم والے مومنوں سے پوچھ لو"[2]، بات ختم ہوئی۔

---

(۱) تفسیر طبری (۷/ ۵۸۶-۵۸۷)۔

(۲) تفسیر طبری (۷/ ۵۸۷)۔

امام سیوطی الدر المنثور میں فرماتے ہیں:

''امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ: جب اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو عربوں نے یا کچھ عربوں نے انکار کیا اور کہا: اللہ تعالی اس کے کہیں برتر ہے کہ اس کا رسول محمد جیسا کوئی بشر ہو، تو اللہ تعالی نے یہ آیت کریم اتاری:

﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ [یونس:۲]۔

کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ ۚ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل:۴۳]۔

آپ سے پہلے بھی ہم مردوں کو ہی بھیجتے رہے، جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔ بات ختم ہوئی۔

یعنی پچھلی کتاب والوں سے پوچھ لو کہ: جو رسول تمہارے پاس آئے تھے، کیا وہ بشر آئے تھے؟ یا فرشتے آئے تھے؟ اور اگر بشر آئے تھے تو تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا انکار نہ کرو۔ پھر اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ ۗ﴾ [یوسف:۱۰۹]۔

آپ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں جتنے رسول بھیجے ہیں سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے گئے۔

یعنی وہ آسمانوں سے نہیں آئے تھے، جیسا کہ تم کہہ رہے ہو۔

اسی طرح ابن ابی حاتم نے سدی سے فرمان باری:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ ۗ﴾ [یوسف:۱۰۹]۔

آپ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں جتنے رسول بھیجے ہیں سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے گئے۔

کی تفسیر کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: عربوں نے کہا: ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے انسانوں کو ہی رسول بنایا ہے' لہٰذا اے عرب کے لوگو! اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اہل ذکر یعنی اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے پوچھ لو' جن کے پاس تم سے پہلے رسول آچکے ہیں' کہ محمد ﷺ سے پہلے جو رسول آئے تھے' کیا وہ بشر ہی تھے؛ تو وہ تمہیں بتائیں گے کہ یقیناً وہ محمد ﷺ کی طرح بشر ہی تھے"[1] بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں:

مفسرین اور دیگر لوگوں کی باتیں صریح ہیں کہ ﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ﴾ [النحل: ۴۳]۔ کا معنیٰ یہ ہے کہ مشرکین عرب اہل کتاب تورات و انجیل سے پوچھیں' اور وہ انہیں بتائیں کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے بھیجے گئے رسول بھی انہی جیسے بشر تھے، اس آیت میں عوام الناس کے لوگوں کے آراء کی تقلید کرنے اور اس رائے کو دین، مذہب اور مرجع بنا لینے کی کوئی دلیل نہیں ہے! بلکہ ان کی تصریحات میں اس پہلو کی طرف اشارہ ہے۔ جو امام اصفہانی نے فرمائی ہے کہ:

"کتاب و سنت کے معانی سے ناواقف کی ذمہ داری یہ ہے کہ جب اسے کوئی ہنگامی مسئلہ درپیش ہو تو کتاب و سنت کے عالم سے رجوع کرے اور درپیش مسئلہ میں اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم دریافت کرے، اور جب اسے کتاب و سنت کا کوئی عالم اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم بتلا دے تو بالجملہ کتاب و سنت کی اتباع کرتے ہوئے' اور کتاب و سنت کے عالم کی بتائی ہوئی بات کی تصدیق کرتے ہوئے' گرچہ کہ وہ وجہ دلالت سے ناواقف ہے' اس پر عمل کرے' اتنی مقدار سے وہ شخص مقلد نہیں ہو جائے گا۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ اگر اس شخص کو پتہ چل جائے کہ اس عالم کی بتائی ہوئی بات اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے موافق نہیں ہے' تو وہ اُسے چھوڑ کر کتاب و سنت کی طرف رجوع ہو جائے گا' اس بتلانے والے عالم کے لئے تعصب نہیں کرے گا! برخلاف مقلد کے، کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم نہیں پوچھتا، بلکہ اپنے امام کا مذہب و مسلک پوچھتا ہے، اور اگر اسے پتہ بھی چل جائے کہ اس کے امام کا مسلک اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے خلاف ہے' تب بھی وہ کتاب و سنت کی طرف رجوع نہیں کرتا ہے، جبکہ متبع اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم وفیصلہ پوچھتا ہے' کسی اور کی رائے اور اس کا مسلک و مذہب نہیں پوچھتا!

---

(۱) الدر المنثور از سیوطی، (۴/ ۲۲۲)، اور انہوں نے اس کی تخریج میں ابو الشیخ اور ابن مردویہ کا اضافہ کیا ہے۔

اور اگر اُسے کوئی دوسرا مسئلہ پیش آجائے تو اس کی بابت اس پر پہلے عالم ہی سے پوچھنا لازم نہیں ہے' بلکہ جس عالم سے بھی ملاقات ہو' پوچھ لے، پہلے عالم ہی کی رائے کو دین وعبادت نہ بنالے' بایں طور کہ دوسرے کسی کی رائے نہ سنے' پہلے عالم ہی کے لئے تعصب اور اسی کی تائید کرے' اس طور پر کہ اگر اسے پتہ چل جائے کہ کتاب وسنت کی دلیل اُس عالم کے فتویٰ کے خلاف ہے' تو بھی کتاب وسنت کی طرف التفات نہ کرے! متاخرین جس تقلید پر قائم ہیں اور سلف صالحین جس اتباع پر گامزن تھے' دونوں میں یہی نمایاں فرق ہے، واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ کہ حافظ ابوعمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں جو اجماع نقل کیا ہے' وہ ناقابل تسلیم ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مقری اپنی کتاب قواعد [1] میں رقمطراز ہیں:

''بہی خواہوں نے فقہاء کی احادیث، شیوخ کے محمولات، فقیہوں کی تخریجات اور محدثین کے اجماعوں سے چوکنا کیا ہے، اور بعض لوگوں نے کہا ہے: عبدالوہاب [2] اور غزالی [3] کی احادیث، ابن عبدالبر کے اجماعات، ابن رشد

---

(۱) یہ محمد بن محمد بن احمد بن ابوبکر ابوعبداللہ قرشی تلمسانی ہیں، مقرّی یا مقری سے مشہور ہیں، جو اب افریقہ کی بستیوں میں سے ایک بستی ''مقر'' کی طرف منسوب ہے، ان کی کئی تصنیفات ہیں، ان میں سے: القواعد ہے، جو (۱۲۰۰) قواعد پر مشتمل ہے، اسی طرح الحقائق والرقائق وغیرہ ہے، یہ نفح الطیب کے مولف محمد بن المقری کے دادا ہیں، ۷۵۷ھ میں وفات پائے، الاعلام از زرکلی (۷/ ۲۶۶-۲۶۷)۔

(۲) یہ عبدالوہاب بن احمد بن علی حنفی (محمد بن علی بن ابی طالب معروف بہ ابن الحنفیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے) شعرانی ابومحمد علماء صوفیاء میں سے ہیں' اور منوفیہ مصر کی بستیوں میں ساقیہ ابوشعرۃ کی طرف نسبت کرتے ہوئے شعرانی کہلائے، وہیں پرورش ہوئی، ان کی بہت ساری کتابیں ہیں، ان میں سے ایک: الطبقات الکبریٰ ہے' جو ایسے نیم پاگلوں کی سیرت وسوانح سے بھری ہوئی ہے' جنہیں کسی طرح پسند نہیں کیا جاسکتا! ۹۷۳ھ میں وفات ہوئی، الاعلام، از زرکلی، (۴/ ۳۳۱-۳۳۲)۔

(۳) یہ محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی ابوحامد، فقیہ اصولی، صوفی ہیں، ان کی بہت ساری کتابیں ہیں، ان میں سے: احیاء علوم الدین ہے، جس کی بہت سے علماء نے تعریف کی ہے' حتی کہ مخالفین نے بھی، بہرکیف نفسیاتی تربیت کے باب میں وہ ایک منفرد کتاب ہے، البتہ اس میں بہت سی مصیبتیں، شرکیہ آفتیں اور باطل وموضوع اور من گھڑت حدیثیں بھی ہیں، جنہیں بہت سارے علماء نے اپنی کتابوں میں ستھرا کرنے کی کوشش کی ہے، جیسے موعظۃ المومنین، ومنہاج القاصدین وغیرہ، اسی طرح امام عراقی نے احیاء علوم الدین میں وارد احادیث کی تخریج فرمائی ہے۔ اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے آخری عمر میں ان سے رجوع کرلیا تھا، جیسا کہ المنقذ من الضلال میں فرمایا ہے، اسی طرح ایک اور منفرد کتاب تھافت الفلاسفہ، اور اصول فقہ میں المستصفیٰ، اور دیگر بہت ساری کتابیں ہیں، اور غزالی کی نسبت یا تو اون یا کاٹن کے دھاگے بٹنے یا پھر طوس کی غزالہ نامی کسی بستی کی طرف ہے، ۵۰۵ھ میں وفات ہوئے، الاعلام، از زرکلی (۷/ ۲۴۷)۔

کے اتفاقات [1]، باجی [2] کے احتمالات اور لخمی [3] کے اختلافات سے بچ کر رہو"۔ بات ختم ہوئی۔

حافظ ابوعمر ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

اس امر میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں کہ عوام الناس کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، اس کی وجہ- واللہ اعلم- یہ ہے کہ عوام اُن معانی سے لاعلم ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر حلال وحرام ٹھہرانا اور علمی مسائل میں گفتگو کرنا جائز ہوتا ہے، میں نے تقلید اور اس کی حیثیت کے بارے میں کچھ اشعار کہے ہیں' اس کے ذریعہ مجھے بڑے اجر کی امید ہے' کیونکہ میرے علم کے مطابق بعض لوگ منظوم کلام جلدی یاد کرلیتے ہیں' جبکہ نثر حفظ کرنے میں انہیں دشواری ہوتی ہے، میرے قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

يَا سَائِلِي عَنْ مَوْضِعِ التَّقْلِيدِ خُـــذْ ... عَنِّي الْجَوَابَ بِفَهْمِ لُبِّ حَـــاضِرِ

وَاصْغِ إِلَى قَـــوْلِي وَدِنْ بِنَصِيحَتِي ... وَاحْفَظْ عَلَيَّ بَوَادِرِي وَنَـــوَادِرِي

لَا فَرْقَ بَيْنَ مُقَـــلِّدٍ وَبَهِيـــمَةٍ ... تَنْـــقَادُ بَيْنَ جَنَادِلَ وَدَعَـــاثِرِ

تَبًّـــا لِقَاضٍ أَوْ لِمُفْتٍ لَا يَـــرَى ... عِلَـــلًا وَمَعْنًى لِلْمَقَالِ السَّـــائِرِ

فَـــإِذَا اقْتَدَيْتَ فَبِالْكِتَابِ وَسُـــنَّةِ ... الْمَبْعُوثِ بِالدِّينِ الْحَنِيفِ الـــطَّاهِرِ

ثُمَّ الصَّـــحَابَةِ عِنْدَ عُدْمِكَ سُنَّـــةً ... فَأُولَاكَ أَهْـــلُ نُهًى وَأَهْلُ بَصَـــائِرِ

وَكَـــذَاكَ إِجْمَـــاعُ الَّذِينَ يَلُونَـــهُمْ ... مِـــنْ تَابِعِيهِمْ كَابِرًا عَنْ كَـــابِرِ

إِجْمَـــاعُ أُمَّتِنَا وَقَـــوْلُ نَبِيِّنَا ... مِثْلُ النُّصُوصِ لِذِي الْكِتَابِ الـــزَّاهِرِ

---

(۱) یہ محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد (عرف حفید) ابوالولید عالم اور حکیم ہے، ان کی فقہ مقارن میں بدایۃ المجتہد اور تہافت التہافت وغیرہ کئی کتابیں ہیں، یہ البیان والتحصیل کے مصنف ابن رشد ابوالولید کے پوتے ہیں، ۵۹۵ھ میں وفات پائے۔ اتفاقات سے مراد: یہ ہے کہ جب وہ کہتے ہیں: "اتفقوا" تو اس سے مراد دیگر علماء وائمہ کے علاوہ "ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ، مالک اور شافعی ہوتے ہیں"، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء (۱۳/ ۷۰، ۷۱)، ومعجم المولفین (۸/ ۳۱۳، ۳۱۴)، والدیباج (۲/ ۲۵۷-۲۵۹)۔

(۲) شاید یہ ابوالولید باجی سلیمان بن خلف بن سعد مالکی، فقیہ، اصولی، محدث ہیں، المعانی فی شرح الموطا اور المنتقی وغیرہ کے مولف ہیں، ۴۷۴ھ میں وفات پائے، معجم المولفین (۴/ ۲۶۱-۲۶۲)، وسیر اعلام النبلاء (۱۱/ ۲۷۱-۲۷۳)۔

(۳) شاید یہ علی بن محمد ربعی، ابوالحسن معروف بہ لخمی، فقیہ مالکی ہیں، ۴۷۸ھ میں وفات پائے، ان کی ایک کتاب التبصرۃ ہے جس میں انہوں نے ایسی رائیں ذکر کی ہیں' جس کے سبب مذہب سے خارج ہو گئے ہیں، الاعلام، از زرکلی (۵/ ۱۴۸)، والدیباج (۲/ ۱۰۴-۱۰۵)۔

وَكَــذَا الْمَدِينَةُ حُجَّــةٌ إِنْ أَجْمَعُوا مُتَتَــــابِعِينَ أَوَائِلًا بِأَوَاخِــــرِ
وَإِذَا الْخِـلَافُ أَتَى فَدُونَكَ فَاجْتَـهِدْ وَمَـــعَ الدَّلِيلِ فَمِلْ بِهَـــمٍّ وَافِرِ
وَعَلَى الْأُصُولِ فَقِسْ فُرُوعَكَ لَا تَقِسْ فَرْعًــا بِفَرْعٍ كَالْجَهُولِ الْحَـــائِرِ
وَالشَّـــرُّ مَا فِيهِ فَدَيْتُكَ أُسْـــوَةٌ فَانْـــظُرْ وَلَا تَحْفِلْ بِزَلَّةِ مَـــاهِرِ (۱)

اے مجھ سے تقلید کی حقیقت پوچھنے والے، ذہن و دماغ کو خوب حاضر کرکے اچھی طرح میرا جواب سمجھ لے، میری بات کو بغور سن، میری نصیحت کو اپنا، اور میری نادر باتوں اور اشاروں کو ازبر کرلے۔ مقلد اور اُس چوپائے میں کوئی فرق نہیں، جو چٹانوں اور وادیوں کے درمیان بندھا رہتا ہے، ایسے قاضی و مفتی کے لئے بربادی ہے جو کسی جاری بات کے اسباب و علل اور معانی پر غور نہیں کرتا۔ اگر تمہیں پیروی کرنی ہے کہ تو اللہ کی کتاب، پاکیزہ دین حنیف دے کر مبعوث کئے ہوئے نبی ﷺ کی سنت، پھر اگر سنت نہ ملے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کرو اور ان میں اہل علم عقل و بصیرت زیادہ مستحق اتباع ہیں، اسی طرح صحابہ و تابعین کا اجماع بھی قابل اتباع ہے، کہ روشن کتاب میں اجماع امت اور فرمان نبوی کی حیثیت نصوص جیسی ہے، اسی طرح اہل مدینہ کا اول تا آخر پے درپے اجماع بھی حجت ہے۔ جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو کوشش کرو اور بھرپور سمجھ کے ذریعہ دلیل کے ساتھ مائل ہو جاؤ، اور اپنے فروع کو اصولوں پر قیاس کرو، جاہل حیران کی طرح فرع کو فرع پر قیاس نہ کرو، اور میری جان! شر و برائی میں کوئی آئیڈیل نہیں، لہذا کسی ماہر علم والے کی لغزش سے وابستہ نہ رہنا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَالَمْ أَقُلْ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ، كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ، وَمَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِأَمْرٍ وَهُوَ يَرَى أَنَّ غَيْرَهُ أَرْشَدُ مِنْهُ فَقَدْ خَانَهُ“(۲)۔

جس نے مجھ پر کوئی بات کہی جو میں نے نہیں کہی ہے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے، اور جسے بغیر علم فتویٰ دیا گیا، اس کا گناہ مفتی (فتویٰ دینے والے) پر ہوگا، اور جس نے کسی بھائی کو کسی بات کا مشورہ دیا، جبکہ وہ سوچتا تھا

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۴۰-۱۴۱)۔

(۲) حسن ہے، جامع بیان العلم (۲/۱۴۲)، وابوداود (حدیث ۳۶۵۷)، وابن ماجہ (حدیث ۵۳)، واحمد (۲/۳۲۱، ۳۶۵)، وحاکم (۱/۱۰۲-۱۰۳) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح ابوداود (حدیث ۳۱۰۵) میں حسن قرار دیا ہے۔ اس میں کئی متواتر معانی ہیں۔

کہ دوسرا مشورہ اُس کے لئے زیادہ بہتر تھا' تو اس نے اس کی خیانت کی۔

اسے امام ابوداود نے روایت کیا ہے۔

فقہاء اور اہل نظر کی ایک جماعت نے تقلید کے باطل ہونے پر مذکورہ نصوص و دلائل کے بعد کچھ عقلی و فکری دلائل سے بھی حجت پیش کی ہے، چنانچہ میں نے اس سلسلہ میں سب سے اچھا استدلال جو دیکھا ہے وہ امام مزنی رحمہ اللہ کا ہے' جسے میں یہاں ذکر کر رہا ہوں، فرماتے ہیں:

''تقلید کے ذریعہ فیصلہ کرنے والے سے پوچھا جائے، کہ آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس پر آپ کے پاس کوئی دلیل ہے؟ اگر وہ جواب میں کہے: ہاں! تو وہ خود تقلید کو باطل ٹھہرائے گا؛ کیونکہ وہ فیصلہ حجت و دلیل سے قرار پائے گا، نہ کہ تقلید سے۔ اور اگر کہے کہ: میں نے یہ فیصلہ بلا دلیل کیا ہے۔ تو اس سے پوچھا جائے: کہ آخر تم نے کیوں ناحق (بلا دلیل وحجت) خون بہایا، شرمگاہوں کو حلال کیا اور اموال ضائع کئے' جبکہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے' بجز اس کے کہ کوئی دلیل وحجت ہو! ارشاد باری ہے:

﴿إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَانٍ بِهَٰذَا﴾ [يونس:٦٨]۔

یعنی تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اب اگر وہ کہے کہ اگر چہ مجھے دلیل کا علم نہیں ہے لیکن میں اپنے فیصلہ میں درست ہوں' کیونکہ میں نے ایک بڑے عالم کی تقلید کی ہے' جن کے پاس بھی کوئی دلیل ضرور ہوگی جو مجھ سے پوشیدہ ہے! تو اس سے کہا جائے: جب تمہارے لئے اپنے استاذ کی تقلید جائز ہے' جن کے پاس کوئی دلیل ضرور ہوگی جو تم سے پوشیدہ ہے، تو تمہارے استاذ کے استاذ کی تقلید اس سے زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ ان کے پاس کوئی دلیل ضرور ہوگی جو تمہارے استاذ سے پوشیدہ ہوگی، جس طرح تمہارے استاذ کے پاس کوئی دلیل ضرور ہوگی جو تم سے پوشیدہ ہے۔ اگر کہے: ہاں، تو اسے اپنے استاذ کی تقلید کو چھوڑ کر استاذ کے استاذ کی تقلید کرنا چاہیے، اور اسی طرح اس سے اوپر والے استاذ کی، یہاں تک کہ یہ سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تک جا پہنچے، اور اگر وہ اس بات کا انکار کرے' تو خود اپنی بات توڑ دے گا، اور اس سے کہا جائے: چھوٹے اور کم علم کی تقلید جائز اور بڑے اور زیادہ علم والے کی تقلید کیونکر نا جائز ہو سکتی ہے؟ یہ تو تناقض اور تضاد ہے! اگر وہ کہے: کیونکہ میرا استاذ گر چہ چھوٹا ہے لیکن اپنے اوپر والے کے علم کو اپنے علم کے ساتھ سمیٹ لیا ہے، لہٰذا جو کچھ اس نے سیکھا اور جو کچھ چھوڑا ہے' اس کا اُسے بخوبی علم ہے، تو اس سے کہا جائے: بعینہ اسی طرح

تمہارے استاذ سے سیکھنے والے نے بھی تمہارے استاذ اور اس سے اوپر والے کا علم سمیٹ لیا ہے، لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اپنے استاذ کی تقلید چھوڑ کر اُس کی تقلید کرو، بلکہ تمہارے لئے اپنے استاذ کی بہ نسبت خود اپنی تقلید زیادہ مناسب اور بہتر ہے، کیونکہ تم نے خود بھی اپنے استاذ کے علم اور اس کے اوپر والے کے علم کو اپنے علم میں سمیٹ لیا ہے۔ اب اگر وہ اپنی بات دہرائے تو چھوٹے اور چھوٹے علماء کے واسطے سے بیان کرنے والوں کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے زیادہ قابل تقلید قرار دے گا، اور اس طرح اس کے قول کے مطابق صحابی پر تابعی بلکہ تبع تابعی کی تقلید، نیز ہمیشہ اعلیٰ پر ادنیٰ کی تقلید لازم ہوگی، اور جس قول کا یہ نتیجہ برآمد ہو اس کی قباحت اور فساد کے لئے یہی کافی ہے [1]۔

ابوعمر فرماتے ہیں:

''اہل علم و دانش نے کہا ہے: علم کی تعریف: توضیح اور کسی چیز کو اس کی اپنی حالت پر ادراک کرنا ہے، چنانچہ جس کے لئے کوئی چیز واضح ہوگئی اُسے اس کا علم ہوگیا، نیز ان کا کہنا ہے کہ: مقلد کے پاس کوئی علم نہیں ہوتا، اور اس بات میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اسی اعتبار سے -واللہ اعلم- بحتری نے [محمد بن عبد الملک الزیات] [2] کے بارے میں کہا ہے:

عَرَفَ الْعَالِمُونَ فَضْلَكَ بِالْعِلْـ ـمِ وَقَالَ الْجُـــهَّالُ بِالتَّقْلِيدِ

وَأَرَى النَّاسَ مُجْمِـــعِينَ عَلَى فَضْلِكَ مِنْ بَيْنِ سَيِّدٍ وَمَسُودِ

عالموں نے علم کے ذریعہ آپ کی فضیلت جانی اور جاہلوں نے تقلید میں کہا، اور میں دیکھتا ہوں کہ آقا و غلام سبھی لوگ آپ کی فضیلت پر متفق ہیں۔

امام ابوعبداللہ بن خویز منداد بصری مالکی رحمہ اللہ [3] فرماتے ہیں:

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۴۲-۱۴۳)۔

(۲) البحتری: یہ ولید بن عبید بن یحییٰ طائی ابوعبادہ بحتری، بہت بڑے شاعر ہیں، ان کے اشعار کو سنہرا سلسلہ کہا جاتا ہے، یہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جو اپنے زمانہ کے سب سے بڑے شاعر تھے: متنبی، ابوتمام اور بحتری، الاعلام، از زرکلی (۹/ ۱۴۱-۱۴۲)، اور ان کے بارے میں یہ شعر جس نے کہا ہے وہ محمد بن عبد الملک بن ابان بن حمزہ ابوجعفر معروف بہ ابن زیات (زیات نہیں) ہیں، جو عباسی خلفاء معتصم اور واثق کے وزیر تھے، الاعلام، از زرکلی (۷/ ۱۲۶-۱۲۷)۔

(۳) یہ محمد بن محمد بن عبداللہ، ابوعبداللہ بن خویز منداد، فقیہ، اصولی صاحب سنت ہیں، اور ان کی کئی تصنیفات ہیں، ۳۹۰ھ میں وفات پائے، معجم المؤلفین (۸/ ۲۸۰)، والدیباج المذھب (۲/ ۲۲۹-۲۳۰)۔

''شریعت میں تقلید کا معنیٰ: کسی ایسی بات کو لینا ہے جس کے قائل کے پاس اس کی کوئی دلیل نہ ہو اور یہ چیز شریعت میں منع ہے۔ اور اتباع اسے کہتے ہیں جس کی دلیل وحجت ثابت ہو''۔

اور اپنی کتاب میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ہر وہ شخص جس کے قول کی تم پیروی کرو جبکہ اسے قبول کرنا تم پر کسی دلیل نے واجب نہ کیا ہو تو تم اس کے مقلد ہو، اور اللہ کے دین میں تقلید صحیح نہیں، اور ہر وہ شخص جس کے قول کی پیروی تم پر کسی دلیل نے واجب نہ کیا ہو تو تم اس کے متبع ہو، اور دین میں اتباع واجب اور تقلید ممنوع ہے''[1]۔

محمد بن حارث نے ''اخبار سحنون بن سعید'' میں سحنون[2] سے ذکر کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ:

''مالک بن انس، عبدالعزیز بن ابوسلمہ[3] اور محمد بن دینار[4] اور دیگر لوگ ابن ہرمز[5] کے یہاں آتے جاتے تھے، چنانچہ جب ان سے مالک بن انس اور عبدالعزیز سوال کرتے تو وہ انہیں جواب دیتے اور ابن دینار اور ان کے گھر والے سوال کرتے تو انہیں جواب نہیں دیتے۔ ایک دن ابن دینار نے انہیں ٹوکا، کہا: ابو بکر! آپ میرے ساتھ وہ چیز کیسے روا رکھتے ہیں جو آپ کے لئے حلال نہیں؟ انہوں نے کہا: بھتیجے کیا بات ہے!؟ فرمایا: آپ سے مالک اور عبدالعزیز سوال کرتے ہیں تو آپ انہیں جواب دیتے ہیں اور میں اور میرے گھر والے سوال کرتے ہیں تو آپ ہمیں جواب ہی نہیں دیتے! انہوں نے فرمایا: بھتیجے کیا اس بات سے تمہیں دل میں تکلیف محسوس ہوئی ہے؟ کہا: جی ہاں۔ فرمایا: میں بہت عمر رسیدہ ہوگیا ہوں میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ جس طرح میرے جسم میں کمزوری آگئی ہے اسی طرح میری عقل میں بھی کمزوری اور اختلاط کا شائبہ

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۴۳)، جس کتاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مجھے اس کی واقفیت نہ ہوسکی۔

(۲) یہ عبدالسلام بن سعید بن حبیب تنوخی، ابوسعید مالکی ہیں، انہیں سحنون جو ایک تیز پرندہ ہے سے اس لئے ملقب کیا گیا ہے کہ وہ مسائل میں بہت سخت تھے، محمد بن حارث قروی نے ان کی سوانح جمع کی ہے، ۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۰ھ میں وفات پائے، الدیباج (۲/ ۳۰-۴۰)، والاعلام، از زرکلی (۴/ ۱۲۹)، وھدیۃ العارفین (۵/ ۵۶۹)۔

(۳) یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابوسلمہ تیمی مولاھم المدنی، ابوعبداللہ فقیہ، ابن الماجشون کے نام سے معروف ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ثقہ فقیہ ہیں، ۱۶۴ھ میں وفات پائے، الاعلام، از زرکلی (۴/ ۱۴۵)، وتقریب التھذیب (۴۱۰۴)، یہ امام مالک کے ہمجولیوں میں سے ہیں۔

(۴) ان کا لقب صندل ہے، ثقہ فقیہ ہیں، ۱۸۲ھ میں وفات پائے تقریب التھذیب (۵۶۹۲)۔

(۵) یہ عبدالرحمن بن ہرمز اعرج، ابوداود مدنی، تابعی ثقہ، ثابت عالم ہیں، ۱۱۷ھ میں وفات ہوئے، تقریب التھذیب (۴۰۳۳)۔

ہوگیا ہے' اور مالک اور عبد العزیز چونکہ علماء فقہاء ہیں' اگر مجھ سے حق سنیں گے تو قبول کریں' اور کچھ غلط سنیں گے تو چھوڑ دیں گے، جبکہ تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو میں جو بھی جواب دوں گا تم قبول کرلو گے!! تو محمد بن حارث نے کہا: اللہ کی قسم! یہی تو کامل دین اور پختہ عقل کی شان ہے، نہ کہ اس آدمی کی طرح جو بے خیالی بکتا جائے' اور چاہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کا مقام قرآن جیسا ہو"[1]۔

علماء کا اس بات اجماع ہے کہ جو چیز واضح اور یقینی نہ ہو وہ علم نہیں' بلکہ گمان ہے' اور گمان حق کی بابت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا، اس باب میں نبی کریم ﷺ کا فرمان گزر چکا ہے:

"إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ"[2]۔

گمان سے بچو' کیونکہ گمان نہایت جھوٹی بات ہے۔

اور دنیا کے ائمہ کے یہاں تقلید کے فساد و نقصان میں کوئی اختلاف نہیں' لہٰذا مزید گفتگو کی ضرورت باقی نہ رہی۔

اور ہماری سند سے ابوعمر بن عبد البر سے مروی ہے کہتے ہیں ہم سے عبد الرحمن بن یحییٰ نے بیان کیا، ان سے احمد بن سعید نے بیان کیا، ان سے اسحاق بن ابراہیم بن نعمان نے بیان کیا، ان سے محمد بن علی بن مروان نے بیان کیا، ان سے ابوحفص حرملہ بن یحییٰ نے بیان کیا، ان سے عبد اللہ بن وہب نے بیان کیا، ان سے یونس بن یزید نے بیان کیا' وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابوعثمان بن سنہ نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الْعِلْمَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ، فَطُوبَى يَوْمَئِذٍ لِلْغُرَبَاءِ"[3]۔

یقیناً علم اجنبیت کے عالم میں شروع ہوا تھا، اور عنقریب پھر اجنبی ہو جائے گا جیسے شروع ہوا تھا، تو اس دن اجنبیوں کے لئے خوشخبری ہے۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۴۳)۔

(۲) متفق علیہ: بخاری (حدیث ۶۰۶۶)، ومسلم (حدیث ۲۵۶۳)، وغیرہ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اور یہ حدیث جامع بیان العلم میں گزر چکی ہے' اس کتاب میں نہیں۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۱۵۴)، یہ اس سند سے مرسل ہے، کیونکہ ابوعثمان بن سنہ تابعی ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: مقبول ہیں' اور صحابیت کا گمان کرنے والے وہم کا شکار ہیں، تقریب التہذیب (۷ ۸۲۳)، اور اصل حدیث کو امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: "بدأ الاسلام غریباً..."، صحابہ کی ایک جماعت سے اس کے کئی شواہد ہیں۔

ابو بکر محمد بن علی بن مروان کہتے ہیں مجھ سے سعید بن داود بن ابو زنبر نے بیان کیا، ان سے مالک بن انس نے بیان کیا، وہ زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمان باری تعالیٰ:

﴿نَرۡفَعُ دَرَجَٰتٖ مَّن نَّشَآءُ﴾ [الانعام: ۸۳]۔

ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔

کی تفسیر میں فرمایا: یعنی علم کے ذریعہ[1]۔

اور ہماری سند سے ابوعمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ہم سے خلف بن قاسم نے بیان کیا، ان سے حسن بن رشیق نے بیان کیا، ان سے اسحاق بن ابراہیم بن یونس نے بیان کیا، ان سے علی بن عبدالعزیز نے بیان کیا، ان سے زکریا بن عبداللہ نے بیان کیا، ان سے حنینی نے بیان کیا، وہ کثیر بن عبداللہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''**إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ**'' قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَمَنِ الْغُرَبَاءُ؟ قَالَ: ''**الَّذِينَ يُحْيُونَ سُنَّتِي وَيُعَلِّمُونَهَا عِبَادَ اللَّهِ**''[2]۔

یقیناً اسلام اجنبیت کے عالم میں شروع ہوا تھا، اور عنقریب پھر اجنبی ہو جائے گا جیسے شروع ہوا تھا، تو اس دن اجنبیوں کے لئے خوشخبری ہے! پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اجنبی کون ہیں؟ فرمایا: جو میری سنت کو زندہ کریں گے اور اسے لوگوں کو سکھائیں گے۔

---

(۱) آیت کریمہ یہ ہے:

﴿وَتِلۡكَ حُجَّتُنَآ ءَاتَيۡنَٰهَآ إِبۡرَٰهِيمَ عَلَىٰ قَوۡمِهِۦۚ نَرۡفَعُ دَرَجَٰتٖ مَّن نَّشَآءُۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٞ ۝٨٣﴾ [الانعام: ۸۳]۔

(اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں دی تھی ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں، بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے)۔

نیز ارشاد ہے: ﴿نَرۡفَعُ دَرَجَٰتٖ مَّن نَّشَآءُۗ وَفَوۡقَ كُلِّ ذِي عِلۡمٍ عَلِيمٞ ۝٧٦﴾ [یوسف: ۷۶]۔

(ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیں، ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے)۔

اور علم کے ذریعہ اس کی تفسیر کا ذکر امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر (۷ / ۲۶۲) میں، اور امام احمد نے اپنی مسند (۱ / ۶۳) میں بطریق: عبیدہ بن ابو قرہ عن مالک فرمایا ہے، اور عبید وصدوق ہیں۔

(۲) سند ضعیف ہے۔ جامع بیان العلم (۲ / ۱۴۶)، اس میں حنینی اسحاق بن ابراہیم ضعیف ہے، تقریب التھذیب (۳۳۷)، اور اس کے استاذ کثیر بن عبداللہ کی حالت ویسی ہے جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔ اخیر میں اضافہ کے بغیر حدیث صحیح ہے۔

اور کہا جاتا تھا: ''جاہلوں کی کثرت کی وجہ سے علماء اجنبی ہیں''۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کی تفصیلی بات ختم ہوئی [1]۔

ان شاء اللہ مقاصد میں تقلید کی خرابی کی مزید وضاحت آئے گی، اس مقدمہ کے اختتام پر سنت کے التزام اور اسی پر اکتفاء کرنے پر ابھارنے کی بابت چند دلائل پیش خدمت ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''تَرَكْتُ فِيكُمْ اثْنَتَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّتِي'' [2]۔

میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑا ہے جب تک تم ان پر مضبوطی سے کار بند رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے: اللہ کی کتاب اور اپنی سنت۔

حافظ ابو عمر نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، ﴿إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ﴾ [الانعام: ۱۳۴]'' [3]۔

یقیناً سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے عمدہ طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اور بدترین چیزیں نو ایجاد بدعتیں ہیں، جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ بے شک آنے والی ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔

انہی سے مروی ہے کہ وہ ہر جمعرات کو کھڑے ہو کر فرماتے تھے:

''إِنَّمَا هُمَا اثْنَانِ: الْهَدْيُ وَالْكَلَامُ، فَأَفْضَلُ الْكَلَامِ وَأَصْدَقُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللَّهِ، وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، أَلَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، أَلَا لَا يَتَطَاوَلَنَّ عَلَيْكُمُ الْأَمَدُ فَتَقْسُوا قُلُوبُكُمْ، وَلَا يُلْهِيَنَّكُمُ الْأَمَلُ فَإِنَّ كُلَّ مَا هُوَ آتٍ قَرِيبٌ، أَلَا إِنَّ بَعِيدًا مَا لَيْسَ آتِيًا'' [4]۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۱۴۶)۔

(۲) اس کی تخریج (ص ۱۴۴، ۱۸۳) میں گزر چکی ہے۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۲۲۱)، بسند صحیح۔ نیز اسے امام بخاری (حدیث ۷۲۷۷) اور دارمی نے (۲۰۷) بھی روایت کیا ہے۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/۲۲۱)، بسند صحیح، وابن ماجہ (حدیث ۴۶)، اور کچھ حصہ دارمی (حدیث ۲۰۷) میں ہے۔

یقیناً یہ دو چیزیں بڑی اہم ہیں: طریقہ اور کلام، چنانچہ سب سے افضل کلام اور سب سے سچا کلام اللہ کا کلام ہے، اور سب سے عمدہ طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور بدترین امور نوایجاد باتیں ہیں، خبردار! دین میں ہر نئی بات بدعت ہے، سن لو! ایسا نہ ہو کہ تم پر مدت لمبی ہو تو تمہارے دل سخت ہو جائیں اور آرزوئیں تمہیں غفلت میں نہ ڈالیں؛ کیونکہ ہر آنے والی چیز قریب ہے، خبردار! جو چیز دور ہوتی ہے وہ نہیں آتی۔

صحیح کے راویان پر مشتمل سند سے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں:

وَعَظَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ هَذِهِ لَمَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ قَالَ: ''**تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ، وَمَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا؛ فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ، حَيْثُمَا قِيدَ انْقَادَ**''[1]۔

ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسی نصیحت فرمائی جس سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دل دہل گئے، ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یقیناً یہ تو الوداع کرنے والے کی نصیحت لگتی ہے، تو آپ ہمیں کس بات کی وصیت کرتے ہیں؟ فرمایا: میں نے تمہیں روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے، جس کی راتیں دن کی طرح (روشن) ہیں، میرے بعد اس سے وہی بھٹکے گا جو ہلاک ہونے والا ہوگا، اور جو میرے بعد زندہ رہے گا بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، اس صورت میں تم جو میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ نیک جانشینوں کی سنت جانتے ہو اُسے لازم پکڑنا، اسے دانتوں سے دبالینا، اور دیکھنا تم پر امیر کی اطاعت واجب ہے، خواہ کوئی حبشی غلام کیوں نہ ہو، کیونکہ سچا مومن نکیل زدہ اونٹ کی مانند ہوتا ہے، اُسے جہاں بھی لے جایا جائے، چلتا جاتا ہے۔

نیز انہی سے صحیح کے روایان کی سند سے مروی ہے فرماتے ہیں:

''صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً، ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ،

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۲۲۱-۲۲۲)، ابوداود (حدیث ۴۶۰۷)، وترمذی (حدیث ۲۶۷۶)، وابن ماجہ (حدیث ۴۴)، واحمد (۴/۱۲۶-۱۲۷)، ودارمی (حدیث ۹۵)، اور دیگر محدثین۔ حدیث صحیح ہے، دیکھئے: صحیح ابوداود (حدیث ۳۸۵۱)۔ مولف کا صحیح کے راویان کہنا محل نظر ہے۔

وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَأَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأَوْصِنَا، قَالَ: ''**عَلَيْكُمْ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ؛ فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**'' -وَفِي رِوَايَةٍ- ''**إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**''[1]۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور ایسی بلیغ نصیحت فرمائی جس سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دل کانپ گئے، عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو گویا رخصت کرنے والے کی نصیحت ہے، لہٰذا ہمیں وصیت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں خواہ تمہارا امیر کوئی حبشی غلام ہو، کیونکہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا بہت سارا اختلاف دیکھے گا، اس وقت تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر کاربند رہنا، اسے دانتوں سے خوب اچھی طرح پکڑلینا، اور دیکھنا نئی نئی ایجاد کردہ باتوں سے بچ کر رہنا، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے'' -اور ایک روایت میں ہے- دیکھنا نئی نئی ایجاد کردہ باتوں سے بچ کر رہنا، کیونکہ دین میں ہر نئی ایجاد کردہ بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

امام ابوبکر بزار[2] فرماتے ہیں:

خلفاء راشدین کی بابت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ثابت ہے، بلکہ اس کی سند حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: ''**اقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي: أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ**''[3]۔

میرے بعد دو لوگوں: ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرو۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۲)۔

(۲) یہ امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق ابو بکر حافظ بزار ہیں، رملہ میں سکونت پذیر رہے، اور ۲۹۲ھ میں وہیں وفات پائے۔ سیر اعلام النبلاء (۹/ ۱۳۱-۱۳۲)، وتذکرۃ الحفاظ (۲/ ۲۰۴)، وھدیۃ العارفین (۵/ ۵۴)۔

(۳) صحیح ہے۔ اسے امام ترمذی (حدیث ۳۶۲۶)، ابن ماجہ (حدیث ۹۷)، اور احمد (۵/ ۳۸۲) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے صحیح ترمذی (حدیث ۲۸۹۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔ نیز اسے امام ترمذی (حدیث ۳۸۰۵) وغیرہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، اور اسے علامہ البانی صحیح ترمذی (حدیث ۲۹۹۲) میں صحیح قرار دیا ہے۔

سے زیادہ صحیح ہے، کیونکہ مولی ربعی [۱] کی وجہ سے اس کی سند میں اختلاف اور کلام ہے' یہ محدثین کے یہاں مجہول ہے۔

ابو عمر فرماتے ہیں: بات ویسی ہی ہے جو امام بزار نے کہی ہے، عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ثابت ہے اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے، ربعی کے غلام سے عبد الملک بن عمیر نے روایت کیا ہے [۲]، وہ بڑے ہیں، لیکن امام بزار اور محدثین کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ اگر محدث سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی روایت نہ کریں تو وہ مجہول ہے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کی طرف بزار نے اشارہ کیا ہے' وہ وہی حدیث ہے جسے امام ابو عمر نے کئی سندوں سے قبیصہ بن عقبہ کوفی اور محمد بن کثیر اور حمیدی سے روایت کیا ہے، اول الذکر دونوں سفیان بن سعید سے روایت کرتے ہیں' وہ عبد الملک بن عمیر سے' وہ ربعی بن حراش کے غلام سے' وہ ربعی سے' اور وہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے، جبکہ تیسرے (حمیدی) نے کہا کہ ہمیں سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، ان سے زائدہ بن قدامہ نے بیان کیا، وہ عبد الملک بن عمیر سے روایت کرتے ہیں، وہ ربعی کے غلام سے' وہ ربعی سے' اور وہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے' وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي: أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَاهْتَدُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ، وَتَمَسَّكُوا بِعَهْدِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ'' [۳]۔

میرے بعد دو لوگوں: ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرو، عمار کی راہ اپناؤ اور ام عبد کے بیٹے کے عہد پر قائم رہو۔

یہ حمیدی کی حدیث کے الفاظ ہیں [۴]۔

---

(۱) یہ ہلال مولی ربعی بن حراش ہیں، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں: مقبول ہیں تقریب التھذیب (۷۳۵۳)۔

(۲) یہ عبد الملک بن عمیر بن سوید لخمی، ثقہ، فصیح عالم ہے، ان کا حافظہ بدل گیا تھا اور کبھی کبھی تدلیس میں بھی ملوث ہوئے تقریب التھذیب (۴۲۰۰)، لیکن عمرو بن حرم نے امام ترمذی (حدیث ۳۶۶۳) اور احمد (۵ / ۳۸۲) کے یہاں ان کی متابعت کی ہے، اور وہ ثقہ ہیں تقریب التھذیب (۵۱۲۸)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲ / ۲۲۳)، یہ ویسے ہی ہے جیسا ہم نے اس سے پیشتر حدیث میں ذکر کیا۔

(۴) مسند الحمیدی، (۱ / ۲۱۴، حدیث ۲۲۳)۔

ابوعمر فرماتے ہیں:

اسے ایک جماعت نے ابن عیینہ سے روایت کیا ہے'انہوں نے عبد الملک بن عمیر سے،انہوں نے ربعی سے، اور انہوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے۔اس طرح ربعی کے غلام کے ذکر کے بغیر روایت کیا ہے،لیکن صحیح وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ حمیدی نے ان سے روایت کیا ہے،اسی طرح اسے امام ثوری نے بھی روایت کیا ہے'جو محدثین کے یہاں زیادہ حفظ و اتقان والے ہیں۔

ہم سے خلف بن قاسم نے بیان کیا،ان سے ابو طالب محمد بن زکریا نے بیت المقدس میں بیان کیا،ان سے ابو عمران موسیٰ بن نصر بغدادی نے بیان کیا،ان سے مصعب بن عبد اللہ زبیری نے بیان کیا،ان سے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا،ان سے سفیان ثوری نے بیان کیا،وہ عبد الملک بن عمیر سے روایت کرتے ہیں،وہ ربعی بن حراش کے غلام ہلال کے واسطے سے ربعی سے'اور وہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں'وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي: أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ''[1]۔

میرے بعد دو لوگوں:ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرو۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے'وہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَأَنَّ هَذَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ فَقَالَ: ''أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ''[2]۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دن نماز پڑھائی،پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایسی بلیغ نصیحت فرمائی

---

(۱) اس کی تخریج ص (۲۰۹) میں گزر چکی ہے،جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۳-۲۲۴)۔

(۲) صحیح ہے،جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۴)۔

جس سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دل کانپ گئے، تو کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو گویا رخصت کرنے والے کی نصیحت ہے، تو آپ ہمیں کس بات کی وصیت کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، اور سننے اور اطاعت کرنے کی خواہ تمہارا امیر کوئی حبشی غلام ہو، کیونکہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا بہت سارا اختلاف دیکھے گا، اس وقت تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر کاربند رہنا، اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا، اور دانتوں سے خوب اچھی طرح پکڑ لینا، اور دیکھنا نئی نئی ایجاد کردہ باتوں سے بچنا، کیونکہ دین میں ہر نئی ایجاد کردہ بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ابو عمر فرماتے ہیں:

''ہدایت یافتہ خلفائے راشدین: ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں سب سے افضل ہیں''[1]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے:

''كَلَامُ الْحَرُورِيَّةِ ضَلَالَةٌ، وَكَلَامُ الشِّيعَةِ هَلَكَةٌ، وَلَا أَعْرِفُ الْحَقَّ إِلَّا فِي كَلَامِ قَوْمٍ فَوَّضُوا أُمُورَهُمْ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَلَمْ يَقْطَعُوا بِالذُّنُوبِ الْعِصْمَةَ مِنَ اللَّهِ، وَعَلِمُوا أَنَّ كُلًّا بِقَدَرِ اللَّهِ تَعَالَى''[2]۔

حروریہ کی باتیں ضلالت وگمراہی اور شیعہ کی باتیں ہلاکت وتباہی ہیں، میں حق صرف انہی لوگوں کی باتوں میں جانتا ہوں' جنہوں نے اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا، گناہوں کے ذریعہ اللہ سے تعلق نہیں توڑا، اور اس بات کو جانا کہ ہر چیز اللہ کی تقدیر سے ہے۔

سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''الْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ يَكُونُ مُلْكًا''[3]۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۴)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۴-۲۲۵)، بسند حسن۔

(۳) صحیح ہے، جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۵)، و احمد (۵/ ۲۲۰-۲۲۱)، و مسند علی بن جعد (۳۳۲۳)، نیز امام ترمذی (حدیث ۲۲۲۶)، و ابو داود (حدیث ۴۶۴۶) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے صحیح ابو داود (حدیث ۳۸۸۲) میں صحیح قرار دیا ہے۔

خلافت (جانشینی) میری بعد تیس سال رہے گی، پھر بادشاہت ہوگی۔

پھر سفینہ نے کہا: ''گنو: ابوبکر کی خلافت دو سال، عمر کی خلافت دس سال، عثمان کی خلافت بارہ سال، اور علی کی خلافت چھ سال (رضی اللہ عنہم اجمعین)''۔

راوی علی بن الجعد کہتے ہیں: میں نے حماد سے پوچھا: یہ بات سفینہ نے سعید سے کہی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں [1]۔

ابوعمر فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

''خلافت کے سلسلہ میں سفینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے خلفاء راشدین کی بابت میرا یہی موقف ہے'' [2]۔

محمد بن مظفر کہتے ہیں میں نے ابوعبداللہ احمد بن حنبل سے تفضیل (خلفاء راشدین میں تفاضل) کے بارے میں پوچھا تو انہو نے فرمایا:

''ہم کہتے ہیں: ابوبکر، عمر، عثمان اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر رک جاتے ہیں [3]، اور جو کہتا ہے: علی، میں اس پر سرزنش نہیں کرتا'' پھر انہوں نے خلافت کے سلسلہ میں (حماد بن سلمہ عن سعید بن جمہان عن سفینہ والی) حدیث ذکر فرمائی، تو امام احمد نے فرمایا:

---

(۱) مسند علی بن جعد، (ص ۴۷۹، حدیث ۳۳۲۳)۔ اور سعید: ابن جمہان اسلمی ابوحفص بصری ہیں، صدوق ہیں، البتہ کچھ انفرادات ہیں، ۱۳۶ھ میں وفات پائے تقریب التھذیب (۲۲۷۹)۔

(۲) مسائل صالح (۱/ ۴۲۴-۴۲۵)، اور اس میں انہوں نے فرمایا: ''ہم دونوں حدیثوں پر عمل کریں گے، سفینہ کی حدیث: خلافت تیس سال رہے گی، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ دو سال سے زیادہ خلیفہ رہے، عمر دس سال خلیفہ رہے، عثمان بارہ سال خلیفہ رہے، اور علی رضی اللہ عنہ چھ سال خلیفہ رہے''۔

اور سفینہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، ان کی کنیت ابوعبدالرحمن ہے، اصلا فارس کے تھے، چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا، اور شرط رکھی کہ زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت کریں۔ ان کا نام سفینہ اس لئے پڑا کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں بہت زیادہ بوجھ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: ''مَا أَنْتَ إِلَّا سَفِينَةٌ'' (تم تو پوری کشتی ہو!)

[دیکھئے: مسند احمد (حدیث ۲۱۹۲۱، ۲۱۹۲۳) وسلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، (حدیث ۲۹۵۹) (مترجم)]۔

(۳) نص حدیث یہ ہے:

''كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا، ثُمَّ عُمَرَ، ثُمَّ عُثْمَانَ، ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ، لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ''۔

ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں تفاضل نہیں کرتے تھے۔

اسے امام بخاری (حدیث ۳۶۹۷) اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے، یہ حدیث حدیث تفضیل سے معروف ہے۔

''علی رضی اللہ عنہ ہمارے یہاں ہدایت یافتہ خلفاء راشدین میں سے ہیں، اور حماد بن سلمہ ہمارے یہاں ثقہ غیر متہم ہیں، ہر دن ان کی بابت ہماری بصیرت میں اضافہ ہی ہوتا ہے''۔

ابوعمر فرماتے ہیں: عبد اللہ بن احمد بن حنبل ،سلمہ بن شبیب اور ایک جماعت کے واسطے سے امام احمد بن حنبل سے محمد بن مظفر کی روایت کی طرح مروی ہے: تفضیل اور خلافت میں فرق کا دارو مدار ابن عمر اور سفینہ رضی اللہ عنہم کی حدیثوں پر ہے۔

اسی طرح ایک جماعت نے امام احمد سے خلفاء اربعہ کی تقدیم اور ان سب کے لئے خلافت وفضیلت کا اقرار روایت کیا ہے، اور یہی اہل سنت و جماعت کا موقف ہے، خلافت اور خلفاء کے سلسلہ میں امام احمد کا قول مختلف نہیں ہے، بلکہ ان کا قول تفضیل کے بارے میں مختلف ہے [1]، ابوعلی حسن بن احمد بن لیث رازی بیان کرتے ہیں: میں نے امام احمد سے پوچھا: آپ کس کو فضیلت دیتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''ابوبکر، عمر، عثمان، علی، یہ سب خلفاء ہیں''۔ میں نے عرض کیا: اے ابوعبد اللہ! میں آپ سے تفضیل کے بارے میں پوچھ رہا ہوں کہ آپ کسے فضیلت دیتے ہیں؟ فرمایا: ''ابوبکر، عمر، عثمان، علی، یہ سب ہدایت یافتہ، نیک خلفاء ہیں''۔ اور میرے منہ پر دروازہ بند کر دیا۔

ابوعلی فرماتے ہیں: پھر میں رے آیا اور ابوزرعہ کو بتایا کہ میں نے امام احمد سے پوچھا۔ اور انہیں پورا واقعہ بتلایا، تو انہوں نے کہا: ہمیں اپنے مخالف کی کوئی پروا نہیں ہے، ہم خلافت اور فضیلت دونوں میں کہتے ہیں: ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم ۔ یہی میرا دین ہے جس سے میں اللہ کی بندگی کرتا ہوں اور تمنا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اسی پر دنیا سے اٹھائے'' [2]۔

سلمہ بن شبیب کہتے ہیں میں نے اسحاق بن راہویہ کو خط لکھا کہ: ''آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں کسے فضیلت دیتے ہیں؟ تو انہوں نے مجھے جواب میں لکھا: رسول اللہ ﷺ کے بعد روئے زمین پر ابوبکر صدیق سے افضل کوئی نہیں اور ان کے بعد عمر فاروق سے افضل کوئی نہیں، اور ان کے بعد عثمان غنی سے افضل کوئی نہیں، اور عثمان کے بعد روئے زمین پر علی بن ابی طالب سے بہتر اور افضل کوئی نہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین'' [3]۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۵)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۵-۲۲۶)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۶)۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

''میں خلافت اور فضیلت دونوں میں یہی کہتا ہوں: ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم''[1]۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

''جو کہے: ابو بکر، عمر، عثمان، علی، اور علی کی سبقت تسلیم کرے وہ صاحب سنت ہے'' تو میں نے ان سے ان لوگوں کا ذکر کیا جو: ابو بکر، عمر، اور عثمان کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں! تو انہوں نے بہت سخت بات کہی۔[2]

حکم بن ابان سے مروی ہے کہ انہوں نے عکرمہ سے امہات الأولاد (لونڈیاں جن سے ان کے مالکان صحبت کریں) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ''وہ آزاد ہیں'' میں نے کہا: ''کیا دلیل ہے؟'' کہا: ''قرآن'' میں نے کہا: قرآن میں کونسی دلیل ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ [النساء:٥٩]۔

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔

اور عمر رضی اللہ عنہ، اولو الامر میں سے تھے، اُن کا فرمان ہے:

''عُتِقَت وَلَوْ بِسِقْطٍ''[3]۔

وہ آزاد ہو جائے گی، خواہ بچہ ناقص ساقط ہو جائے۔

مالک بن انس کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے جس چیز کو سنت قرار دیا ہے اُس پر عمل کرنا کتاب اللہ کی تصدیق، اللہ کی اطاعت، اور اللہ کے دین کی قوت و طاقت ہے، جو اس پر عمل کرے گا ہدایت یاب ہوگا، جو اس کے ذریعہ مدد چاہے گا مدد سے سرفراز ہوگا، اور جو اس کی مخالفت کرے گا، مومنوں کی راہ کے علاوہ کا پیروکار ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اسے ادھر ہی متوجہ کردے گا جدھر وہ خود متوجہ ہوگا اور اُسے جہنم رسید کردے گا، اور وہ

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۲۲۷)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۲۲۷)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۲۲۸)۔

بہت برا ٹھکانہ ہے''[۱]۔

ابن کیسان[۲] فرماتے ہیں: ''میں اور زہری طلب علم کے لئے اکٹھا ہوئے، ہم نے طے کیا کہ: ہم سنت لکھیں گے، چنانچہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی حدیثوں کو لکھا، پھر زہری نے کہا: ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار بھی لکھیں گے، کیونکہ وہ بھی سنت ہے، لیکن میں نے کہا: نہیں وہ سنت نہیں ہے' لہٰذا ہم نے لکھیں گے! کہتے ہیں: چنانچہ زہری نے لکھا اور میں نے نہیں لکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوگئے اور میں نے ضائع کر دیا''[۳]۔

سعید بن میب سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب مدینہ آئے' تو بحیثیت خطیب کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد وثنا کی، اور فرمایا: ''اے لوگو! تمہارے لئے سنتیں متعین کی جا چکی ہیں' فرائض فرض کر دیئے گئے ہیں، اور تمہیں روشن شاہراہ پر چھوڑا گیا ہے، الا یہ کہ تم خود لوگوں کے ساتھ دائیں بائیں بھٹک جاؤ''[۴]۔

شعبی نے مسروق کے واسطے سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''جہالتوں یعنی جن باتوں کا تمہیں علم نہ ہو انہیں سنت کی طرف لوٹا دو''[۵]۔

اور مسروق ہی سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا:

''ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت اور ان کی فضیلت کا علم سنت کا حصہ ہے''[۶]۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے فرماتے ہیں:

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۸)، اور اس کے راویان ثقہ ہیں، سوائے اس کے کہ مالک بن انس اور عمر بن عبدالعزیز کے درمیان انقطاع ہے، نیز اسے یعقوب بن سفیان فسوی نے المعرفہ والتاریخ (۳/ ۳۸۶)، اور علامہ لالکائی نے شرح اصول الاعتقاد (ص ۱۳۴) میں روایت کیا ہے، لیکن اس میں رشدین ہے جو ضعیف ہے۔

(۲) صالح بن کیسان، تابعی ہیں، ثقہ ثابت شیخین کے راویان میں سے اور محمد بن مسلم بن عبیداللہ ابوبکر بن شہاب زہری قرشی جو بلند پایہ تابعین میں سے ہیں' ان کے ہمجولیوں میں سے ہیں۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۸)، بسند صحیح۔ ومصنف عبدالرزاق (۱۱/ ۲۵۸)، والحلیہ از ابونعیم (۳/ ۳۶۰-۳۶۲)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۹)۔

(۵) جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۹)۔

(۶) یہ مسروق بن اجدع بن مالک بن امیہ' ابو عائشہ ہمدانی وادعی' کبار تابعین میں سے ہیں، ۶۳ھ میں واسط میں وفات پائے۔ اور اثر جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۹) میں ہے۔

''تین چیزیں سنت کی نشانیاں ہیں: موزوں پر مسح، جمعہ اور صلوات جماعت کی پابندی اور سلف صالحین رحمہم اللہ سے محبت''[1]۔

ابراہیم تیمی کہا کرتے تھے:

''اے اللہ! اپنے دین اور اپنے نبی کی سنت کے ذریعہ حق میں اختلاف، خواہش نفس کی پیروی، بدعات وگمرہی کے راستوں، مشتبہ امور، انحراف اور بے جا بحث وتکرار سے میری حفاظت فرما''[2]۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''اَلْقَصْدُ فِي السُّنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الاجْتِهَادِ فِي الْبِدْعَةِ''[3]۔

اعتدال ومیانہ روی سے سنت پر عمل کرنا بدعت میں محنت وجفاکشی سے بہتر ہے۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بتلایا ہے کہ سنت کتاب اللہ کی وضاحت کرنے والی ہے، ارشاد باری ہے:

﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾﴾ [النحل: ۴۴]۔

یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں، شاید کہ وہ غوروفکر کریں[4]۔

حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے صحیح سند سے علقمہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: ''**لَعَنَ اللَّهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ،**

---

(۱) ذوالنون مصری: ثوبان بن ابراہیم الخمیمی مصری ابوالفیاض یا ابوالفیض، زاہد ہیں، بڑی فصاحت ودانائی والے تھے، ۲۴۵ھ میں وفات پائے، الاعلام، از زرکلی، (۲/ ۸۸)، اور مسح علی الخفین کو روافض سے اپنی مخالفت کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اثر جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۹) میں ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۲۲۹-۲۳۰)۔ یہ ابراہیم بن یزید بن شریک تیمی کوفی ہیں، کنیت ابواسماء ہے، ثقہ اور عابد ہیں، البتہ ارسال وتدلیس کیا کرتے تھے، ۹۲ھ میں وفات پائے، تقریب التہذیب (۲۶۹)۔

(۳) اسے امام ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۰) میں معلقاً روایت کیا ہے، اور امام دارمی (حدیث ۲۱۷) اور اسی طرح حاکم نے مستدرک (۱/ ۱۰۳) میں اور دیگر لوگوں نے موصول ذکر کیا ہے، اور دوسرے طریق سے امام طبرانی نے معجم کبیر (۱۰/ ۲۵۷ حدیث ۱۰۴۸۸) میں روایت کیا ہے۔

(۴) امام ابن عبدالبر نے ''مَوْضِعُ السُّنَّةِ مِنَ الْكِتَابِ وَبَيَانُهَا لَهُ'' (کتاب اللہ میں سنت کی حیثیت اور سنت کا کتاب اللہ کی وضاحت کرنا) کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے اور مذکورہ آیت کریمہ ذکر کی ہے۔

وَالْمُتَنَمِّصَاتِ، وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ، الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللَّهِ'' قَالَ: فَبَلَغَ ذَلِكَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي أَسَدٍ، يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ، فَقَالَتْ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ! بَلَغَنِي أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ، فَقَالَ: ''وَمَا لِي لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمَنْ هُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ؟ قَالَتْ: إِنِّي لَأَقْرَأُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ، فَلَمْ أَجِدْهُ، قَالَ: ''إِنْ كُنْتِ قَارِئَةً لَقَدْ وَجَدْتِيهِ! أَمَا قَرَأْتِ: ﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟﴾ [الحشر: 7]؟ قَالَتْ: بَلَى. قَالَ: فَإِنَّهُ قَدْ نَهَى عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، قَالَتْ: إِنِّي لَأَظُنُّ أَهْلَكَ يَفْعَلُونَ بَعْضَ ذَلِكَ، قَالَ: ''فَاذْهَبِي فَانْظُرِي'' قَالَ: فَدَخَلَتْ فَلَمْ تَرَ شَيْئًا، قَالَ: فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: لَوْ كَانَتْ كَذَلِكَ لَمْ نُجَامِعْهَا''(۱)۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے گودنا گودنے والیوں اور گودوانے والیوں پر، چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں حسن کے لئے دانتوں کے درمیان کشادگی کرانے والیوں اللہ کی بناوٹ تبدیل کرنے والیوں پر لعنت فرمائی ہے۔ یہ بات قبیلہ بنو اسد کی ام یعقوب نامی ایک خاتون کو معلوم ہوئی تو وہ آئی اور کہنے لگی: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اس اس طرح کی عورتوں پر لعنت کی ہے؟ انہوں نے کہا: ''جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اور جو اللہ کی کتاب میں ملعون ہے آخر میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں؟'' اس خاتون نے کہا: میں دونوں دفتیوں کے درمیان جو کچھ ہے پڑھتی ہوں (یعنی پورا قرآن مجید) لیکن میں اس میں یہ بات نہیں پاتی ہوں! انہوں نے فرمایا: ''اگر تم نے بغور پڑھا ہوتا تو ضرور پاتیں، کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: ﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟﴾ [الحشر: ۷] (تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ)، اس نے کہا: جی ہاں یہ تو پڑھا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تو رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں سے منع فرمایا ہے''۔ اس پر خاتون نے کہا: میرا خیال ہے ان میں سے کچھ چیزیں آپ کی بیوی بھی کرتی ہیں، انہوں نے کہا: اچھا تو جا کر دیکھ لو''۔ چنانچہ وہ خاتون اندر داخل ہوئی لیکن اسے اس قسم کی کوئی چیز نظر نہ آئی! راوی کہتے ہیں: کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میری بیوی ایسی ہوتی تو ہم اس کے ساتھ نہیں رہتے۔

عبدالرحمن بن یزید سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کو حال احرام میں (سلا ہوا) کپڑا پہنے ہوئے

(۱) متفق علیہ: بخاری (حدیث ۴۸۸۶)، ومسلم (۲۱۲۵)، ودیگر ائمہ۔ جامع بیان العلم (۲/۲۳۱)۔

ہے چنانچہ اسے منع کیا، تو اس نے کہا: مجھے اللہ کی کتاب کی کوئی آیت پیش کرو جو میرے ان کپڑوں کو نکلوا دے تو انہوں نے یہی آیت کریمہ پڑھی:

﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟﴾ [الحشر:۷]۔

تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ[1]۔

ہشام بن حجیر بیان کرتے ہیں کہ طاووس رحمہ اللہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھا کرتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: اسے چھوڑ دو، تو انہوں نے کہا: اسے سنت بنانے سے منع کیا گیا ہے! تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے، لہٰذا میں نہیں جانتا کہ تمہیں اس پر عذاب ملے گا یا اجر و ثواب؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًا مُّبِينًا ۝٣٦﴾ [الاحزاب:۳۶][2]۔

اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''يُوشِكُ بِأَحَدِكُمْ يَقُولُ: هَذَا كِتَابُ اللَّهِ، مَا كَانَ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ أَحْلَلْنَاهُ، وَمَا كَانَ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ، أَلَا مَنْ بَلَغَهُ عَنِّي حَدِيثٌ فَكَذَّبَ بِهِ، فَقَدْ كَذَّبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِي حَدَّثَهُ''[3]۔

قریب ہے کہ تم میں سے کوئی کہے: یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں جو حلال ہے ہم اسے حلال مانیں گے اور

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۲۳۱)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۲۳۱)۔ سند ضعیف ہے، کیونکہ ہشام بن حجیر صدوق ہے اس کے کئی اوہام ہیں، تقریب التھذیب (۷۲۸۸)، اور ممانعت کو امام بخاری (حدیث ۵۸۱)، و مسلم (۸۲۶) اور دیگر لوگوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور امام نسائی نے ممانعت کو بطریق سفیان عن ہشام عن طاووس عن ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے (حدیث ۵۶۹)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۲۳۱)، بسند ضعیف۔

اس میں جو حرام ہے اسے حرام مانیں گے، خبر دار! جس کے پاس میری کوئی حدیث پہنچی اور اس نے اسے جھٹلا دیا تو درحقیقت اس نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے بیان کرنے والے کو جھٹلا دیا۔

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ''**يُوشِكُ رَجُلٌ مِنْكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ، يُحَدَّثُ بِحَدِيثٍ عَنِّي، فَيَقُولُ: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ، فَمَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَلَالٍ اسْتَحْلَلْنَاهُ، وَمَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ، [أَلَا مَنْ بَلَغَهُ عَنِّي حَدِيثٌ فَكَذَّبَ بِهِ، فَقَدْ كَذَّبَ اللَّهَ]**[1] **أَلَا وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِثْلُ الَّذِي حَرَّمَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ**''[2]۔

مقدام بن معدیکرب بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی اپنے تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا رہے اس کے سامنے میری کوئی حدیث بیان کی جائے، تو کہے: ہمارے تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے، ہمیں اس میں جو حلال ملا ہم نے اسے حلال مانا، اور ہمیں اس میں جو حرام ملا ہم نے اسے حرام مانا، [خبر دار! جس کے پاس میری کوئی حدیث پہنچی اور اس نے اسے جھٹلا دیا تو درحقیقت اس نے اللہ کو جھٹلا دیا] یقیناً جو کچھ اللہ کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے بالکل اسی کے مثل ہے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

ابوعمر فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن باتوں کا حکم دیا ہے، میں نے ان میں سے کچھ نہیں چھوڑا ہے تمہیں سب کا حکم دے دیا ہے، اور اللہ نے تمہیں جن باتوں سے منع کیا ہے، میں نے ان میں سے کچھ نہیں چھوڑا ہے تمہیں ان سب سے منع کر دیا ہے''۔

اسے مطلب بن حنطب وغیرہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے[3]۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) شاید مربع قوسین کے درمیان کی عبارت سابق حدیث سے ملادی گئی ہے، ورنہ وہ نص حدیث میں موجود نہیں ہے۔

(۲) صحیح ہے۔ جامع بیان العلم (۲/۲۳۲)۔ وترمذی (حدیث ۲۶۶۴)، وابو داود (حدیث ۴۶۰۴)، وابن ماجہ (حدیث ۱۲)، واحمد (۴/۱۳۰-۱۳۱) ومستدرک حاکم (۱/۱۰۹)، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح سنن ابوداود (حدیث ۳۸۴۸) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) یہ مرسل صحیح ہے، ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم (۲/۲۳۳) میں معلقاً ذکر کیا ہے، اور خطیب بغدادی نے الفقیہ والمتفقہ (۱/۹۲-۹۳) میں اسے موصول کیا ہے، اور مطلب بن حنطب تابعی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کی قسمیں

نبی کریم کے بیان وو ضاحت کی دو قسمیں ہیں:

ایک: اللہ کی کتاب میں مجمل (غیر واضح) کا بیان اور اس کی وضاحت: جیسے پنج وقتہ نمازوں کے اوقات، سجدہ، رکوع، اور دیگر تمام احکام، اسی طرح زکاۃ کی مقدار، اس کی حد، اس کا وقت، اور کن اموال میں سے کتنی زکاۃ لی جائے گی؟ کی وضاحت، نیز احکام ومناسک حج وغیرہ کا بیان، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب لوگوں کے ساتھ حج کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ''[1]۔

مجھ سے اپنے حج کے احکام ومسائل سیکھ لو۔

کیونکہ قرآن کریم میں نماز، زکاۃ اور حج وغیرہ کی فرضیت کا اجمالی تذکرہ آیا ہے' تفصیلات نہیں بتائی گئی ہیں' اور حدیث مفصل ہے۔

اور دوسرا بیان: وہ ہے جو اللہ کی کتاب کے حکم وفیصلہ پر اضافہ ہے، جیسے: بیوی اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو نکاح میں یکجا کرنے کو حرام قرار دینا، اسی طرح گھریلو گدھوں اور ہر دندانے والے درندہ کو حرام قرار دینا، اور اس قسم کی دیگر بہت ساری چیزیں جن کا ذکر باعث طوالت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع کا بالکل مطلق ومجمل حکم دیا ہے' کوئی قید نہیں لگائی ہے بعینہ ویسے جیسے کتاب اللہ کی اتباع کا حکم دیا ہے' یہ نہیں کہا ہے کہ جو کتاب اللہ کے موافق ہو' اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرو! جیسا کہ بعض گمراہ اور منحرف لوگوں کا کہنا ہے۔

عبد الرحمن بن مہدی فرماتے ہیں:

''اس حدیث کو زندیقوں (کافروں) اور خارجیوں نے گھڑا ہے''۔

---

(۱) صحیح مسلم (حدیث ۱۲۹۷)، ابوداود (حدیث ۱۹۷۰)، نسائی (حدیث ۳۰۲۶)، وغیرہم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ان کا مقصود وہ حدیث ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''مَا أَتَاكُمْ عَنِّي فَاعْرِضُوهُ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ، فَإِنْ وَافَقَ كِتَابَ اللَّهِ فَأَنَا قُلْتُهُ، وَإِنْ خَالَفَ كِتَابَ اللَّهِ فَلَمْ أَقُلْهُ أَنَا، وَكَيْفَ أُخَالِفُ كِتَابَ اللَّهِ [1] وَبِهِ هَدَانِي اللَّهُ''[2]۔

میری طرف سے جو کچھ تمہارے پاس آئے، اُسے اللہ کی کتاب پر پیش کرو، اگر کتاب اللہ کے موافق ہو تو وہ میں نے کہا ہے، اور اگر کتاب اللہ کے مخالف ہو تو وہ میں نے نہیں کہا ہے، اور میں کتاب اللہ کی مخالفت کیسے کرسکتا ہوں، جبکہ اسی کے ذریعہ اللہ نے مجھے ہدایت دی ہے؟

صحیح وسقیم احادیث کا علم رکھنے محدثین کے یہاں یہ الفاظ نبی کریم ﷺ کے حوالہ سے صحیح نہیں ہیں، بلکہ کچھ اہل علم نے اس حدیث کا معارضہ اس طرح کیا ہے، کہتے ہیں: ہم سب سے پہلے اسی حدیث کو اللہ کی کتاب پر پیش کر دیتے ہیں، پھر اس پر اعتماد کرتے ہیں! کہتے ہیں: جب ہم نے اسے اللہ کی کتاب پر پیش کیا تو خود اسی کو کتاب اللہ کے مخالف پایا؛ کیونکہ ہمیں اللہ کی کتاب میں کہیں نہ ملا کہ رسول اللہ ﷺ کی وہی حدیثیں قبول کی جائیں گی جو کتاب اللہ کے موافق ہوں، (ورنہ رد کر دی جائیں گی)، بلکہ ہم نے دیکھا کہ اللہ کی کتاب مطلق طور پر آپ کو آئیڈیل بنانے، اور آپ کی اطاعت کا حکم دیتی ہے، اور اجمالی وعمومی طور پر بہر صورت آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت سے ڈراتی اور چوکنا کرتی ہے[3]۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس مسئلہ میں کسی کی ایسی روایت نہیں ہے جو کم وبیش ذرا بھی ثابت ہو''[4]۔

اور فرماتے ہیں: ''یہ مجہول آدمی سے مروی ایک منقطع روایت ہے''[5]۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۳) میں عبارت یوں ہے: ''وإنما أنا موافق كتاب الله وبه هداني'' (میں تو اللہ کی کتاب کے موافق ہوں، اللہ نے اسی کے ذریعہ مجھے ہدایت دی ہے)۔

(۲) موضوع۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے (۱۲/ ۱۴۲۹)، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما (۱۲/ ۱۳۲۲۴) سے روایت کیا ہے، دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، از علامہ البانی (نمبر ۱۴۰۰)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۳-۲۳۴)۔

(۴) الرسالۃ، (ص ۲۲۵ فقرہ ۶۱۸)۔

(۵) الرسالۃ، (ص ۲۲۵ فقرہ ۶۱۹)۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

''اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں' اس جیسی روایت سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی''۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: یہ روایت باطل ہے''۔ بات ختم ہوئی۔

ابوعمر فرماتے ہیں:

امام اوزاعی نے حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''كَانَ الْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، وَيَحْضُرُهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالسُّنَّةِ الَّتِي تُفَسِّرُ ذَلِكَ''[1]۔

رسول اللہ ﷺ پر وحی اترتی تھی' اور جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس سنت لے کر حاضر ہوتے تھے' جو اس کی تفسیر کرتی تھی۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں:

''الْكِتَابُ أَحْوَجُ إِلَى السُّنَّةِ مِنَ السُّنَّةِ إِلَى الْكِتَابِ''[2]۔

سنت (کو سمجھنے) کے لئے کتاب اللہ کی ضرورت سے زیادہ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے سنت کی ضرورت ہے۔

ابوعمر فرماتے ہیں:

مقصود یہ ہے کہ سنت قرآن کا فیصلہ کرتی اور اس کا معنیٰ واضح کرتی ہے' یہ علماء کے اس قول کی طرح ہے کہ: کتاب نے سنت کے لئے جگہ چھوڑی ہے اور سنت نے رائے کے لئے جگہ چھوڑا ہے''۔

اوزاعی کہتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے فرمایا:

''سنت کتاب اللہ کے سمجھنے میں فیصلہ کن ہے' لیکن کتاب اللہ سنت کے سمجھنے میں فیصلہ کن نہیں ہے''[3]۔

فضل بن زیاد کہتے ہیں: میں نے امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا' ان سے اس روایت

---

(۱) سنن دارمی (حدیث ۵۸۸)، امام لالکائی (۹۹)، ابن بطہ فی الابانہ (۹۰) وغیرہم نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ اور ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۴) میں تعلیقاً روایت کیا ہے۔

(۳) السنۃ مروزی (ص ۲۸)، وذم الکلام ہروی (۱/ ۳۰)، والابانۃ ابن بطہ (۸۸، ۸۹)۔ میں بسند صحیح مروی ہے، نیز امام بیہقی نے اور ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۴) میں روایت کیا ہے۔

کے بارے میں سوال کیا گیا: ''سنت کتاب اللہ کے سمجھنے میں فیصلہ کن ہے'' فرمایا: ''میں یہ کہنے کی جرأت تو نہیں کرسکتا! لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ سنت قرآن کریم کی تفسیر و وضاحت کرتی ہے''(۱)۔

ابوعمر فرماتے ہیں:

سنت کے قرآن کریم کے مجمل وغیر واضح امور کی قولی و عملی وضاحت کرنے کے سلسلہ میں آثار بے شمار ہیں، ہم نے جن باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اتنا رہنمائی کے لئے کافی ہے، والحمدللہ''(۲)۔

ابوعمر فرماتے ہیں:

''تمام کے تمام بدعتیوں نے سنتوں سے اعراض کیا اور سنت کے بیان و وضاحت کے خلاف قرآن کریم کی تاویل کی، لہٰذا خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، ہم ناکامی و رسوائی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں''(۳)۔

اور عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ''**هَلَاكُ أُمَّتِي فِي الْكِتَابِ وَاللَّبَنِ**'' فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا الْكِتَابُ وَاللَّبَنُ؟ قَالَ: ''**يَتَعَلَّمُونَ الْقُرْآنَ وَيَتَأَوَّلُونَهُ عَلَى غَيْرِ مَا أَنْزَلَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَيُحِبُّونَ اللَّبَنَ فَيَدَعُونَ الْجَمَاعَاتِ وَالْجُمَعَ وَيُبْدُونَ**''(۴)۔

عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کی بربادی کتاب اور دودھ میں ہوگی! پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کتاب اور دودھ کیا ہے؟

---

(۱) سنن دارمی (حدیث ۵۸۷)، وجامع بیان العلم معلقاً (۲/ ۲۳۴)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۵)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۶)۔

(۴) صحیح۔ جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۶)، واحمد (۴/ ۱۴۶، ۱۵۵)، ومسند ابویعلی (حدیث ۱۷۴۶)، ومعجم کبیر طبرانی (۱۷/ ۸۱۶)۔ امام ہیثمی مجمع الزوائد (۸/ ۱۰۴-۱۰۵) میں فرماتے ہیں: ''اسے امام احمد نے روایت کیا ہے، اس میں ابن لہیعہ ہے جو ضعیف ہیں، اور بقیہ راویان ثقہ ہیں''۔ لیکن ابن لہیعہ سے روایت کرنے والا ان عبادلہ میں سے ایک ہے جنہوں نے اس سے اختلاط سے پہلے روایت کیا ہے، وہ عبداللہ بن یزید مقری ہے، لہٰذا حدیث درست ہے، نیز طبرانی کی روایت میں لیث کے کاتب نے لیث سے روایت کرکے ابن لہیعہ کی متابعت بھی کی ہے۔ اور ''یبدون'' کا معنیٰ ہے وہ لوگ بادیہ میں رہیں گے۔

فرمایا: لوگ قرآن سیکھیں گے اور اللہ نے جس مقصد کے لئے اتارا ہے' اُس کے خلاف اس کی تاویلات کریں گے' اور دودھ سے محبت کریں' جمعہ و جماعت چھوڑیں اور صحراؤں میں نکلیں گے۔

اور انہی کی ایک دوسری روایت میں ہے:

''إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي اثْنَتَانِ: الْقُرْآنُ وَاللَّبَنُ، فَأَمَّا الْقُرْآنُ فَيَتَعَلَّمُهُ الْمُنَافِقُونَ؛ لِيُجَادِلُوا بِهِ الْمُؤْمِنِينَ، وَأَمَّا اللَّبَنُ فَيَتَّبِعُونَ الرِّيفَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ، وَيَتْرُكُونَ الصَّلَوَاتِ''[1]۔

یقیناً مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ دو باتوں کا ڈر ہے: قرآن اور دودھ، رہا قرآن تو اسے منافقین سیکھیں گے تاکہ مومنوں سے حجت وتکرار کریں' اور رہا دودھ، تو لوگ صحراؤں کی تلاش کریں گے' خواہشات نفسانی کی پیروی کریں گے اور نمازیں چھوڑیں گے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

''عنقریب تم کچھ ایسے لوگوں کا سامنا کروگے جو تمہیں قرآن کی دعوت دیں گے' حالانکہ انہوں نے اسے پس پشت ڈال رکھا ہوگا، اس وقت تم علم کو لازم پکڑنا، بدعات سے بچنا، غلو اور تکلف سے احتراز کرنا، اور پرانے (طریقہ سلف) پر ہی قائم رہنا''[2]۔

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تمہارے بارے میں مجھے صرف دو لوگوں کا ڈر ہے: ایک وہ آدمی جو قرآن کی بے جا تاویل کرے گا، اور دوسرا وہ جو اپنے بھائی سے ملک و دولت میں مقابلہ آرائی کرے گا''[3]۔

رجاء بن حیوہ نے ایک شخص سے روایت کیا ہے' وہ بیان کرتے ہیں: کہ ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے

---

(۱) اس سے ماقبل کی حدیث دیکھئے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۷)، ودارمی (حدیث ۱۴۲)، وابن وضاح فی البدع (۲۵)، والمروزی فی السنہ (۲۴)، ولالکائی فی اصول الاعتقاد (۱۰۸)، بطریق: عن عباد بن کثیر عن ابی قلابہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔لیکن اثر ابوقلابہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مابین انقطاع کے سبب ضعیف ہے، نیز متروک ہے تقریب التھذیب (۳۱۳۹)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۷)، عمر اور عمرو بن دینار کے درمیان انقطاع کے سبب ضعیف ہے۔

ہوئے تھے، تو انہوں نے فرمایا: ''سب سے زیادہ ورغلانے والا گمراہ گروہ شخص ہوگا جو قرآن پڑھے گا مگر اس کی سمجھ حاصل نہیں کرے گا، اور اُسے اپنے بچے، غلام، بیوی اور لونڈی سب کو سکھلا دے گا، چنانچہ وہ علماء سے بحث و تکرار کرتے پھریں گے''[1]۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں:

''إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ قَدْ أَخْلَقَ فِي صُدُورِ كَثِيرٍ مِنَ النَّاسِ فَالْتَمَسُوا مَا سِوَاهُ مِنَ الْأَحَادِيثِ، وَإِنَّ مِمَّنْ يَبْتَغِي هَذَا الْعِلْمَ يَتَّخِذُهُ بِضَاعَةً؛ لِيَلْتَمِسَ بِهِ الدُّنْيَا، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَعَلَّمُهُ لِيُمَارِيَ بِهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَعَلَّمُهُ لِيُشَارَ إِلَيْهِ، وَخَيْرُهُمُ الَّذِي يَتَعَلَّمُهُ لِيُطِيعَ اللَّهَ فِيهِ''[2]۔

یقیناً یہ قرآن بہتوں کے دلوں میں بوسیدہ (بے وقعت) ہوگیا ہے اس لئے وہ اس کے علاوہ دوسری باتوں کی تلاش کرنے لگے ہیں اور اس قرآن کا علم حاصل کرنے والے کچھ لوگوں نے اُسے پونجی بنالیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دنیا حاصل کریں اور کچھ لوگ اُسے اس لئے سیکھتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ جھگڑا و تکرار کرسکیں اور کچھ اس لئے سیکھتے ہیں تاکہ ان کی طرف اشارہ کیا جائے، قرآن کا سب سے بہتر سیکھنے والا وہ ہے جو اسے سیکھ کر اُس کے ذریعہ اللہ کی اطاعت کرے۔

ابو عمر فرماتے ہیں:

''یقیناً یہ قرآن بہتوں کے دلوں میں بوسیدہ (بے وقعت) ہوگیا ہے'' کا معنیٰ - واللہ اعلم - یہ ہے کہ تلاوت کی بہ نسبت اس کی تفسیر کا علم بوسیدہ ہوگیا ہے اس کے جاننے والے علماء سلف سے وارد احادیث کے ذریعہ ہی اس کی تفسیر ممکن ہے ان سے مروی صحیح حدیثوں سے ہی اس کی واقفیت ہوسکتی ہے من مانی باتوں اور متنازع رایوں سے نہیں جیسا کہ اہل بدعت نے کر رکھا ہے''[3]۔

حسن فرماتے ہیں: ''عَمَلٌ قَلِيلٌ فِي سُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ عَمَلٍ كَثِيرٍ فِي بِدْعَةٍ''[4]۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۷)، رجاء کے شیخ کے مجہول ہونے کے سبب ضعیف ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۷)، والحلیہ، از ابونعیم (۴/ ۸۴)، بسند حسن۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۷)، اور حسن: امام حسن بن یسار بصری ہیں۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۷)۔

سنت کا معمولی عمل بدعت کے زیادہ عمل سے بہتر ہے۔

صفوان بن محرز مازنی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر میں نماز کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: ”سفر میں نماز دو رکعت ہے، جس نے سنت کی مخالفت کی اس نے کفر کیا“[1]۔

بکیر بن الاشج سے مروی ہے کہ ایک شخص نے قاسم بن محمد سے کہا: اماں عائشہ رضی اللہ عنہا پر تعجب ہے، سفر میں چار رکعت کیونکر پڑھتی تھیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ دو ہی رکعت پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: ”بھتیجے! سنت رسول ﷺ تمہیں جہاں بھی ملے، لازم پکڑو، کیونکہ کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں، جن پر عیب نہیں لگایا جاتا“[2]۔

سعید بن جبیر سے مروی ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

”تَمَتَّعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ عُرْوَةُ: نَهَى أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ الْمُتْعَةِ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَا يَقُولُ عُرَيَّةُ؟ قَالَ: يَقُولُ: نَهَى أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ الْمُتْعَةِ، فَقَالَ: أَرَاهُمْ سَيَهْلِكُونَ، أَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَيَقُولُونَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ“[3]۔

رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کیا ہے، تو عروہ نے کہا: مگر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حج تمتع سے منع کیا ہے! ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ عریہ کیا کہہ رہا ہے؟ کہا: کہہ رہا ہے کہ ابو بکر و عمر نے حج تمتع سے منع کیا ہے! ابن عباس نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ یہ بہت جلد برباد ہوں گے، میں کہہ رہا ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اور یہ کہتے ہیں: ابو بکر و عمر نے کہا ہے!!

ابو عمر فرماتے ہیں: ”مراد حج تمتع ہے، یعنی حج کو فسخ کر کے عمرہ میں تبدیل کر دینا“[4]۔

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۷)، اور صفوان: صفوان بن محرز بن زیاد مازنی باہلی ثقہ اور عبادت گزار ہیں، ۷۴ھ میں وفات پائے، تقریب التھذیب (۲۹۴۱)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۸-۲۳۹)، بسند حسن۔ اور بکیر: بکیر بن عبد اللہ الاشج، ابو عبد اللہ مدنی، مقیم مصر ثقہ ہیں، ۲۲۰ھ میں وفات پائے، تقریب التھذیب (۷۶۰)۔ اور قاسم: قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق، مدینہ کے سات فقہاء میں سے ہیں، ۱۰۶ھ میں وفات پائے تقریب التھذیب (۴۵۸۹)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۸)، اس کی سند میں شریک بن عبد اللہ نخعی ہیں، جو صدوق ہیں، بہت غلطیاں کرتے ہیں، تقریب التھذیب (۲۷۸۷)۔

(۴) جامع بیان العلم (۲/ ۲۳۹)، اور اس میں اتنا اضافہ ہے: ”عورتوں سے متعہ کی بابت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی جانب سے رخصت ہے، نہ کسی اور صحابہ کی طرف سے، سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے“۔

"مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کون معذور سمجھے گا' میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں' اور وہ مجھے اپنی رائے بتاتے ہیں' میں تمہاری سرزمین میں نہیں رہوں گا"۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی اسی جیسی بات مروی ہے[1]۔

عمرو بن دینار سے مروی ہے وہ سالم بن عبداللہ سے اور وہ اپنے والد عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' کہ انہوں نے فرمایا:

"جب تم نے جمرہ کو سات کنکریاں مارلی، قربانی کرلی، سر کے بال منڈالیا تو تمہارے لئے خوشبو اور بیوی کے علاوہ ہر چیز حلال ہوگئی"۔ سالم بیان کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو طواف کعبہ سے پہلے بحالت حلال خوشبو لگایا ہے"۔ سالم نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی سنت زیادہ مستحق اتباع ہے[2]۔

عَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ أَبَاهُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ يَوْمًا: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "**لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ**" فَقُلْتُ أَنَا: أَمَّا أَنَا فَسَأَمْنَعُ أَهْلِي، فَمَنْ شَاءَ فَلْيُسَرِّحْ أَهْلَهُ! فَالْتَفَتَ إِلَيَّ وَقَالَ: لَعَنَكَ اللّٰهُ، لَعَنَكَ اللّٰهُ، لَعَنَكَ اللّٰهُ، تَسْمَعُنِي أَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ أَلَّا يُمْنَعْنَ، وَقَامَ مُغْضَبًا"[3]۔

بلال بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دن کہا کہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "عورتوں کو مساجد سے اپنا حصہ لینے سے نہ روکو" کہتے ہیں: میں نے کہا: جس کا جی چاہے اپنی بیوی کو چھوڑے' مگر میں تو اپنی بیوی کو روکوں گا! تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم پر اللہ کی لعنت ہو، تم پر اللہ کی لعنت ہو، تم پر اللہ کی لعنت ہو! سن لو! میں کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۲۴۰)۔

(۲) متفق علیہ: بخاری (حدیث ۱۵۳۴)، ومسلم (حدیث ۱۱۸۹)، ومسند حمیدی (حدیث ۲۱۲)، اور دیگر لوگوں نے قاسم بن محمد عن عائشہ رضی اللہ عنہا اس طرح روایت کیا ہے: "كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِإِحْرَامِهِ حِينَ يُحْرِمُ، وَلِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ"۔
میں رسول اللہ ﷺ کو جب آپ احرام کا ارادہ کرتے' آپ کے احرام کے لئے اور حلال ہونے کے بعد طواف کعبہ سے پہلے خوشبو لگاتی تھی۔

(۳) جامع بیان العلم (۲۲۳۹)، نیز اسے امام مسلم (حدیث ۴۴۲) نے لعنت کے بغیر روایت کیا ہے، اسی طرح امام احمد نے بھی (۲/۷، ۱۶،۹) روایت کیا ہے۔ اور اصل عدم ممانعت ہونے کی حدیث بخاری (۸۶۵) وغیرہ میں ہے۔

ﷺ نے حکم دیا ہے کہ انہیں نہ روکا جائے' اور غصہ سے اٹھ کر چلے گئے۔

وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''میں نے ستر کتابوں میں پڑھا ہے کہ دنیا کی ابتداء سے انتہا تک تمام لوگوں کو عطا کردہ عقل خاتم النبیین محمد ﷺ کی عقل کے بالمقابل دنیا کے تمام ریت کے ذرات سے گرے ہوئے ایک ذرہ کی مانند ہے' اور میں نے آپ ﷺ کو دنیا میں سب سے پختہ عقل اور افضل رائے والا لکھا پایا ہے''۔ لوگوں نے کہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث کیا اُسے عقل کا وہ کمال عطا کیا جو پوری امت کی عقل سے افضل ہو، تاہم ہوسکتا ہے کہ اس کی امت میں کوئی ایسا ہو جو اپنے جسم و جوارح کے ذریعہ اس سے زیادہ محنتی اور جفاکش ہو' جبکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی عقل، نیت اور فکر میں جو کچھ چھپا رکھا ہے وہ تمام مجتہدین کی عبادت سے بھی افضل ہے''[1]۔

امام ابن البر کی طویل بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں:

اے ناظر کریم! ہم نے مقدمہ کے آغاز سے اختتام تک جو بھی احادیث و آثار ذکر کئے ہیں' وہ تمام کے تمام جید (اچھی) سندوں سے مروی ہیں' جنہیں ہم نے اختصار کے پیش نظر حذف کر دیا ہے، ان میں سے زیادہ تر حافظ المغرب امام ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ کی کتب جامع بیان العلم، التمہید، الاستذکار اور الاستیعاب سے ماخوذ ہیں' یہ تمام کتابیں انہی کی ہیں، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ حافظ المشرق امام ابو بکر بیہقی رحمہ اللہ کی تحریروں کا حصہ ہے، اور اس میں سے معمولی حصہ میں نے سند کے ساتھ علامۃ المجتہدین امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ کی کتاب ''الرسالۃ'' سے نقل کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہی درستی کا توفیق دہندہ ہے' اور اسی کے پاس مرجع اور ٹھکانہ ہے۔

❁ ❁ ❁

(۱) جامع بیان العلم (۲/۲۴۱-۲۴۲)، ابو نعیم نے الحلیہ (۴/۲۶) میں بطریق: داود بن محبر حدثنا عباد بن کثیر عن ادریس عن وھب روایت کیا ہے' اور داود بن محبر متروک ہے تقریب التھذیب (۱۸۱۱)، اور عباد بھی متروک ہے' جیسا کہ گزر چکا ہے۔

پہلا مقصد:

تقلید کی مذمت اور اتباع سنت کی بابت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اعلیٰ مناقب شاگردان کے فرمودات کا بیان

خزانۃ الروایات [1] میں فرماتے ہیں:

"فصل: اجتہاد کی کیفیت، تقلید وفتویٰ کے بعض مسائل اور نصوص و احادیث پر عمل کرنے اور اپنے مذہب کے علاوہ دیگر مذہب پر عمل کرنے کے جواز کا بیان"۔

آگے فرماتے ہیں:

"دستور السالکین" [2] میں ہے: اگر کوئی پوچھے: کہ مقلد غیر مجتہد، عالم ہو، استدلال کرسکتا ہو، اصولی قواعد اور نصوص واحادیث کے معانی کی معرفت رکھتا ہو تو کیا اس کے لئے ان پر عمل کرنا جائز ہے؟ اور کیسے جائز ہے؟ کیونکہ یہ بات کہی گئی ہے کہ: غیر مجتہد کے لئے اپنے مذہب کی روایات اور اپنے امام کے فتوؤں ہی پر عمل کرنا جائز ہے، عامی کی طرح اس کے لئے نصوص واحادیث اور ان پر عمل میں مشغول ہونا درست نہیں، یہ بات اس بالکل عامی اور سراسر جاہل کے بارے میں کہی گئی ہے جو نصوص و احادیث اور ان کے شرح و معانی کو نہیں جانتا، رہا وہ عالم جو نصوص واحادیث کا معنیٰ سمجھتا ہو، اہل درایت میں سے ہو، اور محدثین یا ان کی مشہور معتبر ومتداول کتابوں سے ان احادیث

(۱) یہ قاضی چھکن حنفی ہندوستانی ہیں، ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

(۲) اسے حاجی خلیفہ نے بلا تبصرہ ذکر فرمایا ہے، کشف الظنون (۱/ ۷۵۴)۔

کی صحت کا اسے علم ہو تو اس کے لئے ان پر عمل کرنا جائز ہے اگرچہ اس کے مذہب کے خلاف ہو، امام ابوحنیفہ [1]، امام محمد [2]، امام شافعی اور ان کے اصحاب اور صاحب ہدایہ کے قول سے اس بات کی تائید ہوتی ہے [3]۔

اور ''روضۃ العلماء الزندویسیۃ [4] فی فضل الصحابۃ لابی حنیفۃ'' میں ہے: کہ اگر آپ کوئی بات کہیں اور اللہ کی کتاب اس کے خلاف ہو تو؟ فرمایا: ''اللہ کی کتاب کے بالمقابل میری بات چھوڑ دو''، پوچھا گیا: اگر حدیث رسول آپ کے قول کے خلاف ہو تو؟ فرمایا: ''حدیث رسول ﷺ کے بالمقابل میری بات چھوڑ دو''، پوچھا گیا: اگر قول صحابہ آپ کے قول کے خلاف ہو تو؟ فرمایا: ''صحابی کے قول کے بالمقابل میری بات چھوڑ دو''۔

اور امتاع میں ہے کہ: امام بیہقی نے اپنی سنن میں قرآن کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اپنی سند سے بیان کیا ہے، کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''كُلُّ مَا قُلْتُ وَكَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خِلافُ قَوْلِي مِمَّا يَصِحُّ، فَحَدِيثُ النَّبِيِّ ﷺ أَوْلَى، وَلا تُقَلِّدُونِي''[5]۔

میں نے کچھ کہا ہے، نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث اس کے برخلاف ہو تو نبی کریم ﷺ کی حدیث ہی لائق اتباع ہے، میری تقلید نہ کرو۔

امام الحرمین نے اپنی کتاب ''نہایۃ'' میں امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

---

(1) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے: ''إذا صح الحديث فهو مذهبي'' (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے) حاشیہ ابن عابدین (1 / 63)، نیز دیکھئے: کتاب صفۃ صلاۃ النبی ﷺ، از علامہ البانی، ص (46)۔ یہ بڑی ٹھوس کتاب ہے، اس میں عظیم فوائد ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے مولف اور پڑھنے والے کو نفع پہنچائے، (آمین)۔

(2) یہ امام محمد بن حسن شیبانی امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہما اللہ کے شاگرد ہیں۔

(3) ہدایہ کے مولف علی بن ابوبکر مرغینانی حنفی ہیں، اور کتاب کا نام: الهداية شرح بداية المبتدی ہے، جو حنفیہ کے فروعی مسائل سے متعلق ہے، ابن الشحنہ کبیر شیخ ابن ہمام نے اس کی شرح کی ہے۔

(4) کتاب روضۃ العلماء، شیخ ابوعلی حسین بن یحیی بن علی بن عبداللہ بخاری زندویسی حنفی ہیں، 400ھ میں وفات پائے، ہدیۃ العارفین (5 / 307)، وکشف الظنون (1 / 928)۔

(5) اسے امام ابن ابی حاتم نے آداب الشافعی (ص 93) میں، ابونعیم نے الحلیۃ (9 / 106، 107) میں، ہکی نے معنی قول الامام المطلبی (ص 17) میں، امام بیہقی نے مناقب الشافعی (1 / 473) میں، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (15 / 10 / 1) میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دیکھئے: صفۃ صلاۃ النبی ﷺ، ص (52)، اور اس کے ہم معنی بیہقی نے المدخل (ص 249) میں ذکر کیا ہے۔

''إذا صح عندكم خبرٌ يخالف مذهبي، فاتبعوه، واعلموا أنه مذهبي''[1]۔

اگر تمہارے پاس میرے مسلک کے خلاف صحیح حدیث ہو تو اُسی کی اتباع کرو اور جان لو کہ وہی میرا مذہب ہے۔

اور ان کے منصوصات میں صحیح طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''إذا بلغكم عني مذهب، وصح عندكم خبر على مخالفته، فاعلموا أن مذهبي موجَبُ الخبر''[2]۔

اگر تمہیں میرا کوئی مذہب (موقف) ملے، جبکہ تمہارے پاس اس سے خلاف صحیح حدیث موجود ہو تو جان لو کہ میرا مذہب حدیث کے بموجب ہے۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ: شافعیہ کے امام دارکی[3] سے فتویٰ پوچھا جاتا، تو وہ بسا اوقات امام شافعی وابوحنیفہ کے مسلک کے خلاف فتویٰ دیتے، تو ان سے کہا جاتا: یہ فتویٰ ان دونوں اماموں کے خلاف ہے۔ وہ جواب دیتے: ''تمہاری بربادی ہو، فلاں نے فلاں کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے یہ یہ حدیث بیان کی ہے، اور حدیث کے خلاف ہونے کی صورت میں ان دونوں کا قول اپنانے کے بجائے حدیث اپنانا زیادہ سزاوار ہے''۔

اسی طرح اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو سینگی لگوانے والے کے روزے کے مسئلہ میں ہدایہ میں ذکر کیا ہے کہ: ''اگر آدمی سینگی لگوائے اور اس کا خیال ہو کہ اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، پھر جان بوجھ کر کھانا کھالے؛ تو اس پر روزہ کی قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوگا''، کیونکہ اس خیال وگمان کے لئے کوئی مستند شرعی دلیل نہیں ہے، الا یہ

---

(۱) اسے امام نووی نے المجموع (۱/ ۶۳) میں، اور شعرانی نے (۱/ ۷۵) میں ذکر کیا ہے، اور اس کے ہم معنیٰ امام بیہقی نے مناقب الشافعی (۱/ ۴۷۲-۴۷۳) میں، اور ابونعیم نے الحلیۃ (۹/ ۱۰۷) میں ذکر کیا ہے۔ اور مذکورہ کتاب: نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب ہے جو امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف، ابوالمعالی جوینی کی ہے، ان کی ولادت ۴۱۹ھ میں اور وفات ۴۷۸ھ میں ہوئی۔

(۲) دیکھئے: نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب، از امام الحرمین الجوینی (۱۹/ ۳۸۹) (مترجم)۔

(۳) یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن محمد، ابوالقاسم الدارکی ہیں، سبکی طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۳/ ۳۳۰) میں فرماتے ہیں: ''شاگردان میں سے ایک بلند پایہ امام ہیں''۳۷۵ھ میں وفات پائے۔ دارک: اعمال اصبہان کا ایک گاؤں ہے، ابوحامد اسفرائینی فرماتے ہیں: ''میں نے دارکی سے زیادہ فقہ وسمجھ والا نہیں دیکھا''۔ اور خطیب فرماتے ہیں: ''وہ ثقہ تھے''۔

کہ کوئی فقیہ اُسے روزہ فاسد ہو جانے کا فتویٰ دے؛ کیونکہ اس کے حق میں فتویٰ ایک دلیل شرعی ہے، اور اگر اسے حدیث مل جائے اور وہ اس پر اعتماد کرے تو امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں ایسا ہی ہونا چاہئے، کیونکہ فرمان رسول ﷺ مفتی کے قول سے نیچے نہیں ہو سکتا''[1]۔

کافی اور حمیدی میں ہے:

''یا فرمان رسول ﷺ کا درجہ مفتی کی بات سے کم نہیں ہو سکتا، اور جب مفتی کی بات شرعی دلیل ہو سکتی ہے' تو رسول ﷺ کا فرمان بدرجہ اولیٰ ہے''۔

البتہ امام ابو یوسف[2] سے اس کے خلاف مروی ہے؛ کیونکہ عامی کے اوپر فقہاء کی تابعداری لازم ہے' اس لئے کہ اس کے لئے حدیثوں تک رسائی ممکن نہیں ہے' اور اگر وہ حدیث کا معنیٰ سمجھے تو (شبہہ ختم ہو جانے کے سبب) کفارہ واجب ہوگا!!۔

سیافری کی کتاب ''الاتفاق'' میں ہے: امام ابو یوسف کی بات کا جواب یہ ہے کہ عامی پر فقہاء کی اتباع کے وجوب کی بات' اس عامی پر محمول ہے جو بالکل جاہل ہو' احادیث کا معنیٰ اور ان کی تفسیر سمجھنے سے عاری ہو' تو کفارہ واجب ہوگا، اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ عامی سے مراد وہ ہے جسے علم نہ ہو''۔

اور حمیدی میں ہے:

''عامی: عامہ کی طرف منسوب ہے' یہ جاہل لوگ ہیں، لہٰذا ان اشاروں سے معلوم ہوا کہ: امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی بھی عامی سے مراد وہ نرا جاہل ہے جو نص کا معنیٰ اور اس کی تفسیر نہ سمجھے، چنانچہ امام ابو حنیفہ، شافعی اور محمد رحمہم اللہ کی ذکر کردہ باتوں سے نص کے خلاف روایت (قول امام) پر عمل کو واجب قرار دینے والے کی بات مندفع ہو جاتی ہے''۔ صاحب خزانہ کی بات ختم ہوئی۔

❁ ❁ ❁

(۱) الھدایہ شرح بدایۃ المبتدی، از علامہ مرغینانی، (۱/ ۱۴۰، ایڈیشن دار الکتب العلمیہ)۔

(۲) یہ قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب انصاری کوفی بغدادی، ابو یوسف، حنفی فقیہ، اصولی، مجتہد، اور محدث ہیں، خلیفہ مہدی، ہادی، اور رشید کے ادوار میں منصب قضاء پر فائز رہے، اور قاضی القضاۃ کے لقب سے ملقب ہوئے، ان کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے: الخراج اور المبسوط حنفیہ کے فروعی مسائل سے متعلق ہیں، اسی طرح ادب القاضی علی مذہب أبي حنیفہ ہے، ۱۸۲ھ میں وفات پائے۔ بہت سارے علماء نے ان کی سیرت لکھی ہے، ان میں سے امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء، (۶/ ۲۹۰-۲۹۲) میں، ابن الندیم نے فہرست (۱/ ۲۰۳) میں، ابن خلکان نے وفیات الاعیان (۲/ ۴۰۰-۴۰۶) میں اور دیگر لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، دیکھئے: معجم المؤلفین، از عمر رضا کحالہ (۱۳/ ۲۴۰)۔

باب

فتویٰ دہی کا حقدار کون؟

فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی [1] فرماتے ہیں:

''کسی کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں، اِلایہ کہ اُسے علماء-یعنی امام ابو حنیفہ اور ان کے دونوں شاگردان- کے اقوال کا علم ہو، اور وہ جانتا ہو کہ انہوں نے کس دلیل کی بنیاد پر وہ بات کہی ہے، نیز اسے لوگوں کے معاملات کا بھی علم ہو، ہاں اگر وہ علماء کے اقوال جانتا ہو اور ان کے مذاہب ہو جانتا ہو، اور اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے' جس کے بارے میں وہ جانتا ہو کہ وہ جن علماء کے مسلک کا پیروکار ہے وہ اسی بات کا فتویٰ دیتے ہیں' تو ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ: یہ جائز ہے' یہ ناجائز ہے، لیکن اس کی یہ بات بطور حکایت ہوگی، اور اگر کوئی مختلف فیہ مسئلہ ہو تو بھی اس کے لئے ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ: یہ چیز فلاں کے قول کے مطابق جائز اور فلاں کے قول کے مطابق ناجائز ہے، لیکن اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان میں سے کوئی قول منتخب کر کے دوسرے اقوال کا جواب دے' جب تک کہ اس قول کی دلیل نہ جانتا ہو''۔

ہمیں ابراہیم بن یوسف نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُفْتِيَ بِقَوْلِنَا مَا لَمْ يَعْلَمْ مِنْ أَيْنَ قُلْنَا'' [2]۔

کسی کے لئے ہمارے قول پر فتویٰ دینا حلال نہیں' جب تک کہ اسے علم نہ ہو کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔

---

(۱) یہ امام ہدایت نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندی، ابو اللیث فقیہ، مفسر، محدث اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں: النوازل فی فروع الحنفیہ، تفسیر القرآن، تنبیہ الغافلین، خزانۃ الفقہ علی مذہب أبي حنیفۃ، بستان العارفین فی الآداب الشرعیۃ وغیرہ ہیں، ۳۹۳ھ میں یا ایک قول کے مطابق ۳۷۳ھ وفات پائے، سیر اعلام النبلاء (۱۷/ ۲۲۷-۲۲۸)، وہدیۃ العارفین (۲/ ۴۹۰)، وغیرہ۔ دیکھئے: معجم المولفین (۱۳/ ۹۰۹۱)۔

(۲) اسے ابن عبد البر نے ''الانتقاء فی فضائل الأئمۃ الفقہاء'' (ص ۱۴۵) میں روایت کیا ہے، اور ابن القیم نے اعلام الموقعین (۲/ ۳۰۹) میں ذکر کیا ہے، دیکھئے: مقدمۃ صفۃ صلاۃ النبی (ص ۴۶)۔

عصام بن یوسف[1] سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا: آپ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بڑی مخالفت کرتے ہیں! تو انہوں نے فرمایا: ''امام ابوحنیفہ کو جو علم دیا گیا ہے ہمیں نہیں دیا گیا ہے لہٰذا ان کی سمجھ جہاں تک پہنچتی ہے ہماری نہیں پہنچتی، اور ہم اتنی ہی سمجھ کے مالک ہیں جو ہمیں اللہ کی جانب سے عطا ہوئی ہے، لہٰذا ہمارے لئے روا نہیں کہ ہم اُن کے قول کے مطابق فتویٰ دیں جب تک یہ نہ سمجھ لیں کہ انہوں نے کس دلیل کی بنا پر کہا ہے''۔

عصام بن یوسف ہی سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ:

''میں کسی کی تعزیت یا جنازہ میں تھا، وہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے چار شاگردان اکٹھا ہو گئے زفر بن ہذیل، ابو یوسف، عاقبہ بن یزید، اور ایک کوئی اور، چنانچہ سبھوں کا اس بات پر اجماع تھا کہ:

''لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُفْتِيَ بِقَوْلِنَا مَا لَمْ يَعْلَمْ مِنْ أَيْنَ قُلْنَا''۔

کسی کے لئے ہمارے قول پر فتویٰ دینا حلال نہیں جب تک کہ اسے علم نہ ہو کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔

بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں:

''ہم نے کہاں سے کہا ہے'' کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تک ہمارے قول کی دلیل وحجت نہ جانتا ہو، ان ائمہ کرام کی باتوں میں اس بات کی اشارہ ہے کہ وہ دوسروں کے لئے جائز نہیں سمجھتے تھے کہ ان کے قول کی دلیل جانے بغیر ان کی کہی ہوئی باتوں میں انکی تقلید کریں، یہی بات لیث نے بھی ذکر کی ہے، جیسا کہ سراجیہ وغیرہ کے حوالہ سے خزانۃ الروایات میں منقول ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:

شداد بن حکیم نے زفر بن ہذیل کے واسطے فرمایا ہے:

''إِنَّمَا نَأْخُذُ بِالرَّأْيِ مَا لَمْ نَجِدِ الْأَثَرَ، فَإِذَا جَاءَ الْأَثَرُ تَرَكْنَا الرَّأْيَ، وَأَخَذْنَا بِالْأَثَرِ''[2]۔

ہم رائے اسی وقت لیتے ہیں جب حدیث نہیں پاتے، اور حدیث ملتے ہی رائے کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے ہیں'' بات ختم ہوئی۔

---

(۱) یہ عصام بن یوسف بلخی ہیں، قاضی ابو یوسف کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہنے والوں میں سے ہیں۔ مقدمہ صفۃ صلاۃ النبی ﷺ (ص ۵۶)۔

(۲) إعلام الموقعين عن رب العالمين (۲ / ۲۰۲) (مترجم)۔

میں کہتا ہوں: اصول اللامشی [1] میں ہے:

''حدیث کی اتباع کرنے والے پر کوئی عیب نہیں، جو یہ کہے کہ درحقیقت عمل کے کئے روایت (امام کا قول) ہے، وہ حدیث رسول ﷺ کی توہین کرنے والا ہے، اور توہین سنت کفر ہے'' [2]۔

ہمارے استاذ الاساتذہ شیخ محمد بن حیاۃ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ابن الشحنۃ نے نہایۃ النہایۃ میں فرمایا ہے:

''اگر امام (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کے حدیث چھوڑنے کا سبب اُس کی سند میں ضعف ہو، تو دیکھا جائے اگر اس ضعیف سند کے علاوہ کوئی سند ملے تو اس کا اعتبار کیا جائے، اور حدیث صحیح ہونے صورت میں حدیث پر عمل کیا جائے، اور وہی اس کا مذہب و مسلک ہو، اس حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے امام صاحب کا مقلد حنفی ہونے سے خارج نہ ہوگا، کیونکہ امام صاحب سے صحیح طور پر مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي''۔

جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔

اس سلسلہ کے بعض دیگر مصنفین نے بھی یہی بات کہی ہے۔

البحر الرائق میں فرماتے ہیں:

''اور اگر فتویٰ نہ پوچھے لیکن اُسے حدیث پہنچ جائے، یعنی فرمان نبوی ﷺ:

''أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ'' [3]۔

سینگی لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔

اسی طرح فرمان نبوی:

---

(۱) یہ بدر الدین محمود بن زید لامشی (میم پر کسرہ کے ساتھ)، ہیں جو بلاد ماوراء النہر میں فرغانہ کی بستیوں میں سے لامش نامی ایک بستی کی طرف منسوب ہے، الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ کے مولف (۳/ ۴۳۷ نمبر ۱۶۱۶) فرماتے ہیں: ''ان کا اصول فقہ میں ایک مقدمہ ہے، جسے میں نے تقریباً چالیس اوراق میں دیکھا ہے''۔ دیکھئے: کشف الظنون (۱/ ۱۱۴)، والطبقات السنیۃ (۲۴۳۰)، سیرت نگاروں نے ان کی تاریخ وفات ذکر نہیں کی ہے۔

(۲) دیکھئے: اصول اللامشی، ص ( )۔

(۳) متواتر حدیث ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل، از علامہ البانی (حدیث ۹۳۱)۔

''الْغِيبَةُ تُفْطِرُ الصَّائِمَ''[1]۔

غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اور اُسے کسی نسخ یا تاویل کا علم نہ ہو تو ان دونوں (امام ابوحنیفہ ومحمد) کے یہاں اُس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہے، کیونکہ حدیث کا ظاہر واجب العمل ہے، برخلاف امام ابو یوسف کے، کہ ان کا کہنا ہے کہ: عامی حدیث پر عمل نہیں کرسکتا، کیونکہ اُسے ناسخ ومنسوخ کا علم نہیں ہے''[2]۔

ابن ابی العز[3] ہدایہ کے حاشیہ میں[4] لکھتے ہیں:

ان کا یہ کہنا کہ: (اگر اسے حدیث یعنی: ''أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ'' (سینگی لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا) مل جائے اور وہ اس پر اعتماد کرلے، (تو امام محمد کے یہاں بھی یہی ہے) - یعنی اگر وہ حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے یہ سمجھے کہ سینگی سے روزہ ٹوٹ گیا، اور پھر کھانا کھالے - تو اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہے، (کیونکہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم مفتی کے قول سے نیچے نہیں ہوسکتا ہے) اس عبارت میں تسامح ہے، بلکہ یہ تعبیر غلط ہے، معاملہ اس سے کہیں زیادہ عظیم تر اور سنگین ہے، (اور امام ابو یوسف سے اس کے خلاف مروی ہے) - یعنی اس پر کفارہ لازم ہوگا - (کیونکہ عامی کے اوپر فقہاء کی تابعداری لازم ہے، اس لئے کہ اس کے لئے حدیثوں تک رسائی ممکن نہیں ہے) ان کی یہ تعلیل محل نظر ہے! کیونکہ جب مسئلہ علماء کے مابین اختلافی ہے، اور عامی کو وہ حدیث مل گئی ہے جس سے فریقین میں سے ایک فریق نے استدلال کیا ہے، تو ایسی صورت میں بھلا کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ معذور نہیں ہے؟ اگر کہا جائے کہ حدیث منسوخ ہے، تو یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ منسوخ سے معارضہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ جو حدیث سنے اور منسوخ ہونے کے باوجود اس پر عمل کرلے تو ناسخ پہنچنے تک وہ معذور ہے، حدیث صحیح سننے والے سے نہیں کہا جائے گا کہ: اس پر عمل نہ کرو، یہاں تک کہ فلاں فلاں کی رائے پر پیش کرلو! بلکہ اس سے صرف یہ

---

(۱) ضعیف ہے۔ الدرایۃ فی تخریج أحادیث الھدایۃ، از حافظ ابن حجر (حدیث ۳۸۱)۔

(۲) البحر الرائق شرح کنز الدقائق ومنحۃ الخالق وتکملۃ الطوری (۲/۳۱۵) (مترجم)۔

(۳) مطبوعہ نسخہ میں ابن العز ہے، لیکن شاید وہ ابن ابو العز حنفی علی بن علی ہیں، ان کی فقہ حنفی میں ایک کتاب ''التنبیہ علی مشکلات الھدایۃ'' ہے، جو مخطوط ہے۔

[نوٹ: یہ بات محقق نے ۱۹۹۷ء میں لکھی تھی، بعد میں یہ کتاب ۲۰۰۳ء میں تحقیق کے ساتھ جامعہ اسلامیہ مدینہ سے شائع ہوئی۔ (مترجم)]۔

(۴) التنبیہ علی مشکلات الھدایۃ (۲/۹۵۶) (مترجم)۔

کہا جائے گا کہ دیکھ لو کہیں منسوخ تو نہیں ہے؟ البتہ جب حدیث کے منسوخ ہونے کے سلسلہ میں اختلاف ہو جیسے یہ مسئلہ ہے تو اس پر عمل کرنے والا حد درجہ معذور ہے، کیونکہ مفتی کے یہاں غلطی کا احتمال ہونا سنی ہوئی حدیث کے منسوخ ہونے کے احتمال سے زیادہ قوی تر ہے۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

''نیز منسوخ احادیث کی تعداد نہایت معمولی ہے، امام ابن الجوزی نے انہیں چند اوراق میں اکٹھا کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ: اس میں انہوں نے صرف انہی احادیث کو جمع کیا ہے جن کا منسوخ ہونا صحیح یا نسخ کا احتمال ہے، اور جن میں نسخ کی کوئی وجہ یا احتمال نہیں ہے ان سے صرف نظر کیا ہے''۔

نیز فرماتے ہیں:

''جو کوئی حدیث سنے اور اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرے جبکہ کوئی دلیل نہ ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں''۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

''میں نے غور کیا تو یہ کل اکیس حدیثیں ہیں''[1]۔

اگر عامی کے لئے مفتی کی خطا کی احتمال کے باوجود اس کی بات لینا روا بلکہ واجب ہے تو اس کے لئے حدیث رسول ﷺ لینا کیونکر روا نہ ہوگا؟ اگر سنت رسول ﷺ پر صحت کے باوجود عمل کرنا جائز نہ ہو یہاں تک کہ اس پر فلاں فلاں عمل کریں؛ تب تو سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے کے لئے ان لوگوں کا قول شرط ٹھہرے گا! اور یہ سب سے بڑا باطل ہے، اسی لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ حجت قائم فرمائی ہے نہ کہ افراد امت کے ذریعہ اور حدیث پر عمل کرنے والے اور اسے سمجھنے کے بعد اس کا فتویٰ دینے والے میں جس قدر غلطی کا احتمال ہے اس سے کئی گنا زیادہ اس آدمی میں غلطی کا احتمال موجود ہے جو کسی ایسے کی تقلید میں فتویٰ دے جس کی غلطی و درستی سے واقف نہ ہو اور اس کے یہاں تناقض اور اختلاف سب پایا جائے، وہ کوئی بات کہے پھر اس سے رجوع کر لے اور

(۱) یہ کتاب: علامہ ابن الجوزی کی ''إخبار أهل الرسوخ'' ہے جو مطبوع ہے اس کی تحقیق محمد صبحی حسن حلاق نے کی ہے (طبعہ ابن حزم)، اس کے (ص ۲۸) پر لکھتے ہیں: ''میں اس کتاب میں ان احادیث کو علیحدہ کروں گا جن کا منسوخ ہونا ثابت ہے یا اس کا احتمال ہے ان حدیثوں سے صرف نظر کروں گا جس کے منسوخ ہونے یا احتمال کی کوئی وجہ نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی کسی حدیث کے بارے میں منسوخ ہونے کا دعویٰ سنے اور وہ اس کتاب میں نہ ہو تو جان لے کہ وہ محض دعویٰ ہے''۔

اس سے کئی اقوال بیان کئے جائیں!! اور یہ ساری باتیں اس آدمی کے حق میں ہیں، جس میں کسی قدر اہلیت پائی جاتی ہو، لیکن اگر اس کے پاس سرے سے کوئی اہلیت نہ ہو تو اس کی ذمہ داری فرمان الٰہی کے مطابق (علم والوں سے پوچھنا) ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل: ۴۳]۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

اور جب مستفتی کے لئے مفتی کی لکھی ہوئی بات، یا اس کے شیخ خواہ کتنے بھی اوپر کا ہو کی لکھی ہوئی بات پر اعتماد کرنا جائز ہے تو آدمی کے لئے ثقہ اور معتبر لوگوں کی لکھی ہوئی رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر اعتماد کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے، اور یہ مان بھی لیا جائے کہ اس نے حدیث نہیں سمجھا ہے؛ تو جیسے مفتی کا فتویٰ نہ سمجھنے کی صورت میں کسی جاننے والے سے پوچھے گا، ویسے ہی حدیث بھی پوچھے گا"[1]۔ بات ختم ہوئی۔

ابن ابوالعز مزید فرماتے ہیں:

اور بعض ائمہ فتویٰ سے جو اس قسم کی چیز -یعنی حدیث پر عمل نہ کرنے کی بات- پائی جاتی ہے، وہ اس میں مستحق اجر و ثواب اور مغفرت کے سزاوار ہیں، اور جسے یہ باتیں بیان کردی جائیں، وہ تقلید کرنے میں معذور نہیں رہے گا، کیونکہ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ نے فرمایا ہے:

"لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَأْخُذَ بِقَوْلِنَا مَا لَمْ يَعْلَمْ مِنْ أَيْنَ أَخَذْنَاهُ"۔

کسی کے لئے ہمارا قول لینا حلال نہیں، جب تک کہ اسے علم نہ ہو کہ ہم نے کہاں سے لیا ہے۔

اگر آدمی ابوحنیفہ یا مالک یا شافعی یا احمد رحمہم اللہ کا پیروکار ہو، اور وہ دیکھے کہ کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب اُس کے امام سے زیادہ قوی ہے، چنانچہ اس کی اتباع کرلے، تو وہ بہت اچھا عمل کرنے والا ہے، اور یہ چیز بلا نزاع اس کے دین یا عدالت میں قادح نہیں ہے، بلکہ یہی حق کے لائق و سزاوار اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب تر ہے، اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی معین امام کے لئے تعصب کرے اور یہ سوچے کہ اس کا قول ہی درست ہے، دیگر ائمہ متاخرین کے اقوال کو چھوڑ کر اسی کی اتباع کرنا واجب ہے، تو وہ گمراہ جاہل ہے، بلکہ کافر بھی ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں اس سے توبہ کرائی جائے گی، اگر توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کردیا جائے گا، کیونکہ جب

(۱) التنبیہ علی مشکلات الہدایۃ (۲/۹۵۹) (مترجم)۔

اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ لوگوں پر دیگر ائمہ کو چھوڑ کر انہی ائمہ کرام میں سے کسی ایک متعین امام کی پیروی کرنا واجب ہے' تو اس نے اس امام کو نبی کا مرتبہ دے دیا' جو کفر ہے! ورنہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے عامی کے لئے زید، عمرو کی تعیین کئے بغیر ان ائمہ میں سے کسی کی بھی تقلید کر لینا جائز یا واجب ہے، البتہ جو ائمہ سے محبت وولایت رکھنے والا ہو' ان میں سے ہر ایک کی تقلید کرے' جن مسائل میں اسے نظر آئے کہ فلاں امام کا قول سنت کے مطابق ہے' تو یہ بڑی اچھی بات ہوگی، اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ائمہ کرام رحمہم اللہ بعض فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود متحد و متفق تھے' لہٰذا ان کا اجماع قطعی دلیل وحجت ہے، اور ان کا اختلاف کشادہ رحمت ہے [1]، اور جو شخص بعد کے ائمہ کو چھوڑ کر ان میں سے کسی معین امام کے لئے تعصب کرے' اس کی حیثیت اسی جیسی ہے جو بقیہ صحابہ کو چھوڑ کر کسی ایک صحابی کے لئے تعصب کرے' جیسے رافضی، ناصبی اور خارجی کا معاملہ ہے، تو یہ اہل بدعات وخواہشات کا طریقہ ہے' جن کے بارے میں کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ یہ لوگ مذموم اور شریعت سے خارج ہیں [2]، اور جس سے کوئی علم کی بات پوشیدہ ہو' اور ظاہر ہونے پر وہ اس کی پیروی کرلے تو یہی درست ہے' اللہ تعالیٰ

---

(۱) اختلاف رحمت نہیں، بلکہ شر وبرائی اور عذاب ہے، کیونکہ حق ایک ہے انیک نہیں، یا تو حق ہوگا یا باطل، غلط ہوگا یا صحیح۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کی تردید کیا کرتے تھے، اختلاف رحمت ہونے کے دعویٰ کی بنیاد پر کسی نے کسی کی غلطی کو روا نہیں سمجھا، اسی طرح ان کے بعد ان کے مخلص پیروکاروں' ائمہ کرام اور اہل علم وفضل کا بھی یہی شیوہ رہا۔

امام ابوعمر بن عبد البر فرماتے ہیں: سلف میں کوئی نہ کہتا تھا کہ جو آپ کہتے ہیں وہ بھی جائز ہے' اور جو میں کہتا ہوں وہ بھی جائز ہے، ہم سب تارے ہیں' کسی سے بھی رہنمائی لی جا سکتی ہے، اس لئے اختلاف کی بنیاد پر ہم پر کوئی ملامت نہیں"۔

پھر فرماتے ہیں: "جن مسائل میں اختلاف اور باہمی دفاع رونما ہوا ہے' اس میں صحیح بات ایک ہی ہے۔ اگر دو متضاد باتیں صحیح ہوتیں تو سلف صالحین آپس میں ایک دوسرے کو اپنے اجتہادات، فیصلوں اور فتوؤں میں غلط نہیں ٹھہراتے، اور انسانی عقل ونظر بھی اس بات کی انکاری ہے کہ کوئی چیز اور اس کی ضد دونوں صحیح ہوں" دیکھئے: جامع بیان العلم (۲/ ۱۰۷-۱۰۸)۔

اور امام مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمان باری: ﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ﴾ [حود: ۱۱۸]۔ (وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے) کی تفسیر میں فرمایا: یعنی باطل پرست ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔ اور ﴿إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ﴾ [حود: ۱۱۸]۔ (بجز ان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے) کے بارے میں فرمایا کہ: حق پرستوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔

نیز جامع بیان العلم (۲/ ۱۰۹) میں ابن عبد البر کی بات پڑھئے، بڑی عمدہ اور نفیس گفتگو فرمائی ہے، اسی طرح سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱/ ۱۴۱-۱۵۲) میں علامہ البانی رحمہ اللہ کی بات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) اسے ابن ابی عاصم نے السنۃ (حدیث ۹۷۳) میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ===

نے اس کے علم و ہدایت میں اضافہ کر دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿١١٤﴾﴾ [طٰہٰ: ۱۱۴]۔

ہاں یہ دعا کر کہ پروردگار! میرا علم بڑھا۔

فرنگیوں (انگریزوں) کے بعض مغربی ممالک اور تاتاریوں کے بعض مشرقی ممالک پر قابض و مسلط ہونے کے منجملہ اسباب میں سے ایک سبب ان کے درمیان مذاہب و مسالک وغیرہ میں تعصب و تفرقہ بازی اور فتنوں کی کثرت ہے' اور یہ ساری چیزیں گمان اور خواہشات نفسانی کی پیروی کا حصہ ہیں' جبکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت و رہنمائی آچکی ہے"[1]۔

اور "المضمرات"[2] میں منقول ہے کہ:

"حدیث رسول ﷺ حجت ہونے میں اجتہاد کے اوپر ہے، لہٰذا اگر روایت (امام سے مروی اجتہاد) حدیث صحیح کے خلاف ہو تو' اجتہاد و مجتہد دونوں کو چھوڑ دیا جائے گا، حدیث پر عمل کرنا اجتہاد پر عمل کرنے سے کہیں اولیٰ و بہتر ہے"۔

اور الکفایۃ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ صحیح دلیل پر عمل کرنا قیاس پر عمل سے زیادہ اولیٰ و بہتر ہے۔

== "لَيُحِبُّنِي قَوْمٌ حَتَّى يَدْخُلُوا النَّارَ فِيَّ، وَلَيُبْغِضُنِي قَوْمٌ حَتَّى يَدْخُلُوا النَّارَ فِي بُغْضِي"۔

کچھ لوگ مجھ سے محبت کریں گے یہاں تک کہ میری وجہ سے جہنم میں داخل ہوں گے، اور کچھ مجھ سے بغض و نفرت کریں گے یہاں تک کہ مجھ سے نفرت کے سبب جہنم میں جائیں گے۔

علامہ البانی فرماتے ہیں: اس کی سند شیخین کی شرط پر ہے، پھر فرماتے ہیں: یہ مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ یہ غیب کے قبیل سے ہے جسے رائے سے نہیں معلوم کیا جا سکتا"۔ اور جن لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں غلو کیا اور حد سے تجاوز کر گئے' وہ روافض ہیں' یہاں تک کہ ان میں سے ایک گروہ نے انہیں معبود بنا دیا، اور جن لوگوں نے ان سے بغض و نفرت کیا وہ نواصب ہیں، جو ہمیشہ انہیں برا بھلا کہتے اور ان کی تنقیص کرتے ہیں، اسی طرح تمام آل بیت کو گالی گلوچ کا نشانہ بناتے ہیں، اور جہاں تک خوارج کا معاملہ ہے تو وہ اس مشہور حدیث کے سبب خارج ہیں' جسے امام بخاری (حدیث ۳۶۱۱) و مسلم (حدیث ۱۰۶۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور اس میں ان کی مذمت ہے۔

(۱) التنبیہ علی مشکلات الہدایۃ، لابن ابی العز حنفی (۲/ ۵۳۱-۵۳۴) (مترجم)۔

(۲) یہ جامع المضمرات فقہ حنفی میں مختصر القدوری کی شرح ہے، حاجی خلیفہ نے اس کے مولف کا نام ذکر نہیں کیا ہے، کشف الظنون (۱/ ۵۷۴، ۲/ ۱۷۱۳)۔

بعض محققین نے کہا ہے:

جس کے پاس کتاب اللہ اور اس کی تفسیر اور حدیث وعلوم حدیث کا ادنیٰ علم ہو اس چاہئے کہ پوری تحقیق وجستجو کرے، صحیح وضعیف اور قوی وکمزور کی تمیز کرے، اور تحقیق کی روشنی میں جس بات کی صحت ثابت ہو اور اس کی روایت بکثرت ہو اس پر عمل کرے گرچہ یہ مسئلہ جس کی وہ تقلید کر رہا ہے اس کے خلاف ہو! کیونکہ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ قرون اولیٰ میں ایک مذہب وموقف سے دوسرے موقف کی طرف منتقل ہونا باعث ملامت نہ تھا، بڑے بڑے علماء ایک مسلک سے دوسرے مسلک میں منتقل ہوئے ہیں، یہی معاملہ صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم ورحمہم کا بھی تھا کہ وہ ایک قول سے دوسرے کی طرف منتقل ہوا کرتے تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ:

ٹھیک اور سچی سمجھ رکھنے والے کی صوابدید کے مطابق حدیث رسول ﷺ پر عمل کرنا ہی دینی مصلحت ہے اور تمام ائمہ کے یہاں وہی مذہب ومسلک ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے تھے:

”هَذَا مَا قَدرنَا عَلَيْهِ فِي الْعلم، فَمن وجد أوضح مِنْهُ فَهُوَ أولى بِالصَّوَابِ“[1]۔

ہمارے بس میں تناہی علم تھا، جسے اس سے زیادہ واضح علم ملے وہ درستی کا زیادہ مستحق ہے۔

تنبیہ المغترین میں اسی طرح ہے[2]۔

نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”لَا يَحِلُّ لِأَحَد أَن يَأْخُذَ بِقَولِنَا مَا لَمْ يَعرِف مَأخَذَهُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ أَو إِجْمَاعِ الْأُمَّةِ أَو الْقِيَاسِ الْجَلِيِّ فِي الْمَسْأَلَةِ“۔

کسی کے لئے اس وقت تک ہمارا قول لینا حلال نہیں جب تک کہ اُسے مسئلہ کی بابت کتاب وسنت، یا اجماع امت، یا قیاس جلی سے اُس کا ماخذ معلوم نہ ہو۔

اور ملا علی قاری اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

---

(۱) دیکھئے: اس سے قریب قریب الفاظ: تاریخ بغداد وذیولہ (۱۳/ ۳۵۱)، ومناقب الامام أبی حنیفۃ وصاحبیہ (ص: ۳۴)، والجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ (۱/ ۴۷۲) (مترجم)۔

(۲) یہ کتاب ”تنبیہ المغترین فی القرن العاشر علی من خالفوا فیہ سلفھم الطاہر“ عبدالوہاب بن علی شعرانی کی ہے، ان کی وفات ۹۶۵ھ میں ہوئی۔

''حنفیوں کے یہاں جو یہ بات مشہور ہے کہ اگر کوئی حنفی شافعی مسلک قبول کرلے تو اسے سزا دی جائے گی اور اس کے برعکس ہو (یعنی کوئی شافعی حنفی ہو جائے) تو اسے نکال دیا جائے گا! ایک بدعت اور من گھڑت بات ہے، ہاں اگر پہلے مسلک پر طعن اور عیب زنی کرتے ہوئے دوسرے مسلک میں منتقل ہو تو خواہ حنفی ہو یا شافعی، اُسے سزا دی جائے گی، اسی طرح جو یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی حنفی شافعی ہو جائے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اگرچہ وہ عالم ہو، جیسا کہ جواہر کے اخیر میں ہے! یہ بات جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، کسی مسلمان کے لئے اس طرح کی بات کرنا جائز نہیں، کیونکہ اہل سنت و جماعت کے تمام مجتہدین ہدایت یافتہ ہیں، اور اس امت کے کسی بھی شخص پر حنفی یا شافعی یا مالکی ہونا واجب نہیں ہے، بلکہ امت کے افراد اگر مجتہد نہ ہوں تو ان پر واجب ہے کہ ان ائمہ میں سے (بلاتعیین) کسی کی تقلید کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَٱلزُّبُرِ﴾ [النحل: ۴۳-۴۴]۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو، دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ۔

اور اس لئے بھی کہ ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے: جو کسی عالم کے پیچھے چلے گا اللہ سے سلامتی سے ملاقات کرے گا''۔ بات ختم ہوئی۔

شرح عین العلم [1] میں ہے:

''جب آدمی کو اپنے امام کے مسلک کے خلاف قول کی کوئی راجح دلیل ملے تو احتیاط پر عمل کرنا مستحب ہے، کیونکہ مکلف کو سید الانبیاء محمد ﷺ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے''۔

عبدالحق دہلوی الصراط المستقیم کی شرح فرماتے ہیں:

''صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا'' کہنے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ جس مذہب کا پیروکار ہے عمل کرنے کے لئے اس مذہب کے اقوال میں سے وہ قول اختیار کرے جو زیادہ محتاط اور کسی صحیح حدیث کے موافق ہو، اگرچہ اس مذہب کا ظاہر و مشہور قول نہ ہو''۔

نیز ان سے منقول ہے کہ مذکورہ شرح میں فرماتے ہیں:

---

(۱) عین العلم وزین الحلم، یہ احیاء علوم الدین غزالی کی مختصر ہے، اس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے، البتہ عین العلم کے مولف نے اپنا نام پوشیدہ رکھا ہے شاید وہ ابن عمر بلخی حنفی ہیں۔

''مجتہد کے پیروکار کو اگر اپنے مذہب کے خلاف کوئی صحیح حدیث مل جائے، تو کیا اس کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑ کر اس حدیث پر عمل کرنا جائز ہے؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، متقدمین کے یہاں جائز ہے۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ اصل مقتدا اور پیشوا تو نبی کریم ﷺ ہیں' آپ ﷺ کے سوا سب آپ کے پیروکار ہیں، اس لئے یہ جان لینے کے بعد کہ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے' آپ کے علاوہ کی پیروی کرنا غیر معقول ہے! یہی علماء متقدین کا طریقہ تھا''۔ بات ختم ہوئی۔

فتاویٰ ظہیریہ [1] میں ہے:

''جو اجتہاد کرتے ہوئے کوئی عمل کرے، یا کسی مجتہد کی تقلید میں کوئی کام کرے، اس پر کوئی عار، عیب یا انکار نہیں ہونا چاہئے''۔ بات ختم ہوئی۔

''لیکن جو مجتہدین میں سے نہ ہو اور ایک قول سے دوسرے کی طرف' کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں' بلکہ محض دنیا اور اس کی شہوتوں کی لالچ میں' منتقل ہو، تو وہ مذموم اور گنہ گار ہے''۔ اس طرح حمادی میں مذکور ہے۔

رہا جو لوگوں کی زبانوں پر رائج ہے کہ عمل فقہ پر ہوگا حدیث پر نہیں' تو وہ ایک لایعنی اور فضول بات ہے' کیونکہ نہایت واضح بات ہے کہ فقہ کی بنیاد کتاب وسنت ہی ہیں، جہاں تک اجماع اور قیاس کا معاملہ ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا مرجع بھی کتاب وسنت ہی ہیں، تو بھلا فقہ پر عمل کو ثابت کرنا اور حدیث پر عمل کی نفی کرنا چہ معنیٰ دارد؟ ۔۔جبکہ فقہ پر عمل کرنا بعینہ حدیث پر عمل کرنا ہے' جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔

زیادہ سے زیادہ اس کی توجیہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ: یہ مخصوص شخص کا مخصوص حکم ہے، اور وہ مخصوص لوگوں میں سے نہیں ہے' بلکہ عوام میں سے ہے جو ہوام (جانور، کیڑے مکوڑے) کی طرح ہوتے ہیں' حدیث رسول کا معنیٰ ومقصود سمجھتے ہیں نہ صحیح وضعیف، مقدم ومؤخر (ناسخ منسوخ)، مجمل ومفسر، موضوع ومن گھڑت اور اس کی دیگر قسموں میں تمیز کر سکتے ہیں! بلکہ ہر بات جس پر: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، دیکھتے یا سنتے ہیں! اس پر اعتماد وبھروسہ کر لیتے ہیں، انہیں اس کی تمیز ومعرفت نہیں ہوتی کہ ایسا کہنے والا محدثین میں سے ہے یا دیگر لوگوں

---

(۱) یہ فتاویٰ ظہیریہ ہے جو ابو بکر اسحاق بن ابو بکر الولوالجی کی کتاب ہے' جن کا لقب ظہیر الدین ہے، الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ کے مصنف نے ان کی سیرت لکھی ہے (۱/ ۳۷۵)، اسی طرح حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون (۲/ ۱۲۳۰) میں ان کی سیرت درج کی ہے، ان کا نام: ظہیر الدین ابو المکارم اسحاق بن ابو بکر حنفی لکھا ہے اور وفات ۷۱۰ھ بتایا ہے۔

میں سے؟ اور مان لیں محدثین میں سے بھی ہو تو کیا وہ عادل وثقہ ہے یا نہیں؟ اس کی یاد داشت اچھی ہے یا خراب؟ اسی طرح دیگر چیزیں۔ اب اگر عامی کے سامنے کوئی حدیث آئے اور اس سے کہا جائے کہ وہ حدیث پر عمل کرے، تو بسا اوقات ممکن ہے کہ وہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہو اور تمیز نہ کر پانے کے سبب وہ اس پر عمل کر رہا ہو، اور بسا اوقات ہو سکتا ہے وہ حدیث ضعیف ہو اور دوسری صحیح حدیث اس کے خلاف ہو، اور وہ صحیح حدیث کو چھوڑ کر اس ضعیف حدیث پر عمل کر رہا ہو، تو اس طریقہ سے وہ اپنی تمام تر حالتوں میں یا تو غلطی کرے گا یا گڈ مڈ کرے گا، لہٰذا ایسی صورت میں اس سے اور اس جیسوں سے کہا جائے گا کہ فقیہ کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرے' محض حدیث سن کر عمل نہ کرے' کیونکہ اس کے لئے متعلقہ تمام باتوں کا ضبط واحاطہ کرنا ممکن نہیں۔

لیکن اگر مخصوص لوگوں میں سے اور حدیث وعلوم حدیث کا تجربہ رکھنے والا ہو' تو حاشا وکلا، اس سے فقیہ کی باتوں پر عمل کرنے کے لئے ہرگز نہیں کہا جائے گا' اگرچہ مسئلہ کی بابت آئی ہوئی احادیث فقیہ کی بات کے خلاف ہوں؛ کیونکہ عمل فقہ پر ہوگا اس حدیث پر نہیں!!

پھر یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ اس لفظ میں غایت درجہ بے ادبی، اور حد درجہ عیب وقباحت ہے؛ کیونکہ حدیث پر عمل کی مطلق نفی کسی عقلمند ودانا کی زبان سے سرزد نہیں ہو سکتی' چہ جائے کہ کسی صاحب فضل سے۔

اور اگر ہماری ذکر کردہ توجیہ کی روشنی میں کہا جائے کہ عمل فقہ پر ہوگا حدیث پر نہیں؛ تو بعینہ وہی توجیہ کرتے ہوئے کوئی کہنے والا کہے گا کہ عمل فقہ پر ہوگا، اللہ کی کتاب پر نہیں' کیونکہ عامی کتاب اللہ کی بھی کوئی چیز سمجھ سکتا ہے نہ اس کے محکم ومتشابہ، ناسخ ومنسوخ، مفسر ومجمل، عام وخاص وغیرہ قسموں کی تمیز کر سکتا ہے! لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ: ''عمل فقہ پر ہوگا' قرآن وحدیث پر نہیں'' کہنے کا فساد اس قدر عیاں ہے' کہ محتاج بیان نہیں' اور اس قدر نمایاں ہے کہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، بلکہ کسی سوجھ بوجھ والے مسلمان کو زیبا نہیں کہ اس سے اس قسم کے الفاظ سرزد ہوں' جن کی قباحت اہل علم ودانش سے پوشیدہ نہیں۔

جب آپ نے ہماری بیان کردہ باتوں کی حقیقت سمجھ لی تو آپ نے یہ بھی جان لیا کہ اگر امام کی جانب سے مقصود (سنت پر عمل) کی کوئی نص نہ بھی ہو' تو اس کے پیروکار عوام تو درکنار علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ سید الانام محمد ﷺ کی صحیح حدیث پر عمل کریں' اور ہر انصاف ور غیر متعصب انسان بخوبی جانتا ہے کہ سلف وخلف کے دین داروں کا یہی طریقہ وطیرہ رہا ہے، اور جو اس سے سرمو انحراف کرے گا ہلاک وبرباد ہوگا' جاہل، ہٹ دھرم اور متکبر کہلائے

گا' خواہ لوگوں کے یہاں اونچے اور سر برآوردہ لوگوں میں سے ہو، اور اس معنیٰ میں اہل علم ایک شعر پڑھتے ہیں:

أَهلُ الحَدِيثِ هُمُو أَهلُ النَّبِي وَإِن　　　لَم يَصحَبُوا نَفسَهُ أَنفَاسَهُ صَحِبُوا (١)

اہل حدیث ہی اہل نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، اگر چہ یہ براہِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ رہے لیکن آپ کی سانسوں کے ساتھ تو رہے۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ محدثین اور ان کے پیروکار ائمہ مجتہدین کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے اور سردار انبیا ورسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے باعمل علماء کے ساتھ ہمارا حشر فرمائے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے'' محقق کی بات کا خلاصہ ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں:

''اگر امام کی جانب سے مقصود پر کوئی نص نہ ہو...'' الخ؛ یہاں مقصود سے مراد: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث پر عمل کرنا ہے' باوجود یکہ امام کا مسلک حدیث کے خلاف ہو، اور ان کی بات کا حاصل یہ ہے کہ: اگر امام مجتہد کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث پر عمل کرنے کے وجوب کی کوئی نص نہ ہو، تو بھی علماء وعوام سمیت اس کے تمام متبعین پر واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث پر عمل کریں، تو بھلا امام کی جانب سے اس بارے میں نص، اس کی ترغیب اور تاکیدی وصیت کے ہوتے ہوئے کیا کرنا چاہئے؟ لہٰذا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ثابت حدیث پر عمل نہ کرے' وہ اپنے امام کا مخالف اور اس کی تقلید اور اس کے امور ومقصد کی تقلید کے دعویٰ میں جھوٹا ہے!!!!

علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ انگشت شہادت سے اشارہ کرنے کے سلسلہ میں تالیف کردہ اپنے رسالہ (٢) میں فرماتے ہیں:

''دسواں حرام امر: اہل حدیثوں کی طرح انگشت شہادت سے اشارہ کرنا'' (یعنی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے والی جماعت کی طرح) کہہ کر کیدانی نے بڑی عجیب وغریب حرکت کی ہے، یہ ان کی بہت بڑی غلطی اور خطرناک جرم ہے جو شریعت کے اصولی قواعد اور فروع کے مراتب سے لاعلمی اور جہالت کا نتیجہ ہے، اگر ان کی بابت حسن ظن

---

(١) یہ علامہ ابو عامر حسن بن محمد قومسی رحمہ اللہ کا شعر ہے، دیکھئے: طبقات الفقہاء الشافعیہ، از امام ابن الصلاح ١/ ٣٥٧۔ (مترجم)

(٢) شاید یہ رسالہ ''الاقتداء بالصلاۃ للمخالف'' ہے (مخطوطہ مکتبہ محمود مجمی)۔

نہ رکھا جائے اور اس کے سبب ان کی بات کی تاویل نہ کی جائے، تو وہ صریح کفر اور کھلے ارتداد کے مرتکب ہیں۔ کیا کسی مومن کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی تقریباً متواتر طور پر منقول ثابت شدہ عملی سنت کو حرام قرار دے؟ اور از راہ عناد و ہٹ دھرمی عرصہ دراز سے علماء کرام کے متفقہ مذہب کے جواز کی نفی کرے، حالانکہ ائمہ اربعہ میں سب سے قدیم امام اعظم -ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ- نے فرمایا ہے:

''لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَأْخُذَ بِقَوْلِنَا مَا لَمْ يَعْرِفْ مَأْخَذَهُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ أَوْ إِجْمَاعِ الْأُمَّةِ أَوِ الْقِيَاسِ الْجَلِيِّ فِي الْمَسْأَلَةِ''۔

کسی کے لئے ہمارے قول کا اختیار کرنا حلال نہیں جب تک کہ اسے اس بات کا علم نہ ہو کہ وہ مسئلہ کتاب و سنت، اجماع امت اور قیاس جلی کی کس دلیل سے ماخوذ ہے۔

جب آپ نے یہ بات سمجھ لی، تو اب یہ جان لیں کہ اگر امام کی جانب سے مقصود (سنت پر عمل) کی کوئی نص نہ بھی ہو، تو بھی اس کے پیروکار علماء کرام -چہ جائے عوام- پر سید الانام محمد ﷺ کی صحیح حدیث پر عمل کرنا واجب اور طے ہے، اسی طرح اگر بالفرض امام سے انگشت شہادت کی نفی ثابت ہو اور نبی بشیر ﷺ سے صحیح طور پر اس کا اثبات ثابت ہو تو اس میں ادنیٰ شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ بات کو ترجیح دی جائے گی! تو اب جبکہ صحیح سند سے ثابت حدیث کی بنیاد پر ان کا صریح قول موجود ہے، کیا کرنا چاہئے؟ ہر انصاف ور غیر متعصب انسان بخوبی جانتا ہے کہ سلف وخلف کے دین داروں کا یہی طریقہ و وطیرہ رہا ہے، اور جو اس سے سرمو انحراف کرے گا ہلاک و برباد ہوگا، جاہل، ہٹ دھرم اور متکبر کہلائے گا، خواہ لوگوں کے یہاں اونچے اور بڑے لوگوں میں سے ہو''۔ بات ختم ہوئی۔

البحر الرائق [1] میں فرماتے ہیں:

''ائمہ مجتہدین میں سے جس کی بھی تقلید کرنا چاہے جائز ہے، اگر چہ مذاہب کی تدوین ہو چکی ہو، جیسے آج کل، اور اس کے لئے اپنے مسلک سے منتقل ہونا بھی جائز ہے''۔ بات ختم ہوئی۔

ہمارے شیخ المشائخ محمد بن حیاۃ سندھی [2] فرماتے ہیں:

---

(۱) یہ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ابن نجیم مصری کی ہے، اور حافظ الدین نسفی کی کتاب کنز الدقائق عام طور پر پیش آنے والے فتوے اور واقعات کے مسائل پر مشتمل ہے۔

(۲) ان کی تعریف پہلے گزر چکی ہے۔

''یہ جو کچھ انہوں نے ذکر کیا ہے، کتاب وسنت اور بیشتر اور ان کے بعد کے چیدہ اہل علم کے اقوال کے دلائل سے یہی ثابت ہے، اس کے خلاف کہنے والے کی بات کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء خیر القرون کے خلاف ہر قول اس کے کہنے والے کو لوٹا دیا جائے گا، اور میرا خیال ہے یہ شخص علم سے کورا اور تعصب سے بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ہی اپنے محبوبات ومرضیات کی توفیق دینے والا ہے''۔ بات ختم ہوئی۔

امام ابن القیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ماننے والے اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث قیاس ورائے پر مقدم ہے اور اسی پر ان کے مسلک کی بنیاد ہے، جیسا کہ انہوں نے قہقہہ کی حدیث [1] کو ضعیف ہونے کے باوجود قیاس ورائے پر مقدم کیا ہے، اور سفر میں کھجور کے نبیذ (شربت) سے وضو کرنے کی حدیث [2] کو ضعیف ہونے کے باوجود قیاس ورائے پر مقدم کیا ہے، اسی طرح دس درہم سے کم کی چوری پر چور کا

---

(۱) اسے امام بیہقی نے السنن الکبری (۱/۱۴۶) میں باب الوضوء من القہقہۃ فی الصلاۃ میں ابو العالیہ سے، مرسلاً روایت کیا ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، جیسا کہ ابن سیرین نے کہا ہے۔ اور محمد بن یحییٰ ذہلی سے ذکر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ہنسنے سے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں ہے''۔ نیز دارقطنی نے اپنی سنن (۱/۱۶۱-۱۷۵) میں بہت ساری خبریں اور حدیثیں روایت کی ہیں جن میں کچھ بھی صحیح نہیں ہے، اسی طرح امام احمد (۳/۴۳۸) نے معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

''الضَّاحِكُ فِي الصَّلَاةِ، وَالْمُلْتَفِتُ، وَالْمُفَقِّعُ أَصَابِعَهُ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ''۔

نماز میں ہنسنے والا، گردن گھمانے والا اور انگلیاں چٹخانے والا سب ایک درجہ میں ہیں۔

اس میں زبان بن فائد ہے جو منکر حدیثیں روایت کرتا ہے، اور سہل بن معاذ ضعیف ہے، اور ابن لہیعہ سے حسن بن موسیٰ نے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے لہٰذا حدیث ضعیف ہے۔ اسی طرح اگر حدیث ضعف سے محفوظ بھی ہو تو اس میں کوئی حکم نہیں ہے، حدیثوں میں یا تو قصہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک نابینا آدمی مسجد کے کنوے میں گر گیا تو جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے اسے دیکھ کر ہنس پڑے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنسنے والوں کو وضو کرنے اور نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا، اور اس میں بھی روایتیں مختلف ہیں۔

(۲) اسے بھی امام بیہقی نے سنن (۱/۹-۱۰) میں، اسی طرح دارقطنی (۱/۷۵-۷۹)، ابو داود (حدیث ۸۴)، ابن ماجہ (حدیث ۳۸۴)، ترمذی (حدیث ۸۸) اور دیگر لوگوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''سَأَلَنِي النَّبِيُّ ﷺ: ''مَا فِي إِدَاوَتِكَ؟''، فَقُلْتُ: نَبِيذٌ، فَقَالَ: ''تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ، وَمَاءٌ طَهُورٌ''، قَالَ: فَتَوَضَّأَ مِنْهُ''۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: تمہارے برتن میں کیا ہے؟ میں نے کہا: نبیذ، فرمایا: یہ تو پاکیزہ کھجور اور پاک پانی ہے، کہتے ہیں: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو فرمایا۔

===

ہاتھ کاٹنے سے منع کیا ہے، باوجودیکہ اس سلسلہ میں حدیث ضعیف ہے[1]، اور حیض کی اکثر مدت دس دن قرار دیا ہے جبکہ اس سلسلہ میں بھی حدیث ضعیف ہے[2]، نیز کنوؤں کے مسائل میں غیر مرفوع آثار کی بنا پر قیاس محض ترک کر دیا ہے، لہٰذا ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو قیاس ورائے پر مقدم کرنا، امام ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا قول ہے''[3]۔ بات ختم ہوئی۔

ہمارے شیخ المشائخ محقق ابوالحسن سندھی فتح القدیر پر اپنے حواشی میں فرماتے ہیں:

''کیونکہ عامی کے حق میں حکم وفیصلہ اس کے مفتی کا فتویٰ ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ عامی کے حق میں کسی معین مذہب کو اپنانا لازم نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اس سے مناسب و بہتر کی رہنمائی نہیں پا سکتا سوائے خواہش نفسانی کی بنیاد پر، جیسا کہ آج عوام کا حال ہے، اور اس جیسے کی بنا پر اس کے لئے اسی مذہب کا اپنانا ضروری نہیں، کیونکہ شرعی امور میں

=== امام بیہقی نے ابن عدی سے ذکر کیا ہے کہ: ''اس حدیث کا دارومدار ابوزید مولی عمرو بن حریث عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر ہے۔ اور ابوزید مجہول ہے، یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت نہیں ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے'' یعنی فرمان باری تعالیٰ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [المائدۃ:6]۔ (اگر تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے تیمم کرو)۔ نیز یہ بھی ذکر کیا ہے کہ امام بخاری نے ابوزید کے بارے میں کہا ہے: وہ مجہول ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہم نشینی سے معروف نہیں ہے، پھر دوسری کئی روایتیں ذکر کیا ہے، جن میں سے کوئی بھی ضعیف راوی سے خالی نہیں ہے۔ اس حدیث کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی ضعیف سنن ابوداود (حدیث ۱۴) میں ضعیف قرار دیا ہے۔

(۱) ضعیف ہے۔ اسے امام احمد (۲/ ۲۰۴) اور دارقطنی (حدیث ۳۶۹) نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

''لَا قَطْعَ فِيمَا دُونَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ''۔

دس دراہم سے کم کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

نیز امام طبرانی نے الاوسط (حدیث ۷۱۴۲) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی مجمع الزوائد (۶/ ۲۷۴) میں فرماتے ہیں: ''اسے امام طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے''۔

(۲) اسے امام دارقطنی نے اپنی سنن (۱/ ۲۰۹-۲۱۰) میں انس اور عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور ابن الجوزی نے العلل المتناهیة (۱/ ۳۸۴) میں واثلہ بن اسقع سے روایت کیا ہے، اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱/ ۲۸۵) میں اسے بروایت ابو امامہ امام طبرانی کی معجم کبیر اور اوسط کی طرف منسوب کیا ہے، اور اس میں ایک راوی مجہول ہے۔ اسی طرح ان سے امام دارقطنی نے (۱/ ۲۱۹) روایت کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

''أَقَلُّ الْحَيْضِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَأَكْثَرُهُ عَشَرَةُ أَيَّامٍ''۔

کم سے کم حیض تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن۔

(۳) اعلام الموقعین (۱/ ۷۷، ایڈیشن دار الفکر)۔

اس جیسی چیز کا کوئی اعتبار ہے نہ ہی بلاسبب ترجیح اور بلاسبب تعیین کی کوئی گنجائش! بنا بریں ایسے شخص کے حق میں کسی بھی عالم جو دین میں قابل اعتبار و اعتماد ہو کی بات کو اپنا لینا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل: ۴۳-۴۴]۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کر لو۔

میں کہتا ہوں: اسی جیسی بات میں نے بعض شوافع سے بھی منقول دیکھی ہے لہٰذا اس بنیاد پر علماء اور نیک کاروں کی پیروی یہ تعلیل کرتے ہوئے ترک کر دینا مناسب نہیں کہ وہ ہمارے مسلک کے مخالف ہیں، کیونکہ ان کا کوئی مذہب ہی نہیں ہوتا' چہ جائے کہ ان میں سے کوئی ان کے مذہب کا مخالف ہو تعجب ہے ان لوگوں پر جو عوام کو اس چیز کا فتویٰ دیتے ہیں، واللہ اعلم' بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں:

ہم جس سلسلہ میں گفتگو کر رہے ہیں اس بارے میں میں نے محقق مذکور کی بڑی عمدہ بات دیکھی ہے جو انہوں نے اپنے فتح القدیر کے حاشیہ میں ذکر کی ہے' آیئے ہم اس طویل گفتگو کو نقل کئے دیتے ہیں- گرچہ کہ اس میں سابقہ بعض باتوں کا تکرار بھی ہے- چنانچہ محقق ابن الہمام کے قول:

''کیونکہ مفتی کا قول ساقط کرنے والا شبہہ پیدا کرتا ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اولی وسزاوار ہے، ان کی یہ تعبیر صاحب ہدایہ کی بات سے اچھی ہے، کیونکہ فرمان رسول ﷺ مفتی کی بات سے نیچے نہیں ہوسکتا''۔

پر ابن ابو العز فرماتے ہیں:

''ہدایہ کی تعبیر میں بڑا تسامح ہے بلکہ سراسر غلط تعبیر ہے''[1]، معاملہ اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے، لیکن محقق کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ عامی کے حق میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان زیادہ شبہہ پیدا کرنے کا مستحق ہے نہ کہ عامی کے حق میں اس پر عمل کی درستی کا مستحق ہے، ان کی بات ''کیونکہ عامی کے حق میں حکم وفیصلہ: اس کے مفتی کا فتویٰ ہے'' سے اسی بات کا اشارہ ملتا ہے، الایہ کہ اسے ''حدیث پہنچنے سے پہلے'' سے مقید کیا جائے جیسا کہ ہونا چاہئے، لیکن یہ کافی اور حمیدی کی بات کے مفاد کے خلاف ہے- جیسا کہ آگے آئے گا- اور قابل قبول تحقیق کے بھی منافی ہے۔

اسی لئے ابن ابو العز فرماتے ہیں:

---

(۱) صاحب ہدایہ کی بات کی طرف اشارہ ہے جو (ص ۲۳۶) میں نقل کی جا چکی ہے۔

''امام ابو یوسف کی توجیہ محل نظر ہے، کیونکہ جب مسئلہ علماء کے مابین نزاعی ہے اور عامی کو وہ حدیث مل گئی ہے جس سے فریقین میں سے ایک فریق نے استدلال کیا ہے اور اس نے اسے لے لیا ہے تو ایسی صورت میں بھلا کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ معذور نہیں ہے؟ میں کہتا ہوں: جب اسے پتہ چل گیا کہ مسئلہ نزاعی ہے تو شبہہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے؛ کیونکہ یہ چیز مفتی کے فتویٰ کے درجہ میں ہے لیکن۔اسی کے ساتھ۔اُسے حدیث بھی پہنچ گئی ہے تو بھلا کیا کریں گے؟ گفتگو کی مجال تو اس وقت ہوتی جب اُسے نہ معلوم ہوتا کہ مسئلہ نزاعی ہے بلکہ اُسے صرف حدیث پہنچی ہوتی، جبکہ بظاہر اس صورت میں بھی وہ معذور ہے کیونکہ حدیث بذات خود حجت ہے''۔

پھر آگے فرماتے ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے کہ: ''نسخ کا احتمال مضر نہیں کیونکہ جو صحیح حدیث سنے اور منسوخ ہونے کے باوجود اُس پر عمل کرلے تو ناسخ پہنچنے تک وہ معذور ہے، حدیث صحیح سننے والے سے نہیں کہا جائے گا کہ: اس پر عمل نہ کرو یہاں تک کہ فلاں فلاں کی رائے پر پیش کرلو! بلکہ اس سے صرف یہ کہا جائے گا کہ دیکھ لو یہ حدیث منسوخ ہے یا نہیں؟ البتہ جب حدیث کے منسوخ ہونے کے سلسلہ میں اختلاف ہو۔جیسے یہ مسئلہ ہے۔تو اس پر عمل کرنے والا حد درجہ معذور ہے، کیونکہ مفتی کے یہاں غلطی کا احتمال سنی ہوئی حدیث کے منسوخ ہونے کے احتمال سے زیادہ قوی ہے۔

امام ابوعمر بن عبد البر فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کا قول:

''لا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ، وَلَا تَسْتَدْبِرُوا بِهِمَا''[1]۔

پیشاب اور پاخانہ کی حالت میں قبلہ رو ہو نہ دونوں حالت میں قبلہ کو پیچھے کرو۔

ذکر کیا گیا، تو ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''فَقَدِمْنَا الشَّامَ، فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ قَدْ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ، فَنَنْحَرِفُ عَنْهَا، وَنَسْتَغْفِرُ اللَّهَ''۔

جب ہم ملک شام آئے تو کچھ ایسے بیت الخلاء دیکھا جو قبلہ کی سمت بنے ہوئے تھے چنانچہ ہم اُس سے گھوم جاتے تھے اور اللہ سے مغفرت کی دعا کر لیتے تھے۔

فرماتے ہیں:

---

(۱) متفق علیہ: بخاری (حدیث ۱۴۴)، ومسلم (حدیث ۲۶۴)، وابو داود (حدیث ۹)، وترمذی (حدیث ۸)، ونسائی (حدیث ۲)، اور ابن ماجہ (حدیث ۳۱۸) نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

''یہی ہر ایک پر واجب ہے کہ جب اسے کوئی چیز ملے تو اس کے عموم پر عمل کرے' یہاں تک کہ اس کے سامنے کوئی بات ثابت ہو جائے جس سے اس کی تخصیص ہو جائے' یا اُسے منسوخ کر دے!!''[1]۔ بات ختم ہوئی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ مَنِ اسْتَبَانَتْ لَهُ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَحِلَّ لَهُ أَنْ يَدَعَهَا لِقَوْلِ أَحَدٍ''[2]۔

مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس کے سامنے سنت رسول ﷺ واضح ہو جائے اُس کے لئے کسی کے قول کی بنا پر اُسے چھوڑنا حلال نہیں۔

نیز اس لئے بھی کہ منسوخ سنتیں بہت کم ہیں' یہاں تک کہ بعض علماء نے ان کی تعداد اکیس بتائی ہے[3]۔

اور اگر عامی کے لئے مفتی کی خطا کے احتمال کے باوجود اُس کی بات لینا روا بلکہ واجب ہے تو اس کے لئے حدیث رسول ﷺ لینا کیونکر روا نہ ہوگا، جبکہ وہ اس کا معنیٰ سمجھ رہا ہے؟ اور اگر نسخ کے احتمال کے سبب سنت رسول ﷺ کی صحت کے باوجود اس پر عمل کرنا جائز نہ ہو' یہاں تک کہ اس پر فلاں فلاں عمل کریں؛ تب تو سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے کے لئے اُن لوگوں کا قول شرط ٹھہرے گا! اور یہ سب سے بڑا باطل ہے، اسی لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ حجت قائم فرمائی ہے' نہ کہ افراد امت کے ذریعہ' اور حدیث پر عمل کرنے والے اور اسے سمجھنے کے بعد اس کا فتوی دینے والے میں جتنی بھی غلطی کا احتمال پیش کیا جائے' اُس سے کئی گنا زیادہ اُس آدمی میں غلطی کا احتمال موجود ہے جو کسی ایسے کی تقلید میں فتویٰ دے جس کی غلطی و درستی سے واقف نہ ہو' اور اس کے یہاں تناقض اور اختلاف سب پایا جائے، وہ کوئی بات کہے' پھر اس سے رجوع کرلے' اور اس سے کئی اقوال بیان کئے جائیں!! اور یہ ساری باتیں اس آدمی کے حق میں ہیں' جس میں کسی قدر اہلیت پائی جاتی ہو، لیکن اگر اس کے پاس کوئی اہلیت نہ ہو' تو اس کی ذمہ داری فرمان الہی کے مطابق (علم والوں سے پوچھنا) ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓاْ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل: ۴۳]۔

---

(۱) التمہید، از ابن عبد البر (۱/ ۳۰۴)۔

(۲) اسے امام ابن القیم نے اعلام الموقعین (۲/ ۲۶۳) میں ذکر کیا ہے، ایڈیشن دار الفکر، بالفاظ ''أجمع الناس'' یعنی لوگوں کا اجماع ہے۔

(۳) اسے امام ابن الجوزی نے اخبار أهل الرسوخ میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

اور جب مستفتی کے لئے مفتی کی لکھی ہوئی بات یا اس کے شیخ خواہ کتنے بھی اوپر کا ہو کی لکھی ہوئی بات پر اعتماد کرنا جائز ہے تو آدمی کے لئے ثقہ اور معتبر لوگوں کی لکھی ہوئی رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر اعتماد کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے، اور یہ مان بھی جائے کہ اس نے حدیث نہیں سمجھا ہے؛ تو جیسے مفتی کا فتویٰ نہ سمجھنے کی صورت میں کسی جاننے والے سے پوچھے گا' ویسے ہی حدیث بھی پوچھے گا''[1]۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں:

شاید عامی سے امام ابو یوسف کی مراد وہ شخص ہے جو سرے سے نااہل ہو؛ العنایۃ میں اکمل وغیرہ کی بات سے اسی چیز کی طرف اشارہ ملتا ہے' لہٰذا اُن کی بات کچھ اہلیت والے کی بابت امام ابن ابوالعز کی کہی ہوئی بات کے منافی نہیں' لیکن بسا اوقات کہا جاسکتا ہے کہ یہ بات اس کے بارے میں ہے جو صحیح حدیث کو اس کے معنیٰ کے ساتھ سمجھے، اور یہ شخص بھی جاننے کے بعد اس مسئلہ میں عامی نہیں رہا' کہ اُسے پوچھنے کی حاجت ہو، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓاْ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ بِٱلْبَيِّنَـٰتِ وَٱلزُّبُرِ﴾ [النحل: ۴۳-۴۴]۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو، دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ۔

اور یہ شخص اس مسئلہ میں دلیل جان چکا ہے؛ کیونکہ حدیث کی صحت معلوم ہونے کے بعد اس کے معنیٰ کے ساتھ جاننے والے کے لئے حجت ہوجاتی ہے- اور اس مسئلہ میں یہی فرض کیا گیا ہے- اِلا یہ کہ کہا جائے: یہ اس شخص کے حق میں حجت و دلیل ہے جسے اس کا معتبر علم ہو کہ اس حدیث کا کوئی معارض نہیں ہے، اس جیسے عامی کے علم کا اگر اسے معارض کا علم ہو تب بھی اعتبار نہیں' چہ جائے کہ اسے علم ہی نہ ہو؟ لیکن یہ بات اس صورت میں ہوگی جب معلوم نہ ہو کہ معتبر اہل علم میں سے کسی نے اس حدیث کو لیا اور اس پر عمل کیا ہے، ورنہ اگر معلوم ہو تو معتبر علماء کے یہاں معارض نہ ہونے کی بابت یہ چیز حجت ہوگی، اور عدم معارض کی بابت معتبر علم والے کا علم جس طرح عمل کرنے اور حدیث کی حجیت میں اس عالم کے لئے کافی ہے' اُسی طرح وہ عالم جسے اس کی خبر دے' یا اس کے علم کی بابت کسی طرح علم ہوجائے اُس کے لئے بھی کافی ہے' اس میں کوئی فرق نہیں ہے' اور بتکلف فرق ظاہر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں' بلکہ وہ زبردستی کا فیصلہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) التنبیہ علی مشکلات الہدایۃ (۲/ ۵۹۵) (مترجم)۔

باقی رہا یہ کہ حدیث اگر چہ عامی کے حق میں مذکورہ شرط کے ساتھ ہی حجت ہے؛ پھر بھی کم از کم اتنا ضرور ہے کہ کفارہ ہٹانے کے لئے اس کے حق میں شبہہ ضرور ہے، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ شبہہ حجت سے کمتر ہوتا ہے' تاہم اس کے حجت ہونے کی نفی سے شبہہ ہونے کی نفی لازم نہیں آتی! اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حدیث اجماع کے خلاف ہونے کی صورت میں بھی حجت نہیں ہوسکتی' اور عامی کو اس کا بھی علم نہیں ہوتا، تو حدیث اُس کے حق میں تو حجت نہیں ہوگی' لیکن یہ اشکال اس صورت میں ختم ہوجاتا ہے کہ ہم نے یہ فرض کیا ہے کہ عامی نے حدیث کسی قابل اعتماد علم والے سے لیا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں اُس عالم کا حدیث کو لینا حدیث کے خلاف کسی سابق اجماع کے علم کی نفی کو شامل ہے، اور ہم نے یہ بھی فرض کیا ہے کہ عامی کے لئے حدیث لینے میں اُس عالم کا علم کافی ہے، اب رہا یہ کہ ممکن ہے حدیث کے خلاف کوئی لاحق اجماع ہو! تو یہ اشکال اس طرح ختم ہوجاتا ہے کہ جب اس عالم کا علم حدیث کے خلاف کسی اجماع کے پائے جانے سے مانع ہے تو کسی لاحق اجماع کے منعقد ہونے سے بھی مانع ہے' کہ اُس حدیث کے خلاف کوئی چیز بدستور مستمر رہے' جیسے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ، اور پوشیدہ نہیں کہ ایسی صورت میں عامی کے حدیث پر عمل کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، وہ فی نفسہ حجت ہے' لہٰذا اُسے اس پر ایسے ہی عمل کرنا واجب ہے' جیسے اس معتبر علم والے پر واجب ہے؛ کیونکہ اس حدیث کے معنیٰ کے فہم میں دونوں یکساں ہیں، اور یہ چیز بھی معلوم ہے کہ اس عالم کا فہم ہی اس کے حق میں اُس کی پابندئ شریعت کی بنیاد ہے' تو اس عامی کے حق میں کیونکر نہ ہوگی' جبکہ اُسے معلوم ہے کہ یہی چیز خود اس کے لئے پابندئ شرع کی بنیاد ہے؟ ساتھ ہی یہ بھی فرض ہے کہ کوئی نسخ، یا معارض یا اجماع نہیں ہے جو عمل سے مانع ہو' ورنہ اس عالم کے لئے بھی اس پر عمل کرنا جائز نہ ہوتا، اور صحیح غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس عالم کو اس کے حکم کا حقیقی علم ہے' جس کی بنا پر کم از اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ اب اگر آپ یہ کہیں کہ: عامی کا ذہن کسی معارض کے وسوسہ سے خالی نہیں ہوتا' جسے اس حدیث کا مخالف اپنائے ہو، تو ایسی صورت میں حدیث اس کے حق میں کیونکر حجت ہوسکتی ہے؟ تو میں کہوں گا: یہ ایک وہمی معارض ہے، جو اس کے حق میں حدیث پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہے' کیونکہ معارض کا نہ ہونا ہی اصل ہے، کیونکہ اس طرح کی چیز مانع ہوسکتی تو اس عالم کے لئے بھی عمل سے مانع ہوتی' جبکہ اُسے معلوم ہے کہ یہ چیز اس کے حق میں مانع نہیں ہے، تو عامی کے حق میں بھی مانع نہیں ہوگی، رہا اس حدیث کی مخالفت کرنے والا' تو ہوسکتا ہے' یہ مخالفت اُس تک حدیث نہ پہنچنے کے سبب ہو' لہٰذا اس نے رائے پر عمل کرلیا ہو، اور نص ظاہر ہونے کے بعد اس کے مقابلہ میں رائے لینا جائز نہیں'

لہٰذا رائے چھوڑ کر نص کو اپنانا واجب ہے، دلیل و برہان واضح ہو جانے کے بعد محض وسوسہ اور تشویش عذر و بہانہ نہیں ہو سکتے، اور حجت و بیان کے بالمقابل ان پر قائم رہنا حلال نہیں، پھر حیرت و تعجب کی بات !! یہ ہے کہ اس کے لئے کسی فقیہ کے قول کو حجت سمجھ کر اسے پکڑے رہنا اور محض اس تشویش کی بنیاد پر نص رسول ﷺ کو چھوڑ دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اس کی مثال بارش سے بچکر پرنالے تلے کھڑے ہونے کے سوا کچھ نہیں !! ہاں یہ بات اس صورت میں ہے جب مثلاً اسے حدیث یا ایک جیسی دو حدیثیں پہنچیں، لیکن اگر دونوں طرف سے حدیثیں پہنچیں، تو حدیث پر عمل اور مستقل طور پر راجح و مرجوح میں تمیز وہی کر سکے گا جسے اس کی اہلیت ہو، البتہ! اس کے لئے کسی معتبر عالم کی پیروی کرتے ہوئے دونوں میں سے ایک حدیث پر عمل کرنا جائز ہوگا، اور یہ درحقیقت اس کے قول کی طرف رجوع کرنا ہے۔

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ: جب ایک عامی کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں سے کوئی حدیث ملے، اُسے اس کی صحت اور معنیٰ کا علم ہو، اور اس کی سمجھ کسی معتبر علم والے عالم کی سمجھ کے موافق ہو اور وہ اس واقعہ کو، نیز یہ کہ اس عالم نے اس حدیث کو لیا ہے اُسے معلوم ہو؛ تو ایسی صورت میں اُس کے لئے اس حدیث پر عمل کرنا واجب ہونا چاہئے، کہتے ہیں: اللہ اس کی مدد فرمائے۔ اور اگر حدیث پر عمل واجب نہ ہو تو کم از کم جائز ضرور ہے، کیونکہ ناسخ، معارض، اجماع، معنیٰ سمجھنے میں خلل وغیرہ عمل سے روکنے والی چیزیں اس عالم کی موافقت اور اس کی بابت اس کے علم کے سبب ختم ہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے، تو اب بجز اس کے کچھ باقی نہ رہا کہ وہ حدیث حجت ہے کوئی مسلمان اس کی عدم حجیت کی بات نہیں کہہ سکتا، تو اب اس کے بعد جو کہے کہ: اس پر عمل واجب نہیں ہے، یا جائز نہیں! تو ہمارا خیال یہی ہے کہ وہ محض وہم و خیال کی بنیاد پر اللہ کی ثابت شدہ حجتوں میں سے ایک حجت اپنی ذات کے خلاف مزید بنا رہا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی فرمانبردار و تابع فرمان مسلمان کی شان اور اس کا شیوہ نہیں ہے۔

ہمارے شیخ امام الحرمین جو اس رسالہ [1] کے مولف ہیں فرماتے ہیں:

''انہوں نے کہا ہے: ''سمجھ کی کمی''، میں کہتا ہوں: بلکہ سمجھ کی کمی کا عذر بالکل غیر مسلم ہے، کیونکہ علماء نے صراحت فرمائی ہے کہ قیاس اور دلالت کے درمیان فرق ہے، بایں طور کہ قیاس کے مفہوم کو مجتہدین ہی سمجھ سکتے ہیں، برخلاف دلالت کے مفہوم کے کہ اس میں اہل رائے اور دیگر لوگ بھی شریک ہوتے ہیں اہل علم نے اصول وغیرہ

(1) شاید یہ امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جوینی کا ''الرسالۃ النظامیۃ'' ہے۔

کی کتابوں میں اس کی صراحت فرمائی ہے،تو جب دلالت کی حالت یہ ہے' تو بھلا صریح نص کا کیا حال ہوگا؟ لہٰذا عدم فہم کا عذر و بہانہ سراسر باطل ہے،تعجب اس پر ہے جو کہتا ہے کہ حدیث کا معاملہ بڑا عظیم ہے'ہم جیسوں کے لئے اس کا سمجھنا ممکن نہیں' تو اس پر عمل کیسے کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: جب ہم نے اجماعی طور پر طے کیا ہے کہ اس کی سمجھ عمل وفہم میں معتبر عالم کی سمجھ کے مطابق ہو تو اگر اس کا مقصود حدیث رسول کی تعظیم وتوقیر ہے' تو حدیث حد درجہ عظیم اور جلیل القدر ہے،اور اس کی تعظیم وتوقیر کا حصہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے'اور اس کے ماددوں میں اس کا استعمال کیا جائے،کیونکہ حدیث کے ساتھ بے پروائی اس کی توہین ہے'ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں،جب اس نے حدیث کو اس طرح سمجھ لیا ہے جو پابندیٔ شرع کی بنیاد ہے،اس طور پر کہ اس کی سمجھ اُس عالم کی سمجھ کے موافق ہے' تو اس سمجھ پر عمل نہ کرنا اُس حدیث کی تعظیم وتکریم کے منافی ہے،کیونکہ اس کی تعظیم وتکریم کا تقاضہ اُس پر عمل کرنا ہے نہ کہ اسے چھوڑنا اور ترک دینا! اور اگر اس کا مقصد حق واضح ہو جانے کے بعد محض اپنا دفاع کرنا اور اپنے سے دور کرنا ہے' تو یہ کسی مسلمان کے شایان شان نہیں' کیونکہ حق اتباع کا زیادہ سزوار ہے' کیونکہ اس آدمی کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ ان لوگوں پر حجت قائم کی ہے جو اُس (عدم فہم حدیث کے قائل) سے زیادہ غبی اور کند ذہن تھے'یعنی پتھروں کی پجاریوں'مشرکوں پر'جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ [الاعراف:١٧٩]۔

یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

تو بھلا کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر سمجھ کے بغیر حجت قائم کی ہے'یا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو سمجھا ہے؟ اور اگر یہ عقل کے مارے سمجھ سکتے ہیں' تو مومن کیوں نہیں سمجھے گا،جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نور ایمانی کی تائید حاصل ہے؟

ان تفصیلات کے بعد نہ سمجھنے کی بات کہنا بدیہیات کے انکار سے قریب تر ہے'اور یہ عذر و بہانہ کرنے والے بہت سے لوگ حدیث کے دروس میں حاضر ہوتے ہیں' یا خود حدیث پڑھتے ہیں' تو بھلا اگر نہ سمجھتے یا نا سمجھائے جاسکتے تو کیونکر حدیث پڑھتے یا پڑھائے جاتے؟ لہٰذا یہ قول وفعل میں تضاد کے قبیل سے ہے؟ اور اس فہم کے پابندیٔ شرع کی بنیاد نہ ہونے کا عذر باطل ہے' کیونکہ کتاب وسنت اسی فہم کے لئے ہیں' لہٰذا ان معانی کے پیش نظر ان دونوں کا استعمال اور ان کی جستجو جائز نہیں' جن پر عمل ہی نہیں کیا جاسکتا،ایسا کیونکر ممکن ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی

کتاب کو عمل کرنے اور اس کے معانی کو سمجھنے کے لئے نازل فرمایا ہے، پھر اپنے رسول ﷺ کو عمومی طور پر تمام لوگوں کے لئے واضح کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝﴾ [یوسف: ۲]۔

یقیناً ہم نے اس کو قرآن عربی نازل فرمایا ہے کہ تم سمجھ سکو۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝﴾ [النحل: ۴۴]۔

یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔

تو بھلا کیسے کہا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان جو لوگوں کے لئے وضاحت و بیان ہے، وہ ان سب کی سمجھ میں نہیں آتا بلکہ ان میں سے صرف ایک کو سمجھ میں آتا ہے، بلکہ اس قت ایک کو بھی سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے کہ ان کا کہنا ہے کہ برسوں سے دنیا میں کوئی مجتہد نہیں ہے! شاید اس قسم کی باتیں بعض ان لوگوں سے صادر ہوئی ہوں جن کا مقصد یہ تھا کہ ان کی رائے کی حقیقت لوگوں پر منکشف نہ ہونے پائے، کہ وہ کتاب وسنت کے خلاف ہے، جس کا راستہ انہوں نے یہ نکالا کہ کتاب وسنت کی وہ سمجھ جو احکام کی بنیاد بن سکتی ہے، اسے مجتہدین پر منحصر ومحدود کر دیا، پھر دنیا سے مجتہدین کی نفی کر دی، اور پھر یہ باتیں لوگوں کے درمیان عام ہو گئیں، حقیقی معاملہ کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے! اور شاید بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ اگر اس سے منع کیا جائے گا تو ہو سکتا ہے کچھ لوگ کتاب وسنت کے ظاہر کی موافقت کے سبب بعض مذاہب کی ترجیح کی طرف مائل ہوں اور اسے اختیار کر لیں، تو اس پر مزید یہ پابندی عائد کر دی کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونا اور بعض مسائل کو باہم ملانا وغیرہ جائز نہیں! تا کہ لوگوں کے پاس ترجیح کا کوئی راستہ نہ رہ جائے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض لوگوں نے (یہاں تک) کہا کہ: عامی اگر اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اپنائے گا تو سب سے بڑا فاسق و بدعمل ہو جائے گا، اور اگر عالم اپنا مذہب بدلے گا تو بدعتی اور گمراہ ہو جائے گا، چنانچہ اس وجہ سے کوئی ترجیح و تبدیلی کی لالچ نہیں کرے گا، کیونکہ وہ سمجھے گا کہ اس سے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں ہے۔ اور بصیرتمندوں کے یہاں معلوم ہے کہ اللہ کے دین میں اس قسم کی باتوں کی کوئی حقیقت ہے نہ کوئی اثر، بلکہ ان میں سے بہت ساری باتیں عقل ونقل کے خلاف ہیں، اس کے باوجود آپ سمجھ رکھنے

والوں میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے انحراف کرتے ہیں، جبکہ وہ فرض و لازم ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ﴾ [النساء: ٦٤]۔

ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

اور آپ ﷺ کی ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے جنہیں ثقہ اور معتبر راویان آپ ﷺ سے صحیح ثابت سندوں سے روایت کرتے ہیں، اس کے بالمقابل اہل مذاہب کے ان اقوال و فرمودات کو اپناتے ہیں، جو مذاہب کی کتابوں میں یونہی بے سند مذکور ہوتی ہیں۔

جبکہ بہت سے کتاب والے ان روایات کو نقل کرنے کی بھی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ یہ بے سند ہوتی ہیں، محض ان کے درمیان پھیلی ہوئی انہی باتوں پر اعتماد ہوتا ہے، اور جب کسی کو دیکھتے ہیں کہ وہ کتاب و سنت کے کسی امام کے قول کی ترجیح کی طرف مائل ہو رہا ہے، تو اسے گمراہ بدعتی قرار دیتے ہیں، لہٰذا ان حوادث کی مثالوں پر غور کرو، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

اور آدمی کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ یہ پھیلی ہوئی باتیں، دین کے علماء مجتہدین کی باتیں ہیں؟ یا بعض غیر معتمد مقلدین کی باتیں ہیں؟

اب اگر مجتہدین کے اقوال ہیں: تو یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کس کے ہیں، ہمیں یقین ہے کہ اس قسم کی سطحی باتیں عقلمندوں کی نہیں ہو سکتیں، چہ جائے کہ مجتہدین کی ہو، مسلمان کے لئے کیسے روا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی حجت و برہان کے بغیر اللہ کے دین میں کوئی بات کرے؟

اور اگر مقلدین کے ہیں: تو بھلا انہیں ان پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے، جبکہ ان کا عقیدہ ہے کہ مقلدین کی فہم کا سرے سے کوئی اعتبار ہی نہیں ہے، لہٰذا دونوں میں سے ایک بات دوسری سے ٹوٹ جاتی ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ ان میں بعض لوگ اس بات پر توقف کرتے ہیں کہ علماء کا موقف کیا ہے؟ کیا انہوں نے حدیث پر عمل کرنا جائز قرار دیا ہے یا نہیں؟ لہٰذا ہمارا خیال یہ ہے کہ سنت پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں، جب تک کہ کوئی عالم نہ کہے! تو ہم کہیں گے: علماء کا قول ثبوت و صحت اور قابل عمل ہونے کے لئے کتاب و سنت کا محتاج ہے، یہاں تک کہ جو قول کتاب و سنت کے خلاف ہوگا ان کے موافق نہ ہوگا' اُسے رد

کر دیا جائے گا[1]۔ کیا آپ فقہاء کی کتابیں نہیں پڑھتے کہ وہ ہر قول وحکم کے بارے میں کہتے ہیں: اللہ کے فرمان کی بنا پر، یا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بنا پر؟! تو بھلا کتاب وسنت پر عمل کے لئے علماء کے قول کی حاجت کیونکر ہوگی؟ یہ تو بس ممنوع چال، عقل کو الٹ دینے، اصولوں کو توڑ دینے اور فرع کو اصل اور اصل کو فرع بنا دینے جیسا ہے؟؟

ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنے کا جواز جس کے لئے ہم نے طے کیا ہے، بدیہیات کے قبیل سے ہے، اس کے باوجود ہماری ذکر کردہ باتوں کے علاوہ روایت ودرایت سے بھی اس کی موافقت وتائید ہوتی ہے۔

چنانچہ روایت: ہدایہ میں مذکور ہے: ''کیونکہ فرمان رسول ﷺ مفتی کے قول سے نیچے نہیں ہوسکتا''۔

اور کافی اور حمیدی میں ہے:

''یعنی فرمان رسول ﷺ کا درجہ مفتی کی بات سے کم نہیں ہوسکتا، اور جب مفتی کی بات شرعی دلیل ہوسکتی ہے، تو رسول ﷺ کا فرمان بدرجہ اولیٰ''۔

یہ جو ہدایہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ امام محمد کا مذہب ہے، امام سرخسی[2] کے محیط وغیرہ میں ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ اور محمد دونوں کا قول ہے، اس کا لازمی معنیٰ یہ ہے کہ ان دونوں صاحبان کے یہاں، عامی کے لئے حدیث پر عمل کرنا مطلق طور پر جائز ہے، اس شرط کے بغیر کہ اس نے وہ حدیث کسی معتبر عالم سے لی ہو؛ کیونکہ عامی کے لئے تو مفتی کا قول لینا جائز بلکہ واجب ہے، جیسا کہ فتح القدیر[3] میں ہے:

''عامی کے حق میں حکم وفیصلہ مفتی کا فتویٰ ہے''۔

---

(۱) علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رسول ﷺ کا قول کسی بات کے لئے حجت وبرہان ہوتا ہے، جبکہ دوسروں کا قول خود اپنے ثبوت کے لئے محتاج دلیل''۔

یہ ایک بے مثال عالم کی بڑی عمدہ بات ہے، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور اجر وثواب سے نوازے۔ لہٰذا دوسروں کی بات کو ماننے یا رد کرنے کے لئے فرمان رسول ﷺ سے حجت پکڑنا ضروری ہے۔ [دیکھئے: مجموع فتاوی ورسائل ابن عثیمین (۱۱/ ۲۹۵)، وفتاوی نور علی الدرب (۲۳/ ۲)(مترجم)]۔

(۲) محیط السرخسی محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی حنفی کی کتاب ہے، ان کی وفات ۴۳۸ھ میں ہوئی، اور جب مطلق طور پر محیط بولا جائے تو اس سے تاج الدین محمد بن محمد سرخسی حنفی کی المحیط الرضوی مراد ہوتی ہے، ان کی وفات ۵۷۱ھ میں ہوئی، کشف الظنون (۲/ ۱۶۲۰)۔

(۳) یہ فتح القدیر شرح الھدایہ محمد بن عبد الواحد سیواسی، معروف بہ ابن الھمام حنفی کی کتاب ہے، ۸۶۱ھ میں وفات پائے، کشف الظنون (۲/ ۲۰۳۴)۔

اور البحر الرائق[1] میں ہے:

''عامی کا مذہب اپنے مفتی کا فتویٰ ہے' بشرطیکہ کسی مذہب میں مقید نہ ہو''۔

تو بھلا اس کے لئے حدیث پر عمل کرنا کیسے جائز یا واجب نہیں ہوگا' جبکہ اسے معلوم ہے کہ اس نے اسے معتبر عالم سے لیا ہے' کہ ایسی صورت میں اس کے حق میں فتویٰ وحدیث دونوں اکٹھا ہو جاتے ہیں؟

روضہ زندویسیہ کے حوالہ سے خزانہ[2] میں مذکور ہے:

''سُئِلَ أَبُو حنيفَة: إذا قُلتَ قَولًا وَكِتَابُ اللهِ يُخَالِفهُ؟ قَالَ: اتْرُكُوا قَولِي لِكِتَابِ اللهِ. فَقيل: إذَا كَانَ خَبَرُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يُخالِفهُ؟ قَالَ: اتْرُكُوا قَولِي لِخَبَرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ''.

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: اگر آپ کوئی بات کہیں اور اللہ کی کتاب اس کے خلاف ہو تو؟ فرمایا: کتاب اللہ کے لئے میری بات چھوڑ دو۔ پوچھا گیا: اگر حدیث رسول ﷺ آپ کے قول کے خلاف ہو تو؟ فرمایا: حدیث رسول ﷺ کے لئے میری بات چھوڑ دو۔

اور روضہ زندویسیہ کے حوالے سے المثانہ[3] میں امام ابوحنیفہ اور محمد دونوں سے مذکور ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''إذَا قُلتُ قَولًا يُخَالِفُ كِتَابَ اللهِ وَخبَرَ الرَّسُولِ ﷺ، فَاترُكُوا قَولِي''۔

اگر میں کوئی بات کہوں جو کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ کے خلاف ہو تو میری بات چھوڑ دو۔

ابن الشحنہ نے نہایۃ النہایۃ میں ذکر کیا ہے: کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے صحیح طور پر منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''إذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي''۔

جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔

اسے شیخ ابراہیم لبیدی نے تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کی ممانعت سے متعلق ایک رسالہ میں ذکر کیا ہے، اور جو امام شافعی رحمہ اللہ سے مشہور ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''إذَا صَحَّ الْحَدِيثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ خِلَافَ قَوْلِي، فَاضْرِبُوا بِقَوْلِي الْحَائِطَ''۔

---

(۱) یہ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ابن نجیم مصری کی ہے، کتاب اور مولف دونوں کی تعریف گزر چکی ہے۔

(۲) شاید اس سے خزانۃ الروایات مراد ہے۔

(۳) مطبوعہ نسخہ میں ایسے ہی ہے، میں اسے نہیں جان سکا۔

اگر میری بات کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث ہو تو میری بات کو دیوار پر مار دو۔

وغیرہ[1]، تو وہ معلوم اور ان کے مذہب کے ماننے والوں کی کتابوں میں مذکور ہے، اور ان کے ماننے والوں نے اپنے مذہب کی بنیاد اسی بات کے مطابق رکھی ہے، چنانچہ جب بھی انہیں کوئی حدیث پیش کی جاتی ہے اور وہ دیکھتے ہیں کہ امام شافعی کی بات اس کے خلاف ہے تو ان بات کو چھوڑ کر حدیث لے لیتے ہیں اور اسی کو اپنا مذہب بنا لیتے ہیں۔

کسی محقق نے علم اصول حدیث سے متعلق اپنے رسالہ میں حدیث ضعیف کی تحقیق کے تحت لکھا ہے:

''علماء کے یہاں ضعیف حدیث جو موضوع نہ ہو کی روایت میں تساہل جائز ہے بایں طور کہ وعظ ونصیحت، قصوں اور صفات الٰہی اور حلال وحرام کے احکام کو چھوڑ کر فضائل اعمال میں اس کا ضعف نہ بیان کیا جائے''۔ بتایا جاتا ہے کہ امام نسائی کا مذہب یہ تھا کہ وہ ہر اس راوی سے روایت کرتے تھے جسے چھوڑنے پر سب کا اجماع نہ ہو[2]۔

اور امام ابوداود رحمہ اللہ بھی اس کا ماخذ اپناتے تھے[3] اور ضعیف حدیث کی روایت کرتے تھے جب باب کے تحت اس کے سوا کوئی حدیث نہیں پاتے تھے، اور اسے لوگوں کی رائے پر ترجیح دیتے تھے[4]۔

امام شعبی سے مروی ہے:

'' مَا حَدَّثُوكَ هَؤُلَاءِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَخُذْهُ، وَمَا قَالُوهُ بِرَأْيِهِم فَأَلْقِهِ فِي الْحُشِّ ''[5]۔

یہ لوگ تمہیں جو بات نبی کریم ﷺ کے واسطے سے بیان کریں اُسے لے لو، اور جو اپنی رائے سے کہیں اُسے

---

(۱) بلکہ امام شافعی سے پہلے والے الفاظ ثابت ہیں، امام سبکی نے اس بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔

(۲) اسے حافظ ابن حجر نے النکت علی کتاب ابن الصلاح (ص ۴۸۱) میں ذکر کیا ہے، ایڈیشن دار الرایہ۔

(۳) حوالہ سابق ص (۴۳۵)۔

(۴) حوالہ سابق ص (۴۴۳)۔

(۵) اسے امام بیہقی نے المدخل (۸۱۴) میں، عبد الرزاق نے المصنف (۱۱/ ۲۵۶) میں، ابونعیم نے الحلیۃ (۴/ ۳۱۹) میں، اور ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۱/ ۲،۱۹۳/ ۴۰) میں ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

''مَا حَدَّثُوكَ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَخُذْ بِهِ، وَمَا قَالُوا فِيهِ بِرَأْيِهِمْ فَبُلْ عَلَيْهِ''۔

جو تم سے رسول ﷺ کے صحابہ کے حوالہ سے بیان کریں اسے لے لو- اور ایک روایت میں ہے:''فَشُدَّ عَلَيْهِ يَدَكَ'' اسے اپنے ہاتھ سے مضبوط پکڑ لو- اور جو اپنی رائے سے کہیں اُس پر پیشاب کر دو۔

کھڈی میں ڈال دو۔

نیز فرمایا:

''الرَّأْيُ بِمَنْزِلَةِ الْمَيتَةِ إِذَا اضطُرِرتَ إِلَيْهَا أَكَلتَهَا''۔

رائے مردار جیسی ہے جب مجبور ہو جاؤ تو ہی کھانا۔

امام شافعی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''مَهْمَا قُلْت مِنْ قَوْلٍ أَوْ أَصَّلْت مِنْ أَصْلٍ فِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ خِلَافَ مَا قُلْت فَالْقَوْلُ مَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَهُوَ قَوْلِي''۔

میں جو بھی بات کہوں یا کوئی اصول قائم کروں، اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے اس کے خلاف کوئی بات منقول ہو تو حقیقی بات رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اور میرا قول بھی وہی ہے۔

اور آپ اس بات کو بار بار دہرانے لگے۔

اس باب میں بہت ساری روایتیں ہیں جن کے ذکر سے بات لمبی ہوگی بعض محققین نے عامی کے لئے حدیث پر عمل کرنے کے جواز کی بابت اپنے رسالہ میں دونوں مذہب والوں کی روایتوں کو جمع کیا ہے، اور اس کے بعد فرماتے ہیں:

''مسئلہ کی جڑ پر روایت و درایت دونوں اعتبار سے غور کرنے کے بعد جو بات مجھ پر ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز بذات خود شرعی دلیل ہے اگر اس میں عمل سے مانع عوارض میں سے کسی عارضہ کا احتمال ہو جیسے عامی کو پہنچنے والی حدیث میں منسوخ یا خلاف اجماع ہونے کا احتمال وغیرہ تو بھی اس پر عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ احتمال دلیل سے پیدا نہ ہوا ہو، لیکن اگر احتمال دلیل سے پیدا ہوا ہو تو توقف کیا جائے گا، اور اگر ایسی صورت میں اس احتمال کی چھان بین نہ ہونے تک عدم جواز کی بات کہی جائے تو بھی ایک حد تک قریبی بات ہے، واللہ اعلم''۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں:

آپ جان چکے ہیں کہ نسخ وغیرہ کا احتمال اس صورت میں مضر نہیں جب عامی حدیث کے فہم میں کس مجتہد کے موافق ہو، اور اسے معلوم ہو کہ مجتہد نے اسے لیا ہے جیسا کہ زیر نظر مسئلہ میں یہی مفروض ہے جیسا کہ اس کی تحقیق گذر چکی ہے، اور مفروضہ صورت میں عامی پر عمل کا جواز یا وجوب اس بات کے خلاف نہیں ہے جو ابن حاجب نے

مختصر الأصول [1] میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

''عامی پر کسی مجتہد کی تقلید واجب ہے؛ کیونکہ بظاہر حدیث پر عمل کرنے میں (صورتاً) جس نے اس حدیث کو لیا ہے' اُس کی بھی تقلید ہوتی ہے، البتہ یہ بات ہمارے اصحاب کے یہاں محل نظر ہے، کیونکہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کے کلام سے عامی کے لئے بلا شرط اس کے اپنانے کے جواز کا پتہ چلتا ہے، یہ مختصر طور پر روایت کے سلسلہ میں تحقیقی بات ہے۔ رہا مسئلہ درایت کا: تو دلیل پر غور کرنا مطلق طور پر جواز فراہم کرتا ہے' تو اس شرط کے ساتھ کا کیا معاملہ ہے؟ وہ اس طور پر کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم -علماء کی اصطلاح کے مطابق- مجتہد نہ تھے، کیونکہ ان میں گاؤں کے رہنے والے اور بادیہ نشین بھی تھے' اور ایسے بھی تھے جنہوں نے آپ ﷺ سے ایک حدیث سنی تھی، آپ سے ایک ہی ملاقات ہوئی تھی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے یا آپ کے کسی صحابی سے ایک حدیث سنی تھی، وہ اُس پر اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرتا تھا' خواہ مجتہد رہا ہو یا نہ رہا ہو، اور ایسی کوئی بات نہیں معلوم کہ ان میں سے غیر مجتہد صحابی کو سنی ہوئی حدیث کے سلسلہ میں مجتہد سے رجوع کرنے کا مکلف کیا گیا ہو، نہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں' اور نہ آپ ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں! یہ غیر مجتہد کے لئے حدیث پر عمل کرنے کی بابت نبی کریم ﷺ کی جواز کی تقریری دلیل ہے، اور اس پر نبی کریم ﷺ کے صحابہ کا اجماع ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو خلفاء راشدین نے صحابہ میں سے غیر مجتہد' بالخصوص بادیہ نشینوں کو حکم دیا ہوتا کہ انہیں نبی کریم ﷺ سے جو حدیثیں براہ راست یا بواسطہ ملی ہوں' اُن پر عمل نہ کریں' یہاں تک مجتہدین کو پیش کرلیں، لیکن یہ چیز اصل یا اثر یا کسی بھی طرح ثابت نہیں ہے، فرمان باری تعالیٰ:

﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝٧﴾ [الحشر: ۷]۔

اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

اور اس جیسی دیگر آیات سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

---

(۱) یہ کتاب 'منتہی السول والامل فی علم الأصول والجدل' کا مختصر ہے، اصل کتاب مالکی امام عثمان ابن عمر، معروف بہ ابن حاجب کی ہے، جن کی وفات ۶۴۶ھ میں ہوئی۔ کشف الظنون (۲/ ۱۸۵۳)۔

بایں طور کہ کہیں اس بات کی قید نہیں لگائی گئی ہے کہ یہ فقہاء کے فہم کے مطابق ہونی چاہیے! اس سے آپ کو معلوم ہوا کہ صحیح حدیث ملنے کے بعد اس پر عمل: عدم ناسخ، یا اس کے خلاف عدم اجماع یا عدم معارض کی معرفت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اس پر فوری عمل کرنا چاہیے، یہاں تک کہ مذکورہ موانع میں سے کوئی چیز ظاہر ہو تو اسے دیکھا جائے، عمل کرنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اصل: عمل سے مانع عوارض کا عدم وجود ہے، فقہاء نے کسی چیز میں اصل کے اعتبار پر پانی وغیرہ کے بہت سارے احکام مبنی کیے ہیں ان کی کتابوں کی جستجو کرنے والا جانتا ہے کہ ایسے مسائل بے شمار ہیں۔

یہ بات بھی معلوم ہے کہ بادیہ نشینوں اور دور دراز دیہاتوں کے لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دو بار آتے تھے اور کچھ سن کر اپنے وطن واپس لوٹ جاتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے اور وہ وقت نسخ وتبدیلی کا وقت تھا اور ایسی کوئی بات معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان میں سے کسی کو مراجعہ کا حکم دیا ہو، تاکہ ناسخ ومنسوخ کا پتہ چلے بلکہ آپ ﷺ نے تو اسے بھی نہیں ٹوکا جس نے کہا تھا:

''لاَ أَزِيدُ عَلَى هَذَا وَلاَ أَنْقُصُ''[1]۔

میں اس میں کوئی کمی بیشی نہ کروں گا۔

بلکہ اسے اسی پر باقی رکھا انکار نہ کیا کہ اس میں نسخ کا احتمال ہے، بلکہ آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا:

''دَخَلَ الجَنَّةَ إِنْ صَدَقَ''[2]۔

جنت میں داخل ہوگا اگر یہ سچا ہے۔

اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے بادیہ نشیوں وغیرہ کو مجتہد پر پیش کرنے کا حکم نہیں دیا تاکہ وہ اسے ناسخ ومنسوخ

---

(۱) یہ طلحہ بن عبید اللہ کی حدیث کا حصہ ہے، جسے امام بخاری (حدیث ۴۶)، ومسلم (حدیث ۱۱) اور دیگر لوگوں نے اس شخص سے روایت کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس بکھرے بالوں میں آیا تھا، اس کی دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی، اس نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اسے پنجوقتہ صلوات، صیام رمضان، حج اور زکاۃ کے بارے میں بتلایا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ'' (ہاں اگر تم بطور نفل کرنا چاہو تو کر سکتے ہو) تو اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم میں اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ'' (اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہوگا)۔

(۲) یہ صحیح بخاری (حدیث ۱۸۹۱)، اور اسی طرح ابوداود (حدیث ۳۹۱) اور دارمی (حدیث ۱۵۷۸) کی روایت میں ہے۔

کی تمیز کر کے بتادے! لہٰذا اس سے ظاہر ہوا کہ نسخ وغیرہ کے مسئلہ میں ناسخ کے وجود کا نہیں، بلکہ ناسخ کے علم کا اعتبار ہے اور ناسخ کے وجود نہیں بلکہ ناسخ پہنچنے کے اعتبار کی دلیل یہ ہے کہ بندۂ مکلف کو منسوخ کے مطابق اس وقت عمل کرنے کا حکم ہے، جب تک کہ اس پر ناسخ ظاہر نہ ہو، اور ناسخ ظاہر ہونے کے بعد بھی منسوخ کے مطابق کئے ہوئے عمل کا اعادہ نہیں کرنا ہے، بلکہ کعبہ شریف کی طرف قبلہ کی منسوخی کی حدیث [1] نے اُسے درست قرار دیا ہے، کیونکہ مدینہ کے مضافات میں، جیسے اہل قباء [2] وغیرہ کو منسوخی کی خبر منسوخ قبلہ کے مطابق نماز پڑھ لینے کے بعد پہنچی، چنانچہ کسی کو نماز کے دوران خبر ملی، اور کسی کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد، اور نبی کریم ﷺ نے سب کو اپنے عمل پر ثابت رکھا، کسی کو نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا، اس لئے "معارض و مخصص کی تحقیق سے پہلے عمل کرنا جائز نہیں" کہی جانے والی بات کا کوئی اعتبار نہیں، گرچہ اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا جائے؛ کیونکہ اگر اجماع کا دعویٰ تسلیم کرلیا جائے تو بھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع اور نبی کریم ﷺ کی تقریری سنت، بعد والوں کے اجماع پر مقدم ہوگی، باوجودیکہ جس اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے، اس کے برخلاف عمل بھی معلوم ہے" جیسا کہ امام زرکشی نے فن اصول کی اپنی کتاب "البحر المحیط" میں ذکر کیا ہے [3]۔

اور اجماع کے خلاف کی بابت الہدایہ کی سابقہ بات بھی کافی ہے، اور یہ مسئلہ کی حقیقت کا بیان ہے؛ ورنہ جس صورت میں ہم گفتگو کر رہے ہیں، اس میں موانع کا نہ ہونا معلوم ہے، کیونکہ اس حدیث کو معتبر عالم دین نے اختیار کیا ہے، اور اس صورت میں اُس پر عمل کرنا اگر اجماع ثابت ہو تب بھی اس کے خلاف نہیں ہے؛ کیونکہ معتبر علم والے کی تلاش و جستجو اور اس کے عمل کرنے کے سبب، دوبارہ تلاش و جستجو کی حاجت نہیں رہ جاتی، چنانچہ اُس کا علم معتبر تلاش و جستجو کے بعد کا ہے، نہ کہ پہلے کا، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

اور یہ ساری باتیں اس عامی کے حق میں ہیں جسے اتفاقی طور پر کسی حدیث کی صحت، اس کا معنیٰ اور یہ کہ مجتہدین میں سے کسی نے اُسے اختیار کیا ہے، اُس کا علم ہو جائے، رہا وہ شخص جس کے پاس اہلیت ہو تو اس کے حق میں حدیث

---

(۱) تحویل قبلہ کی روایت کو امام بخاری (حدیث ۴۱)، و مسلم (حدیث ۵۲۵) وغیرہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۲) اہل قباء کو تحویل قبلہ کی خبر پہنچنے اور نماز عصر کی حالت رکوع ہی میں قبلہ تحویل کر لینے کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۴۰۳)، و مسلم (حدیث ۵۲۶) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(۳) یہ البحر المحیط فی اصول الفقہ، بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی شافعی کی کتاب ہے، ان کی وفات ۷۹۴ھ میں ہوئی۔

کو لینا اور عمل کرنا مزید تاکیدی اور واجب تر ہے، اگر اسے کوئی امام لے اور اُس کے ظاہر ہونے کے بعد کسی کی تقلید میں اس کے خلاف عمل کرے تو یہ بڑا سنگین اور خطرناک ہے، اور کیسے نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ ﴾ [النور: ٦٣]۔

سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

اور آپ جانتے ہیں کہ ان کی تقلید کا تقاضہ بھی حدیث کو اختیار کرنا ہے' کیونکہ انہوں نے کہا ہے: ''حدیث رسول ﷺ ملنے پر میری بات چھوڑ دو''۔ تو اس صورت میں ان کی تقلید کرنا رسول اللہ ﷺ کی بات کو چھوڑنا ہے' ساتھ ہی درحقیقت ان کی تقلید بھی چھوڑنا ہے، بالخصوص جب انسان کے سامنے مشہور ائمہ کرام میں سے کسی کے مذہب کے موافق کوئی حدیث ظاہر ہو' اور اُس کے اپنے امام کے مذہب کے موافق کوئی حدیث ظاہر نہ ہو جو قابل اعتماد ہو' خاص طور پر جس کسی ایسے شخص کی طرف سے ظاہر ہو جو اپنی ماتحتی میں قابل اعتبار ہوں' کہ وہ اپنے امام کے مذہب کے موافق کوئی قابل اعتماد حدیث نہ پاسکے؛ تو ایسی صورت میں تقلید پر اڑے رہنا مسلمان کی شان نہیں' اور اگر اس کے باوجود اڑا رہے تو وہ ان لوگوں سے کس قدر مشابہ ہوگا جن کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ﴾ [البقرة: ١٤٥]۔

اور آپ اگرچہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دیں لیکن وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے۔

لہٰذا جس کے سامنے قابل اعتماد صحیح حدیث ظاہر ہو جائے اور اسے معلوم ہو کہ بعض ائمہ نے اسے لیا ہے تو اُسے بھی اپنا لینا چاہیے، اس سے یہ چیز مانع نہیں ہونی چاہئے کہ وہ فلاں فلاں مذہب کا مقلد ہے، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ﴾ [النساء: ٥٩]۔

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف۔

اور رسول ﷺ کی طرف لوٹانے میں ائمہ کے درمیان اختلاف وتنازع کے وقت' نبی کریم ﷺ کا قول وفرمان لینا بھی شامل ہے، لہٰذا حدیث رسول ظاہر ہونے کے بعد اُسے اپنانا اور اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

اگر آپ کہیں کہ: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹانے میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اللہ اور اس کے

رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں!

تو میں کہوں گا: (آپ کی) اس بات کا تقاضہ بعینہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی قول کی طرف عملی طور پر رجوع کرنا ہے، کیونکہ اعلمیت اسی بات کی متقاضی ہے ورنہ ان کی باتوں پر عمل کئے بغیر محض زبان سے اعلمیت کا اثبات نفاق کے درجہ میں ہوگا، متنازع مسئلہ میں حدیث سے استدلال اسی غرض سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو اس میں حکم اور فیصل بنایا جائے لہٰذا اس مسئلہ میں آپ ﷺ کی بات کو لینا واجب و ناگزیر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ [النساء:٦٥]۔

سوقسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں اور کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

لہٰذا جو تقلید پر اڑا رہے اور فرمان رسول ﷺ ظاہر ہونے کے بعد اس سے اعراض و سرتابی کرے جبکہ اس پر عمل کرنے سے تقلید کے سوا کچھ بھی مانع نہ ہو تو اسے چاہئے کہ اس آیت کریمہ کی وعید سے پوری طرح ڈرے اور بچ کر رہے، واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں: اس بحث سے واضح ہوا کہ جو کہا جاتا ہے: ''احکام میں مقلد کے گمان کا کوئی اعتبار نہیں، اور خبر واحد گمان کے سوا کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی اس لئے اس پر عمل کرنا جائز نہیں'' سراسر باطل ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ، محمد اور شافعی رحمہم اللہ کا قول: ''إذا خالف قولنا قول الرسول ﷺ فخذوا بقول الرسول ﷺ'' (جب ہماری بات رسول ﷺ کی بات کے خلاف ہو تو رسول ﷺ کی بات لو) اور اس جیسے دیگر اقوال، مجتہد کے لئے نہیں ہیں کیونکہ مجتہد کو اس کی حاجت ہی نہیں لہٰذا یہ مقلد کے حق میں ہیں، اور ان کا یہ قول صریح ہے کہ مقلد کے لئے احادیث آحاد پر عمل کرنا جائز ہے اس لئے کہ واضح ہے کہ ان کا مقصد متواتر پر عمل کا جواز نہیں ہے کیونکہ متواتر کی تعداد بہت کم ہے۔

نیز یہ ممکن نہیں کہ ان ائمہ کے اقوال احادیث کے خلاف ہوں تو جب ان ائمہ کے یہاں مقلد کے لئے خبر آحاد پر عمل کرنا جائز ہے؛ تو ''احکام میں مقلد کے گمان کا کوئی اعتبار نہیں'' کہنے والے کا کیا معنیٰ ہے؟ الا یہ کہ اسے قیاس

وغیرہ سے حاصل ہونے والے گمان پر محمول کیا جائے؛ بشرطیکہ یہ بات ان سے ثابت ہو، یا اس پر محمول کیا جائے کہ اس کا گمان عمل کے جواز میں نہیں بلکہ اس کے علاوہ کے حق میں حجت نہیں ہے اس لئے کہ خود اس کے حق میں تو واجب ہے، یا یہ بات اس وقت کہی جائے جب اس گمان میں وہ کسی مجتہد کے موافق نہ ہو، ورنہ اگر کسی مجتہد کے موافق ہو تو ایسا نہیں ہوگا، لہٰذا گمان سے مراد خالص گمان ہے، جبکہ ہماری گفتگو اس گمان کے بارے میں جاری ہے جس میں کسی مجتہد کے موافق ہو جیسا کہ بات گذر چکی ہے، گرچہ کہ اُن کی باتیں اس قید کی متقاضی نہیں ہیں، اس لئے کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ عدم علم اس وقت ہوگا جب اس کی فہم کے مجتہدین کی فہم کے موافق ہونے کی کوئی وجہ ہی نہ ہو، کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس صورت میں دلیل واضح ہو جانے کے بعد اس کے لئے اس پر عمل کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے اور اس صورت میں اس کے لئے حدیث پر عمل کرنا کیسے واجب نہ ہوگا، جبکہ اللہ تعالیٰ فرمان ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ [المائدۃ:۹۲]۔

اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [النساء:۶۴]۔

ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ بَعْدِي"(۱)۔

تم میری سنت کو اور میرے بعد جانشینوں کی سنت کو لازم پکڑنا۔

نیز ارشاد ہے:

"لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنكُمُ الغَائِبَ"(۲)۔

تم میں سے حاضر غائب کو پہنچا دے۔

---

(۱) صحیح۔ اسے امام ابوداود (حدیث ۴۶۰۷)، ترمذی (حدیث ۲۶۷۸)، ابن ماجہ (حدیث ۴۳)، احمد (۴/۱۲۶-۱۲۷)، اور دارمی (حدیث ۹۵) نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ [اور علامہ البانی نے صحیح الجامع (حدیث ۱۱۸۴) میں صحیح قرار دیا ہے۔ (مترجم)]۔

(۲) متفق علیہ: بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ صحیح بخاری (حدیث ۷۴۴۷)، وصحیح مسلم (حدیث ۱۶۷۹)، وغیرہ، بموقع حجۃ الوداع۔

یہ سارے نصوص اہل اجتہاد کی قید کے بغیر ہیں، لہٰذا جب کسی کو سنت مل جائے تو اس کے لئے اس سے اعراض کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ یہ تو عذر لنگ ہے، اور اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ ﴾

[النور: ٦٣]۔

سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

قرآن کریم اس قسم کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں: ''مقلد کے گمان کا کوئی اعتبار نہیں'' کہنے والے کی بات کو اگر ثابت ہو تو اس پر محمول کرنا ضروری ہے کہ اس کے لئے وہ لینا جائز نہیں ہے جس کی اصل ہی ظنی ہو، مثلاً قیاس، یا اس جیسی دوسری چیزیں، نہ کہ اس کے لئے مطلق طور پر ظنی کو لینا جائز نہیں ہے خواہ سند کے اعتبار سے ظنی اور اصل کے اعتبار سے قطعی ہو تب بھی ورنہ ایسی صورت میں یہ دشواری آئے گی کہ اس کے لئے ائمہ کے اقوال پر عمل کرنا بھی ممکن نہ ہوگا، کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ وہ اقوال عوام کے یہاں قطعی طور پر ثابت نہیں ہیں، بلکہ ان اقوال کے ثبوت کا ظن وگمان احادیث کے ثبوت کے ظن جیسا نہیں ہے، لہٰذا جب ہم یہ کہتے ہیں کہ احادیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے ثبوت میں مقلد کے یہاں ظن ہے اور مقلد کا ظن غیر معتبر ہے! تو یہ بھی واجب ہے کہ مجتہدین سے منقول اقوال میں بھی اس کے ظن کا اعتبار نہ ہو، لہٰذا اس کے لئے ان اقوال پر عمل کرنا مناسب نہیں بلکہ اسے چاہئے کہ زندہ مجتہدین سے رجوع کرے، اور انہوں نے یہ بھی فرض کر رکھا ہے کہ دنیا میں کوئی زندہ مجتہد نہیں ہے، تو ایسی صورت میں عوام الناس سے شرعی پابندیاں ساقط ہوجانی چاہئیں، بلکہ عالم سے بھی زیادہ تر پابندیاں ختم ہوجانی چاہئیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ ان میں احادیث کے ذریعہ لیتے ہیں نہ مجتہدین کے اقوال سے کیونکہ ظن پر عمل کرنا لازم آئے گا، اور ان کے ظن کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور ان میں کوئی مجتہد بھی نہیں ہے کہ کوئی دوسرا اس کی پیروی کرے۔۔ یہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔

میں کہتا ہوں: اگر ہم فرض کرلیں کہ اللہ تعالیٰ مجتہدین پیدا نہیں کرے گا تب تو عالم سے بھی شرعی پابندی ساقط ہوجائے گی سوائے اتنے کے جو اسے قطعی طور پر پہنچے، اور مطلوب پر اس کی دلالت بھی قطعی ہو، اور یہ بہت

معمولی ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں:

جب عوام کے لئے ظن پر عمل کرنا سرے سے جائز ہی نہیں ہے' کیونکہ تمہارا کہنا ہے کہ غیر مجتہد کے ظن کا بالکل اعتبار نہیں ہے' تو اگر دلیل ظنی ہو تو ان پر مجتہدین کے اقوال پر عمل کرنے کا وجوب کیسے ثابت ہوگا؟ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ ظنی دلیل سے انہیں ظن کا فائدہ پہنچے گا، اور اس بنیاد پر ان کے حق میں کچھ بھی ثابت نہ ہوگا، حتیٰ کہ قطعی کے ذریعہ ہو تب بھی، جبکہ معلوم ہے کہ مسئلہ غیر قطعی ہے، اور عامی اور مقلد کا عمل حدیث پر بکثرت ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چیز مجتہد کے قول سے ثابت نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ ظاہر ہے کہ گفتگو اس بارے میں جاری ہے کہ مجتہد کی بات حدیث سے ثابت ہونی چاہئے اور حدیث پر عمل مجتہد کے کہنے سے واجب ہوگا، اور ظاہر یہ وغیرہ نے تقلید کے جواز کا انکار کیا ہے، تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ تقلید قطعی طور پر واجب ہے' کہ اس صورت میں عامی کے حق میں شریعت کی پابندی ثابت ہی نہ ہوگی، سوائے اس کے ذریعہ جو قطعی ہو' یا ظنی تو اس پر سرے سے عمل کرنا جائز ہی نہ ہوگا؟

اور پھر جب ہم اس اصل کے مطابق یہ کہیں گے کہ ظنی کا سرے سے کوئی اعتبار نہیں ہے' خواہ سند میں ظنی ہو' تو اس سے لازم آتا ہے کہ موجودہ لوگوں میں سے کسی پر احادیث کے ذریعہ بھی حجت قائم نہ ہو۔ جیسے روافض اور دیگر گمراہ فرقے، اللہ انہیں رسوا فرمائے۔ کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم دوسروں کے مقلد ہیں' اور ظن کے ذریعہ حجت صرف مجتہد پر قائم ہو سکتی ہے' اور تمہارے اصل کے ذریعہ معلوم ہے کہ دنیا میں کوئی مجتہد ہے ہی نہیں' تو بھلا تم ہم پر ظنی حجت کیسے قائم کر سکتے ہو، باوجودیکہ اس سے ظن ہی حاصل ہوتا ہے' اور ہمارے لئے واجب یہ ہے کہ یہ ظن نہ لیں' یا ہم پر یہ ظن و گمان لینا واجب نہیں ہے! تو اس کے ذریعہ احادیث سے بھی حجت قائم نہ ہو سکے گی۔

پھر ذرا اس بات کو اپنانے کی کمزوری پر غور کیجئے، یعنی ''مقلد کے گمان کا سرے سے کوئی اعتبار نہیں ہے''، جبکہ علی الاطلاق اس کا باطل ہونا واضح ہے' معلوم نہیں اس کا قائل کون ہے؟ اگر مان لیں کی اس کا قائل کوئی مجتہد ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے، تو آپ اس کی وضاحت بھی سن چکے ہیں کہ اصولی عملی مسائل میں اجماعی طور پر ایک مجتہد کے قول میں حجت نہیں ہے، اور یہ مسئلہ بھی انہی مسائل میں سے ہے' اور اسے مطلقاً جاری کئے جانے میں جو مفاسد ہیں وہ بھی آپ کو معلوم ہے، اس کے باوجود ہم کہتے ہیں: مقلد کے لئے مجتہد کی بات پر عمل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے جبکہ اصل میں وہ بھی ظنی ہے' جو اس تقلید کو شامل ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی جگہوں پر مذمت فرمائی

ہے اسے محض عوام کی اضطراری حاجت کے لئے جائز کیا گیا ہے، اور اس کا اس پر عمل کرنا بھی ظنی ہے. پھر اس کا اس مقلد کے یہاں ثابت ہونا بھی ظنی ہے' مجتہد تک اس کی سند سرے سے ثابت نہیں ہے اس کا دارومدار محض ناقلین کے حسن ظن پر مبنی ہے بلکہ بسااوقات اس کا ثبوت وہمی یا شکی بھی ہوسکتا ہے جب مجتہد کا قول نقل کرنے میں ناقلین کا اختلاف ہو کوئی کہے: یہ قول ہے، دوسرا کہے: یہ قول ہے! ساتھ ہی اس اعتبار سے بھی ظنی ہے کہ آیا مجتہد اس قول پر قائم ہے یا رجوع کر چکا ہے؟ بہر کیف ظن کے ثبوت میں کوئی شک نہیں بالخصوص جب ناقلین ایک مجتہد سے کئی اقوال نقل کریں تو مجتہد کس قول پر باقی رہا ہے وہ مشکوک ہی ہے! لہٰذا ہم کہتے ہیں: ان تمام شکوک اور گمانوں کے باوجود اس کے لئے مجتہد کی بات پر عمل کرنا کیسے جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کرنا کیسے جائز نہیں ہے جبکہ وہ اصل میں قطعی ہے صرف سند کے اعتبار سے ظنی ہے لیکن اس کی سند متصل ہے اور راویان نہایت قابل اعتماد ہیں؟ لہٰذا فرمان نبوی ﷺ کے ثبوت کا ظن مجتہد کی طرف منسوب قول کے ثبوت کے ظن سے زیادہ پختہ تر ہے، اور جب ظن عمل کرنے سے مانع ہے تو مقلد کو مجتہد کے قول پر عمل سے کیوں نہ منع کیا جائے، ورنہ اُسے کس بنیاد پر حدیث پر عمل کرنے سے منع کیا جائے گا؟ اس پر غور کریں. توفیق دہندہ اللہ ہی کی ذات ہے اور اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی تکمیلیں ہیں۔

بلکہ ہم کہتے ہیں: اگر مقلد کو ذاتی طور پر دیکھا جائے تو مجتہد کے قول میں ظنیت لازم رہتی ہے' کبھی جدا ہی نہیں ہوتی' خواہ سابقہ ذکر کردہ وجوہ سے ظنیت نہ بھی ہو، وہ اس لئے کہ مجتہد افراد میں سے ایک فرد واحد ہے لہٰذا اس کی ذات کے بارے میں دی ہوئی خبروں کے بارے میں وہی معاملہ کیا جائے گا کہ اُس نے اجتہاد کیا تو اس کی یہ رائے ٹھہری' جیسے دیگر افراد کے ساتھ کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کی طرح معصوم نہیں ہے' لہٰذا اس خبر میں اس سے بھول چوک ہوسکتی ہے، اور بطور احتمال اس خبر میں اس سے جھوٹ سرزد ہونے کا بھی امکان ہے' بنابریں مقلد کو اس خبر سے کسی بھی طرح قطعی علم حاصل نہیں ہوسکتا' خواہ اُس مجتہد سے متواتر بھی ہو؟ تو جب مقلد کو اس کے علاوہ کسی کا گمان نہیں ہوسکتا تو اس کے لئے کسی مجتہد کی بات پر عمل کرنا سرے سے جائز نہ ہوگا۔

اور تعجب ہے کہ یہ جانتے بھی ہیں کہ مجتہد سے غلطی و درستی ہوتی ہے' یہ ان کے عقائد کا حصہ ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ غلطی سے معصوم ہیں' ان سب کے باوجود مجتہد کی بات پر اڑے رہتے ہیں' جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں' اور نبی کریم ﷺ کا فرمان چھوڑ دیتے ہیں۔

پھر ہم کہتے ہیں:

اگر مان لیا جائے کہ مقلد کے گمان کا سرے سے کوئی اعتبار نہیں ہے، اور اس کے لئے بہتر یا جائز یا واجب نہیں ہے کہ مجتہد کی بات چھوڑ کر اپنے گمان سے رجوع کرے، تو ہم کہیں گے: امام کی بات کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنے کی جس صورت میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس میں اُس کے خود اپنے گمان پر عمل کرنا لازم نہیں بلکہ اس میں لازم یہ ہے کہ جس کا قول حدیث کے خلاف ہو اُسے چھوڑ کر اس کی تقلید کرے جس کا قول حدیث کے موافق ہو، اس صورت میں تقلید کو چھوڑ کر خود اپنے گمان پر عمل کرنا نہیں ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں لہٰذا ہماری بات میں یہی ہے کہ کسی مسئلہ میں جسے حق کے موافق خیال کرتا ہو اس کی تقلید کرے، جسے حق کے خلاف سمجھتا ہو اس کی تقلید چھوڑ دے، اور پوشیدہ نہیں کہ مقلد پر یہی چیز واجب ہونی چاہئے؛ کیونکہ تقلید درحقیقت مجتہد کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے بلا دلیل اس کی بات ماننے کا نام ہے، اور یہ بھی مخفی نہیں کہ جب کسی مسئلہ میں مقلد کو گمان حاصل ہو جائے تو اس مسئلہ میں اس ظن کے مخالف کے ساتھ حسن ظن رکھنا ممکن نہیں کیونکہ ظاہر بات ہے کہ ظن وگمان دو متضاد باتوں سے متعلق نہیں ہوتا، لہٰذا ایسی صورت میں اس کے لئے مخالف کی تقلید ممکن ہی نہیں چہ جائے کہ اس کے لئے جائز یا واجب ہو بلکہ موافق کے علاوہ میں تقلید کے معنیٰ کا تحقق ہی نہیں ہوگا، وہ جو کچھ کہے وہ جسے حق پر خیال کرتا ہو اس کی تقلید واجب ہے اور جسے غلط پر سمجھتا ہو اس کی تقلید ناجائز ہے، چنانچہ ایک مسلمان سے کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ کہے جسے وہ ہدایت و درستی پر سمجھتا ہے اس کی تقلید واجب نہیں ہے اور جسے گمراہی اور غلطی پر سمجھتا ہے اُس کی تقلید جائز ہے، کیونکہ ان کے یہاں اجتہاد میں غلطی گمراہی ہے جیسا کہ انہوں نے حدیث رسول ﷺ:

''لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ''[1]۔

میری امت گمراہی پر اکٹھا نہیں ہو سکتی۔

کی تحقیق میں کہا ہے، اور جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ تقلید درحقیقت گمان ہے تو اگر ہم کہتے ہیں کہ مقلد کے گمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے تو عالم سے بھی تقلید ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بھی گمان ہے لہٰذا تقلید پر عمل جائز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ ظن پر عمل کے قبیل سے ہے جو ناجائز ہے۔ غور کریں۔

پھر اگر ہم یہ کہیں: کہ مقلد کے لئے اپنے اس گمان پر عمل کرنا جائز نہیں جو اُسے شرعی دلیل میں غور کرنے سے

---

(۱) حدیث صحیح ہے، اس کی تخریج (ص ۱۴۷) میں گزر چکی ہے۔

حاصل ہوا ہے؛ گرچہ وہ بہت سے مجتہدین کے موافق ہو بلکہ اُس پر دوسرے کی تقلید ہی واجب ہے۔ جیسے دلیل پر غور کرنے سے پہلے تھی۔ گرچہ وہ مقتضائے دلیل کے خلاف ہو تو بدعتیوں کے مقلد پر بھی جسے اپنے امام کے خلاف گمان حاصل ہوا ہے اخبار آحاد کی بنا پر اپنے امام کا قول چھوڑنا واجب نہیں ہونا چاہئے؛ کیونکہ اخبار آحاد ظنی ہیں چنانچہ اگر فرض کریں کہ اس کے گمراہ امام نے اُسے بتایا ہو کہ اُس پر بعض کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو فضیلت والے اوقات جیسے اذان کے وقت اور نمازوں کے بعد گالی دینا ضروری ہے۔ جیسا کہ باطل پرست روافض کا شیوہ رہا ہے۔ پھر اُسے آحادیث کا ظن حاصل ہو جائے کہ ان اوقات میں مسنون اوراد واذ کار میں مشغول رہنا مستحب ہے نیز یہ حاصل ہو جائے کہ دین کا تقاضہ صحابہ کی تعظیم ہے نہ کہ ان کی تحقیر، تو ہمیں ان سے یہ کہنا چاہئے کہ اس مقلد پر دلیل سے واضح ہونے والی بات کی طرف پلٹنا واجب نہیں ہے بلکہ اُسی تقلید پر ڈٹے رہنا واجب ہے، ہمیں اسے نہیں کہنا چاہئے کہ ایسا کرنے سے اُسے ثواب ملے گا، اور اگر وہ یہ گمرہی چھوڑ کر اذکار واوراد کرے گا تو اپنے اوپر واجب تقلید کو چھوڑ کر اپنا غیر معتبر گمان اختیار کرنے کے سبب اور تقلید کے ذریعہ اپنے اوپر واجب کو چھوڑ کر ظن کے ذریعہ مندوب ومستحب کو اپنانے کے سبب گنہ گار ہوگا! اس قسم کی بات کسی مسلمان سے صادر نہیں ہونی چاہئے۔

کیونکہ ہم نے کہا ہے: اگر اس پر ظن کے ذریعہ حق واضح ہو جائے تو اُس پر حق کو اپنانا اور تقلید جسے باطل خیال کر رہا ہے ترک کر دینا واجب ہے تو آخر اس میں اور اُس شخص میں کیا فرق ہے جو کسی امام کی تقلید کرتا ہے جس کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ اُس نے ایک دو مسئلہ میں حدیث کی مخالفت کی ہے؟ اور اگر فرض کریں کہ کسی رافضی کے سامنے کسی مسئلہ میں۔ جیسے گالی ہی کی مثال لے لیں۔ ظن کی بنیاد پر اپنے مذہب کی غلطی واضح ہو جائے، تو کیا ہم اُس سے کہیں گے کہ اُس کے بعد وہ تقلید کے سبب گنہگار ہوگا، یا اس پر رجوع واجب ہے؟ غور کریں۔

تعجب یہ ہے کہ اگر کوئی مجتہد کسی مسئلہ میں حدیث واضح ہو جانے کے سبب حق پر گمان کرتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کے یہاں دوسرے کا حق پر ہونا وہم ہوتا ہے، چنانچہ ہم پوچھتے ہیں: کیا اس پر واجب یا اس کے لئے جائز ہے کہ جس کے حق پر ہونے کا وہم ہے اُسی کے قول کی تقلید پر قائم رہے اُس پر جس کے حق ہونے کا گمان ہے اُس کے قول کی طرف رجوع کرنا واجب یا جائز نہیں ہے، اس طرح کی باتیں عقل سے بہت دور ہیں۔

اور تعجب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونے کو فسق وگناہ کی نہایت سنگین اور بدترین شکل سمجھتے ہیں، تو کیا بھلا ہم رافضی سے کہیں کہ: اُس کے لئے اپنے مذہب سے منتقل ہونا جائز نہیں؟ کوئی

مسلمان یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

ہم نے اتنی طول طویل اور تفصیلی بات' باوجود یکہ یہ کتاب میں جا بجا آنے والا مسئلہ تھا' اس لئے کی ہے کہ کیونکہ اس حاشیہ سے ہمارا مقصد روشن سنت کے ذریعہ حق کو قوت پہنچانا اور کسی مذہب و مسلک کی پابندی کے بغیر اُس کے ذریعہ حق کو ترجیح دینا ہے' برخلاف اس (تقلید و جمود) کے جو ہمارے دور کے لوگوں کا شیوہ و طیرہ بن گیا ہے. لہٰذا ہم نے چاہا کہ اس بحث کو کتاب کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ بنا دیں، نیز اس لئے بھی کہ ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ حدیث اپنانے میں تساہل برتتے ہیں' اس کے معاملہ کو اہمیت نہیں دیتے ہیں' اپنے مذہب و مسلک کے خلاف حدیث کو ایسا خیال کرتے ہیں' گویا وہ کوئی امر مردود ہے' اور جو مسلک کے مطابق ہو اُسے مقبول سمجھتے ہیں، جبکہ حق یہ ہے کہ جو کتاب وسنت کے خلاف ہو اُسے مردود قرار دیا جائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ''[1]۔

جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں' وہ مردود ہے۔

بنا بریں شاید یہ مقدمہ ان شاء اللہ انہیں ان کے گندے رویے سے بچانے میں مفید ثابت ہوگا، ارشاد باری ہے:

﴿وَٱللَّهُ يَقُولُ ٱلْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي ٱلسَّبِيلَ ۝٤﴾ [الاحزاب: ۴]۔

اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے اور وہ (سیدھی) راہ سجھاتا ہے۔

محقق ابوالحسن سندھی رحمہ اللہ کی طویل بات ختم ہوئی۔

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

''محمد بن حسن فرماتے ہیں: علم چار طرح کا ہے: جو اللہ کی بولتی کتاب میں ہے اور جو اس کا نچوڑ ہے، جو سنت رسول ﷺ میں ہے اور اس کا نچوڑ ہے، جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور اس کا نچوڑ ہے' اسی طرح جس میں ان کا اختلاف ہے وہ بھی ان تمام سے خارج نہیں ہے' لہٰذا اگر ان میں سے کوئی قول منتخب ہو جائے تو اس پر دیگر مشابہ چیزوں کا قیاس کیا جائے گا، اور جسے مسلمانوں کے عمومی فقہاء نے اچھا سمجھا ہے' اور جو اس کا نچوڑ اور خلاصہ ہے' اور فرمایا کہ: علم ان چار قسموں سے باہر نہیں ہو سکتا''۔

---

(۱) متفق علیہ: بخاری (حدیث ۲۶۹۷)، ومسلم (حدیث ۱۷۱۸)، وابوداود (حدیث ۴۶۰۶)، وابن ماجہ (حدیث ۱۴)، بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

ابوعمر فرماتے ہیں:

محمد بن حسن کے ''وما أشبھہ'' کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو کتاب اللہ کے مشابہ ہو، اسی طرح سنت اور اجماع صحابہ کے ساتھ ''ما أشبھہ'' کہنے کا مقصود یہ ہے کہ جو ان تمام کے مشابہ ہو، چنانچہ وہ احکام میں مختلف فیہ قیاس ہے اور اس سے ان کا مقصد ان تمام امور پر قیاس کرنا ہے''[1]۔

امام بیہقی المدخل میں فرماتے ہیں:

ہمیں ابوعبداللہ حافظ نے بتلایا، انہوں نے محمد بن حسن تالویہ[2] سے سنا، انہوں نے ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے سنا، انہوں نے ابوبکر طبری سے سنا، انہوں نے نعیم بن حماد سے سنا، انہوں نے ابن المبارک سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''إِذَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَعَلَى الرَّأْسِ وَالْعَيْنِ، وَإِذَا جَاءَ عَنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ نَخْتَارُ مِنْ قَوْلِهِمْ، وَإِذَا جَاءَ عَنِ التَّابِعِينَ زَاحَمْنَاهُمْ''[3]۔

جب کوئی حدیث نبی کریم ﷺ سے آئے تو سر آنکھوں پر، اور اگر صحابہ کی رائے آئے تو ہم ان کے اقوال میں سے انتخاب کریں گے اور اگر تابعین کی رائے آئے تو ہم ان کا جائزہ لیں گے۔

نیز فرماتے ہیں:

ہمیں ابوعبداللہ حافظ نے بتلایا، انہوں نے ابوجعفر محمد بن صالح بن ہانی سے سنا، انہوں نے محمد بن عمر بن علاء سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بشر بن ولید سے سنا' انہوں نے فرمایا کہ ابویوسف نے فرمایا:

''لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ مَقَالَتَنَا، حَتَّى يَعْلَمَ مِنْ أَيْنَ قُلْنَا''[4]۔

کسی کے لئے حلال نہیں کہ ہماری بات کہے' یہاں تک کہ اسے علم ہو کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۳۲-۳۳)۔

(۲) یہ امام رئیس جلاب نیشاپوری ہیں، اپنے شہر کے بڑے لوگوں میں سے ہیں، ۳۴۰ھ میں وفات پائے۔ سیر اعلام النبلاء (۱۵/ ۴۱۹)۔ اور ابوعبد اللہ حافظ الحاکم نیشاپوری صاحب مستدرک ہیں جو امام بیہقی کے استاذ ہیں۔ اور امام ابوبکر بن خزیمہ، صاحب صحیح ہیں۔

(۳) المدخل، از بیہقی (ص ۱۱۱، فقرہ ۴۰)، نیز امام ذہبی نے اسے سیر اعلام النبلاء (۶/ ۴۰۱) میں ذکر کیا ہے۔

(۴) المدخل، از امام بیہقی (ص ۲۱۰-۲۱۱، فقرہ ۲۶۷)۔

ہمارے شیخ المشائخ محمد حیاۃ سندھی فرماتے ہیں:

''ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآن کے معانی سمجھنے' احادیث کی جستجو کرنے اور اس کے معانی سمجھنے اور ان سے احکام مستنبط کرنے میں محنت اور جد و جہد کرے، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو علماء کی تقلید کرے؛ بشرطیکہ کسی مذہب ومسلک کی قید نہ ہو؛ کیونکہ یہ اُسے نبی بنانے کے مشابہ ہے، اور اسے چاہیے کہ ہر مذہب کا سب سے احتیاطی مسئلہ لے اضطراری صورت میں اس کے لئے رخصتوں کا اپنانا بھی جائز ہے، اضطراری صورت نہ ہو تو ترک کرنا ہی بہتر ہے، البتہ ہمارے دور کے لوگوں نے جو مخصوص مذاہب کی پابندی کی بدعت نکالی ہے' کہ ان میں سے ہر کوئی اپنے مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونا جائز و روا نہیں سمجھتا' یہ جہالت، بدعت اور حد درجہ غیر معقول ہے' ہم نے انہیں دیکھا ہے کہ صحیح غیر منسوخ احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے بے بنیاد مذاہب سے وابستہ رہتے ہیں' إنا للہ وإنا إلیہ راجعون' بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں:

شیخ کا یہ کہنا:'' کیونکہ یہ اُسے نبی بنانے کے مشابہ ہے''۔ بلکہ یہ بعینہ اسے رب بنانا ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿ٱتَّخَذُوٓاْ أَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَٰنَهُمۡ أَرۡبَابٗا مِّن دُونِ ٱللَّهِ﴾[التوبۃ:۳۱]۔

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے۔

کی تفسیر کے تحت عدی بن حاتم وغیرہ کی روایت کے حوالہ سے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَتَذْهَبُ عَلَيْهِ سُنَّةٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَتَعْزُبُ عَنْهُ''۔

ہر شخص سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی نہ کوئی سنت چھوٹ جاتی اور اوجھل رہ جاتی ہے۔

جیسا کہ عراقی وغیرہ نے ان سے نقل کیا ہے۔

چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی ذات پر کسی معین مجتہد کو لازم کرلے' اور اس مجتہد سے کسی چیز کی حرمت کی کوئی سنت کی دلیل چھوٹ جائے، وہ اجتہاد کرے اور قیاس یا استحسان وغیرہ کے ذریعہ اجتہاد کرکے اسے حلال کردے' اور دوسرے مجتہد کو وہ سنت پہنچے اور وہ سنت کی اتباع کرتے ہوئے اسے حرام قرار دے' اور اس مقلد کو اس چیز کی حرمت پر دلالت کرنے والی اس سنت کا علم ہو' لیکن چونکہ اس نے اپنے اوپر پہلے مجتہد کی تقلید لازم کرلی ہے' جس

نے اسے حلال ٹھہرایا ہے' لہٰذا وہ حلال ٹھہرانے میں اس کی تقلید پر اڑا رہے' باوجود یکہ اسے اس کے حرام ہونے پر دلالت کرنے والی سنت کا علم ہے' لیکن پہلے مجتہد کی تقلید اُسے اتباع سنت سے روک رہی ہے' کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ پہلے مجتہد کی تقلید سے نکلنا جائز نہیں ہے' تو یقیناً اُس نے پہلے مجتہد کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنالیا ہے' جو اس کے لئے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال، اور حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے۔ اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون۔

نیز شیخ محمد حیاۃ سندھی فرماتے ہیں:

اگر انسان اتباع سنت کے نصوص کے حوالے تلاش کرے تو مذکورہ باتوں سے زیادہ پائے گا، اور خیر پر عمل کے دلائل ذکر کئے جانے سے کہیں زیادہ اور بتائے جانے سے کہیں مشہور ہیں؛ لیکن شیطان لعین نے اکثر انسانوں کو شبہہ میں ڈال رکھا ہے' حدیث کے بجائے رائے اپنانے کو خوشنما بنا دیا ہے، اور انہیں پٹی پڑھائی ہے کہ یہی زیادہ مناسب اور بہتر ہے، اور ان وجوہات کے سبب انہیں خیر البشر ﷺ کی حدیث پر عمل کرنے سے محروم کر دیا ہے' یہ ایک بہت بڑی بلاء اور مصیبت ہے۔ اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون۔

اور ایک بڑی تعجب خیز بات یہ ہے کہ اگر انہیں (مقلدین کو) نبی کریم ﷺ کی حدیث کے خلاف کسی صحابی کا کوئی قول ملتا ہے' اور اس کا کوئی مناسب محمل نہیں پاتے ہیں' تو جائز قرار دیتے ہیں کہ اُنہیں حدیث نہیں پہنچی ہوگی' یہ چیز ان پر گراں بھی نہیں گذرتی ہے' اور یہی درست ہے، لیکن اگر انہیں کوئی حدیث ملتی ہے جو ان کے امام و پیشوا جس کی وہ تقلید کرتے ہیں' کے خلاف ہوتی ہے تو اس کی دور و نزدیک تاویل کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، اور اس کے قریب و بعید محمل کے لئے انتھک جدو جہد کرتے ہیں' اور بسا اوقات نصوص کی تحریف و تاویل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے' لیکن اگر معتبر محامل نہ ہونے کی صورت میں ان سے کہہ دیا جائے کہ شاید تمہارے امام جس کی تم تقلید کرتے ہو' اسے حدیث نہ پہنچی ہو، تو کہنے والے کے پر قیامت ڈھانے لگتے ہیں، اُسے بڑی لعنت ملامت کرتے ہیں' بلکہ بسا اوقات گستاخوں اور بدخواہوں میں شامل کر دیتے ہیں' اور انہیں بڑا گراں گزرتا ہے! لہٰذا اے عقلمند! ذرا ان مسکینوں پر غور کرو، ابو بکر صدیق اکبر اور ان کے بھائیوں کے حق میں جائز قرار دیتے ہیں کہ انہیں حدیث نہیں پہنچی ہوگی' لیکن ائمہ مذاہب کے بارے میں یہ چیز روا نہیں سمجھتے' جبکہ دونوں فریقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اور آپ انہیں دیکھیں گے یہ حدیث کی کتابیں پڑھتے ہیں' اس کا مطالعہ کرتے' اور سمجھتے ہیں' لیکن ان پر عمل کرنے کے لئے نہیں' بلکہ اپنے مذاہب کے اماموں جن کی وہ تقلید کرتے ہیں' کی دلیلیں ڈھونڈنے کے لئے

اور حدیثوں کے خلاف اُن کے اقوال کی دور از کار تاویلات نکالنے کے لئے، اور اگر ان کے قول کا معتبر محمل نہیں پاتے ہیں تو بہت دور کی کوڑیاں لاتے ہیں، کہتے ہیں: ہم نے جن اماموں کی تقلید کی ہے وہ ہم سے زیادہ حدیث کا علم رکھنے والے ہیں، کیا یہ جانتے نہیں کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے آپ پر اللہ کی حجت قائم کر رہے ہیں، اور حجت و دلیل پر عمل کرنے میں عالم و جاہل سب برابر ہیں، جب ان سے اپنے امام کے موافق کوئی حدیث گزرتی ہے تو خوش ہوتے ہیں اور جب امام کے قول کے خلاف یا دوسرے مذہب کے موافق کوئی حدیث گزرتی ہے تو دل مروڑنے (چھوٹا کرنے) لگتے ہیں، کیا انہوں نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ ﴾ [النساء:٦٥]۔

سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں اور کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کریں۔

علامہ صغانی مشارق الأنوار [1] میں رقمطراز ہیں:

''۱۱/ ربیع الاول سنہ ۶۲۲ھ اتوار کی شب میں اپنے بستر پر لیٹا، اور اللہ سے دعا کیا: اے اللہ مجھے آج کی شب خواب میں اپنے نبی ﷺ کا دیدار کرا یقیناً اُن کی بابت میرے شوق کا تجھے بخوبی علم ہے، بہرکیف تھوڑی دیر سونے کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ گویا میں اور نبی ﷺ ایک بلند کمرے میں ہیں اور ہمارے ساتھیوں کی ایک جماعت ہم سے نیچے کمرے کی سیڑھیوں کے پاس ہے، چنانچہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بتائیے کہ اگر سمندر کسی مردے کو باہر پھینک دے تو کیا وہ حلال ہے؟ آپ ﷺ نے - مجھ دیکھ مسکراتے ہوئے - فرمایا: ہاں۔ تو میں نے - سیڑھی کے پاس نیچے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے - عرض کیا: آپ میرے ساتھیوں سے کہہ دیجئے کیونکہ وہ میری تصدیق نہیں کریں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً ان لوگوں نے مجھے گالی دی ہے اور مجھ پر عیب لگایا ہے۔ تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کیسے؟ تو آپ ﷺ نے کچھ فرمایا: جس کے الفاظ

(۱) یہ رضی الدین حسن بن محمد صغانی ہیں، ان کی کتاب مشارق الأنوار النبویہ من صحاح الأخبار المصطفویہ ہے، ۶۵۰ھ میں وفات پائے، کشف الظنون (۲/۱۶۸۸)۔

مجھے یاد نہ رہے' البتہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ: تم نے میری بات ایسے لوگوں کو پیش کی' جو اسے قبول نہیں کرتے! پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں ملامت اور نصیحت کرنے لگے! صبح ہوئی تو میں نے اللہ کی پناہ مانگا کہ اب آج کی رات کے بعد آپ ﷺ کی حدیث اسی کو پیش کروں گا جو آپس کے تمام اختلاف میں آپ کو حاکم مانیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں''۔ بات ختم ہوئی۔

ان متعصب مقلدین کی جماعت میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جب پوچھا جاتا ہے کہ تم حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ تو دعویٰ کرتے ہیں کہ حدیث سمجھ میں نہیں آتی' ساتھ ہی وہ حدیث کی فضیلت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں' اُسے سیکھتے سکھاتے ہیں' اور اپنے پیروں اماموں کے لئے استدلال بھی کرتے ہیں' یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے، اگر میں ان کی عجیب وغریب حرکتوں کا ذکر کروں تو بات لمبی ہو جائے گی، اللہ جسے بصیرت کا نور عطا فرمائے اور راہ راست کی رہنمائی فرمائے' اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

علامہ محمد حیاۃ سندھی کی طویل گفتگو ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: شیخ رحمہ اللہ نے سچ فرمایا ہے' خیر خواہی کی ہے اور نیک رہنمائی فرمائی ہے، ہدایت دہندہ ذات اللہ کی ہے۔

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے:

لَقَد أُسمَعتَ لَو نَادَيتَ حَيا وَلَكِن لَا حَيَاةَ لِمَن تُنَادِي

اگر تم کسی زندہ کو بلاتے تو ضرور سنتا لیکن افسوس! تم جسے آواز دے رہے ہو اس میں زندگی نہیں ہے۔

❀ ❀ ❀

دوسرا مقصد:

امام دار الہجرۃ مالک بن انس رحمہ اللہ اور ان کے ماہر پیروکاروں کے اقوال وفرمودات کا بیان

ہم سے ہمارے بزرگ ومحترم شیخ محمد بن محمد بن محمد بن سنہ نے بیان کیا، ان سے محمد بن عبد اللہ الشریف نے بیان کیا، وہ محمد بن ارکماش حنفی سے روایت کرتے ہیں، انہیں ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی نے اجازۃً بتلایا، انہوں نے ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن عبد الواحد تنوخی سے سنا، وہ ابو محمد بن ابو غالب بن عساکر سے روایت کرتے ہیں وہ ابو الفضل بن ناصر سے، وہ ابو عبد اللہ بن محمد بن فتوح حمیدی سے، وہ حافظ ابو عمر بن عبد البر سے، ان سے عبد اللہ بن محمد بن عبد المؤمن نے بیان کیا، ان سے ابو عبد اللہ بن محمد بن احمد قاضی مالکی نے بیان کیا، ان سے موسیٰ بن اسحاق نے بیان کیا، ان سے ابراہیم بن المنذر نے بیان کیا، انہیں معن بن عیسیٰ نے بیان کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مالک بن انس رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُخْطِئُ وَأُصِيبُ، فَانْظُرُوا فِي رَأْيِي، فَكُلُّ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوا بِهِ، وَمَا لَمْ يُوَافِقِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَاتْرُكُوهُ''[1]۔

یقیناً میں انسان ہوں، غلطی بھی کرتا ہوں اور درست بھی، لہٰذا میری رائے پر غور کرلو، جو کتاب وسنت کے

(۱) اس کی سند حسن ہے۔ اس میں ابراہیم بن منذر صدوق ہیں ان کے بارے میں امام احمد نے خلق قرآن کے حوالہ سے کلام کیا ہے۔ تقریب التہذیب (۲۵۳)، اور بقیہ راویان ثقہ ہیں۔ اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲/ ۳۹) میں روایت کیا ہے۔

موافق ہو اسے لو اور جو کتاب وسنت کے موافق نہ ہو چھوڑ دو۔

احمد بن مروان مالکی نے ابوجعفر بن رشدین کے واسطے سے، انہوں نے ابراہیم بن المنذر سے، انہوں نے معن سے اور انہوں نے امام مالک سے اسی جیسی بات ذکر فرمائی ہے۔

اسی سند سے ابوعمر بن عبدالبر سے مروی ہے: ہمیں عبدالرحمن بن یحییٰ نے بتایا، ان سے احمد بن سعید نے بیان کیا، ان سے عبدالملک بن بحر نے بیان کیا، ان سے محمد بن اسماعیل صائغ نے بیان کیا، ان سے ابراہیم بن منذر نے بیان کیا، ان سے مطرف نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو کہتے ہوئے سنا کہ مجھ سے ابن ہرمز نے کہا:

"لَا تُمْسِكْ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا سَمِعْتَ مِنِّي مِنْ هَذَا الرَّأْيِ؛ فَإِنَّمَا افْتَجَرْتُهُ أَنَا وَرَبِيعَةُ فَلَا تُمْسِكْ بِهِ"[1]۔

تم نے مجھ سے جو کچھ میری رائے سے سنا ہے اس میں سے کوئی بات نہ لینا، کیونکہ اسے میں نے اور ربیعہ نے نکالا ہے، لہٰذا اسے پکڑ کر نہ بیٹھنا۔

سند بن عنان[2] الأم کے نام سے معروف مدونہ سحنون پر اپنی شرح میں فرماتے ہیں:

"فقہ کا سرچشمہ کتاب وسنت، اجماع اور عبرت یعنی قیاس صحیح ہیں"[3]۔

اور چونکہ فروعی مسائل کے علم میں استقلال کے لئے دو چیزیں درکار ہیں اس لئے ان کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ اپنے دور کے فقہاء کے مذاہب کا علم۔

۲۔ اصول فقہ اور فروع کو اصول کی طرف لوٹا کر ان میں تصرف کا علم۔

پہلی بات اس لئے شرط ہے تاکہ تصرف کرنے والا اجماع توڑنے سے محفوظ رہے اور اتباع و پیروی کے منہج پر گامزن رہے۔ اور دوسری بات تحصیل علم کے لئے شرط ہے کیونکہ اس میں سب کے سب برابر ہیں اور جو بدیہی طور پر ثابت نہیں ہوتا وہ غور وفکر سے ثابت ہوتا ہے۔

---

(۱) سابقہ روایت کی طرح یہ بھی حسن ہے، جامع بیان العلم (۲/ ۳۹-۴۰)۔

(۲) یہ سند بن عنان بن ابراہیم، ابوالاعلی ازدی مالکی ہیں، ۵۴۱ھ میں اسکندریہ میں وفات پائے۔ ان کے اساتذہ میں ابوبکر طرطوشی اور ابوالطاہر سلفی ہیں، ان کی کتاب "الطراز شرح المدونۃ" ہے، کشف الظنون (۲/ ۱۶۴۴)، اور ذیل کشف الظنون ۳/ ۲۱۱)، والدیباج المذھب، از ابن فرحون (۱/ ۳۹۹)۔

(۳) عبرت اور اعتبار کے معنی قیاس صحیح کے ہیں۔

اور چونکہ شریعت کا دارومدار رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر ہے اس لئے واجب ہے کہ انہی چیزوں میں غور وفکر کیا جائے جو آپ ﷺ کی طرف سے آئی ہوں، اور آپ ﷺ کی طرف سے آئی ہوئی چیزیں دو طرح کی ہیں: سنی ہوئی باتیں اور طے کئے گئے احکام، اور جو باتیں آپ سے منقول ہیں، ان کی بھی دو قسمیں ہیں: قرآن اور سنت۔ لہٰذا استخراج واستنباط کے ذریعہ انہی دونوں میں غور کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُولِى ٱلْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ مِنْهُمْ﴾

[النساء: ۸۳]۔

حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول (ﷺ) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے، تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

کبھی کسی حکم پر ساری دنیا والوں کا اتفاق ہو جاتا ہے' گرچہ کتاب وسنت میں اس بارے میں کوئی نص نہ ملے' تو یہ اتفاق اس حکم کے ثبوت کا ایک راستہ ہوتا ہے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ عبادات کے ابواب میں فارغ البالی کی قوت اور مقاصد کے میلان کے اعتبار سے عقلمندوں کے مراتب ودرجات مختلف ہوتے ہیں، اور غور وتامل کے پہلوؤں اور فکر ونظر کی صوابدید میں کمی بیشی ہوتی ہے، اسی لئے عام طور پر کسی فرعی مسئلہ میں بہت بڑی تعداد کا متفق ہونا بعید ہوتا ہے، البتہ اس توقیر سے اجماع کی حجیت کی قطعیت ثابت ہوتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اجماع پر عمل کا مرجع نص پر عمل ہے، کیونکہ اجماع حجت ودلیل کو متضمن ہے' اور اس کی کیفیت وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے، یا وہ فی نفسہ حجت ہو، تو اس کے ثبوت کے لئے سمعی دلیل (کتاب وسنت) درکار ہوگی، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ ٱلْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِۦ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾﴾ [النساء: ۱۱۵]۔

جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (ﷺ) کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ''[1]۔

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔

اور صحیح بخاری میں فرمان نبوی ہے:

''وَلَنْ تَزَالَ هَذِهِ الأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى الحَقِّ، لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ''[2]۔

یہ امت ہمیشہ ہمیش حق پر قائم رہے گی، ان کی مخالفت کرنے والے انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے گا۔

آگے فرماتے ہیں:

رہا محض خالص تقلید پر اکتفا کرنا تو کوئی سوجھ بوجھ والا آدمی اُسے پسند نہیں کرسکتا! ہمارے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ ہر فرد پر حرام ہے؛ بلکہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دلیل کی معرفت اور لوگوں کے اقوال کی معرفت واجب ہے اور عامی پر عالم کی تقلید واجب ہے[3]۔

---

(۱) یہ حدیث معنیً متواتر ہے، اسے صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، جیسے جابر بن عبداللہ، ثوبان، معاویہ، قرۃ بن ایاس، ابوہریرہ، سلمہ بن نفیل، زید بن ارقم، عمران بن حصین اور ابوامامہ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام مسلم (حدیث ۱۵۶)، اور امام احمد (۳/ ۳۴۵، ۳۸۴) نے روایت کیا ہے۔ ثوبان کی حدیث کو امام مسلم (حدیث ۱۹۲۰)، ابوداود (حدیث ۴۲۵۲)، ترمذی (حدیث ۲۲۲۹)، ابن ماجہ (حدیث ۱۰)، اور امام احمد (۵/ ۲۷۸-۲۷۹) نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۷۱)، ومسلم (حدیث ۱۰۳۷) اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی سلسلہ صحیحہ (حدیث ۲۷۰) میں فرماتے ہیں: ''جان لیں کہ یہ حدیث ثابت 'خوب مشہور یا متواتر ہے''۔

(۲) صحیح بخاری (حدیث ۷۱)، وصحیح مسلم (حدیث ۱۰۳۷)، واحمد (۴/ ۹۲-۹۳)۔ اور طائفہ ظاہرہ وناجیہ اور اسی طرح منصورہ، بلاشک وشبہ جیسا کہ امام بخاری نے اپنے استاذ امام علی ابن المدینی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے: اہل الحدیث ہیں، یہی لوگ اپنے عقائد، عبادات، معاملات اور تمام باتوں میں نص کتاب وسنت کے متبع اور پیروکار ہیں، اپنے دین کو کسی کا مقلد نہیں بناتے ہیں، بلکہ تقلید کے سبب اس امت میں رونما ہونے والی تباہیوں، اور آفات ومصائب کا انہیں سب سے زیادہ علم ہے، چنانچہ امت میں شرک تقلید ہی چور دروازے سے آیا، لوگوں نے رسول گرامی ﷺ اور مومنوں کی راہ سے اسی کے سبب منہ موڑا، تمام تر بدعتیں امت کی گلیوں میں اسی کے باعث داخل ہوئیں، مسلمانوں پر ذلت وخواری اسی کے نتیجہ میں مسلط ہوئی، یہ سب رسول ﷺ کی مخالفت اور مومنوں کے راستے کو چھوڑ کر دیگر لوگوں کے نقش قدم چلنا نہیں تو بھلا اور کیا ہے؟ تو اس کا انجام رسوائی بھی لازمی ہے جو آج مسلمان اپنی زندگیوں میں جھوجھ رہے ہیں!! اے اللہ سلامتی عطا فرما۔

(۳) جہاں تک رہا تقلید کے واجب ہونے کا مسئلہ تو شاید ان کا مقصد عالم کی مدلل بات کو بلا غور کئے لینا ہے، لہٰذا عالم کو چاہئے کہ مستفتی کو ===

البتہ مردہ (فوت شدہ) کی تقلید کے بارے میں اختلاف ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حاجت وضرورت اور عاجز ہونے کی صورت میں رجوع کیا جاسکتا ہے، چنانچہ اگر گزرے ہوئے علماء میں کسی کی کوئی صحیح لکھی ہوئی کتاب ملے اُسے کسی ثقہ نے روایت کیا ہو، پھر اس آدمی کے ساتھ کسی صحراء میں کوئی مسئلہ درپیش ہو جائے اور اسے فقہاء کے علاقوں تک پہنچنا دشوار ہو، ساتھ ہی درپیش مسئلہ کا وقت فوت ہونے کا بھی اندیشہ ہو، مثلاً: ذبیحہ پر بسم اللہ بولنا بھول جائے، یا کسی غیر محرم عورت کی موت ہو جائے اور اسے سمجھ میں نہ آئے کہ کیا کرے، اُسے غسل دے یا تیمم کرائے وغیرہ، تو ایسی صورت میں تصحیح شدہ کتاب میں جو ملے اس پر عمل کرسکتا ہے[1]، اور کسی فوت شدہ کی تقلید کر لینا بلاعلم اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی سے بہتر ہے، کیونکہ صحیفہ میں اُسے جو ملے گا وہ اصل ہے، اور جو چیز علم کی روشنی میں کہی گئی ہے وہ خواہش نفسانی سے کہیں بہتر ہے، ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ: مقلد علم وبصیرت سے عاری ہوتا ہے اور حقیقت میں وہ علم سے متصف نہیں ہوتا کیونکہ پوری دنیا والوں کا اتفاق ہے کہ تقلید علم کا راستہ نہیں ہے، اگر ہم سے کوئی دلیل کی بابت جھگڑے تو ہم کہیں گے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَٱحۡكُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ بِٱلۡحَقِّ﴾ [ص:٢٦]۔

تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو۔

نیز ارشاد ہے:

﴿لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ﴾ [النساء:١٠٥]۔

تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے۔

=== اپنی بات کی دلیل اور مستند سے آگاہ کرے، تاکہ لوگ نصوص کے ذکر کرنے اور اس کے سننے پھر اس کے سمجھنے سے مانوس ہوں، ورنہ لوگوں کی عقلیں جس جمود وتعطل اور کتاب وسنت کے نصوص سے دوری کی عادی ہیں اسی میں پڑی رہیں گی، اور ویسے نہ ہو جائیں جیسے کسی نے کہا تھا: "ضعها في رقبة عالم واخرج سالم" (کسی عالم کے گردن میں ڈال دو اپنا دامن بچا کر نکل جاؤ) اور مستفتی کو بھی چاہئے کہ کم از عالم اور مفتی سے اتنا ضرور پوچھے کہ: کیا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے؟ اگر کہے: ہاں، تو اسے چھوڑ کر دوسرے کے پاس جائے، اور اگر کہے: نہیں یہ اللہ کا حکم ہے، تو اس پر عمل کرے۔

(۱) اس شرط کے ساتھ ان کتابوں کو ساتھ رکھے جن کا اعتماد دلیلوں کو بیان کرنے اور کتاب وسنت کی اتباع پر ہو، جیسے نیل الاوطار شوکانی، الروضۃ الندیۃ، نواب صدیق حسن خان، سبل السلام، امیر صنعانی، اور ان کے علاوہ دیگر علماء، جیسے شیخین یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم اور ان جیسوں کی کتابیں۔ رہیں فروعی مسائل کی وہ کتابیں جن کا اعتماد دلائل پر نہیں ہوتا، بلکہ ان میں محض آراء رجال کی بھرمار ہوتی ہے، اور ان پر مسلکی عصبیت اور مذہبی جمود کی چھاپ ہوتی ہے، اور ان میں سنت صحیحہ کی مخالفت ہوتی ہے، تو ان سے احتراز کرنا واجب ہے، واللہ المستعان۔

اسی طرح ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ﴾ [الاسراء:۳٦]۔

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝٣٣﴾ [الاعراف:۳۳]۔

اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں۔

اور معلوم ہے کہ علم: کسی چیز کو ویسے جاننے کا نام ہے جیسی وہ ہے[1]، اس لئے ہم مقلد سے کہتے ہیں: کہ اگر کسی مسئلہ میں اقوال مختلف ہوں اور مذاہب کئی کئی ہوں تو تمہیں کہاں سے معلوم ہو گا کہ تم جس کی تقلید کر رہے ہو اس کا قول درست ہے دوسروں کا غلط؟ یا اسی کا ایک قول صحیح ہے، دوسرا غلط؟ وہ کسی قول کے بارے میں جو بھی بات ظاہر کرے گا اُس کے برعکس میں وہ اس کے خلاف ہو جائے گا، بالخصوص جب اُسے یہ تعارض اپنے مذہب کے امام جس کی اس نے تقلید کی ہے کے قول اور اس کے برخلاف ائمہ صحابہ میں سے کسی کے قول کے مابین پیش آئے گا، اور مسلسل سوالات پیدا ہوں گے اور وہ کوئی نتیجہ نہیں نکال سکے گا!!

اگر کوئی کہے: قیاس کے مسئلہ میں جو تم گمان کرتے ہو وہ بات پلٹ کر تمہارے خلاف ہو جاتی ہے چنانچہ تم کیسے جانتے ہو کہ وہ حق ہے جبکہ حق کے بارے میں گمان کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا؟

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ: ہم نے جو صحابہ کا تعارض ذکر کیا ہے اس میں ہمیں قطعی یقین ہے کہ عمل اسی وقت واجب ہوتا ہے جب ایسا گمان قائم ہو جس کا مستند دلیل شرعی ہو، لہٰذا ایسی صورت میں گمان پر عمل محض ظن و گمان پر نہیں ہے بلکہ ایک سابق دلیل پر ہے جو قطعی ہے، اس کی وضاحت اس مثال سے ہوتی ہے:

---

(۱) علم: کی کئی تعریفات ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے جو مصنف نے ذکر کیا ہے، کہ علم: کسی چیز کا اس کی حقیقت کے مطابق ادراک کرنے (پالینے) کا نام ہے، یا اس کا نام ہے جس میں نقیض کا احتمال نہ ہو، یہ ادراک کے ناحیہ سے ہے، اب یہ ادراک یا تو یقینی ہو گا، یا محتمل راجح ہو گا، یا محتمل مرجوح، یا محتمل مساوی۔ پہلے کو ظن کہا جاتا ہے، یعنی کسی چیز کا اس کی حقیقت کے مطابق ادراک کرنا بایں طور کہ ان میں احتمال ہو اور وہ احتمال راجح ہو، اور اگر اس ادراک میں احتمال مرجوح ہو تو وہ وہم کہلاتا ہے، اور اگر ادراک میں احتمال کے دونوں پہلو یکساں ہوں تو وہ شک ہے۔ کبھی علم کا لفظ معرفت بولا جاتا ہے اور اس سے ظن و گمان مراد ہوتا ہے۔ دیکھئے: شرح الکوکب المنیر فی اصول الفقہ، از ابن النجار الحنبلی، ۹۸۲ھ میں وفات پائے (۱/ ٦۲-۷۸)۔

حاکم کو یقین ہوتا ہے کہ اُس پر فیصلہ کرنا اس وقت واجب ہوگا جب دلیل وگواہی کی روشنی میں راجح گمان [1] قائم ہو جائے، اور جب دلیل قائم ہوگئی اور فیصلہ واجب ہوگیا تو اس کا وجوب قطعی دلیل کی بنیاد پر ہوا، لیکن قطعی پر عمل کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب دوسرے (یعنی نتیجہ) میں گمان قائم ہو جائے، اسی طرح فتویٰ میں بھی عمل سابق قطعی دلیل کی بنیاد پر گمان قائم ہونے کی بنا پر ہوتا ہے‘لہٰذا اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

رہا مسئلہ تقلید کا تو وہ بلا دلیل دوسرے کی بات قبول کرنے کا نام ہے‘ بھلا اُس سے علم کیسے حاصل ہوسکتا ہے جب اس کا کوئی قطعی مستند ہی نہیں ہے؟ نیز وہ بذاتِ خود ایک نو ایجاد بدعت بھی ہے؛ کیونکہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں کسی آدمی کا کوئی معین مذہب ومسلک نہ تھا‘ جسے پڑھایا جاتا رہا ہو یا اس کی تقلید کی جاتی رہی ہو؟ بلکہ وہ پیش آمدہ مسائل میں کتاب وسنت اور دلیل نہ ملنے کی صورت میں ان کے درمیان جو خالص اجتہادی مسائل ہوتے تھے‘ان میں کسی قول کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، اسی طرح تابعین رحمہم اللہ بھی پیش آمدہ مسائل میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، اور اگر اس میں نہ ملتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماعی مسائل میں غور کرتے تھے، اور اس میں بھی نہ ملتا تو اجتہاد کرتے تھے، اور ان میں سے کوئی کسی صحابی کا قول اپنا لیتا تھا اور اُسے اللہ کے دین میں پختہ تر سمجھتا تھا، پھر ان کے بعد تیسرا دور آیا جس میں امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ تھے، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ کی وفات سنہ ۱۷۹ھ میں ہوئی [2]، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی [3]، اور اسی سال امام شافعی رحمہ اللہ پیدا ہوئے [4]، اور امام احمد بن حنبل کی پیدائش ۱۶۴ھ میں ہوئی [5]، یہ تمام ائمہ سابق الذکر منہج پر قائم تھے، ان کے زمانوں میں کسی آدمی کا کوئی خاص مذہب ومسلک نہ تھا جسے وہ پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں، اور ان سے قریب قریب ان کے بعد والے بھی تھے،

---

(۱) جیسا کہ گزر چکا ہے، یعنی کسی چیز کا اس طرح ادراک کرنا کہ اس میں احتمال ہو اور وہ احتمال راجح ہو، حتمی اور یقینی ادراک نہیں، جسے علم کہا جاتا ہے۔

(۲) سیر اعلام النبلاء، (۸/ ۱۳۰-۱۳۲)، ۸۹ سال کی عمر میں وفات پائے، جبکہ پیدائش ۹۳ھ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کے سال ہوئی تھی، (۸/ ۴۹)۔

(۳) سیر اعلام النبلاء، (۶/ ۴۰۳)، ان کی عمر ستر سال کی تھی، پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء، ۶/ ۳۹۵)۔

(۴) سیر اعلام النبلاء، (۱۰/ ۱۰)، ان کی پیدائش غزہ میں ہوئی، اور ۵۴ سال کی عمر میں ۲۰۴ھ میں وفات پائے (سیر اعلام النبلاء، ۱۰/ ۷۶)۔

(۵) سیر اعلام النبلاء، (۱۱/ ۱۷۹)، اور تقریباً ستتر سال کی عمر میں ۲۴۱ھ میں وفات پائے، (سیر اعلام النبلاء، (۱۱/ ۳۳۴)۔

چنانچہ امام مالک اور ان کے ہمجولیوں کے بہت سے ایسے مسائل ہیں' جن میں ان کے شاگردان نے ان کی مخالفت کی ہے، اگر ہم انہیں نقل کریں تو کتاب کے مقصد سے خارج ہو جائیں گے! بہر کیف یہ ساری چیزیں اسی لئے تھیں کہ ان کے پاس اجتہادی صلاحیتیں یکجا تھیں اور وہ دلائل سے مسائل کے استنباط کی قسموں اور کیفیتوں پر قادر تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سچ کر دکھایا:

''خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ''[1]۔

سب سے بہتر لوگ میرے دور والے ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور کے بعد دو یا تین ادوار کا ذکر فرمایا، حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

مقلدین پر بڑا تعجب ہے' بھلا کیسے کہتے ہیں کہ یہی (تقلید) پرانا معاملہ ہے، اور اسی پر ہم نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو پایا ہے، حالانکہ یہ بدعت ہجرت کے دو صدیوں بعد اور ان صدیوں کے ختم ہو جانے کے بعد وجود میں آئی جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف فرمائی ہے! اگر آپ ان مقلدین میں سے کسی سے پوچھیں کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک کونسا مسلک تھا؟ تو اس کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا!!

تاریخ نگاروں نے بیان کیا ہے کہ سرزمین اندلس میں امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک پھیلانے والے عیسیٰ بن دینار رحمہ اللہ ہیں[2]، جو امام اوزاعی اور مکحول کے مذہب پر عمل کرتے تھے، تو یہ کیسے دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے یہاں یہی پرانا طریقہ رہا ہے؟

اور جب بعض مقلدین پر دلیل کی بابت زور ڈالا گیا اور ان کے سامنے بات واضح ہوگئی تو کہنے لگے: ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ فتویٰ کی بنیادیں: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس ہیں، لیکن نظر و استنباط کی شرط کون پورا کرسکتا ہے' اور اس کی ذمہ داریاں کون نبھا سکتا ہے؟

---

(۱) یہ حدیث معنیً متواتر ہے، اسے صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، ان میں سے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام بخاری (حدیث ۲۶۵۱) اور مسلم (حدیث ۲۵۳۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسے بھی امام بخاری (حدیث ۲۶۵۲) اور مسلم (حدیث ۲۵۳۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور نعمان بن بشیر کی روایت مسند احمد میں ہے، اسی طرح عمر اور دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے۔

(۲) یہ امام ابو محمد غافقی قرطبی، اندلس کے فقیہ اور مفتی ہیں، ۲۱۲ھ میں وفات پائے، (سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۴۳۹)، اندلس میں مالکی مذہب ان کے اور یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر کے ذریعہ پھیلا، الدیباج المذھب از ابن فرحون مالکی (۲/ ۶۵)۔

ایسے لوگوں کے لئے ہمارا جواب یہ ہے کہ: ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ علم کا جو بھی باب امام مالک رحمہ اللہ کے دور میں معمول بہ تھا، وہ آج بھی عمل کرنے والے کے لئے کھلا ہوا ہے، نظر و استنباط کرنے والے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہر فن میں سب سے بلند رتبہ کا ہو' کیونکہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف المذہب تھے (یعنی بعض فقہی مسائل میں اجتہاد کی بنیاد پر ایک دوسرے سے الگ رائے رکھتے تھے)' لیکن ان میں کا امام اپنے سے کمتر سے فتویٰ دریافت کرتا تھا، اور اس کے نظر و استنباط کو نافذ اور اس کے فیصلہ کو حتمی سمجھتا تھا، اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴾ [یوسف:۷۶]۔

ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔

حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی وفات ہوگئی' حالانکہ وہ دونوں پورے قرآن کے حافظ نہ تھے[1]، اور اس بارے میں علی رضی اللہ عنہ کی بابت روایتیں مختلف ہیں؛ عمر رضی اللہ عنہ کئی مجلسوں میں بعض پیش آمدہ مسائل میں

---

(۱) امام سیوطی رحمہ اللہ الاتقان فی علوم القرآن (۱/۲۰۱-۲۰۲) میں حافظ ابن حجر سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بہت ساری احادیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قرآن حفظ کرتے تھے، چنانچہ صحیح (بخاری) میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے آنگن میں مسجد بنائی تھی' جس میں وہ قرآن پڑھتے تھے، یہ اس وقت تک جتنا قرآن اترا تھا' اس پر محمول ہے۔ فرماتے ہیں: اس میں شک نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے قرآن کریم سیکھنے کا گہرا شوق رکھتے تھے' اور اس کے لئے پورے طور پر آمادہ تھے، اور دونوں مکہ ہی میں تھے، اور دونوں ایک دوسرے سے گہری وابستگی بھی رکھتے تھے، یہاں تک کہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے یہاں صبح و شام آیا جایا کرتے تھے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے: "يَؤُمُّ القومَ أَقرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ" (لوگوں کی امامت وہ کرائے جو اللہ کی کتاب کو سب سے زیادہ پڑھنے والا (حافظ) ہو)، اور نبی کریم ﷺ نے اپنے مرض الموت میں مہاجرین و انصار کی امامت کے لئے عملی طور پر انہیں آگے بڑھایا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ سب سے زیادہ حافظ تھے" بات ختم ہوئی۔

امام سیوطی فرماتے ہیں: یہ بات اس سے پہلے حافظ ابن کثیر نے بھی کہی ہے۔ میں (سیوطی) کہتا ہوں: لیکن ابن اشتہ نے المصاحف میں صحیح سند کے ساتھ محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ: ابو بکر کی وفات ہوگئی اور انہوں نے قرآن جمع نہ کیا، اور عمر کی وفات ہوگئی انہوں نے بھی قرآن جمع نہ کیا۔ ابن اشتہ کہتے ہیں: "بعض علماء نے اس کا معنیٰ یہ لیا ہے کہ انہیں پورا قرآن حفظ نہ تھا، اور بعض نے یہ کہا ہے: کہ اس سے مراد مصحف کو جمع کرنا ہے"۔ امام سیوطی کی بات ختم ہوئی۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اپنے گھر کے آنگن میں مسجد بنانے کی حدیث کو امام بخاری نے (حدیث ۴۷۶) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

اور حدیث: "يَؤُمُّ القومَ أَقرَؤُهُمْ ... " کو امام بخاری نے (حدیث ۴۳۰۲) عمرو بن سلمہ سے اور امام مسلم نے (حدیث ۶۷۳) ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور الفاظ اسی کے ہیں، نیز اسے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی روایت کیا ہے (حدیث ۶۷۲)۔

موجود صحابہ رضی اللہ عنہم سے رسول ﷺ کی حدیث کی جستجو فرماتے تھے [1]، یہی معاملہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی تھا، چنانچہ انہوں نے دادی سے فرمایا تھا:

"مَا عَلِمْتُ لَكِ فِي كِتَابِ اللهِ تَعَالَى نَصِيبًا وَلَا فِي السُّنَّةِ" [2]۔

میں تمہارے لئے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں کوئی حصہ نہیں جانتا۔

یہاں تک کہ اس بارے میں آپ کے سامنے حدیث بیان کی گئی۔

امام مالک، ابو حنیفہ اور ان جیسے دیگر علماء علم لغت ونحو میں تبحر (علمی گیرائی) نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ اس سلسلہ میں ان میں سے بعض سے ایسی چیزیں منقول ہیں کہ اس جیسی چیزیں اہل علم سے پوشیدہ نہیں رہتیں۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ ہر دور میں کچھ بھرپور حصے والے علماء کا پایا جانا ضروری ہے، اور ائمہ رحمہم اللہ نے اس سلسلہ میں ایک گنا مہارت وکمال حاصل کیا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ سراپا طلب علم کا مشغلہ رکھنے والے کے لئے، علم کے اصول وفروع کی معرفت، فروع کو اصول سے جوڑنے، ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ کے ملحق کرنے، اور دیگر مسئلہ سے جدا کرنے، نیز متعارض دلائل میں ترجیح وغیرہ کی معرفت ضروری ہے، اور اس کے لئے انہوں نے تمام ابواب کے فروعی مسائل پر مشتمل نظری مسائل جمع کئے ہیں، جیسے: پاکی ونماز اور دیگر عبادات کے مسائل، اسی طرح خرید وفروخت، نکاح، فیصلوں وگواہیوں، زخموں اور زیادتیوں اور فرائض ومیراث وغیرہ کے مسائل، اور انہیں امام مالک، ابو حنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ کے فقہی مذاہب کے درمیان اختلافات کے ساتھ ذکر کیا ہے، چنانچہ ہر ہر مسئلہ میں

---

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۳۰۹۴) ومسلم (۱۷۵۷) وغیرہ نے مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے بنو نضیر کے مال فے کی بابت علی وعباس رضی اللہ عنہما کے مابین فیصلہ کے ضمن میں روایت کیا ہے، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: " أَنْشُدُكُمَا اللهَ، أَتَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ قَالَ ذَلِكَ؟ " (میں آپ دونوں کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا واقعی رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کہی ہے؟) الحدیث۔

(۲) اسے امام ابو داود (حدیث ۲۸۹۴)، ترمذی (حدیث ۲۱۰۰)، ابن ماجہ (حدیث ۲۷۲۴)، مالک (حدیث ۱۰۹۸)، اور دارمی (حدیث ۲۰۳۸) نے قبیصہ بن ذویب سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: دادی یا نانی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے اپنی میراث کا سوال کیا، انہوں نے فرمایا: تمہارے لئے اللہ کی کتاب میں کچھ ہے، نہ میں تمہارے لئے سنت رسول ﷺ ہی میں کچھ جانتا ہوں، لہٰذا واپس جاؤ، یہاں تک میں لوگوں سے پوچھ لوں، چنانچہ آپ نے صحابہ سے پوچھا، تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا، آپ ﷺ نے دادی یا نانی کو چھٹا حصہ دیا ہے، تو انہوں نے فرمایا: کیا تمہارے ساتھ یہ بات کہنے میں کوئی اور ہے؟ تو محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور وہی بات کہی جو مغیرہ نے کہی تھی، چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے نافذ کر دیا، الحدیث۔

کتاب اللہ میں نص، یا ظاہر، یا عام، یا مفہوم یا دلیل خطاب وغیرہ استدلال کی جو بھی شکل آئی ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے' ناسخ ومنسوخ، مجمل ومبین، مطلق ومقید، ظاہر ومحتمل، صریح وکنایہ وغیرہ کے اعتبار سے گفتگو کی گئی ہے، نیز نحوی اعتبار سے مسئلہ کا جو حق ہے اس پر بھی گفتگو کی گئی ہے، جیسے واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے، ثم ترتیب کے لئے آتا ہے، فاء تعقیب کے لئے ہوتا ہے، باء تبعیض کے لئے مستعمل ہے، نیز لغوی اعتبار سے بھی بحث کی گئی ہے' حقیقت ہے یا مستعار، جیسے لمس یعنی چھونے کا لفظ جماع کے معنیٰ میں استعمال ہے' وغیرہ۔

اسی طرح سنت میں وارد حدیث صحیح، یا مشہور، یا مضطرب، یا معلول کا ذکر کرتے ہیں، حدیثوں کے درجات کی تمیز کرتے ہیں، ایک حدیث کا دوسری حدیث سے یا آیت کا حدیث سے تعارض دفع کرتے ہیں، اسی طرح سنت سے قرآن کریم کی تخصیص یا تقیید کیسے ہو سکتی ہے؟ اور نص سنت کو ظاہر قرآن پر ترجیح کیونکر ہو سکتی ہے' وغیرہ غور ونظر کے مسائل ذکر کئے جاتے ہیں جن تک حد درجہ محنت وجفاکشی کے بغیر رسائی ممکن نہیں' لہٰذا طالب تدریس ممارست کے ذریعہ بہت جلد اس کا علم حاصل کرلیتا ہے، نیز اجماع محل اتفاق، اور اس کی تحقیق کے مطالبہ اور اس کی وجہ کے اعتبار سے بھی اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اسی طرح قیاسی اعتبار سے بھی مسئلہ کی حیثیت ذکر کرتے ہیں' اس کے درجہ کی ترتیب' کہ قیاس جلی ہے یا خفی، علتوں کی ایک دوسرے پر ترجیح، علتوں کو فاسد کرنے والے نواقض اور غیر موثر امور، امر متقاضی کی ضد پر معلق کرنے، اور قیاس کے فاسد ہونے اور جمع کے مقابل تفریق، وغیرہ فنون ومباحث طلبہ علم کے درمیان غزوات وسرایا بیان کرنے سے بھی زیادہ آسان ہو چکے ہیں، اور اس بارے میں انہوں نے مناظرے ومباحثے بھی قائم کئے ہیں' یہ چیزیں ان کا وطیرہ ومشغلہ ہوگئی ہیں' یہاں تک کہ ان میں سے کسی کو اپنی کتاب میں ذکر کردہ نظر واجتہاد کے مسائل کو پڑھنا، یاد کرنا اور ان کی معرفت حاصل کرنا آسان لگتا ہے، جبکہ غور ونظر سے خالی محض تقلید کی بنیاد پر جمع کردہ مسائل کا ایک دفتر (چند صفحات) بھی یاد کرنا مشکل ہوتا ہے' چنانچہ اس کے ذریعہ انہوں نے فقہ کے فروع واحوال اور اصول پر فروع کی بنیاد کی کیفیت' دونوں چیزوں کا علم حاصل کرلیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ محنتی طالب علم اختلافی مسائل سے فارغ ہوتے ہی فلاح وکامرانی کی وادی میں قدم رنجہ ہو جاتا ہے' اور بلندیوں سے سرفرازی کی طرف بڑھنے لگتا ہے، اگر چہ جاہل اسے بعید اور مشکل سمجھے' کیونکہ وہ اپنے آقاؤں کے درمیان بچھا ہوا، معمولی اور سستا ہوتا ہے' اگر کوئی مناسب چیز پاتا ہے تو قبول کرلیتا ہے، کیونکہ ہر ترکیب اس کے بس کی ہوتی ہے نہ ہر ملکہ وصلاحیت کے وہ قابل

ہوتا ہے، اور فضل ونوازش اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

باوجودیکہ مفتی کے لئے یہ وصف مشروط نہیں کہ وہ علم کلام میں ماہر ہو، بلکہ اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ فی نفسہ یہ علم ہی مشروط ہے یا نہیں؟ صرف ابو الطیب نے شرط لگائی ہے اور دیگر لوگوں نے انکار کیا ہے اور یہی زیادہ تر لوگوں کا قول ہے، ان سب کا کہنا ہے کہ: صرف اتنی ہی شرط لگائی جا سکتی ہے کہ وہ جس پیش آمدہ مسئلہ میں فتویٰ دے رہا ہے اس کے حکم کا عالم ہو، اس سے زیادہ کچھ نہیں، اور علم کلام کا حوادث سے کوئی سروکار نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف عقیدہ کی درستگی سے ہے، اور عقیدہ کی درستگی عوام کے لئے غور ونظر کی گیرائی کے بغیر ہی ثابت ہو جاتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

اور اگر مقلد کہے کہ: تمہاری ذکر کردہ بعض باتیں تمام لوگوں کے لئے سمجھنا دشوار ہیں! تو ہم جواب دیں گے: تم سچ کہتے ہو۔ امامت وپیشوائی کا منصب اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ کچھ ہی لوگوں کو نوازتا ہے تمام لوگوں کو نہیں اس لئے ہر فضیلت والے کی فضیلت اور صاحب مقام کے مقام کا اعتراف کرنا چاہئے، اور تقلید اور تقلید اپنانا صرف جاہل کے لئے ہی روا اور جائز ہے[1]، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل:۴۳]۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص پر جسے علم نہیں واجب قرار دیا ہے کہ وہ علم والوں سے پوچھ لے، اور حکم کا مفہوم یہ ہے کہ اہل علم کی اتباع واجب ہے، اسی طرح اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا۟ فِى ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُوا۟ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا۟ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾﴾ [التوبۃ:۱۲۲]۔

سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ڈرانے والوں کی اتباع کرنا اور جن باتوں سے وہ آگاہ کر رہے ہیں ان سے آگاہ اور چوکنا رہنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والوں کو فقہ کی صفت سے متصف قرار دیا ہے، جبکہ اس مقلد کو امام مالک

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں: کتاب کا (ص ۶۲) حاشیہ (۲)، و (ص ۱۹۱) حاشیہ (۳)، و (ص ۱۹۳)۔

رحمہ اللہ کے اس فرمان کا بھی پتہ نہیں، جو انہوں نے فرمایا تھا:

"لَا يُفْتِي الْعَالِمُ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ أَهلًا لِلْفَتْوٰى".

عالم کے لئے فتوی دینا جائز نہیں، تا آنکہ لوگ (علماء) اُسے فتوی دہی کا اہل قرار دیں۔

امام سحنون فرماتے ہیں:

"لوگ" سے مراد علماء ہیں، چنانچہ عالم کا علم ثابت کرنے کے بعد اُسے فتوی دہی سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ وہ علماء کی رائے سے اپنے معاملہ کی تائید حاصل کر لے"۔

ہم نے اس باب میں زیادہ بات اس لئے کی ہے کہ ہم نے اکثر لوگوں کا میلان بدعت کی طرف دیکھا ہے، چنانچہ لوگ بچاؤ کے لئے تقلید پر مضبوطی سے کاربند رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی حق ہے اور اس کے سوا سب کچھ بدعت اور بے سود تکان و گرانی! اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، اللہ فاطر و حکیم کا اپنی کتاب عزیز میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا۟ بِهِۦ فَسَيَقُولُونَ هَـٰذَآ إِفْكٌ قَدِيمٌ ﴿١١﴾﴾ [الاحقاف:۱۱]۔

اور چونکہ انہوں نے قرآن سے ہدایت نہیں پائی پس یہ کہہ دیں گے کہ قدیمی جھوٹ ہے۔

اور علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

"مَنْ جَهِلَ شَيْئًا عَادَاهُ"۔

جو کسی چیز کو نہیں جانتا، اُس سے دشمنی کرتا ہے۔

طراز المجالس وفکھۃ المجالس سے شیخ سند کی بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: شیخ علامہ سند رحمہ اللہ نے تقلید شخصی اور شخص معین کی رائے کو دین و مذہب بنا لینے، خواہ وہ کتاب مبین اور سنت رسول ﷺ کی نص کے خلاف کیوں نہ ہو، کی مذمت میں جو باتیں ذکر کی ہیں وہ بالکل سچ اور بجا ہیں، بلاشبہ یہ ایک مذموم بدعت اور گھناؤنی حرکت ہے، جس کے ذریعہ ابلیس لعین نے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے، ان کے چادر اتحاد کو تار تار کرنے اور ان کے مابین بغض و نفرت اور عداوت و دشمنی کی بیج بونے کی چال اپنائی ہے، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مقلدین میں ہر شخص اپنے امام مجتہد کی اس قدر تعظیم کرتا ہے کہ اس مقام کو نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام بھی نہیں پہنچ سکتے، اور اگر اسے اپنے مذہب و مسلک کے موافق کوئی حدیث ملتی ہے تو اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں، وہ اس کے تابع ہو جاتا اور سر تسلیم خم کر دیتا ہے، اور اس کے برعکس اگر نسخ و معارض سے

خالی کوئی صحیح حدیث پاتا ہے جو اس کے امام کے علاوہ دوسرے مذہب کی تائید میں ہوتی ہے' تو اس کے لئے دور از کار احتمالات کے دروازے کھول کر اُس سے اعراض وصرف نظر کرتا ہے، اور اپنے امام کے مذہب کے لئے' باوجودیکہ وہ صحابہ وتابعین اور نص صریح کے خلاف ہوتی ہے [1] ترجیح کے وجوہات تلاش کرتا ہے' اگر کتب حدیث میں سے کسی کتاب کی شرح کرتا ہے تو اپنے امام کی رائے کے خلاف ہر حدیث کی تحرف وتاویل کرتا ہے' اور اگر ان سب چیزوں سے عاجز ہوتا ہے تو بلا دلیل نسخ یا خصوصیت یا عدم عمل کا دعویٰ' یا اپنے بیمار ذہن کی اپج کے مطابق دیگر دعوے کرتا ہے' اور اگر ان سب سے بھی عاجز ہوتا ہے تو دعویٰ کرتا ہے کہ چونکہ اُس کا امام ہر حدیث یا زیادہ تر احادیث سے واقف اور آگاہ ہے' اس لئے اس حدیث شریف کو اس نے اسی لئے چھوڑا ہوگا کہ اُسے اپنی بلند دانشوری سے اُس میں کسی طعن یا علت کا علم تھا' اور اس طرح وہ اپنے مذہب ومسلک کے علماء کو رب بنا لیتا ہے، اُن کی بزرگی وبرتری اور فضائل ومناقب کے دروازے کھول دیتا ہے' اور یہ عقیدہ رکھتا ہے جو بھی اُس کے خلاف ہے درستگی سے محروم ہے' اور اگر اُسے علماء سنت میں سے کوئی عالم نصیحت کرتا ہے تو اُسے دشمن قرار دیتا ہے' خواہ اس سے پہلے وہ اس کے جگری دوست رہے ہوں' اور اگر اپنے امام کے مذہب کی مشہور کتابوں میں سے کوئی کتاب پاتا ہے جس میں اُس کی نصیحت' نیز رائے پرستی اور تقلید کی مذمت موجود ہو' اور اُس نے احادیث نبویہ کی اتباع پر ابھارا ہو' تو اُسے پس پشت ڈال دیتا ہے' اور اس کے حکم وممانعت سے منہ موڑ لیتا ہے اور اُسے شجرۂ ممنوعہ سمجھتا ہے' اور اس کے برعکس متاخرین کی مختصرات کو محض اس لئے قابل قدر کوشش قرار دیتا ہے کہ وہ دلیل ذکر نہیں کرتے ہیں اور تقلید کے لئے بڑا تعصب کرتے ہیں' نیز یہ سمجھتے ہیں کہ یہی درست رائے ہے! ان تمام باتوں کی دلیل یہ ہے کہ: آپ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر غور کرلیں' چنانچہ آپ مالکیہ کے قدیم علماء کی کتابوں کو دیکھیں گے کہ وہ دلائل اور ساتھ ہی مقلدین کی مذمت سے بھری ہوئی ہیں' جیسے: قاضی اسماعیل [2] کی کتاب ''المبسوط''،

(۱) اسی طرح اہل بدعت کے تمام دھڑوں خواہ وہ حزبی فرقے ہوں یا عقدی، ان میں بھی ہر ایک کا یہی شیوہ اور رویہ ہوتا ہے کہ ان صحیح احادیث کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس کی بدعت کو نیست ونابود کرتی ہیں، اس کی جماعت کو پاش پاش کرتی ہیں، اور اس کے پیر ومرشد اور امیر وقائد کی بات کو اس کے منہ پر مارتی ہیں' اور اس کے لئے انہی جیسے وجوہات کا سہارا لیتا ہے جن کا مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

(۲) یہ ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل بن حماد بن زید قاضی، صاحب تصنیفات ہیں، ان میں سے: المبسوط فی الفقہ، اس کا مختصر، کتاب الاموال اور کتاب الشفاعۃ وغیرہ ہیں، خطیب بغدادی فرماتے ہیں: ''شیخ اسماعیل صاحب فضل، کئی فنون کے عالم، اور مالکی مذہب کے فقیہ تھے، انہوں نے اپنے مذہب کی شرح کی، اس کا خلاصہ کیا، اور دلیلیں پیش کیں، اور مسند تصنیف فرمائی' الدیباج (۱/ ۲۸۲-۲۹۰)۔

ابن عبدوس [1] کی کتاب ''المجموعہ''، ابوعمر ابن عبدالبر کی کتاب ''التمہید'' [2] اور سند بن عنان کی کتاب ''طراز المجالس'' رحمہم اللہ۔

لیکن متاخرین نے ان کتابوں کو پس پشت ڈال دیا ہے اور بالکلیہ متاخرین کی اس بدعت پر ٹوٹ پڑے ہیں جو انہوں نے اپنی مختصرات میں دلیلوں کے حذف کرنے کی ایجاد کی ہے اور بلا دلیل تقلید کے رسیا ہو گئے ہیں کیونکہ ان کا سوچنا یہ ہے کہ دلیلوں میں مشغول ہونا بلاوجہ کی مشقت اور غیر ضروری طوالت ہے، اِنا للہ و اِنا الیہ راجعون۔

اگر آپ کہیں: کہ ٹھیک ہے ہماری سمجھ میں آگیا کہ مذاہب کی دلائل سے خالی مختصر کتابیں یکسر بے سود اور جہل مرکب ہیں، تو ہمیں بتایئے کہ نفع بخش علم کیسے حاصل کریں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: علماء کرام نے اسے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے چنانچہ میں کچھ باتیں نقل کرتا ہوں آپ اس پر ذرا غور کریں۔

حافظ المغرب ابوعمر بن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''طلب علم کے کچھ درجات، ستائش اور مراتب ہیں جن سے تجاوز کرنا مناسب نہیں، جو ان سب سے تجاوز کرے گا، وہ سلف صالحین رحمہم اللہ کی راہ سے تجاوز کر جائے گا، اور جو ان کے کام سے جان بوجھ کر تجاوز کرے گا، گمراہ ہو جائے گا اور جو اجتہاد کرتے ہوئے تجاوز کرے گا، لغزش سے دو چار ہوگا۔

چنانچہ علم کا آغاز یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کو حفظ کیا جائے اور اسے سمجھا جائے اسی طرح اس کے ساتھ اس کے سمجھنے میں معاون علوم کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان تمام علوم کا حفظ کرنا فرض ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جسے عالم بننے کی خواہش ہو اس کے لئے یہ چیز لازم اور واجب ہے ورنہ فرضیت کے قبیل سے نہیں ہے۔

ہم سے عبدالوارث بن سفیان نے کیا بیان کیا، ان سے قاسم بن اصبغ نے بیان کیا، ان سے احمد بن زہیر نے بیان کیا، ان سے سعید بن سلیمان نے بیان کیا، ان سے ابوعبداللہ میمون نے بیان کیا، وہ فرمان باری تعالیٰ:

(۱) یہ محمد بن ابراہیم بن عبدوس بن بشیر ہیں، جو سحنون بن سعید کے بڑے شاگردان میں سے ہیں ثقہ اور فقہ میں امام تھے، ۲۶۰ھ میں وفات پائے، فقہ مالکی میں المجموع کے مصنف ہیں، الدیباج (۲/ ۱۷۴)۔

(۲) یہ حافظ المغرب ابوعمر یوسف بن عبدالبر نمری قرطبی کی کتاب ''التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید'' ہے، ۴۶۳ھ میں وفات پائے۔

﴿ كُونُوا۟ رَبَّٰنِيِّـۧنَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ ٱلْكِتَٰبَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾ ﴾ [آل عمران:۷۹]۔

تم سب رب کے ہو جاؤ، تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔

کی بابت ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''قرآن سیکھنے والے ہر ایک کے لئے حق ہے کہ وہ فقیہ ہو''[1]۔

چنانچہ جو بلوغت سے پہلے قرآن حفظ کرلے پھر فارغ ہو کر اسے سمجھنے میں معاون عربی زبان سیکھنے میں لگ جائے تو یہ چیز اس کے حق میں اللہ قرآن کریم اور اسی طرح سنت رسول ﷺ کا منشا و مقصود سمجھنے میں بڑی معاون ثابت ہوگی، پھر اس کے بعد وہ قرآن کے ناسخ و منسوخ اور ان کے احکام میں غور کرے، اس سلسلہ میں اہل علم کے اختلاف و اتفاق سے بہرہ ور ہو، اور یہ چیز جسے اللہ توفیق دے اس کے لئے بڑی قریب اور آسان ہے، پھر رسول اللہ ﷺ کی صحیح ثابت احادیث میں غور کرے' کیونکہ طالب علم کو اللہ کی کتاب سے اس کے معنیٰ و مراد کی رسائی انہیں کے ذریعہ ہو سکتی ہے' سنت رسول ﷺ اس کے لئے قرآن کے احکام آشکارا کردے گی، اور سیرت رسول ﷺ میں احادیث رسول ﷺ میں وارد بہت سے ناسخ و منسوخ پر تنبیہ و رہنمائی موجود ہے، اور سنتوں کے طالب علم کو چاہئے کہ قابل اعتماد حفاظ حدیث کی حدیثوں پر ہی اعتماد و بھروسہ کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا گنجینہ اور اپنے رسول ﷺ کی سنتوں کا امین بنایا ہے، جیسے امام مالک بن انس رحمہ اللہ' جن کی روایت کی صحت، حدیث کی ستھرائی، حد درجہ احتیاط اور نقد پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، اور اسی طرح ان کے ہم پلہ حجاز، عراق اور شام کے دیگر ثقہ اور معتبر علماء، جیسے: شعبہ بن حجاج، سفیان ثوری، اوزاعی، ابن عیینہ، معمر اور ابن شہاب زہری کے تمام ثقہ شاگردان، جیسے ابن جریج، عقیل، یونس، شعیب، زبیدی، اور لیث وغیرہم، اور ان تمام لوگوں کی حدیثیں امام ابن وہب وغیرہ کے پاس ہیں، اسی طرح حماد بن زید، حماد بن سلمہ، یحییٰ بن سعید قطان، ابن المبارک اور ان جیسے دیگر معتبر اور امانتداروں کی حدیثیں۔

یہ حضرات تمام لوگوں کے یہاں حدیث و علم کے تسلیم شدہ ائمہ ہیں، اور ان کی حدیثوں پر سنن و صحاح کے مصنفین

---

(۱) اس کی سند ضعیف ہے، اس میں میمون بن ابو عبد اللہ خراسانی الوراق ہیں، حافظ ابن حجر کہتے ہیں: مستور ہے تقریب التھذیب (۷۰۵۳)۔

نے اعتماد کیا ہے، جیسے امام بخاری، مسلم، ابو داود، نسائی، اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے جیسے امام عقیلی، ترمذی، ابن السکن اور دیگر بے شمار ائمہ ومحدثین رحمہم اللہ۔ امام مالک اور ان کے ساتھ ذکر کردہ دیگر محدثین تمام لوگوں کے یہاں اس لئے ائمہ قرار پائے کیونکہ دنیا کے گوشے گوشے پھیلے ہوئے صحابہ وتابعین کا علم ان تک پہنچا' کیونکہ ان ائمہ نے حدیث کی جستجو میں انتھک تگ ودو کی، اور جو حدیثیں ان تک پہنچنے سے رہ گئیں' وہ ان کے پاس موجود حدیثوں کے مقابل بہت معمولی ہیں۔

ہمیں اسماعیل بن عبد الرحمن نے بتلایا، ان سے ابراہیم بن بکر بن عمران نے بیان کیا، ان سے حسین بن احمد ازدی نے بیان کیا، ان سے ہارون بن عیسیٰ نے بیان کیا، ان سے ابوقلابہ عبد الملک بن محمد رقاشی نے بیان کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی بن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہوئے سنا:

''معتبر لوگوں کے علم کا مدار چھ لوگوں پر ہے: دو حجاز میں ہیں، دو کوفہ میں، اور دو بصرہ میں۔ جو حجاز میں ہیں وہ: زہری اور عمرو بن دینار ہیں، جو کوفہ میں ہیں وہ: ابواسحاق سبیعی اور اعمش ہیں، اور جو بصرہ میں ہیں وہ: قتادہ اور یحییٰ بن ابوکثیر ہیں، پھر ان چھ لوگوں کے علم کا مدار تیرہ لوگوں پر ہے، جن میں سے تین حجاز میں ہیں، تین کوفہ میں، پانچ بصرہ میں، ایک واسط میں، اور ایک شام میں۔ جو حجاز میں ہیں وہ: ابن جریج، مالک اور محمد بن اسحاق ہیں، جو کوفہ میں ہیں وہ: سفیان ثوری، اسرائیل اور ابن عیینہ ہیں، جو بصرہ میں ہیں وہ: شعبہ، سعید بن ابوعروبہ، ہشام دستوائی، معمر اور حماد بن سلمہ ہیں، اور واسط میں ہشیم اور شام میں اوزاعی ہیں''۔

امام ابوعمر فرماتے ہیں: ان میں حماد بن زید کا ذکر نہیں کیا' کیونکہ ان کے علم میں ان کا کوئی استنباط نہ تھا، یہی معاملہ حماد بن سلمہ اور شعبہ کا بھی ہے۔

اور حدیث سمجھنے کے لئے بھی معاون علوم میں وہ علم ہے جو ہم نے کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے ذکر کیا ہے' یعنی زبان عرب کا علم، ان کی گفتگو کے مواقع، زبان کی وسعت، استعارہ ومجاز، تخاطب کا عام وخاص لفظ، اور اس کے دیگر پہلو اور گوشے، جسے اس کی قدرت ہو ضرور دیکھنا چاہئے، کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے بے نیاز نہیں ہوا جاسکتا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تمام شہروں میں خط لکھا تھا:

''تَعَلَّمُوا السُّنَّةَ وَالْفَرَائِضَ وَاللَّحْنَ - يَعْنِي النَّحوَ - كَمَا تَعَلَّمُونَ الْقُرْآنَ''۔

کہ سنت، فرائض اور عربی زبانی یعنی نحو (قواعد) سیکھو جیسے تم قرآن سیکھتے ہو۔

عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہماری اس کتاب میں اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے[1]۔

ابوعثمان سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے خط میں تھا: ''تَعَلَّمُوا الْعَرَبِيَّةَ''[2]۔

عربی زبان سیکھو۔

اور عمر بن زید سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

''أَمَّا بَعْدُ، فَتَفَقَّهُوا فِي السُّنَّةِ، وَتَفَقَّهُوا فِي الْعَرَبِيَّةِ''[3]۔

سلام ودعا کے بعد! سنت کا علم حاصل کرو اور عربی زبان سیکھو۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو زبان کی غلطی پر مارتے تھے[4]۔

خلیل بن احمد نے کیا خوب کہا ہے:

أَيُّ شَيْءٍ مِنَ اللِّبَاسِ عَلَى ذِي السِّنِّ ... زُو أَبْهَى مِــــنَ اللِّسَانِ الْبَهِيِّ

يَنْظِمُ الْحُجَّـــةَ السَّنِيَّةَ فِي السِّلْكِ ... مِنَ الْقَـــوْلِ مِثْلَ عُقْدِ الْهَدِيِّ

وَتَرَى اللَّحْنَ بِالْحَسِيبِ أَخِي الْهَيْبَةِ ... مِثْلَ الصَّـــدَى عَلَى الْمَشْرَفِيِّ

فَاطْلُبُوا النَّحْوَ لِلْحِـــجَاجِ وَلِلشِّعْرِ ... مُقِيـــمًا وَالْمُسْنَدِ الْمَرْوِيِّ

وَالْخِطَابِ الْبَلِيغِ عِنْدَ جَوَابِ الْقَوْلِ ... يُزْهَى بِمِثْـــلِهِ فِي النَّدِيِّ

شریف وسخی آدمی پر معیاری اور باوقار زبان سے زیادہ خوبصورت لباس کیا ہوسکتا ہے! جو بلند حجت کو گفتگو میں ایسے پرو دیتی ہے جیسے کسی دلہن کے گلے کا ہار ہو، اور میرے بھائی ایک شریف انسان پر زبان کی غلطی اس قدر خوفناک ہوتی ہے جیسے دماغ پر شامی تلوار کی دھار ہو، اس لئے باہمی مباحثہ، شعر، روایت حدیث اور مجلس میں

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۲۰۵-۲۰۶)، آخری عبارت کتاب العلم کی ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کا اثر نہیں گزرا ہے۔

(۲) یہ قضا وفیصلہ کے بارے میں ابوموسیٰ اشعری کے نام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خط ہے۔ دیکھئے: إعلام الموقعین، از ابن القیم (۱/ ۸۵-۲۰۱، و ۲/ ۳-۱۶۵)، انہوں نے اس کی بھرپور شرح فرمائی ہے اور اس کے فوائد اور حکمتیں ذکر کی ہیں۔ اور ابوعثمان: عبدالرحمن بن مل نہدی ہیں۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۲۰۶)۔

(۴) اسے ابن ابی شیبہ نے المصنف (۸/ ۴۱۵) میں، بخاری نے الادب المفرد (حدیث ۸۸۰) میں، اور ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲/ ۲۰۷) میں روایت کیا ہے۔

بات کا جواب دیتے ہوئے بلیغ تخاطب، تمام جگہوں پر نحو (عربی زبان کے قواعد) کی رعایت کرو، اس سے مجلس کی رونق دوبالا ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مَنْ حَفِظَ الْقُرْآنَ عَظُمَتْ قِيمَتُهُ، وَمَنْ طَلَبَ الْفِقْهَ نَبُلَ قَدْرُهُ، وَمَنْ كَتَبَ الْحَدِيثَ قَوِيَتْ حُجَّتُهُ، وَمَنْ نَظَرَ فِي النَّحْوِ رَقَّ طَبْعُهُ، وَمَنْ لَمْ يَصُنْ نَفْسَهُ لَمْ يَصُنْهُ الْعِلْمُ“[1]۔

جو قرآن یاد کرے گا اس کی قیمت بڑھ جائے گی، جو دین کی فقہ حاصل کرے گا اس کی قدر بلند ہوگی، جو حدیث لکھے گا اس کی دلیل پختہ ہوگی، اور جو نحو میں غور کرے گا اس کی طبیعت ہلکی ہو جائے گی اور جو خود اپنی حفاظت نہیں کرے گا، علم اسے نہیں بچائے گا۔ بات ختم ہوئی۔

صاحب حدیث پر لازم ہے کہ اُسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی معرفت ہو، جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے دین کو بعد والوں تک پہنچایا ہے، ان کی سیرت وفضائل کا اہتمام کرے، نیز ان سے روایت کرنے والوں کے حالات اور ان کی تاریخ وسیرت کو بھی جانے تاکہ اُسے ان میں سے عادل وغیر عادل کی واقفیت ہو، اور یہ ساری باتیں اجتہاد وکوشش کرنے والے کے لئے آسان ہیں[2] لیکن جو دین میں امامت وپیشوائی کا طلبگار ہو، اور ان لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کا خواہشمند ہو جو فتویٰ دہی کے مجاز ہیں، تو اسے چاہئے کہ صحابہ وتابعین اور ائمہ فقہ کے اقوال کا گہرا مطالعہ کرے، اگر اسے اس کی قدرت ہو تو ہم اُسے اس کا حکم دیں گے، جیسا کہ ہم نے اُسے تفسیر قرآن کی بابت سلف کے اقوال پر غور وفکر کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا جو صرف علماء حجاز کے اقوال وفرمودات کی پیروی کرنا چاہے، وہ ان شاء اللہ اس پر بھی اکتفا کر سکتا ہے، اور اگر اسے حجاز وعراق وغیرہ کے فقہاء متقدمین ومتاخرین کے مذاہب کی رسائی حاصل کرنے کی خواہش ہو، اور انہوں نے جو سنتیں لی ہیں یا چھوڑی ہیں، نیز کتاب وسنت کی جن باتوں کو ثابت

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/۲۰۶-۲۰۷)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۲۰۷)، اس میں اس فقرے کے بعد اور اس کے بعد والے سے پہلے یہ عبارت ہے: ”لہٰذا جو کسی ایک امام کے علم پر اکتفا کرے اور اس کے پاس موجود سنتوں کو ازبر کرلے، اور فتویٰ میں اس کے غرض ومقصد کے واقف ہو جائے، اُسے بھی علم کا بہت کچھ حصہ حاصل ہوگا، اور اس میں اس کا نصیبہ بہتر ہو جائے گا، چنانچہ جو اس پر قناعت کرے گا، اکتفا کرنے والا ہوگا، اور کفایت غناء ومالداری سے مختلف ہے، اور اس کے لئے بہتر ہے کہ اس سلسلہ میں اپنا امام اہل مدینہ کے امام کو بنائے، جو ہجرت کی سرزمین اور سنت کا سرچشمہ ہے، لیکن جو دین میں امامت وپیشوائی کا طلبگار ہو...“۔

کرنے یا تاویل کرنے میں ان کا اختلاف ہے ان سب سے آگاہی کی چاہت ہو تو یہ بھی مباح اور قابل ستائش امر ہے اور اگر وہ خلط ملط سے سلامت رہ سکا تو بڑا بلند مرتبہ پالے گا، اور بڑے وسیع علم تک رسائی حاصل کرلے گا، اور جن باتوں کا اسے علم ہے اگر وہ انہیں سمجھ لے گا تو عظیم شرف سے ہمکنار ہوگا، اور اس کے ذریعہ اُسے رسوخ اور گیرائی حاصل ہوگی جسے اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا فرمائے، اور وہ اس کام پر ڈٹا رہے، اس کے کڑوے پن کو میٹھا سمجھے اور اس میں معیشت کی تنگی کو برداشت کرے۔

اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ: ہمارے اس دور میں اور ہمارے ملک میں طالبان علم حصول علم میں سلف صالحین کی راہ سے بھٹک گئے ہیں اور اس سلسلہ میں اس راستے پر گامزن ہیں جو ان کے ائمہ کو پتہ ہی نہیں، نیز اس بارے میں ایسی بدعتیں ایجاد کرلی ہیں جن سے ان کی جہالت اور اپنے سے پیشتر علماء کے مراتب سے اُن کی پستی و کوتاہی نمایاں ہے: چنانچہ ایک گروہ حدیث روایت کرتا اور اسے سنتا ہے یہ پیہم ان باتوں کے جمع کرنے میں مگن ہے جو غیر مفہوم ہے اور نامعلوم چیز کو یکھنے میں اپنی جہالت سے مطمئن ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے کھرا کھوٹا، صحیح غلط، اور حق باطل سب ایک کتاب میں بلکہ ایسا اوقات ایک ہی صفحہ میں جمع کردیا ہے، اور ایک چیز اور اس کی ضد دونوں کو دین وعقیدہ بنالیا ہے انہیں اس کا ادنیٰ شعور نہیں کہ اس بارے میں ان کی کیا ذمہ داری ہے، اپنے آپ کو غور و تدبر کے بجائے محض کثرت طلبی میں مشغول کر رکھا ہے۔ چنانچہ ان کی زبانیں علم روایت کرتی ہیں لیکن ان کے دل اس کے فہم سے خالی ہیں۔ ان میں سے کسی کے علم کی حد یہ ہے کہ وہ عربی کنیت، غریب نام اور منکر حدیث جانتا ہے، جبکہ اس کے برعکس آپ دیکھیں گے کہ وہ نماز اور حج و زکاۃ جیسی بدیہی چیزوں کے علم سے جاہل اور نابلد ہوتا ہے۔

اور ایک گروہ اور بھی ہے جو جہالت میں اسی جیسا یا اس سے بھی بدتر ہے: انہیں حفظ سنت سے کوئی سروکار ہے نہ ذرا بھی قرآن سے، انہوں نے نہ تو کتاب اللہ کا اہتمام کیا کہ اُسے یاد کریں، نہ ہی اس کی تفسیر کی بابت علماء کے فرمودات کا علم حاصل کیا، نہ اس کے احکام سے واقفیت ہے نہ ہی اُس کے حلام وحرام کی کوئی سمجھ،، اسی طرح انہوں نے احادیث و آثار کے علم کو بھی پس پشت ڈال دیا، اس سے بے رغبت ہو کر اسے نظر انداز کردیا، انہیں اجماع اور اختلاف کا کوئی شعور ہے نہ ہی تنازع اور باہمی الفت میں کوئی فرق، بلکہ یہ اسی رائے اور استحسان پر ٹکے بیٹھے ہیں جو انہیں لکھ کر دیدیا گیا ہے جو علماء کے یہاں آخری علم و بیان تھا، اور ائمہ اپنے سابقہ اور گزرے ہوئے

فتوؤں پر زار و قطار روتے تھے، اور چاہتے تھے کہ کاش اس کے انجام سے وہ محفوظ رہتے!!

یہ گروہ جس طریقہ پر ٹکا ہوا ہے اس کی بابت اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ دین کے اصولوں سے ناواقفیت کے سبب دین کی بابت گفتگو کرنے والے علماء کے مرتبہ سے بہت نیچے اور کمتر ہیں' اور وہ ان علماء کی حاجت کے باوجود' لوگوں کے احکام و مسائل کا جواب دینے سے مستغنی نہیں ہو سکتے' چنانچہ اسی لئے انہوں نے اُن کے علاوہ ان لوگوں پر اعتماد کیا ہے جو ان مسائل میں جواب دے چکے ہیں' اور اس کے باوجود بعض ایسے نوازل اور جدید پیش آمدہ مسائل سے وہ بچ نہیں پاتے ہیں' جن کا جواب پہلے کسی نے نہیں دیا ہے' لہٰذا ایسی صورت میں وہ اپنے پیشتر حفظ کردہ مسائل پر ان جدید مسائل کو قیاس کرتے ہیں' ان پر احکام کو پیش کرتے ہیں، اور انہی سے استدلال کرتے ہیں اور جہاں سے امت کے علماء و ائمہ نے استدلال کیا ہے' اُسے چھوڑ دیتے ہیں' اور اس طرح انہوں نے اس مسئلہ کو جو بذات خود محتاج دلیل ہے' دوسرے مسئلہ کی دلیل بنا دیا ہے، جبکہ اگر انہیں دین کے اصولوں اور استنباطِ احکام کے طریقہ کا علم ہوتا، اور یہ سنتوں کو یاد کرتے' تو یہ چیزیں ان کے لئے پیش آمدہ نوازل میں قوت و طاقت ہوتیں، لیکن یہ اس سے لاعلم ہونے کے سبب اُس کے بھی دشمن ہیں اور اس کے علماء کے بھی دشمن ہیں، چنانچہ یہ لوگ پہلے گروہ کی حد درجہ تنقیص، تجہیل اور عیب جوئی کرتے ہیں، اور وہ لوگ بھی اِن پر طرح طرح کا عیب لگاتے ہیں۔ ہر گروہ دوسرے کی مذمت میں حد سے تجاوز کر رہا ہے، حالانکہ دونوں گروہوں کے پاس بہت کچھ خیر اور علم بھی موجود ہے۔ اُس پہلے گروہ کی مثال دوا فروشوں جیسی ہے' اور جو کچھ ان کے پاس ہے اُس سے لاعلمی کے سبب یہ بھی اُنہی جیسے ہیں، البتہ اُن کی مثال اپنے ہاتھوں سے بیماریوں کا علاج کرنے والے معالجوں جیسی ہے جو مرض کی حقیقت سے واقف ہیں نہ علاج کنندہ دوا کی طبیعت کی حقیقت سے آشنا، لہٰذا پہلے طبقے والے حاضر و مستقبل دونوں میں سلامتی سے قریب تر ہیں، جبکہ یہ لوگ حاضر کے لئے تو بڑے مفید ہیں لیکن مستقبل کے لئے حد درجہ ضرر رساں اور خطرناک ہیں، ہم اس توفیق ارزانی کے لئے اللہ ہی سے لو لگاتے ہیں جو اللہ کی رضامندی سے قریب کرنے والی اور اللہ کے غضب سے سلامتی کی موجب ہو، کیونکہ یہ اللہ کے فضل و رحمت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اور میرے بھائی آپ جان لیں کہ! حد سے زیادہ جدید نومولود مسائل کو ازبر کرنے والا بہت ساری سنتوں سے جہالت اور لاعلمی سے مامون نہیں رہتا، اِلا یہ کہ اُسے سنتوں کا پیشگی علم ہو، اسی طرح احادیث کے معانی اور ان کی بابت فقہاء کے اقوال و فرمودات کی معلومات کے بغیر حد سے زیادہ صرف احادیث کی سندیں حفظ کرنے والا بھی

چھوٹے علم والا ہی ہوتا ہے[1]، اور یہ دونوں محض کھانے کی خوشبو پر قناعت (اکتفا) کرنے والے ہیں، توفیق یابی اور حرماں نصیبی دونوں اللہ ہی کی جانب سے ہیں، وہی میرے لئے کافی ہے اور میں اسی سے وابستہ ہوں۔

اور میرے بھائی یہ بھی جان لیں کہ! فروعات کی کوئی حد نہیں جہاں وہ کبھی ختم ہو جائیں، اسی لئے کہ فروعات کے گوشے در گوشے ہوا کرتے ہیں، لہٰذا آراء رجال کا احاطہ کرنے کا قصد کرنے والا ایسی چیز کا قصد کرنے والا ہے جو اس کے بس میں ہے نہ کسی اور کے بس میں، کیونکہ اس کے سامنے نت نئے مسائل آتے رہیں گے جو اس نے کبھی نہ سنا ہوگا، بلکہ شاید کثرت فروع کے سبب بعد والے مسئلہ کو سن کر پہلا بھول جائے گا، اور نتیجتاً استنباط کا محتاج ہوگا جس سے احتیاط کے پیش نظر گھبراتا اور کتراتا رہا تھا اور یہ سوچتا تھا کہ اُس کے علاوہ دوسرا شخص طریقہ استنباط کا زیادہ علم رکھنے والا ہے، اور اسی لئے اس کا قول از بر کرنے پر تکیہ کیے ہوئے تھا، پھر حالات اُسے اصولوں سے جہالت کے باوجود استنباط پر مجبور کریں گے اور نوبت یہ ہوگی کہ وہ رائے کو اصل بنا کر اس پر مسائل مستنبط کرنے لگے گا، اور رائے کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کا درجہ دیدے گا! إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

اور یہ بھی جان لو کہ جب بھی سلف کے دو لوگوں یا کسی جماعت کے مابین مناظرہ ہوا اسی لئے ہوا تاکہ درستی کی وجہ سمجھ میں آجائے اور اسے اپنا لیا جائے اور قول کی بنیاد اور علت معلوم ہو جائے تاکہ اس پر اس سے مشابہ دیگر مسائل کا استنباط کیا جائے، اور آج بھی تمام ممالک کے لوگوں کا یہی وطیرہ ہے سوائے حسب منشاء مولیٰ ہمارے یہاں کے اور ہماری روش پر گامزن اہل مغرب کے، کہ یہ لوگ علت قائم کرتے ہیں نہ ہی قول کی کوئی وجہ جانتے ہیں بلکہ ان کے لئے بس اتنا کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں فلاں سے ایک روایت ہے اور فلاں سے ایک، اور ان کے یہاں اس کی اہمیت اس قدر ہوتی ہے کہ اگر کوئی اس روایت کی مخالفت کر دے بایں طور کہ اس کے

---

(۱) شیخ محمد منیر الدین دمشقی اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں: اللہ آپ کو توفیق دے، جان لیں کہ رسول ﷺ کی حدیثیں اور حضرات صحابہ کے منہج وطریقہ کو حفظ کرنے والا فقہ وفہم میں کتنا ہی غبی کیوں نہ ہو متاخرین کی باتوں پر مشتمل متون وشروح رٹنے والے سے ایک ہزار گنا بہتر ہے، کیونکہ پہلے شخص کا دل اور عقل ودماغ اپنی حفظ کردہ باتوں کے نور سے ضرور روشنی حاصل کرے گا، جبکہ دوسرا شخص انہی گندگیوں اور آلائشوں کی تاریکیوں میں بھٹکتا رہے گا، اور اس کا دل ودماغ ہمیشہ جہالت کی ظلمتوں میں غرقاب رہے گا۔ لہٰذا میرے بھائی! اگر آپ اپنی ذات کے ہی خواہ ہوں تو قرآن وسنت سے وابستہ رہیں، اپنا سارا وقت صرف اسی میں لگائیں، اور ان دونوں کے علاوہ سے کنارہ کشی اختیار کریں، کیونکہ متاخرین کی ایجاد کردہ یہ شرطیں اور رسم وطریقے محض راہ حق کے رخنے اور گام ہدایت سے پھیرنے والے ہیں، جبکہ اصل ہدایت اللہ کی ہدایت ہے، اور اللہ کے بغیر کوئی قوت نہیں"۔

معنیٰ، اصل سبب اور درستی کی وجہ سے اسے واقفیت نہیں ہے' تو گویا اس نے کسی نص قرآنی یا صحیح ثابت سنت کی مخالفت کر دی ہو!! اور اس کے برخلاف حلال وحرام کی بابت متضاد ومتعارض روایات کو اپنانا جائز قرار دیتے ہیں' جبکہ یہ چیز امام مالک رحمہ اللہ کے اصول کے خلاف ہے' چنانچہ ان کے مذہب کے اصول کے خلاف لوگوں کے اتنے زیادہ مسائل ہیں کہ ان کا ذکر کرنا کتاب کی طوالت کا باعث ہوگا۔ اور چونکہ انہیں اپنے مذہب کے اصولوں کے علم تک رسائی نہیں ہے' اس لئے جب ان میں سے کوئی اپنے کسی مخالف یعنی امام ابوحنیفہ، یا شافعی یا ان کے علاوہ دیگر فقہاء کے قول کے قائل سے ملاقات کرتا ہے جو اس کے قول کی اصل کی بابت اس کا مخالف ہوتا ہے' تو وہ حیران وششدر ہو جاتا ہے' اس کے پاس اپنے امام کا قول بیان کرنے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا، چنانچہ کہتا ہے: فلاں نے ایسا ہی کہا ہے، ہم تک اسی طرح مروی ہے، اور مجبوراً امام مالک رحمہ اللہ کے فضائل اور ان کا مقام ومرتبہ بیان کرنے کا سہارا لیتا ہے، اور اگر جواب میں اس کا بالمقابل بھی اپنے امام کے فضائل بیان کرنے لگتا ہے' تو اس کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے پہلے نے کہا:

شَكَوْنَا إِلَيْهِمْ خَرَابَ الْعِرَاقِ فَعَـابُوا عَلَيْنَا لُحُومَ الْبَقَرْ [1]

ہم نے ان سے عراق کی ویرانی اور تباہی کا شکوہ کیا تو انہوں نے ہم پر گائے کے گوشت کا عیب لگا دیا۔

اور اسی جیسی صورتحال کی بابت منذر بن سعید فرماتے ہیں:

عَذِيرِيَ مِنْ قَـوْمٍ يَقُولُونَ: كُلَّمَا طَلَبْتُ دَلِيلًا، هَـكَذَا قَالَ مَالِكُ

وَإِنْ عُدْتُ، قَالُوا: هَكَذَا قَالَ أَشْهَبُ وَقَدْ كَانَ لَا تَخْفَى عَلَيْهِ الْمَسَالِكُ

فَإِنْ زِدْتُ، قَالُوا: قَالَ سُحْنُونُ مِثْلَهُ وَمَنْ لَمْ يَقُلْ مَا قَـالَ، فَهُوَ افِكُ

فَإِنْ قُلْتُ: قَالَ اللّٰهُ، ضَجُّوا، وَأَكْثَرُوا! وَقَالُوا جَمِيعًا: أَنْتَ قِـرْنٌ مُمَاحِكُ

وَإِنْ قُلْتُ: قَدْ قَالَ الرَّسُولُ، فَقَوْلُهُمْ: أَتَتْ مَالِـكًا فِي تَرْكِ ذَاكَ الْمَسَالِكُ

[1] اور دوسرا شعر جیسا کہ جامع بیان العلم (۲/ ۲۱۰) میں ہے:

فَكَانُوا كَمَا قِيلَ فِيمَا مَضَى أُرِيهَا السُّهَا وَتُرِينِي الْقَمَرْ

چنانچہ یہ ایسے ہو گئے جیسا کہ ماضی میں کہا گیا ہے: میں اسے چھوٹا سا ٹمٹاتا ہوا ستارہ دکھا رہا ہوں اور وہ مجھے چاند دکھا رہی ہے (میں کچھ پوچھ رہا ہوں' اور وہ مجھے بالکل غیر متعلق جواب دے رہی ہے)۔

ان لوگوں (کی عدم موافقت) سے مجھے معذور کون سمجھے گا جن سے جب بھی میں کوئی دلیل مانگتا ہوں تو کہتے ہیں کہ امام مالک نے ایسے ہی فرمایا ہے، اگر میں دوبارہ دلیل مانگتا ہوں تو کہتے ہیں کہ امام اشہب نے یہی فرمایا ہے، اوران سے اقوال وآراء پوشیدہ نہیں رہا کرتے تھے، پھر اگر میں مزید اصرار کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ سحنون کی بھی یہی رائے ہے، اور جو ان کی موافقت نہ کرے وہ جھوٹا ہے، اگر میں کہتا ہوں کہ اللہ نے فرمایا ہے، تو بہت شور وغوغا مچاتے ہیں اور کہتے ہیں تم بڑے ہٹ دھرم اور بے جا حجت کرنے والے ہو، اور اگر میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، تو کہتے ہیں کہ امام مالک کے پاس اسے ترک کرنے بہت سے اسباب ہوں گے۔

انہوں نے اہل مصر اور ان کے علاوہ اہل مغرب نے امام مالک سے جن مسائل میں اختلاف کیا ہے' امام مالک کے قول کی وجہ اور ان کے مخالف کے قول کا سبب معلوم کئے بغیر، اس اختلاف میں غور کرنا تو جائز قرار دیا ہے' لیکن اس کی کتابوں میں غور کرنا جائز نہیں سمجھا ہے جو کسی دلیل کے سبب- جسے وہ بیان کرتا ہے- یا کسی علت کے باعث- جسے وہ اپنے اور امام مالک کے قول کے لئے قائم کرتا ہے'- امام مالک کے مخالف ہے! اس کی وجہ محض ان مقلدین کی جہالت و نادانی، قلت نصح وخیر خواہی، اور اس بات کا خوف ہے کہ سامنے والا اُن کے نقص وعیب اور بے مائیگی سے آگاہ ہو جائے گا، اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اُنہیں کوئی اہمیت نہیں دے گا، اتنا ہی نہیں بلکہ یہ لوگ اپنے مخالفین کی عیب جوئی اور غیبت بھی کرتے ہیں' اور ان کی مذمت میں ساری حدیں پار کر جاتے ہیں' تاکہ سامنے والے کو دھوکہ دیں کہ وہ حق پر ہیں' اور علم والے کہے جانے کے مستحق ہیں' حالانکہ وہ چٹیل میدان میں اس سراب (چمکتی ریت) کی مانند ہیں جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے' اور جب وہاں آتا ہے تو کچھ نہیں پاتا، ان کی حالت اور کیفیت کا سب سے اچھا مصداق منصور فقیہ رحمہ اللہ کے حسب ذیل اشعار ہیں:

خَالَفُونِي، وَأَنْكَرُوا مَا أَقُولُ ... قُلْتُ: لَا تَعْجَلُوا، فَإِنِّي سَؤُولُ

مَا تَقُولُونَ فِي الْكِتَابِ؟ فَقَالُوا: ... هُوَ نُورٌ، عَلَى الصَّوَابِ دَلِيلُ

وَكَذَا سُنَّةُ الرَّسُولِ ﷺ وَقَدْ ... أَفْلَحَ مَنْ قَالَ مَا يَقُولُ الرَّسُولُ

وَاتِّفَاقُ الْجَمِيعِ أَصْلٌ، وَمَا ... يُنْكِرُ هَذَا وَذَا وَذَاكَ الْعُقُولُ

وَكَذَا الْحُكْمُ بِالْقِيَاسِ، فَقُلْنَا: ... مِنْ جَمِيلِ الرِّجَالِ يَأْتِي الْجَمِيلُ

فَتَعَالَوْا نَرُدُّ مِنْ كُلِّ قَوْلٍ ... مَا نَفَى الْأَصْلُ أَوْ نَفَتْهُ الْأُصُولُ

فَأَجَابُوا، فَنُوظِرُوا فَإِذَا الْعِلْمُ لَدَيْهِمْ هُوَ الْيَسِيرُ الْقَلِيلُ

لوگوں نے میری مخالفت کی، اور میری بات کو ٹھکرا دیا، تو میں نے کہا: جلدی نہ کرو، میں تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں، کتاب اللہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا: وہ تو نور اور درستی کی دلیل ہے، اور اسی طرح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے، اور جس نے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کہا، وہ کامیاب ہوگیا، اور مسلمانوں کا اجماع بھی دین کا ایک اصول ہے، ان تمام چیزوں کا کوئی عقلمند انکار نہیں کرسکتا، اور اسی طرح قیاس (جلی) سے فیصلہ کرنا بھی ایک اصل ہے، تو ہم نے کہا: اچھے لوگوں سے ہی اچھی باتیں آتی ہیں، لہٰذا آؤ ہم ہر اس قول کو رد کردیں جو اصول کے خلاف ہو یا اصول جس کی نفی کرتا ہو، تو انہوں نے جواب دیا، لہٰذا ان کے بحث ومناظرہ کیا گیا' تو وہ بڑے معمولی علم والے ٹھہرے۔

اس لئے میرے بھائی آپ پر لازم ہے کہ اصولوں (نصوص کتاب وسنت) کو ازبر کریں اور اس پر خاص توجہ مرکوز رکھیں' اور جان لیں کہ جو سنتوں اور قرآن کریم میں منصوص احکام کو حفظ کرنے کا اہتمام کرتا ہے، اور فقہاء کے اقوال پر بھی غور کرتا ہے' اور اسے اپنے اجتہاد کا معاون، غور وفکر کے طریقوں کی کنجی اور کئی معانی کو محتمل مجمل سنتوں کی تفسیر بناتا ہے' اور ان میں سے کسی کی ایسی تقلید نہیں کرتا ہے جیسے سنتوں کی اتباع ہوتی ہے، کہ جن کی تابعداری بلاتامل ہر حال میں کرنا ضروری ہوتی ہے' اور اہل علم نے سنت کے حفظ اور اس میں غور وتدبر کی جس محنت اور کد وکاوش سے اپنے آپ کو دوچار کیا ہے' اُس سے خود کو راحت نہیں پہنچاتا' نہ ہی بحث وجستجو، اور غور وفہم میں ان کی پیروی، جو کچھ انہوں نے فائدہ پہنچایا اور تنبیہ کیا ہے اس میں ان کا شکریہ اور قدر دانی، اور ان کی درستگی پر ان کی مدح وستائش جو ان کے زیادہ تر اقوال میں پائی جاتی ہے' سے کتراتا ہے، اور نہ ہی انہیں لغزشوں سے بری ٹھہراتا ہے' جن سے انہوں نے خود بھی اپنی براءت نہیں کی ہے' تو ایسا طالب علم سلف صالحین کے منہج پر گامزن' صحیح طور سے اپنا حصہ پانے والا' اپنی رشد وہدایت کو دیکھنے والا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے طریقہ کا متبع اور پیروکار ہے؛ اس کے برخلاف جو اپنے آپ کو غور ونظر سے برتر سمجھے، اور ہماری ذکر کردہ باتوں کو نظر انداز کردے اور اپنی عقل ورائے سے سنتوں کا معارضہ کرے اور انہیں اپنی فکر ونظر اور دانشوری کی کسوٹی کے حوالہ کردے' تو وہ خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے، اور جو ان تمام چیزوں سے بھی نابلد ہو' اور فتویٰ میں کود پڑے' وہ اور زیادہ اندھا اور سب سے بڑا گمراہ ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

لَقَدْ أَسْمَعْتَ لَوْ نَادَيْتَ حَيًّا وَلَكِنْ لَا حَيَاةَ لِمَنْ تُنَادِي

وَقَدْ عَلِمْتُ أَنِّي لَا أَسْلَمُ مِنْ جَاهِلٍ مُعَانِدٍ لَا يَعْلَمُ

اگر تم کسی زندہ کو بلاتے تو ضرور سنتا، لیکن افسوس! تم جسے آواز دے رہے ہو اس میں زندگی نہیں ہے، اور میں خوب جانتا ہوں کہ میں کسی ہٹ دھرم جاہل سے محفوظ نہ رہوں گا' جو کچھ نہیں جانتا۔

اسی طرح کسی نے کہا ہے:

وَلَسْتُ بِنَاجٍ مِنْ مَقَالَةِ طَاعِنٍ وَلَوْ كُنْتُ فِي غَارٍ عَلَى جَبَلٍ وَعْرٍ

وَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْجُو مِنَ النَّاسِ سَالِمًا وَلَوْ غَابَ عَنْهُمْ بَيْنَ خَافِيَتَيْ نَسْرٍ [1]

میں کسی طعنہ جو کی بات سے بچ نہ سکوں گا، خواہ کسی پُرخطر پہاڑ کے غار میں بھی چلا جاؤں، کیونکہ لوگوں سے کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا' خواہ ان سے بچنے کے لئے گدھ کے دونوں بازوؤں میں بھی چھپ جائے۔

اور میرے بھائی جان لو کہ! قرآن وسنت ہی کسی رائے کی بنیاد اور پیمانہ ہیں' رائے سنت کا معیار نہیں ہے' بلکہ سنت رائے کا معیار ہے' اور جو اصل سے ہی لاعلم ہوگا فرع کی درستی تک کبھی نہ پہنچے گا۔

ابن وہب فرماتے ہیں: مجھ سے امام مالک نے بیان کیا کہ ایاس بن معاویہ نے ربیعہ سے کہا:

"إِنَّ الشَّيْءَ إِذَا بُنِيَ عَلَى عِوَجٍ لَمْ يَكَدْ يَعْتَدِلُ"۔

جب کسی چیز کی بنیاد ہی ٹیڑھی ہو تو وہ کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی [2]۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ: ان کی مراد مفتی ہے جو کسی اصل و بنیاد کے بغیر اپنی بات کہتا ہے۔

امام ابو عمر فرماتے ہیں: صالح بن عبد القدوس نے کیا خوب کہا ہے:

يَا أَيُّهَا الدَّارِسُ عِلْمًا أَلَا تَلْتَمِسُ الْعَوْنَ عَلَى دَرْسِهِ

---

(۱) خوافی: پرندے کے ان ریشوں کو کہا جاتا ہے' جو پروں کو ملانے سے چھپ جائیں' یہ سامنے والے ریشوں کی ضد ہے، اس کی واحد خافیہ آتی ہے۔ النھایہ میں فرماتے ہیں: اسی سے وہ بھی ہے کہ قوم لوط کی بستی کو جبریل علیہ السلام نے اپنے پروں کے اندرونی ریشوں پر اٹھایا تھا"۔ نیز فرماتے ہیں: اسی سے ابوسفیان کی حدیث بھی ہے:"'' (یعنی میرے پاس گدھ کے اندرونی ریشہ کے مثل خنجر تھا) مراد یہ کہ چھوٹا تھا، النھایہ (۲/ ۵۷)۔

(۲) اسی بات کو کسی فارسی شاعر نے یوں کہا ہے: خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

لَنْ تَبْلُغَ الْفَرْعَ الَّذِي رُمْتَهُ إِلَّا بِبَحْثٍ مِنْكَ عَنْ أُسِّهِ

اے طالب علم! بھلا تم اپنے طلب علم کے لئے مدد کی تلاش کیوں نہیں کرتے، تم اپنے مطلوب فرع تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم اس کی اصل و بنیاد تلاش نہ کرو۔

اور محمود وراق کہتے ہیں:

الْقَوْلُ مَا صَدَّقَهُ الْفِعْلُ وَالْفِعْلُ مَا صَدَّقَهُ الْعَقْلُ

لَا يَثْبُتُ الْفَرْعُ إِذَا لَمْ يَكُنْ يَقِلُّهُ مِنْ تَحْتِهِ الْأَصْلُ

بات سچی وہ ہے فعل جس کی تصدیق کرے، اور فعل سچا وہ ہے عقل جس کی تصدیق کرے، فرع اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے نیچے جڑ قائم نہ ہو۔

اور ابن معدان فرماتے ہیں:

وَكُلُّ سَاعٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَرُشْدُهُ غَيْرُ مُسْتَبَانٍ

وَالْعِلْمُ حَقٌّ لَهُ ضِيَاءٌ فِي الْقَلْبِ وَالْعَقْلِ وَاللِّسَانِ

بلا علم محنت کرنے والے کسی بھی شخص کی رشد و کامیابی نتیجہ خیز نہیں ہوتی، ورنہ علم حق ہے جس کی روشنی دل دماغ اور زبان ہر جگہ ہوتی ہے۔

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے:

"لَنْ تَزَالُوا بِخَيْرٍ مَا أَحْبَبْتُمْ خِيَارَكُمْ، وَمَا قِيلَ فِيكُمُ الْحَقُّ فَعَرَفْتُمُوهُ، فَإِنَّ عَارِفَهُ كَفَاعِلِهِ"[1]۔

تم جب تک اپنے اچھے لوگوں سے محبت کرو گے اور اپنے بارے میں کہی گئی حق بات کو جانو گے' ہمیشہ بھلائی میں رہو گے، کیونکہ اُسے جاننے والا انجام دینے والے جیسا ہے۔

ابن وہب بیان کرتے ہیں کہ مالک رحمہ اللہ نے ربیعہ کو کہتے ہوئے سنا:

"خیر کہنے اور کار خیر کرنے والا بھلائی سننے اور قبول کرنے والے سے بہتر نہیں ہے"[2]۔

اور امام مالک فرماتے ہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی مدح و ثنا کرنے والے نے یہ بات کہی تھی:

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۲۱۲)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۲۱۲)۔

''عمر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ علم والے نہ تھے، لیکن حق بات سن کر ہم میں سب سے جلدی اسے ماننے والے تھے''۔

ابو عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ یہ بات کہنے والے پر رحم فرمائے:

لَقَدْ بَانَ لِلنَّاسِ الْهُدَى غَيْرَ أَنَّهُمْ   غَدَوْا بِجَلَابِيبِ الْهُدَى قَدْ تَجَلْبَبُوا

یقیناً لوگوں کے سامنے ہدایت واضح ہو چکی ہے، لیکن وہ خواہشات نفسانی کی دبیز چادریں اوڑھے ہوئے ہیں۔

اور نبی کریم ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُورِينَ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ''[1]۔

میری امت کا ایک طائفہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا، یہاں تک کہ اللہ عزوجل کا حکم (قیامت) آجائے گا۔

ابو العتاہیہ نے کیا خوب کہا ہے:

رَأَيْتُ الْحَـــقَّ مُتَّضِحًا   وَلَا تَخْفَى شَـــوَاكِلُهُ

لَعَمْرُكَ مَا اسْتَوَى فِي الْأَمْـ   ـرِ عَـــالِمُهُ وَجَاهِلُهُ[2]

میں نے حق کو بہت واضح دیکھا ہے، اس سے گڈمڈ ہونے والی چیزیں پوشیدہ نہیں ہوسکتیں، تمہاری زندگی کی قسم حق کا عالم اور جاہل دونوں حکم میں یکساں نہیں ہوسکتے۔

نیز کہتے ہیں:

إِذَا اتَّضَحَ الصَّوَابُ فَلَا تَـدَعْهُ   فَإِنَّكَ كُلَّمَا ذُقْتَ الصَّـــوَابَا

وَجَدْتَ لَهُ عَلَى اللَّهَـوَاتِ بَرْدًا   كَبَرْدِ الْمَاءِ حِينَ صَفَـــا وَطَابَا

وَلَيْسَ بِحَاكِمٍ مَـــنْ لَا يُبَالِي   أَأَخْطَأَ فِي الْحُكُومَةِ أَمْ أَصَابَا[3]

جب حق واضح ہو جائے تو اسے نہ چھوڑو، کیونکہ جب بھی تمہیں حق کی لذت ملے گی تو حلق میں اس کی ٹھنڈک ایسے

---

(۱) اس کی تخریج (ص ۲۸۲) میں گزر چکی ہے۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۲۱۳): رَأَيْتُ الْحَقَّ لَا يَخْفَى   وَلَا تَخْفَى شَوَاكِلُهُ

(میں نے حق کو دیکھا کہ وہ چھپتا ہے نہ اس سے گڈمڈ ہونے والی چیزیں پوشیدہ ہوتی ہیں)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۲۰۴-۲۱۳)۔

محسوس کرو گے جیسے شفاف اور پاکیزہ پانی کی ٹھنڈک ہوا کرتی ہے، اور جسے اس بات کی پروانہ ہو کہ اس نے درست فیصلہ کیا ہے یا غلط اُسے حاکم و جج کہلانے کا حق نہیں۔

حافظ ابو عمر رحمہ اللہ کتاب العلم میں فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کے علماء و فقہاء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ علم و فقہ اور غور و تدبر کے بغیر محض حدیثوں کی کثرت روایت مذموم ہے، اور بکثرت روایت کرنے والا رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ میں واقع ہونے سے بھی مامون نہیں ہوتا، کیونکہ وہ مامون اور غیر مامون ہر طرح کے لوگوں سے روایت کرتا ہے''(۱)۔

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''رہا اس طرح طلب حدیث، جیسا کہ آج کل ہمارے دور کے بہت سے لوگ حدیث میں تفقہ اور اس کے معانی میں غور و فکر کے بغیر کر رہے ہیں، تو یہ چیز اہل علم کی ایک جماعت کے یہاں مکروہ ہے''(۲)۔

اور اپنی سند سے یحییٰ بن یمان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''ان میں سے کوئی شخص بلا سمجھے اور بلا غور و تدبر کیے، حدیث لکھتا ہے، اور جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو مکاتب غلام کی طرح خاموش ہو جاتا ہے''(۳)۔

ابو عمر فرماتے ہیں، انہی جیسوں کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

زَوَامِلُ لِلْأَسْفَارِ لَا عِلْمَ عِنْدَهُمْ　بِجَيِّدِهَا إِلَّا كَعِلْمِ الْأَبَاعِرِ

لَعَمْرِي مَا يَدْرِي الْبَعِيرُ إِذَا غَدَا　بِأَحْمَالِهِ أَوْ رَاحَ مَا فِي الْغَرَائِرِ

یہ محض کتابوں کے گٹھر ڈھونے والے ہیں، انہیں اس میں سے اچھے کا بس اتنا ہی علم ہے جیسے اونٹ کا علم ہوتا ہے، تمہاری عمر کی قسم جب اونٹ سامان لادے صبح شام آتا جاتا ہے تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ بوریوں میں کیا ہے؟

اور عمار کلبی نے کہا ہے:

إِنَّ الرُّوَاةَ عَلَى جَهْلٍ بِمَا حَمَلُوا　مِثْلَ الْجِمَالِ عَلَيْهَا يُحْمَلُ الْوَدَعُ

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۵۲)۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/ ۱۵۵)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۰)، والحلیۃ، از ابونعیم (۸/ ۱۶۵)۔

لَا الْوَدَعُ يَنْفَعُهُ حِمْلُ الْجِمَالِ لَهُ وَلَا الْجِمَالُ بِحِمْلِ الْوَدَعِ تَنْتَفِعُ

یقیناً اپنی مرویات سے لاعلم راویانِ حدیث کی مثال ان اونٹوں جیسی ہے جن پر بوجھ لاد دیا جائے، کہ نہ تو اونٹوں کے لادنے سے بوجھ کو کوئی فائدہ ہو نہ ہی بوجھ لادنے سے اونٹوں کو کوئی فائدہ ملے۔

اور خشنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَطَعْتَ بِلَادَ اللَّهِ لِلْعِلْمِ طَالِبًا فَحَمَلْتَ أَسْفَارًا فَصِرْتَ حِمَارَهَا

إِذَا مَا أَرَادَ اللَّهُ حَتْفًا بِنَمْلَةٍ أَتَاحَ جَنَاحَيْنِ لَهَا فَأَطَارَهَا

تم نے طلبِ علم کے لئے اللہ کی روئے زمین کا چکر لگایا چنانچہ کتابوں کے گٹھر ڈھوڈھو کر اس کا گدھا بن گئے جب اللہ تعالیٰ کسی چیونٹی کو موت نہیں دینا چاہتا تو دو پروں سے نواز کر اُسے بھی اڑنے کے قابل بنا دیتا ہے۔

اور منذر بن سعید نے فرمایا:

انْعِقْ بِمَا شِئْتَ تَجِدْ أَنْصَارًا وَزُمَّ أَسْفَارًا تَجِدْ حِمَارًا

يَحْمِلُ مَا وَضَعْتَ مِنْ أَسْفَارِ مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْحِمَارِ

يَحْمِلُ أَسْفَارًا لَهُ وَمَا دَرَى إِنْ كَانَ مَا فِيهَا صَوَابًا أَوْ خَطَا

إِنْ سُئِلُوا، قَالُوا: كَذَا رُوِّينَا مَا إِنْ كَذَبْنَا لَا وَلَا اعْتَدَيْنَا

كَبِيرُهُمْ يَصْغُرُ عِنْدَ الْحَفْلِ لِأَنَّهُ قَلَّدَ أَهْلَ الْجَهْلِ (1)

تم جو چاہو شور مچاؤ، تمہیں کچھ مددگار مل جائیں گے، اور کچھ کتابوں کے گٹھر ڈھونا ہو تو گدھا بھی مل جائے گا اُس پر جو بھی کتابیں لادو گے، وہ ڈھوئے گا، اس کی مثال اس گدھے جیسی ہے جو کتابوں کے گٹھر ڈھوتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر ان سے کوئی سوال کیا جائے، تو کہتے ہیں: ہم سے اسی طرح روایت کی گئی ہے، نہ تو ہم نے اس میں کچھ جھوٹ کہا ہے نہ زیادتی کی ہے، ان کا بڑا بھی جاہلوں کی تقلید کے سبب مجلس میں چھوٹا ہو جاتا ہے۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: یقیناً امام ابو عمر رحمہ اللہ نے اپنے دور پانچویں صدی ہجری کے محدثین کے بارے میں سچ

(1) جامع بیان العلم (۲/ ۱۶۰-۱۶۱)۔

فرمایا ہے، تو تیرہویں صدی کے محدثین کا کیا حال ہوگا جو حدیث ایسے پڑھتے ہیں جیسے مکتب [1] کے چھوٹے چھوٹے بچے قرآن پڑھتے ہیں، بلکہ مکتب کے بچے بھی قرآن اُن سے اچھا پڑھتے ہیں؛ کیونکہ یہ مکتب کے معصوم بچے اس کے الفاظ کو بہت اچھی طرح ادا کرتے ہیں، جبکہ ہمارے دور کے محدثین احادیث میں بڑی بڑی فاش غلطیاں کرتے ہیں، اور ان کے معانی سمجھنے سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، اگر حدیث کسی شرعی حکم پر واضح دلالت کرتی ہے، تو وہ اپنے دروس میں حاضر ہونے والے عوام کو ڈراتے اور تنبیہ کرتے ہیں کہ اس حدیث پر عمل نہیں ہے، نیز کہتے ہیں کہ اس حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے، اور حدیث پر عمل کرنے والے کے منہ میں سیسہ اور پیتل کی دھات انڈیلی جائے گی، بلکہ اندیشہ ہے کہ وہ بڑی بری موت مرے گا، اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اللہ کی قسم! اگر یہ باتیں موجب ارتداد نہیں تو اس سے قریب ضرور ہیں۔

اور ان میں سے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ کی سو صحیح حدیثیں بھی آجائیں جو معارض سے خالی ہوں تو بھی ان پر عمل نہیں کیا جائے گا تا آنکہ اُس کا وہ امام عمل کرے جس کی وہ اقتدا کرتا ہے! ذرا اس گھناؤنے جملے پر غور کریں، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

نیز حافظ ابو عمر فرماتے ہیں:

''انصاف پسند ائمہ کے درمیان تقلید کے فساد میں کوئی اختلاف نہیں، لہٰذا زیادہ گفتگو کی حاجت نہیں''[2]۔

نیز فرماتے ہیں [3]:

''تقلید کے قائل سے پوچھا جائے: تم کیوں تقلید کی بات کہہ کر سلف کی مخالفت کر رہے ہو، کیونکہ سلف نے تقلید نہیں کی ہے؟ اگر وہ جواب دے کہ میں نے تقلید اس لئے کی ہے کہ مجھے کتاب اللہ کی تفسیر کا علم ہے نہ رسول ﷺ کی سنت کا احاطہ، جبکہ میں نے جس کی تقلید کی ہے اسے ان چیزوں کا علم ہے، چنانچہ میں نے اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید کی ہے۔

---

(۱) الكُتّاب: (مکتب) یہ ایک چھوٹی سی درسگاہ کی طرح ہوتا ہے جہاں چھوٹے چھوٹے بچے کسی استاذ کے ذریعہ حفظ قرآن، اور پڑھنا لکھنا اور حساب وغیرہ سیکھتے ہیں، اور ایک دوسرا ان کی نگرانی کرتا ہے جسے عریف (مانیٹر) کہا جاتا ہے، یہ مکاتب مصر اور شام وغیرہ میں بہت پھیلے ہوئے ہیں۔

(۲) جامع بیان العلم (۲/۱۳۵)۔

(۳) جامع بیان العلم (۲/۱۳۲)۔

تو اس سے کہا جائے: اگر علماء قرآن کریم کی تفسیر کی کسی بات یا رسول ﷺ کی کسی سنت کے بیان پر اجماع کرلیں، یا کسی چیز پر ان کی رائے متحد ہو جائے تب تو وہ بلاشبہ حق ہے، لیکن جس مسئلہ میں تم نے کسی کو چھوڑ کر کسی کی تقلید کی ہے اس میں ان کا اختلاف ہے، تو دوسروں کو چھوڑ کر ایک کی تقلید کرنے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ جبکہ وہ سب کے سب عالم ہیں، ہوسکتا ہے تم نے جس کے قول سے اعراض کیا ہے وہ اس سے زیادہ علم والا ہو جس کا مذہب تم نے اپنایا ہے؟؟

اب اگر وہ کہے: میں نے اس کی تقلید اس لئے کی ہے کہ میں جانتا ہوں وہ درست ہے!

تو اس سے کہا جائے: تمہیں اس بات کا علم، قرآن سے ہے یا سنت سے یا اجماع سے؟

اگر وہ کہے: ہاں۔ تو اس نے تقلید کو باطل کر دیا اور اس سے اس کے دعوے کی دلیل کا مطالبہ کیا جائے۔

اور اگر وہ کہے: میں نے اس کی تقلید اس لئے کی ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ علم والا ہے۔

تو اس سے کہا جائے: تب تو تم اپنے سے زیادہ علم والے ہر ایک کی تقلید کرو، کیونکہ تمہیں ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد ملے گی، یہ چیز اس کے ساتھ خاص نہیں ہے' جس کی تم نے تقلید کی ہے، کیونکہ اس کے تقلید کی بابت تمہاری علت یہ ہے کہ وہ تم سے زیادہ علم والا ہے۔

اب اگر وہ کہے: کہ میں نے اس کی تقلید اس لئے کی ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا ہے۔

تو اس سے کہا جائے: تب تو وہ صحابہ سے بھی زیادہ علم والا ہے! اور اس سے زیادہ بری بات کیا ہوسکتی ہے!

اگر وہ کہے: کہ میں بعض صحابہ کی بھی تقلید کرتا ہوں۔

تو اس سے کہا جائے: جن صحابہ کی تقلید تم نہیں کرتے ہو' انہیں چھوڑنے کی کیا دلیل ہے؟ ہوسکتا ہے صحابہ میں سے جس کا قول تم نے چھوڑا ہے وہ اس سے افضل ہو جس کا قول تم نے لیا ہے، اور اصول یہ ہے کہ قول قائل کی فضیلت کی بنا پر صحیح نہیں ہوتا' بلکہ اس پر دلیل کی دلالت کے بنا پر صحیح ہوتا ہے۔

ابن مزین [1] نے عیسیٰ بن دینار کے واسطے سے، انہوں نے ابن القاسم [2] کے واسطے سے' اور انہوں نے

---

(۱) یہ یحییٰ بن زکریا، بن ابراہیم بن مزین ہیں، ان کے بارے میں ابن لبابہ فرماتے ہیں: "میں نے انہیں امام مالک کے علم کا سب سے زیادہ سمجھنے والا پایا"، ان کی کئی تصنیفات ہیں، ۲۵۹ھ میں وفات پائے۔ الدیباج، از فرحون (۲/۳۶۱)۔

(۲) یہ عبدالرحمن بن قاسم بن خالد عُتقی فقیہ مصری، امام مالک کے شاگرد، ثقہ ہیں تقریب التھذیب (۳۹۸۰)، والدیباج (۱/۴۶۵-۴۶۹)۔

امام مالک سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''کوئی آدمی' خواہ کتنی ہی فضیلت والا ہو اس کی ہر بات کی اتباع نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿ٱلَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ ٱلْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُۥٓ﴾ [الزمر:۱۸]۔

جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو اس کی اتباع کرتے ہیں۔

اب اگر وہ کہے: میری کوتاہی، کم ہمتی اور کم مائیگی مجھے تقلید پر آمادہ کرتی ہے۔

تو اس سے کہا جائے: دیکھو وہ آدمی جو شریعت کے کسی ہنگامی پیش آمدہ مسئلہ میں بلاتعیین جو بھی عالم میسر آئے اس کی تقلید کرلے اور وہ اس مسئلہ میں اسے کوئی رہنمائی کردے' وہ معذور ہے؛ کیونکہ اس نے اپنے بس کے مطابق اپنی ذمہ داری نبھایا اور لاعلمی کے سبب جو اس پر لازم تھا اسے ادا کردیا، اور اس کے لئے نامعلوم مسئلہ میں اپنے عالم کی تقلید ناگزیر ہے، کیونکہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ نابینا آدمی قبلہ کی سمت کی بابت کسی کی تقلید کرے گا جس کی رہنمائی پر اس کا اعتماد ہو؛ اس لئے کہ اس کے بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ لیکن کیا جس کی یہ حالت ہو اس کے لئے اللہ کے دین کے احکام میں فتویٰ دینا جائز ہوسکتا ہے' کہ وہ دوسروں کو حرام شرمگاہوں کو مباح کرنے، ناحق خون بہانے، قیدیوں کو غلام بنانے اور املاک چھین کر دوسروں کے ہاتھوں میں دینے پر محض ایک قول کی بنا پر آمادہ کرے' جس کی صحت کا اتہ پتہ ہے نہ اس کی کوئی دلیل موجود ہے' اور وہ خود اعتراف بھی کرتا ہے کہ اس کے قائل سے غلطی اور درستی دونوں ہوسکتی ہے، نیز یہ کہ بسا اوقات اس مسئلہ میں اس کا مخالف ہی درستی پر ہو؟ چنانچہ اگر اصل اور معنیٰ دونوں کے جاہل کے لئے' اس لئے فتویٰ دینا جائز قرار دے کہ وہ فروع کو ازبر کئے ہوئے ہے' تو اس پر لازم ہے کہ عوام کے لئے فتویٰ دینا جائز رکھے، اور یہ چیز اس کی جہالت اور قرآن کو ٹھکرانے کے لئے کافی ہے! کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ﴾ [الاسراء:۳۶]۔

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔

نیز ارشاد ہے:

﴿أَتَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۞﴾ [الاعراف:۲۸، ویونس:۶۸]۔

کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔

اور علماء کا اتفاق ہے کہ جس چیز میں تحقیق وتثبت اور یقین نہ ہو وہ علم نہیں بلکہ گمان ہے، اور گمان حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا[1]، بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: مقدمہ میں وہ احادیث وآثار گزر چکے ہیں جو تقلید کے فساد پر دلالت کرتے ہیں، لہٰذا ان کے دوبارہ ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر رحمہ اللہ "التمہید" میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

"أَكْلُ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ حَرَامٌ"[2]۔

ہر دھار دار دانت والے (جس سے وہ حملہ کرتا ہو اور زخمی کرتا ہو) درندے کا کھانا حرام ہے۔

جو اسماعیل بن ابی حکیم کی پہلی حدیث ہے، پر گفتگو کرتے ہوئے، لکھتے ہیں:

"دنیا میں ہر ایک کی بات لی جا سکتی ہے[3] اور چھوڑی جا سکتی ہے، سوائے نبی کریم ﷺ کے، کیونکہ آپ ﷺ کی وہی بات چھوڑی جائے گی جسے آپ خود قولی یا عملی طور پر چھوڑ دیں یا منسوخ قرار دیں، حجت و دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے، آپ کے علاوہ کسی کی بات میں کوئی حجت نہیں۔ بھلا جو بڑے کی رضاعت[4]، اور فحل کے

---

(۱) جامع بیان العلم (۲/ ۱۴۳-۱۴۵)۔

(۲) صحیح ہے، اسے امام مسلم (حدیث ۱۹۳۳)، امام مالک نے موطا (حدیث ۱۰۷۶)، ترمذی (حدیث ۱۴۷۹)، نسائی (حدیث ۴۳۲۴)، ابن ماجہ (حدیث ۳۲۳۳) اور احمد نے (۲/ ۲۳۶، ۳۶۶، ۴۱۸) روایت کیا ہے۔ اور ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جسے امام بخاری (حدیث ۵۵۲۷)، ومسلم (حدیث ۱۹۳۲) اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اسے امام مسلم (حدیث ۱۹۳۴)، نسائی (حدیث ۴۳۴۸)، ابوداود (حدیث ۳۸۰۳) وغیرہم نے روایت کیا ہے۔

(۳) التمہید (۱/ ۱۵۹) میں "من خلق اللہ" کا اضافہ ہے، یعنی اللہ کی مخلوق میں سے ہر ایک کی بات کو......

(۴) امام بخاری (حدیث ۵۰۸۸) ومسلم (حدیث ۱۴۵۳) اور کتب ستہ کے دیگر محدثین نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

"جَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَاللهِ إِنِّي لَأَرَى فِي وَجْهِ أَبِي حُذَيْفَةَ مِنْ دُخُولِ سَالِمٍ، قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "أَرْضِعِيهِ"..... الحديث

سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم میں اپنے گھر میں سالم کے آنے کی وجہ سے ابو حذیفہ (ان کے شوہر) کے چہرے پر ناگواری دیکھتی ہوں؟ کہتی ہیں: تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "انہیں دودھ پلا دو"۔

اور امام مسلم (حدیث ۱۴۵۴)، نسائی (حدیث ۳۳۲۵)، ابن ماجہ (حدیث ۱۹۴۷)، اور احمد (۶/ ۳۱۲) نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتی تھیں:

===

دودھ (۱) کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول چھوڑ دے، اور متعہ (۲) اور دیگر مسائل میں ابن عباس کا قول

===

"أَبَى سَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يُدْخِلْنَ عَلَيْهِنَّ أَحَدًا بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ، وَقُلْنَ لِعَائِشَةَ: وَاللهِ مَا نَرَى هٰذَا إِلَّا رُخْصَةً أَرْخَصَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لِسَالِمٍ خَاصَّةً"۔

نبی کریم ﷺ کی تمام بیویوں نے اس بات کا انکار کیا کہ اس قسم کی رضاعت کی بنا پر کوئی ان کے سامنے آئے، اور سبھوں نے مائی عائشہ سے کہا: اللہ کی قسم! ہمارا خیال ہے کہ یہ محض ایک خصوصی رخصت ہے جو رسول اللہ ﷺ نے سالم کے لئے مرحمت فرمائی ہے۔

(۱) امام بخاری (حدیث ۲۶۴۴)، مسلم (۱۴۴۵) اور ترمذی (۱۱۴۸) وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں:

"اسْتَأْذَنَ عَلَيَّ أَفْلَحُ، فَلَمْ آذَنْ لَهُ، فَقَالَ: أَتَحْتَجِبِينَ مِنِّي وَأَنَا عَمُّكِ، فَقُلْتُ: وَكَيْفَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: أَرْضَعَتْكِ امْرَأَةُ أَخِي بِلَبَنِ أَخِي، فَقَالَتْ: سَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: "صَدَقَ أَفْلَحُ، ائْذَنِي لَهُ"۔

افلح نے مجھ سے میرے پاس آنے کی اجازت چاہی، میں نے انہیں اجازت نہیں دی، انہوں نے مجھ سے کہا: کیا آپ مجھ سے پردہ کرتی ہیں جبکہ میں آپ کا چچا ہوں۔ میں نے پوچھا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: میرے بھائی کی بیوی نے میرے بھائی کے دودھ سے تمہیں دودھ پلایا ہے۔ کہتی ہیں: میں نے رسول ﷺ سے اس بارے میں پوچھا: تو آپ ﷺ نے فرمایا: "افلح سچ کہہ رہے ہیں، انہیں اندر آنے کی اجازت دیدو"۔

(۲) التمہید میں (عول اور متعہ کے بارے میں) ہے: العول: عربی زبان میں ظلم اور بلندی کی طرف میلان کو کہتے ہیں، اور اصطلاح شریعت میں عول یہ ہے کہ: میراث میں حصے فرض سے زیادہ ہو جائیں تو مسئلہ فرض کے حصوں کی طرف لوٹ جائے، جس سے ان کے حصوں کے مطابق فرض میں کمی واقع ہو جائے، دیکھئے: التعریفات، از جرجانی (ص ۲۰۵)۔

نیز عول اور رد کا مسئلہ فقہی کتابوں کے کتاب الفرائض میں ملاحظہ فرمائیں، المغنی (۹/۲۶-۴۳)، اس سلسلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف مشہور ہے۔ امام دارمی نے اپنی سنن میں ان سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: فرائض چھ ہیں ہم ان میں عول نہیں کریں گے، اور ابن قدامہ المغنی میں ان کے حوالہ سے لکھتے ہیں: "جو چاہے میں اس مسئلہ پر اس سے مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ مسئلہ نہیں چلے گا (اس میں عول نہیں ہوگا) المغنی (۹/۲۸)۔

اور متعہ: سے یہاں نکاح متعہ مراد ہے، مدتی نکاح، اس میں یہ بھی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس میں رخصت کی بابت صحابہ کی مخالفت کی ہے، اسے امام بخاری (حدیث ۶۹۶۱)، و مسلم (حدیث ۱۴۰۷) اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے۔ نیز امام بخاری (حدیث ۵۱۱۵) نے ابو جمرہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میں نے سنا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نکاح متعہ کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے رخصت دی، تو ان سے ان کے ایک آزاد کردہ غلام نے کہا: اس کی رخصت تو اس وقت ہے جب حالت سنگین ہو جائے اور عورتوں کی قلت وغیرہ ہو؟ تو انہوں نے کہا: ہاں۔ اور امام خطابی نے اپنی سند سے ابن جبیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: تمہیں پتہ بھی ہے کہ تم نے کیا کر دیا اور کیسا فتویٰ دیدیا؟ سارے علاقہ میں تمہارے فتوی سے کہرام مچ گیا ہے' اور اس بارے میں شعراء نے بھی کہنا شروع کر دیا ہے!! انہوں نے کہا: شعراء کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے کہا: کہہ رہے ہیں:

===

چھوڑ دے، اور قسامہ [1] کے مسئلہ میں مدعیٰ علیہ کو پہلے قسم کھلانے [2] اسی طرح جنبی کے تیمم نہ کرنے کی بابت عمر رضی اللہ عنہ کی بات چھوڑ دے اور سمندر کے پانی سے وضو کی کراہت، اور جنبی اور حائضہ کے جوٹھے وغیرہ مسائل کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ترک کر دے، اور اسی طرح نماز میں وضو ٹوٹ جانے والے کے بقیہ نماز پر بنا کرنے اور بنو تغلب کے ذبیحے نہ کھانے [3] اور دیگر مرویات کے سلسلہ میں علی رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ دے، وہ ان میں سے کسی ایک کی جدائی سے کیسے وحشت محسوس کر سکتا ہے؟ جبکہ اس کے پاس نبی کریم ﷺ کی سنت موجود ہے، جو اختلاف کے موقع پر مرجع و سرچشمہ ہے!! اور ایک دو یا تین صحابہ سے رسول اللہ ﷺ کی کسی ماثور سنت کا پوشیدہ رہ جانا کوئی عیب ونکیر کی بات نہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی وسعت علمی اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ گہرے لگاؤ کے باوجود شوہر کی دیت سے بیوی کو وراثت ملنے کی حدیث [4]، اور جنین (ماں کے پیٹ سے ساقط

=== قَالَ الْمُحَدِّثُ لَمَّا طَالَ مَجْلِسُهُ يَا صَاحِ هَلْ لَكَ فِي فُتْيَا ابْنِ عَبَّاسٍ
فِي بَضَّةٍ رَخْصَةِ الْأَطْرَافِ انِسَةٍ تَكُونُ مَثْوَاكَ حَتَّى مَرْجِعِ النَّاسِ

جب محدث کی مجلس طویل ہوگئی (قیام لمبا ہوگیا) تو انہوں نے کہا: ارے بھائی کیا آپ کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتوی کے مطابق نرم و نازک گوری عورت چاہئے جو محبت وانسیت کی باعث ہو، وہ لوگوں کے واپس ہونے تک آپ کی پناہ گاہ ہو جائے!!!

یہ سن کر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، اللہ کی قسم! میں نے یہ فتوی نہیں دیا ہے، نہ یہ میرا مقصد ہے، میں نے صرف اسی صورت میں حلال کیا ہے، جس صورت میں اللہ تعالی نے مردار، خون، اور خنزیر کا گوشت حلال کیا ہے، جو مضطر کے لئے حلال ہوتا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اس فتوی سے رجوع کر لیا تھا۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، نیز اسے فاکہی اور بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے، دیکھئے: فتح الباری (۹/ ۱۷۲)۔

(۱) التمہید میں: "اور مزنی (قبیلہ مزینہ کے شخص) پر قیمت دوگنی کرتے" کا اضافہ ہے۔

(۲) القسامہ: کچھ قسموں کا نام ہے جو کسی کی جان لینے کے بارے میں متہم لوگوں سے کھلوائی جاتی ہیں، التعریفات، از جرجانی (ص ۲۲۴)، یعنی قبیلہ کے پچاس لوگ قسم کھائیں کہ انہوں نے مقتول کو قتل نہیں کیا ہے۔

(۳) یہ حسب ذیل آیت کریمہ کے عموم سے علی رضی اللہ عنہ کا بنو تغلب کے نصاری کا استثناء ہے، ارشاد باری ہے:

﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ [المائدۃ:۵]۔ (اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے)

چنانچہ انہوں نے ان لوگوں کو مشرکین کے حکم میں شامل کیا تھا، کیونکہ یہ نصرانیت کے کسی عقیدہ وعمل پر نہ تھے سوائے نام کے، بلکہ عرب کے بت پرستوں سے زیادہ قریب تھے۔

(۴) اسے امام ابوداود (حدیث ۲۹۲۷)، ابن ماجہ (حدیث ۲۶۴۲)، احمد (۳/ ۴۵۲)، اور امام مالک (حدیث ۱۶۱۹) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح سنن ابوداود (حدیث ۲۵۴۰) میں صحیح قرار دیا ہے۔

ہونے والا ناقص بچہ) کی دیت کی حدیث [1]، اور اجازت طلبی کی حدیث [2] پوشیدہ رہ گئی، اور دوسروں کو معلوم تھیں، نیز ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دادی یا نانی کی وراثت کی حدیث اوجھل رہ گئی [3]۔

تو ان دونوں بڑے صحابہ کے علاوہ دیگر لوگوں سے بدرجہ اولیٰ خاص احکام سے متعلقہ سنتیں مخفی رہ سکتی ہیں، اور اس قسم کی کسی بات سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

ابن شہاب رحمہ اللہ جو دین اسلام کے عظیم علماء میں سے ہیں، کہتے تھے:

''دھاردار دانت والے (جس سے حملہ کرتا ہو) درندوں کے کھانے کی ممانعت میں نے سنی ہی نہ تھی، یہاں تک کی ملک شام گیا'' [4]۔ اور کسی عالم سے خاص علم کے بھی پوشیدہ رہ جانے کا انکار نہیں کیا جا سکتا'' [5]۔ بات ختم ہوئی۔

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ: درندوں کو اگر کھال سمیت ذبح کیا جائے تو اس کا بیچنا، پہننا اور اس پر نماز پڑھنا حلال ہو جائے گا'' [6]۔

اور اشہب امام مالک سے روایت کرتے ہیں [7]:

---

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۶۹۰۸)، ومسلم (حدیث ۱۶۸۳)، وغیرہ نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ: ''عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا کسی نے نبی کریم ﷺ کو سقط (کی دیت) کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے ہوئے سنا ہے...'' اور ذکر کیا، نیز دیکھئے: (ص ۸۷)۔

(۲) اسے امام بخاری (حدیث ۲۰۶۲)، ومسلم (حدیث ۲۱۵۳) وغیرہ نے عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے:

''أَنَّ أَبَا مُوسَى الأَشْعَرِيَّ: اسْتَأْذَنَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، وَكَأَنَّهُ كَانَ مَشْغُولًا، فَرَجَعَ أَبُو مُوسَى، فَفَرَغَ عُمَرُ، فَقَالَ: أَلَمْ أَسْمَعْ صَوْتَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ ائْذَنُوا لَهُ، قِيلَ: قَدْ رَجَعَ، فَدَعَاهُ فَقَالَ: ''كُنَّا نُؤْمَرُ بِذَلِكَ''، فَقَالَ: تَأْتِينِي عَلَى ذَلِكَ بِالْبَيِّنَةِ... ''الحدیث۔

کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں اجازت چاہی تو اجازت نہ ملی شاید وہ مشغول تھے، چنانچہ ابوموسیٰ لوٹ گئے، جب عمر رضی اللہ عنہ فارغ ہوئے تو فرمایا: شاید میں نے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) کی آواز نہیں سنی ہے، انہیں اجازت دو۔ بتایا گیا کہ وہ واپس ہو گئے ہیں، چنانچہ انہوں نے انہیں بلوایا (اور اس کا سبب پوچھا) تو انہوں نے فرمایا: ہمیں اسی بات حکم دیا جاتا تھا۔

(۳) اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۴) اس اثر کو امام بخاری (حدیث ۵۷۸۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(۵) التمہید، (۱/۱۵۹-۱۶۰)۔

(۶) التمہید، (۱/۱۵۹-۱۶۲)۔

(۷) التمہید، (۱/۱۶۲) میں (کتاب الضحایا من المستخرجۃ) کا اضافہ ہے۔

"جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا، ان کی کھالیں دباغت سے پاک نہ ہوں گی"[1]۔

اور محمد بن حکم[2] اشہب کے حوالہ سے بیان کرتے ہوئے[3] فرماتے ہیں:

"درندوں کا ذبح کرنا جائز نہیں، اور اگر انہیں کھال کے لئے ذبح کیا جائے تو بھی ان کی کھال کے کسی بھی حصہ سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا، اِلا یہ کہ دباغت دی جائے"۔

ابو عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابن عبدالحکیم کا قول نیز جو انہوں نے اشہب سے بیان کیا ہے' حجاز، عراق اور شام کے اہل نظر و اثر فقہاء کا یہی موقف ہے، اور یہی صحیح ہے جو اس سلسلہ میں امام مالک کے اصول سے میل کھاتا ہے، اس کے علاوہ کوئی موقف رکھنا درست نہیں' کیونکہ اس سلسلہ میں دلائل واضح ہیں، اگرچہ کہ اس کا تجربہ نہیں کیا جاسکتا سوائے اس کے جسے محرم ذبح کردے' یا جسے حرم میں ذبح کیا جائے، ایسی صورت میں بھی وہ ذبح کرنا نہیں کہلائے گا' کیونکہ ممانعت وارد ہے' اور خنزیر کا بھی یہی مسئلہ ہے۔

اور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اختلاف حجت و دلیل نہیں ہے' بلکہ اختلاف کے موقع پر دلیل و حجت کا مطالبہ لازم ہوتا ہے' تاکہ اختلاف میں حق واضح ہو، اور درندوں کی حرمت کے بارے میں صحیح سنت سے واضح دلیل آچکی ہے، اور درندوں میں ذبح کرنے کے عمل کا کارآمد ہونا محال ہے، اور جب ذبح کارآمد نہیں ہے' تو اس کی زیادہ سے زیادہ حالت یہ ہے کہ وہ مردار ہے، جسے دباغت سے پاک کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس مسئلہ کی بابت صحیح ترین قول ہے، اور اشہب نے امام مالک سے جو روایت کیا ہے اس کی بھی ایک وجہ بنتی ہے، لیکن ابن القاسم نے امام مالک سے جو روایت کیا ہے' اس کی کوئی صحیح توجیہ نہیں بنتی ہے' سوائے ان کی اس توجیہ کے جو ہم ذکر کرچکے ہیں کہ نہی یعنی ممانعت کو تحریم کے بجائے تنزیہ پر محمول کیا جائے، اور یہ ایک ضعیف توجیہ ہے جس کی کسی صحیح دلیل سے

---

(۱) التمہید، (۱/ ۱۶۲)۔

(۲) یہ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، ابو عبداللہ ہیں، امام شافعی کی صحبت اختیار کی، فقیہ اور نیک شخص تھے، ان کی بہت ساری تصنیفات ہیں، ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۶۸ھ میں وفات پائے، الدیباج المذہب، از ابن فرحون (۲/ ۱۶۳-۱۶۵)۔

(۳) یہ اشہب بن عبدالعزیز بن داود ابو عمر قیسی عامری ہیں، ان کا نام مسکین اور لقب اشہب ہے، امام مالک کے شاگردان میں سے ہیں، امام شافعی فرماتے ہیں: میں نے اشہب سے زیادہ فقہ والا نہیں دیکھا، ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۰۴ھ میں امام شافعی کی وفات کے اٹھارہ دنوں کے بعد مصر میں وفات پائے۔

تائید نہیں ہوتی ہے، اور توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے"[1]۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: امام ابوعمر کی ذکر کردہ بات سے واضح ہوا کہ متاخرین نے بتقاضائے مالکیت جو اصول بنایا ہے کہ مدونہ میں امام مالک کا قول مدونہ اور غیر مدونہ میں دوسروں کے قول پر مقدم ہے، اسی طرح مدونہ میں ابن القاسم کا قول مدونہ اور غیر مدونہ میں دوسروں کے قول پر مقدم ہے' وغیرہ' وہ ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔

کوئی قول کتاب وسنت، یا اجماع یا قیاس کی دلیل کی بنا پر راجح ہوتا ہے' محض کسی متعین کتاب میں موجود ہونے کی بنا پر نہیں' جیسے مدونہ، کیونکہ ابن القاسم کی مذکورہ روایت جسے امام ابوعمر نے ضعیف قرار دیا ہے' وہ مدونہ میں ہے' اور اشہب اور ابن عبد الحکیم کی روایت جسے انہوں نے صحیح قرار دیا ہے' وہ مدونہ میں نہیں ہے' بلکہ وہ عتبیہ[2] میں ہے، جبکہ متاخرین مالکیہ نے راگ الاپا ہے کہ فلاں قول یا روایت محض مدونہ میں موجود ہونے کی وجہ سے راجح ہے' گرچہ وہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کے خلاف ہو، جیسا کہ نماز میں دونوں ہاتھوں کو چھوڑنے کے مسئلہ میں، اور صحیح احادیث کو جو نسخ ومعارض سے خالی ہیں' رد کر دیا ہے[3]، اور انہیں امام مالک اور ان کے دیگر ثقہ شاگردوں

---

(۱) التمہید، (۱/۱۶۵)۔

(۲) یہ اپنے مولف محمد العتبی بن احمد بن عبد العزیز بن عتبہ قرطبی کی طرف منسوب ہے، ۲۵۴ھ میں وفات پائے، اس کتاب میں مالکی مسلک کے مسائل درج ہیں، الدیباج (۲/۱۷۶-۱۷۷)، علامہ ابوزید نے اسے ابواب پر مرتب کیا ہے۔

(۳) یہ حدیث کئی صحابہ سے مروی ہے، ان میں سے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہیں: ان کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۷۴۰)، احمد (۵/۳۳۶)، اور امام مالک (حدیث ۳۷۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں:

"كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ"۔

صحابہ کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔

اور فعلی سنت کو وائل بن حجر نے بیان کیا ہے، جسے امام مسلم (حدیث ۴۰۱)، ابوداود (حدیث ۷۲۳، ۷۲۶، ۷۵۹)، اور نسائی (حدیث ۸۸۹) نے (بائیں ہاتھ پکڑنے کے بجائے) ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

"عَلَى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ"۔

اپنی بائیں ہتھیلی کی پشت اور گٹے اور بازو پر رکھے۔

اور حدیث (۱۲۶۵) اور اسی طرح ابن ماجہ (حدیث ۸۱۰) میں "أَخَذَ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ" (اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا) کے الفاظ ہیں۔

اسی طرح ہلب بن یزید بن قنافہ طائی روایت کرتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَؤُمُّنَا، فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ"۔

===

وغیرہ کے واسطے سے محض ابن القاسم کی روایت کے مدونہ میں ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔

محقق علامہ مقری اپنے قواعد[1] میں فرماتے ہیں:

''ماہر اور ذی علم مشائخ کے یہاں امام کے ظاہری نص کی اتباع' جبکہ وہ اصول شریعت کے خلاف ہو' جائز نہیں، امام باجی[2] فرماتے ہیں: میں امام مالک کے خلاف اہل اندلس سے زیادہ سخت بات کسی کی نہیں جانتا، کیونکہ مالک رحمہ اللہ اصول شریعت کی خلاف ورزی کی صورت میں اپنے راویوں کی تقلید جائز نہیں قرار دیتے ہیں' اور اہل اندلس اس پر اعتماد نہیں کرتے تھے''، بات ختم ہوئی۔

نیز فرماتے ہیں:

''قاعدہ: احادیث کو مذہب کی طرف اس طرح لوٹانا جائز جائز نہیں جس سے اس کی رونق پامال ہو' اور اس کے ظاہر سے اعتماد ختم ہو جائے' کیونکہ یہ احادیث کو بگاڑنا اور اس کی ناقدری کرنا ہے، احادیث کے بگاڑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ مذاہب کی سدھار نہ کرے اور ان کا مقام گھٹانے کے ساتھ مذاہب کو بلند نہ کرے۔ کیونکہ ہر بات کو لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی، سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ کے' کہ انہیں مطلق طور پر چھوڑا نہیں جا سکتا، اس لئے کہ واجب یہ ہے کہ مذاہب کو احادیث کی طرف لوٹایا جائے، جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے فرمایا ہے، نہ کہ احادیث کو مذاہب کی طرف لوٹایا جائے' جیسا کہ اس سلسلہ میں احناف خصوصاً اور لوگ عموماً تسامح سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ

=== رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کرتے تو اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے۔

اسے امام ترمذی (حدیث ۲۵۲)، اور ابن ماجہ (حدیث ۸۰۹) نے روایت کیا ہے۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عملی ممانعت روایت کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

''رَآنِي النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ وَضَعْتُ شِمَالِي عَلَى يَمِينِي فِي الصَّلَاةِ، فَأَخَذَ بِيَمِينِي فَوَضَعَهَا عَلَى شِمَالِي''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں نے نماز میں اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھا ہے، تو آپ نے میرے دائیں ہاتھ کو پکڑا اور اُسے بائیں ہاتھ پر رکھا۔

اسے امام ابوداود (حدیث ۷۵۵)، ابن ماجہ (حدیث ۸۱۱)، اور نسائی (حدیث ۸۸۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(۱) مجھے ان کی سیرت اور کتاب سے واقفیت نہ ہوسکی۔

(۲) یہ سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب بن وارث، ابوالولید الباجی قاضی اور فقیہ ہیں، ان کی بہت ساری تصنیفات ہیں، ان میں سے المنتقی شرح الموطا ہے، ۴۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۴ھ میں وفات پائے، اور رباط میں دفن کئے گئے۔

احادیث کا ظاہر اُن کی مخالفت کرنے والے کے خلاف حجت ہے' یہاں تک کہ ان کے مقابل کوئی حجت پیش کرے، تو ہم اُن دونوں میں مطلق طور پر اور من وجہ اس حیثیت سے تطبیق تلاش کریں گے کہ حجت و دلیل پہیلی اور چیستاں نہ بن جائے' نہ ہی انہیں اُن عام مخاطبت سے طریقوں سے خارج کرے جن پر شریعت مبنی ہے، اور نہ ہی فصاحت و بلاغت کے پہلوؤں میں خلل پیدا کرے جو شارع سے طبعی طور پر صادر ہوا ہے، اور اگر یہ چیز نہ میسر ہوگی تو نسخ کے لئے تاریخ تلاش کی جائے گی، اور اگر تاریخ بھی معلوم نہ ہو سکے گی تو اصل کے ذریعہ سہی' ترجیح کی راہ اپنائی جائے گی، بصورت دیگر دونوں روایتیں مناظرہ کے فیصلہ میں ساقط قرار پائیں گی اور ہر ایک کا موقف اپنے پاس محفوظ رہے گا، اور اس سے منتقل ہونے کے حکم میں توقف اور اختیار واجب ہوگا، اور صحیح رائے کے مطابق منتقل ہونا جائز ہے''۔

قاعدہ: جدال ومخاصمت کے طریقوں سے باہمی حجت بازیوں کے ذریعہ مذاہب کی منصوبہ بند تائید وحمایت کی خاطر اس کے لئے تعصب کرنا جائز نہیں' باوجودیکہ جواب دینے والے کو اپنی غلطی اور مذہب کی مرجوحیت کا پتہ ہوتا ہے، جیسا کہ اختلاف کرنے والے کیا کرتے ہیں، سوائے دلائل قائم کرنے کی تدریب ومشاقی اور رہروی کی تعلیم کے طور پر، اور وہ بھی حق بیان کرنے کے بعد؛ کیونکہ حق اس سے کہیں بلند ہے کہ اُسے بلند کیا جائے' اور اس سے کہیں غالب ہے کہ اسے غالب کیا جائے۔ اس کی وجہ ہے کہ جسے بھی دلائل قائم کرنے اور حجت ثابت کرنے کا راستہ ملتا ہے وہ حق کو قطعاً کبھی کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھتا، نیز ہم بھی اختلاف کے معاملہ میں کبھی کسی منصف کو نہیں دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے امام کے مذہب کے علاوہ کی تائید کرتا ہو، ساتھ ہی ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ حق اس کے مخالف کی کسی رائے میں دکھائی دیتا ہے! اور یہ رویہ دین کی تحقیر کے ذریعہ ائمہ مقلَّدین کی تعظیم اور حق وہدایت پر خواہش نفسانی کو ترجیح دینا ہے' حالانکہ حق ان کی خواہشات کی پیروی نہیں کرسکتا۔

اور علی رضی اللہ عنہ کی بھی کیا شان ہے، ان کا دونوں پہلو کس علم کے سمندر سے وابستہ تھا! جب کمیل نے اُن سے پوچھا: کیا آپ کا خیال ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ آپ حق پر ہیں اور طلحہ وزبیر ناحق پر؟! تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اعرِفِ الرِّجَالَ بِالْحَقِّ، وَلَا تعرِفِ الْحَقَّ بِالرِّجَالِ، اعرِفِ الْحَقَّ لِتَعرِفَ رِجَالَهُ''۔

لوگوں کو حق کے ذریعہ پہچانو، حق کو لوگوں کے ذریعہ نہیں' حق پہچانو تاکہ حق والوں کو پہچان سکو۔

اور ارسطو نے جب اپنے استاذ افلاطون کی مخالفت کی تو بڑی پیاری بات کہی تھی: آپ حق اور افلاطون سے جھگڑتے ہیں' حالانکہ دونوں میرے دوست ہیں، اور حق اُن سے بھی بڑا دوست ہے''۔

شیخ احمد زروق عدۃ المرید الصادق[1] میں رقمطراز ہیں:

ابو اسحاق شاطبی فرماتے ہیں[2]: ''اس سلسلہ میں معتبر صوفیاء نے یعنی جنید[3] اور ان جیسے دیگر لوگوں نے جو کچھ کیا ہے وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے: یا تو وہ ایسی چیزیں ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل ثابت ہوگی' تو وہ اس کے حلیف اور مددگار ہیں' جیسا کہ سلف صحابہ و تابعین حلیف تھے، اور یا تو شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہوگی تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ سنت پوری امت پر حجت ہے' امت کے کسی فرد کا عمل سنت پر حجت نہیں ہے' کیونکہ سنت غلطی سے معصوم ہے، اور صاحب سنت نبی ﷺ بھی معصوم ہیں، جبکہ ساری امت کے لئے عصمت ثابت نہیں ہے' سوائے خاص حالت میں جب ان کا اجماع ہو جائے، اور جب اجماع ہوگا تو ان کا اجماع دلیل شریعت کو شامل ہوگا، لہٰذا صوفیاء اور مجتہدین بھی دیگر لوگوں کی طرح ہیں' جن کے لئے عصمت ثابت نہیں ہے' ان سے غلطی، بھول چوک، چھوٹے بڑے گناہ اور حرام و مکروہ بدعتیں سرزد ہو سکتی ہیں۔ اس لئے علماء نے کہا ہے: ہر بات میں کچھ لیا اور کچھ چھوڑا بھی جا سکتا ہے' سوائے نبی کریم ﷺ کی بات کے''۔

فرماتے ہیں:

امام قشیری[4] رحمہ اللہ نے اس نقطہ کو بخوبی واضح کیا ہے، فرماتے ہیں: اگر پوچھا جائے کہ: کیا ولی بھی معصوم ہوتا ہے؟ تو جواب دیا جائے گا: رہا مسئلہ وجوبی حیثیت کا' جیسے انبیاء معصوم ہوتے ہیں' تو نہیں۔ البتہ اس طرح کہ گناہوں

---

(۱) یہ احمد بن احمد بن محمد بن عیسیٰ البرنسی الفاسی، معروف بہ زروق فاسی مالکی، ابو العباس شہاب الدین، فقیہ، محدث' اہل فاس مغرب کے ہیں، ۸۴۶ھ میں پیدا ہوئے اور طرابلس مغرب میں ۸۹۹ھ میں وفات پائے، ان کی بہت ساری تالیفات ہیں، اور ان کی یہ کتاب ''عمدۃ المرید الصادق من أسباب المقت في بیان الطریق وحوادث الوقت'' ہے، ان کی تالیفات کے لئے دیکھئے: ھدیۃ العارفین (۵/ ۱۳۶-۱۳۷)، نیز دیکھئے: الاعلام، از زرکلی (۱/ ۸۷-۸۸)۔

(۲) یہ علامہ ابراہیم بن موسیٰ بن محمد لخمی غرناطی ہیں، شاطبی سے مشہور ہیں، اصولی، مفسر، فقیہ اور ٹھوس علماء محققین میں نمایاں شخصیت کے مالک ہیں، ان کی بہت ساری تالیفات ہیں: ان میں سے الاعتصام اور الموافقات وغیرہ ہیں، ۷۹۰ھ میں وفات پائے، ھدیۃ العارفین (۳/ ۱۸)۔

(۳) یہ جنید بن محمد بن جنید نہاوندی پھر بغدادی، صوفیہ کے پیر ہیں، ۲۲۰ھ کے بعد پیدا ہوئے، سیر اعلام النبلاء، (۱۴/ ۶۶)۔

(۴) شاید یہ عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک بن طلحہ نیشاپوری قشیری، (بنو قشیر بن کعب کے تعلق رکھنے والے) ابو القاسم، زین الاسلام ہیں، جو اپنے وقت میں خراسان کے شیخ تھے، ان کی التفسیر الکبیر، الرسالۃ القشیریہ اور دیگر کتابیں ہیں، ۳۷۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۶۵ھ میں وفات پائے، دیکھئے: الاعلام، از زرکلی (۴/ ۱۸۰)، والوفیات (۱/ ۲۹۹)، وتاریخ بغداد (۱۱/ ۸۳) وغیرہ۔

پر اصرار سے محفوظ رہے لیکن بسا اوقات اس سے کچھ غلطیاں اور لغزشیں بھی سرزد ہو جاتی ہوں تو ان کے حق میں یہ وصف ممنوع نہیں ہے"۔

کہتے ہیں: جنید سے پوچھا گیا: کیا عارف زنا کرسکتا ہے؟ تو وہ دیر تک سر جھکائے رہے پھر اپنا سر اٹھایا اور کہا:

﴿وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾﴾ [الاحزاب:۳۸]۔

اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کئے ہوئے ہیں۔

فرماتے ہیں: یہ انصاف پروری کی بات ہے، لہٰذا جیسے دیگر لوگوں سے بدعت وغیرہ کا گناہ سرزد ہو سکتا ہے اسی طرح ان سے بھی بدعتیں سرزد ہو سکتی ہیں، اس لئے ہم پر واجب ہے کہ اس ذات (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی اقتدا میں کھڑے رہیں جس سے غلطی کا صدور ہو ہی نہیں سکتا اور ان لوگوں کی پیروی سے دور رہیں جن سے غلطی کا صدور ممکن ہے جب ان کی اقتداء میں دشواری ظاہر ہو، بلکہ ائمہ کرام سے آئی ہوئی تمام باتوں کو کتاب وسنت پر پیش کیا جائے گا جسے دونوں قبول کریں گے اسے ہم بھی قبول کریں گے اور جسے وہ دونوں قبول نہیں کریں گے اسے ہم بھی چھوڑ دیں گے ہم پر کوئی ملامت نہیں کیونکہ ہمارے پاس شارع علیہ السلام کی اتباع کرنے پر دلیل قائم ہے، اور فقہاء اور صوفیاء کے اقوال واعمال کی اتباع پر دلیل قائم نہیں ہے سوائے انہیں کتاب وسنت پر پیش کرنے کے بعد، اور ان کے مشائخ نے اسی بات کی وصیت فرمائی ہے، نیز یہ کہ وجد و ذوق والا صوفی جو بھی علوم، احوال اور سمجھ لائے گا اسے کتاب وسنت پر پیش کیا جائے گا، اگر کتاب وسنت اسے قبول کریں گے تو وہ درست ہوگا ورنہ درست نہیں ہوگا"۔

فرماتے ہیں: پھر دوسری بات ہم یہ کہتے ہیں کہ:

اگر ہم ان کی ان رسموں کو جنہیں انہوں نے طے کیا ہے اور ان اعمال وحرکات کو جن کے ذریعہ وہ دیگر لوگوں سے نمایاں ہیں حسن ظن اور بہتر توجیہ تلاش کرتے ہوئے دیکھیں لیکن ہمیں کوئی توجیہ نہ مل سکے، تو ان کی اقتداء سے توقف کرنا واجب ہے گرچہ کہ وہ ان لوگوں کی جنس سے ہیں جن کی اقتدا کی جاتی ہے اور یہ ان پر رد واعتراض کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ ان چیزوں کے شرعی قواعد کی طرف پلٹنے کی وجہ کیا ہے جس طرح دوسری چیزیں ہماری سمجھ میں آئیں"۔

پھر کچھ گفتگو کے بعد (شاطبی) فرماتے ہیں:

لہٰذا سلوک میں ان کی رائے پر چلنے کے اعتبار سے واجب ہے کہ ان کے طور طریقہ میں جو چیزیں شرعی دلائل

سے متعارض ہوں ان پر عمل نہ کیا جائے اور ایسا کرنے میں ہم ان کے آثار کے پیروکار اور ان کی روشنیوں سے رہنمائی لینے والے ہوں گے، برخلاف ان لوگوں کے جو دلائل سے اعراض کرتے ہوئے ان کی تقلید پر جم جاتے ہیں جس میں خود ان کے مذہب کے مطابق ان کی تقلید صحیح نہیں ہے، چنانچہ شرعی دلائل، فقہی نظر اور صوفی رسوم سب اس کی مذمت اور تردید کرتی ہیں اور اس کی مدح وستائش کرتی ہیں جو احتیاط و جستجو کرے اور اشتباہ کے وقت توقف سے کام لے اور اپنے دین وآبرو کی حفاظت کرے، یہ بڑا نادر علم ہے اور توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے"۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: ہم نے ان ائمہ کی باتوں سے سمجھ لیا کہ جو بھی کسی پیش آمدہ مسئلہ میں علماء مجتہدین میں سے کسی کی یہ ظاہر ہو جانے کے بعد تقلید کرے، کہ اس امام کی رائے کتاب وسنت کی کسی نص یا اجماع یا قیاس کے خلاف ہے اور مقلد مذکور نص کو جاننے کے باوجود امام کی تقلید پر ڈٹا رہے تو وہ اس امام مذکور کی اقتداء کے دعوے میں جھوٹا ہے، اور اس کی تقلید میں بھی جھوٹا ہے بلکہ وہ اپنی خواہش نفسانی اور عصبیت کا پیروکار ہے، تمام ائمہ اس سے بری ہیں، کیونکہ اس نے ائمہ کو وہی حیثیت دے رکھی ہے جو اہل کتاب کے علماء نے اپنے نبیوں کو دی تھی، بایں طور کہ وہ اپنے انبیاء کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ ان کے انبیاء نے انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے اور آپ کو اذیت دیتے ہیں۔

اور ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے سے تمام انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانا لازم آتا ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا ہے اور اپنی امت سے عہد و پیمان لے چکا ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور آپ کی مدد کریں گے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی ان سے اس بات کا پیمان لے چکا ہے[1]۔

لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے والے اہل کتاب کے علماء کا موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے دین پر ہونے کا دعویٰ جھوٹا

---

(۱) اللہ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴾ [آل عمران:۸۱]۔

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

ہے، کیونکہ موسیٰ وعیسیٰ اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام ان علماء یہود سے بری ہیں' کیونکہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے والے ہیں، اور یہی معاملہ کسی مسئلہ میں ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید پر ڈٹے رہنے کا ہے' جس مسئلہ میں اس امام مجتہد کی رائے مذکورہ اصول اربعہ میں سے کسی اصول کے خلاف ہو اور اس مقلد کو معلوم ہو کہ امام مذکور کی رائے اصول شریعت کے خلاف ہے اس کے باوجود وہ اس تقلید پر قائم رہے' تو وہ شخص اپنے دعوائے تقلید میں جھوٹا اور اپنے امام کا مخالف ہے' بلکہ چاروں اماموں کا مخالف ہے' کیونکہ ان سبھوں نے اپنے پیروکاروں کو مذکورہ اصول شریعت کی مخالفت سے ڈرایا اور چوکنا کیا ہے' لہٰذا چاروں ائمہ اس سے بری ہیں' اور وہ ان سے بری ہے' بلکہ وہ ہوا پرست بدعتی، گمراہ اور گمراہ گر ہے' اس سلسلہ میں کسی مسلمان کو شک نہیں۔

عثمان بن عمر (1) فرماتے ہیں:

ایک شخص امام مالک کے پاس آیا اور ان سے کوئی مسئلہ پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایسا ایسا فرمایا ہے، آدمی نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

﴿ فَلْيَحْذَرِ ٱلَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِۦٓ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ ﴾ [النور: ٦٣]۔

سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

امام مالک فرماتے ہیں: لوگوں کے یہاں فتویٰ میں یہ طریقہ نہیں تھا کہ کہا جائے: آپ نے یہ بات کیوں کہی؟ بلکہ لوگ روایت پر اکتفا کرتے تھے اور اس سے راضی ہوتے تھے۔

جنید فرماتے ہیں:

''تمام راستے بند ہیں' سوائے ان کے لئے جو رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم کے پیروکار ہیں''۔

نیز فرماتے ہیں:

''ہمارا علم کتاب وسنت میں مقید ہے، لہٰذا جو حدیث نہ سنے بلکہ صرف فقہاء کی ہم نشینی کرے اور ادب یافتگان

---

(1) شاید یہ ابن الحاجب، عثمان بن عمر بن ابوبکر، ابوعمرو جمال الدین، مشہور مالکی فقیہ ہیں، فقہ اور زبان عربی وغیرہ میں آپ کی کئی تصنیفات ہیں، ٦٤٦ھ میں وفات پائے، الدیباج المذھب (٢/ ٨٦)، وشذرات الذھب (٥/ ٢٣٤)، ووفیات الاعیان (٣/ ٢١٣)، والاعلام، از زرکلی (٤/ ٣٧٤)۔

سے ادب سیکھے، وہ اپنے پیروکاروں کو تباہ کر دے گا''۔

سہل بن عبداللہ تستری [1] فرماتے ہیں:

''ہمارے اصولوں کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے: کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حلال کھانا، کسی کو تکلیف دینے سے بچنا، گناہوں سے اجتناب کرنا اور حقوق ادا کرنا''۔

ابو عثمان حیری [2] رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو سنت کو قولی و عملی طور پر اپنا امیر (اسوہ اور قائد) بنالیتا ہے وہ حکمت سے بات کرتا ہے، اور جو خواہش نفسانی کو اپنا قائد بنالیتا ہے وہ بدعت سے بات کرتا ہے''۔

میں کہتا ہوں: یعنی آدمی کوئی ایسا معاملہ لائے جس کی کوئی وجہ یا صاحب شریعت کی جانب سے کوئی دلیل نہ ہو خواہ وہ خیر ہو یا دیگر۔

پھر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ [النور: ۵۴]۔

ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔

ابو العباس بن عطاء اللہ [3] فرماتے ہیں:

---

(۱) یہ سہل بن عبداللہ بن یونس تستری، ابو محمد تصوف کے امام اور علوم اخلاص، ریاضیات اور افعال کے عیوب وغیرہ میں گفتگو کرنے والے ان کے علماء میں سے ہیں، ان کی تفسیر قرآن ہے جو مطبوع ہے، اسی طرح رقائق المحبین وغیرہ ہے، الاعلام، از زرکلی، (۳/ ۲۱۰)، وحلیۃ الاولیاء (۱۰/ ۱۸۹)، ووفیات الاعیان، (۱/ ۲۱۸)۔

(۲) یہ امام محدث واعظ استاذ ابو عثمان سعید بن اسماعیل بن سعید بن منصور نیشاپوری حیری ہیں، حمیری نہیں، جیسا کہ مطبوعہ نسخہ میں ہے۔ ۲۳۰ھ میں رَیّ میں پیدا ہوئے، اور ۲۹۸ھ میں وفات پائے۔ امام ذہبی نے ان کا قول سیر اعلام النبلاء، (۱۴/ ۶۲-۶۶) میں ذکر کیا ہے، پھر امام ذہبی کہتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [ص: ۲۶]۔

اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔

(۳) شاید یہ ابن عطاء اللہ اسکندری، احمد بن محمد بن عبدالکریم، ابو الفضل تاج الدین، الحکم العطائیہ، صوفی ہیں، ۷۰۹ھ میں قاہرہ میں وفات پائے، الاعلام، از زرکلی (۱/ ۲۱۳)، وکشف الظنون (۶۷۵)، والدرر الکامنۃ (۱/ ۱۷۳)، بسا اوقات ان میں اور ابن عطاء البغدادی میں تداخل ہو جاتا ہے، ان کی کنیت ابو العباس اور نام احمد بن محمد بن سہل آدمی بغدادی ہے، یہ بھی صوفی ہیں، حلیۃ الاولیاء (۱۰/ ۳۰۲)، سیر اعلام النبلاء، (۱۴/ ۲۵۵-۲۵۶)، مولف نے پہلے کے نام اور دوسری کی کنیت کو یکجا کر دیا ہے، مقصود صاحب الحکم العطائیہ ہے جیسا کہ آئے گا۔

''جو اپنے آپ کو سنت کے آداب کا پابند کر لے گا؛ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو معرفت کے نور سے منور کر دے گا' حبیب کبریا ﷺ کے افعال و اوامر اور اقوال و اخلاق میں آپ کی پیروی سے زیادہ شرف والا مقام کوئی نہیں''۔

ابوحمزہ بغدادی [1] فرماتے ہیں:

''اللہ کی راہوں کی رہنمائی کا رسول گرامی ﷺ کے اقوال و افعال اور احوال و احکام کی پیروی کے سوا کوئی راستہ نہیں''۔

ابوسلیمان دارانی [2] فرماتے ہیں:

''جیسے ہی لوگوں کی بات کا کوئی نکتہ میرے دل میں اترتا ہے' میں فوراً اس سے کہتا ہوں: میں کتاب وسنت کے دو عادل گواہوں کے بغیر تجھے قبول نہیں کر سکتا''۔

شبلی [3] سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا: ''تصوف رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا نام ہے''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ۖ وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾﴾ [یوسف:۱۰۸]۔

آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے۔ میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں نہیں۔

---

(۱) شاید یہ محمد بن ابراہیم بغدادی، زاہد صوفی ہیں، ان کے یہاں حالت رقص اور وجد ونشہ کی بکواس، انحرافات اور تاویلات ہیں، ۲۶۹ھ میں وفات پائے۔ حلیۃ الاولیاء (۱۰/ ۳۲۰-۳۲۲)، سیر اعلام النبلاء (۱۳/ ۱۶۵-۱۶۸)، تاریخ بغداد (۱/ ۳۹۰-۳۹۴)، وطبقات الحنابلۃ (۱/ ۲۶۸-۲۶۹)۔

(۲) یہ امام عبدالرحمن بن احمد بن عطیہ، اور کہا گیا ہے، ابن عسکر عنسی، ابوسلیمان دارانی، مشہور زاہد ہیں، ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۵ھ میں وفات پائے۔ ان کے قول کو امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں روایت کیا ہے (۱۰/ ۱۸۳)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں ذکر کیا ہے (۱۰/ ۲۵۵)، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء (۱۰/ ۱۸۲-۱۸۶)، تاریخ بغداد (۱۰/ ۲۴۸-۲۵۰)، وحلیۃ الاولیاء (۹/ ۲۵۴-۲۸۰)، والانساب، از سمعانی (۵/ ۲۲۳)۔

(۳) یہ دلف بن جحدر، ابو بکر شبلی ہیں، رستاق ری کے علاقہ دنباوند کے والی تھے، پھر صوفیت کی راہ اپنا لیا، ان کی نسبت ماوراء النھر کے شبلہ نامی ایک گاؤں کی طرف ہے، ان کی پیدائش ۲۴۷ھ میں سر من رای میں ہوئی اور ۳۳۴ھ میں بغداد میں وفات پائے۔ الاعلام، از زرکلی (۳/ ۲۰-۲۱)، ووفیات الاعیان (۱/ ۱۸۰)، النجوم الزاھرۃ (۳/ ۲۸۹)، وسیر اعلام النبلاء (۱۵/ ۳۶۷-۳۶۹)، وغیرہ۔

معلوم ہوا کہ دین میں بصیرت حاصل کرنا اس کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے، اور جو معاملات کو یونہی اندھیرے میں قبول کرلے وہ شریعت کا پیروکار نہیں ہے۔

لیکن لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔متمکن عالم (ٹھوس علم والا):- جو طلب دلیل کے لئے مسائل میں غور وخوض کرے-اگرچہ مجتہد نہ ہو۔

۲۔متوسط: یعنی علماء اور عوام کے درمیان والا، ایسے شخص کی پیروی درست نہیں سوائے اس کے لئے جسے اس کے معاملہ میں بصیرت ہو اور شریعت کی بابت اس کا علم اس بات کا موجب ہو کہ وہ قابل اقتداء ہے اور قواعد شریعت سے متعلق اس کا علم جن مسائل کو لینے سے انکاری ہو وہ مسائل نہ لے، کیونکہ کسی کے لئے فرمان باری:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ﴾ [الاسراء:۳۶]۔

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔

سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔عامی شخص: اس کا حق یہ ہے کہ اللہ کے تقویٰ اور اس کے ذکر وغیرہ جن کی حقیقت کے بارے میں اسے شک نہیں ہے اس سے وابستہ رہے اور اس ڈگر پر عمل کرتا رہے جس میں اسے شک نہ ہو بصورت دیگر وہ اپنے دین کا استہزاء اور اس کے ساتھ کھلواڑ کرنے والا ہوگا۔لہٰذا اسے اچھی طرح جان لو، اور اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آئی ہوئی باتوں میں فتح وکامرانی نہیں ہوگی تو پھر کس چیز میں ہوگی؟ ہم اللہ سے سلامتی کے خواستگار ہیں۔

احمد بن خضرویہ[1] فرماتے ہیں:

''دلیل روشن ہے، راستہ واضح ہے اور بلانے والے نے آواز سنادی ہے لہٰذا اب حیرانی کا سبب اندھے پن کے سوا کچھ نہیں''۔

ابن عطاء اللہ اپنی حکمتوں میں فرماتے ہیں:

''ہمیں تمہارے بارے میں راستہ گڈمڈ ہونے کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ صرف تم پر تمہاری خواہش نفسانی کے غلبہ کا

---

(۱) شاید یہ احمد بن خضر، ابو حامد بلخی حاتم الاصم کے شاگردوں میں سے ہیں، اور ابن خضرویہ کے نام سے جانے جاتے ہیں، شاید اس میں تصحیف واقع ہوئی ہے، یہ صوفیوں میں سے ہیں، ۲۰۴ھ میں وفات پائے، سیر اعلام النبلاء (۱۱/ ۴۸۷-۴۸۹)، وحلیۃ الاولیاء (۱۰/ ۴۲-۴۳)، وتاریخ بغداد (۴/ ۱۳۷-۱۳۸) وغیرہ۔

ڈر ہے''۔

نیز فرماتے ہیں:

''خواہش نفسانی کی مٹھاس کا دل میں پیوست ہو جانا لاعلاج بیماری ہے۔ کسی نے کہا ہے: ناخونوں سے پہاڑوں کو تراشنا، خواہش نفس کے پیوست ہو جانے کے بعد اُسے ٹالنے سے زیادہ آسان ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَرَءَيْتَ مَنِ ٱتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ وَأَضَلَّهُ ٱللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ [الجاثیہ:۲۳]۔

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ ٱللَّهُ لَهُۥ نُورًا فَمَا لَهُۥ مِن نُّورٍ ۝٤٠﴾ [النور:۴۰]۔

اور (بات یہ ہے کہ) جسے اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دے اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی۔

شیخ زروق رحمہ اللہ کی بات ختم ہوئی۔

علامہ قرافی[1] فروق میں فرماتے ہیں:

''تنبیہ: ہر مسئلہ جس میں مجتہد کوئی فتویٰ دے اگر اس کا فتویٰ اجماع یا قواعد، یا نص، یا قیاس جو راجح معارض سے خالی ہو کے خلاف واقع ہو تو اسکے مقلد کے لئے اُسے لوگوں کو بتانا اور اللہ کے دین میں اس کا فتویٰ دینا جائز نہیں، کیونکہ اگر یہ فیصلہ کوئی حاکم یا قاضی کرے تو ہم اسے توڑ دیں گے، اور جس مسئلہ کو مجتہد حاکم کے فیصلہ سے ثابت ہونے کے بعد ہم شرعاً باقی نہیں رکھتے یقین و تاکد نہ ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ اس لائق ہے کہ باقی نہ رکھیں، اور یہ صورت بھی غیر یقینی ہے اس لئے ہم اسے شرعاً ثابت نہیں رکھیں گے، اور چونکہ بلا شریعت فتویٰ حرام ہے اس لئے کہ فیصلہ بھی حرام ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ مجتہد امام جس نے یہ فتویٰ دیا ہے گنہ گار نہیں بلکہ ثواب کا مستحق ہے کیونکہ حکم کے مطابق اُس نے اپنی کوشش صرف کی ہے، اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

(۱) یہ احمد بن ادریس بن عبد الرحمن صنہاجی، شہاب الدین ابو العباس قرافی مصری ہیں، عظیم امام ہیں جن پر مالکی مسلک میں فقہ کی سرداری تمام ہوئی، ان کی بہت زیادہ تصنیفات ہیں: ان میں سے القواعد، الذخیرہ، التنقیح وغیرہ ہیں، ۶۸۴ھ میں وفات پائے، دیکھئے: الدیباج المذھب (۱/۲۳۶-۲۳۹)۔

''إِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَأَخْطَأَ، فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ؛ وَإِنْ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ''[1]۔

اگر حاکم اجتہاد کرے اور اس میں غلطی کر جائے تو اُسے ایک اجر ملے گا، اور اگر صحیح فیصلہ کرے تو اسے دو اجر ملے گا۔

بنابریں ہر دور کے لوگوں پر واجب ہے کہ اپنے مذاہب کی جانچ پڑتال کرتے رہیں' اور جہاں بھی اس قسم کی چیز ہو اُن پر اس سے فتویٰ دینا حرام ہے' اور کوئی بھی مذہب اس کیفیت سے خالی نہیں ہے' بس کہیں کچھ کم اور کہیں زیادہ ہے، البتہ اپنے مذہب میں اس بات کے علم کی قدرت بھی اُسی کو ہو سکتی ہے جسے قواعد، قیاس جلی، نص صریح اور عدم معارض کا علم ہو، اور یہ ملکہ اصول فقہ کے علم اور فقہ میں گیرائی کے بعد ہی حاصل ہو سکتا ہے، کیونکہ اصول فقہ میں تمام قواعد کا استیعاب و احاطہ نہیں کیا گیا ہے' بلکہ ائمۂ فتویٰ کے یہاں شریعت اسلامیہ کے بہت زیادہ قواعد ہیں، لہٰذا اس پر غور کریں' یہ بہت ضروری چیز ہے، اسی لئے سلف صالحین رحمہم اللہ فتوؤں کے معاملہ میں حد سے زیادہ توقف اور احتیاط برتتے تھے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لَا يَنْبَغِي لِلْعَالِمِ أَنْ يُفْتِيَ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ أَهْلًا لِذَلِكَ، وَيَرَى هُوَ نَفْسُهُ أَهْلًا لِذَلِكَ''۔

عالم کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں' تا آنکہ علماء اُسے فتویٰ دہی کے قابل قرار دیں' اور وہ خود بھی اپنے آپ کو اس کا اہل پائے۔

ان کا مقصد اہل علم کے یہاں اس کی اہلیت ثابت کرنا ہے، اور یہ کہ علماء اُس کے حق میں جو مطلوبہ اہلیت چاہتے ہوں وہ اُس کے مطابق ہو جائے' کیونکہ بسا اوقات انسان سے کوئی بات اس کے موقف کے خلاف ظاہر ہو جاتی ہے' اب اگر لوگوں نے جس وصف سے اُسے متصف کیا ہے' وہ اس سے آگاہ ہو گا' تو اس میں اُسے یقین حاصل ہو گا، کیونکہ لوگ اس سلسلہ میں بڑے لاابالی اور بے پروا ہوا کرتے ہیں، اور اللہ کے دین میں فتویٰ دہی پر لوٹ پڑتے ہیں اور شرائط استنباط کے بغیر ائمہ کے قواعد پر مسائل نکالنا شروع کر دیتے ہیں، بلکہ وہ بھی فتویٰ دینے لگتا ہے جسے تقلیدات اور اپنے امام سے نقل کردہ تحقیقات کا بھی احاطہ نہیں ہوتا، اور یہ چیز اللہ کے دین سے کھلواڑ' اور ایسا

---

(۱) یہ اس حدیث کے الفاظ ہیں جسے امام بخاری (حدیث ۷۳۵۲)، ومسلم (حدیث ۱۷۱۶)، وترمذی (حدیث ۱۳۲۶)، وابو داود (حدیث ۳۵۷۴)، وابن ماجہ (حدیث ۲۳۱۴) وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، الفاظ یہ ہیں:

''إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ''۔ (اگر حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے)

کرنے والے کے فسق و بدعملی کی دلیل ہے، بھلا انہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ مفتی اللہ کی جانب سے خبر دینے والا ہوتا ہے؟ اور اللہ پر جھوٹ بولنے والا یا اس کے ضبط و پختگی کے بغیر اللہ کی جانب سے خبر دینے والا اللہ کے نزدیک اللہ پر جھوٹ کا طومار باندھنے والے کے حکم میں ہے؟ ایسے شخص کو اپنے بارے میں اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے اور بلاشرط کسی قول و فعل میں آگے نہیں بڑھنا چاہئے" بات ختم ہوئی۔

ابن شاش [1] "الجواہر الثمینۃ فی مذہب عالم المدینۃ" میں فرماتے ہیں:

"امام کو حق نہیں پہنچتا کہ قاضی پر اس کے اجتہاد یا عقیدہ کے خلاف فیصلہ کرنے کی شرط لگائے یہ اس صورت میں جب ہم اضطراری صورت میں مقلد کو منصب قضاء پر فائز کرنا جائز قرار دیں"۔

استاذ امام ابوبکر طرطوشی [2] فرماتے ہیں:

"کسی بھی مذہب مثلاً مالک، شافعی، ابوحنیفہ یا دوسرے کسی مذہب کے پیروکار کے لئے اپنے مذہب کے خلاف مذہب و عقیدہ رکھنے والے کو منصب قضاء پر فائز کرنا جائز ہے، کیونکہ اس پر واجب یہ ہے کہ فیصلہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کرے، پیش آمدہ نوازل اور دیگر احکام میں کسی بھی مسلمان کو اپنے مذہب جس سے وہ نسبت رکھتا ہے کی تقلید کا پابند نہ کرے۔ چنانچہ جو مالکی ہو احکام میں اسے امام مالک ہی کے قول کو اپنانا لازم نہیں اور یہی بات دیگر تمام مذاہب کی بھی ہے، بلکہ دلیل میں اس کا اجتہاد جس نتیجہ تک لے جائے وہ اسے اپنائے"۔

فرماتے ہیں:

"اگر قاضی پر یہ شرط لگائی جائے کہ وہ مسلمانوں کے اماموں میں سے معین امام کے مذہب کے مطابق ہی فیصلہ کرے اس کے علاوہ سے فیصلہ نہ کرے، تو عقد صحیح اور شرط باطل ہے شرط لگانے والے کے مذہب کے موافق ہو یا مخالف"۔

---

(۱) یہ عبداللہ بن نجم بن شاش جذامی سعدی، ابومحمد، مالکی فقیہ ہیں، ۶۱۰ھ میں وفات پائے، اور ان کی کتاب الجواہر ہے جسے انہوں نے غزالی کی کتاب الوجیز کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔

(۲) یہ اسکندریہ کے عالم اندلسی فہری محمد بن الولید بن خلف بن سلیمان ابوبکر طرطوشی ہیں، شمالی اندلس کے طرطوشہ کی طرف منسوب ہیں، علم کے امام ہیں، ان کی بہت سی تصنیفات ہیں، ان میں سے: تحریم الغناء، والحوادث والبدع، اور بر الوالدین وغیرہ ہیں۔ سیر اعلام النبلاء (۱۹/ ۴۹۰)، والانساب، از سمعانی، (۸/ ۲۳۵)، والنجوم الزاہرۃ (۵/ ۲۳۱-۲۳۲)، والوافی بالوفیات (۵/ ۱۷۵)، وغیرہ۔

فرماتے ہیں:

مجھے قاضی ابوالولید باجی نے بتلایا کہ ہمارے یہاں قرطبہ میں امراء وحکام جب کسی آدمی کو قضاء کے منصب پر فائز کرتے تھے تو رجسٹر میں اُس پر یہ شرط لگاتے تھے کہ وہ جو کچھ ہو بہر صورت ابن القاسم کے قول سے نہیں نکلے گا!

شیخ فرماتے ہیں: یہ ان کی بہت بڑی جہالت ہے" بات ختم ہوئی۔

قرافی فرماتے ہیں:

"ان کا مقصود یہ ہے کہ حق کسی معین شخص کی رائے میں محدود نہیں ہے"، اسے قرافی نے الذخیرہ میں اور ابن الحاجب نے بھی نقل کیا ہے اور ثابت رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بات پر غور کرو تم پر واضح ہوگا کہ کتاب وسنت کی دلیل دیکھے بغیر کسی معین امام کے مذہب کی تقلید کرنا' بہت بڑی جہالت ہے' کیونکہ یہ سراسر ہوا پرستی اور عصبیت ہے، تمام کے تمام ائمہ مجتہدین اس کے خلاف ہیں' کیونکہ ان میں سے ہر امام سے صحیح طور پر دلیل کے بغیر تقلید کرنے کی مذمت اور اس کا ابطال ثابت ہے' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی معین مذہب کے پابند کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی طاقت واستطاعت کے مطابق اجتہاد کرے اور دلیلوں میں غور کرے، اور جب اسے اپنے امام کی رائے کے خلاف کوئی دلیل مل جائے تو امام کی رائے چھوڑ کر دلیل کو اپنالے' اور ایسا کرنے سے وہ اپنے امام اور دیگر تمام ائمہ کا پیروکار ہوگا' نیز اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کا متبع ہوگا، اس کی وجہ سے وہ اپنے امام کے مذہب سے خارج نہ ہوگا، بلکہ اس کے برعکس جب وہ اپنے امام کی رائے کے خلاف کتاب وسنت یا اجماع کی دلیل واضح ہوجانے کے بعد بھی اپنے امام کی تقلید پر جما اور ڈٹا رہے گا' تو اپنے امام کے مذہب اور دیگر تمام مجتہدین کے مذاہب سے خارج ہوجائے گا، چنانچہ جو اس حالت میں تقلید پر جما رہا' وہ اپنے اس امام کا مخالف ہے جس کے مذہب کو اس نے اپنا رکھا ہے' اس لئے اگر امام کو معارض سے خالی صحیح حدیث ملی ہوتی تو وہ اپنی رائے چھوڑ کر حدیث کی اتباع کرتا، لہٰذا اس حالت میں تقلید پر قائم رہنے والا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان اور خواہش نفسانی کا پیروکار ہے' ائمہ اربعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں' وہ شیطان اور خواہش نفسانی کے ہرکاروں میں سے ہے، ارشاد باری ہے:

﴿أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ وَأَضَلَّهُ ٱللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ [الجاثیہ: ۲۳]۔

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ

نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿فَمَن يَهْدِيهِ مِنۢ بَعْدِ ٱللَّهِ﴾ [الجاثیہ:۲۳]۔

اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔

کیونکہ اس کے دل سے ایمان کا نور سلب ہو چکا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ ٱللَّهُ لَهُۥ نُورًا فَمَا لَهُۥ مِن نُّورٍ ۝﴾ [النور:۴۰]۔

اور (بات یہ ہے کہ) جسے اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دے اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ ہدایت کے بعد اندھے پن سے ہماری حفاظت فرمائے۔

امام ابو عمر بن عبد البر ''الکافی'' میں فرماتے ہیں:

''وجوبی طور پر قاضی کو جس چیز سے فیصلہ کرنا چاہئے' اُس سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے: وہ یہ ہے کہ کتاب اللہ سے فیصلہ کرے، اگر اس میں نہ پائے تو رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں میں غور کرے، اگر رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں میں نہ پائے تو صحابہ کرام کے آثار میں غور کرے، اگر ان کا اختلاف ہو تو ان کے اقوال میں سب سے بہتر اور کتاب وسنت سے قریب ترین قول اختیار کر لے، یہی طریقہ ان کے بعد کے علماء کے اقوال وفرمودات میں اختیار کرے' اُس کے لئے اُن کی مخالفت کر کے اپنی کوئی نئی رائے پیدا کرنا جائز نہیں، اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو اللہ سے استخارہ کرتے ہوئے اپنی رائے سے اجتہاد کرے' خوب گیرائی سے غور وفکر کرے' اگر معاملہ میں دشواری محسوس ہو تو دین وفہم میں قابل اعتماد علماء سے مشورہ کرے' اور ان کے سب سے بہتر اور حق سے قریب تر قول کی روشنی میں فیصلہ کرے[1]، اور اپنا خود کا وہی فیصلہ باطل قرار دے جو اس سے پہلے دوسروں کے فیصلہ کو باطل ٹھہرائے، یعنی جو فیصلہ کتاب وسنت یا اجماع کے خلاف ہو، اگر ایسا کوئی مسئلہ نہ ہو تو نافذ کر دے اور اس کے بعد اپنی صوابدید کے مطابق مسئلہ کا فیصلہ کر دے، البتہ اگر فقہاء میں سے کسی کی تقلید کرتے ہوئے فیصلہ کیا ہو' پھر اسے محسوس ہو کہ درستی دیگر علماء کے اقوال میں ہے' اور یہ چیز واضح ہو جائے' تو تقلید کی بنا پر اپنا فیصلہ توڑ دے، اور اس کے بعد جو اجتہاد رائے

(۱) یہاں ''اگر ان کی رائے کے برخلاف کو بہتر اور حق سے زیادہ قریب تر دیکھے تو اس کا فیصلہ کرے'' ساقط ہو گیا ہے۔

سے اُسے درست نظر آیا ہے' اُس سے فیصلہ کرے"[1]۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: دیکھئے شیخ نے کس طرح صراحت فرمائی ہے کہ اگر قاضی کسی فقیہ کی تقلید میں فیصلہ کر دے' پھر دیکھے کہ درستی اس امام کے علاوہ کی رائے میں ہے، جس کی اس نے تقلید کی ہے' تو وہ تقلید کی بنیاد پر کیا ہوا فیصلہ توڑ دے، برخلاف اس کے کہ اگر قاضی اجتہاد سے فیصلہ کرے' پھر اپنے اجتہاد میں اسے غلطی نظر آئے' تو وہ اپنا پہلا فیصلہ نہیں توڑے گا' تا آنکہ وہ کتاب وسنت کی نص یا قیاس جلی وغیرہ کے خلاف ہو' جیسا کہ گزر چکا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کسی مذہب کا پابند ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں، جیسا کہ امام ابن عبد السلام وغیرہ نے صراحت فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

"یہ نہیں کہا جا سکتا کہ: آپ کے" برخلاف اس کے جب وہ اجتہاد کرے" کہنے سے پابند مذہب کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ: مجتہد سے مراد مسئلہ میں اجتہاد کرنے والا ہے، مجتہد مطلق نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی مسئلہ کا مجتہد کسی مذہب کا پابند بھی ہو سکتا ہے"، بات ختم ہوئی۔

امام اعدل قاضی ابو القاسم سلمون بن علی بن سلمون کنانی[2] اپنے وثائق میں فرماتے ہیں:

"قاضی کی شرط یہ ہے کہ وہ مرد، بالغ، آزاد، عقلمند، مسلمان، عادل، مجتہد ہو، اگر مجتہد نہ ملے تو کوئی مقلد جس کے پاس اتنا علم ہو جس سے وہ حق و باطل میں تمیز کر سکے۔ یہ قاضی کی وہ شرطیں جن کے بغیر ذمہ داری منعقد نہیں ہو سکتی، اور مقلد ہونے کی صورت میں: کسی نے کہا ہے کہ اس پر اپنے امام کی بات پر عمل کرنا لازم ہے، کسی نے کہا ہے: لازم نہیں ہے، اور کسی نے کہا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد ہی سے فیصلہ کرے گا"۔

امام ابو عمر الکافی میں فرماتے ہیں:

"اگر وہ اس قدر جاہل ہو کہ حق و باطل کے مابین تمیز نہ کر سکے تو اُس کے لئے اپنے فیصلوں میں مشورہ کرنا جائز نہیں' کیونکہ جب وہ فیصلہ سے نابلد ہے اور اُسے مشورہ دیا جائے گا تو وہ جان نہ سکے گا کہ وہ جس سے فیصلہ کر رہا ہے وہ

---

(۱) الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی، از ابن عبد البر (ص ۵۰۱)۔

(۲) یہ سلمون بن علی بن عبد اللہ بن سلمون کنانی، غرناطہ کے ہیں، کنیت ابو القاسم ہے، بڑے فاضل اور احکام کے عالم تھے، ۷۶۷ھ میں وفات پائے۔ یہ بات شجرۃ النور کے مولف نے ذکر کی ہے، اور ان کی سیرت ابن فرحون نے الدیباج (۱/ ۳۹۷-۳۹۸) میں ذکر کی ہے اور ان کی کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: "احکام سے متعلقہ دستاویزات کے بارے میں بڑی مفید کتاب لکھی ہے"۔

حق ہے یا باطل! اور کسی فیصلہ کرنے والے کے لئے ایسا فیصلہ کرنا جائز نہیں' جس کے بارے میں اُسے حق ہونے کا علم نہ ہو' یہاں تک کہ مشورہ دینے والے کے سامنے کوئی واضح دلالت ہو' جس کی بنا پر وہ مشورہ دے رہا ہو''۔

آگے فرماتے ہیں:

''اگر مسئلہ میں اسے کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے تو چھوڑ دے' دل میں شک لئے ہوئے کوئی فیصلہ نہ کرے' اسی طرح کوئی دشواری کا معاملہ ہو تو بھی چھوڑ دے' اٹکل پچو سے فیصلہ نہ کرے' کیونکہ ایسا کرنا گناہ اور زیادتی کا باعث ہے''۔

بات ختم ہوئی۔

اور ''التوضیح'' میں امام ابن الحاجب کی بات ''یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجتہاد ہی جائز ہے'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یعنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر اس مقلد کا اجتہاد اپنے مذہب کے خلاف لے جائے' تو اس کے لئے اپنے اجتہاد ہی سے فیصلہ کرنا ضروری ہے، اور یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ان کا ''سوائے اجتہاد کے'' کہنا مفروض مسئلہ کے منافی ہے' کیونکہ بات غیر مجتہد کے بارے میں ہو رہی ہے، کیونکہ مراد یہ ہے کہ مجتہد مطلق نہ ہو، اور ''سوائے اپنے اجتہاد کے'' کہنے سے مقید و محدود اجتہاد مراد ہے' یعنی اپنے مذہب میں اجتہاد کرنا اور اپنے امام کے دلائل سے واقف ہونا''۔

بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں:

ابن سلمون، ابن حاجب، صاحب توضیح اور اس سے پہلے ابن شاش، ابوبکر طرطوشی اور ابن عبدالبر وغیرہم کی باتوں پر ذرا غور کریں' آپ کی سمجھ میں آجائے گا مقلد سے ان کی مراد وہ ہے جس کے پاس اتنا علم نہ ہو جس سے وہ حق و باطل میں تمیز کر سکے، اور وہ مجتہد در مذہب ہے، جو اپنے امام کے اصول و مدارک یعنی مذہب کے بنیادی دلائل کا احاطہ کئے ہو، اور اس میں شک نہیں کہ اس کے امام کی سب سے عظیم دلیل اللہ کی کتاب، اس کے رسول ﷺ کی سنت، اجماع، اقوال صحابہ اور علماء کے اختلافات وغیرہ ہیں' جو دوسری جگہوں پر بالتفصیل مندرج ہیں۔

مقلد سے ان کی مراد مقلد محض نہیں ہے' جو صرف دلیل اور توجیہ و تعلیل سے خالی مختصرات کو رٹ لیتا ہے' اُسے دلیل سے کوئی سروکار ہوتا ہے' نہ وہ اپنے امام کی اصل کے موافق فرع اور مخالف کے درمیان کوئی تمیز کرتا ہے' نہ اپنے امام کی دلیل کے موافق مسئلہ اور مخالف میں کوئی تمیز کر پاتا ہے' نہ اپنے امام کے اصول و دلائل کے طرف

توجہ دیتا ہے، اسے ان باتوں سے قطعاً کوئی سروکار نہیں ہوتا، بلکہ اس کی غایت درجہ دلیل یہ ہوتی ہے کہ وہ مسئلہ کو اپنے مذہب کے مختصرات میں لکھا ہوا دیکھ لے، جو ہر طرح کے قیود، خصوصیات اور تتموں سے خالی ہوتی ہیں اور یہ مختصرات نہایت پیچیدہ اور نئے نئے گنجلک مسائل پر مبنی ہوتی ہیں، جنہیں بیان و وضاحت سے عاری ہونے اور عربی، منطقی و اصولی قواعد اور ان کی اصطلاحات سے ناواقفیت کے سبب وہ سمجھ بھی نہیں سکتا، اور یہ مختصرات انہی چیزوں سے بھری ہوتی ہیں، تو بھلا جس کا یہ حال ہو علماء سلف کی اس میں دو رائے نہیں کہ ایسے شخص کو منصب قضا پر فائز کرنا حرام ہے، نیز یہ کہ اگر وہ فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا نہ ہی وہ فتویٰ دے تو اس کے فتویٰ پر عمل کیا جائے گا۔ رہے موجودہ دور کے علماء جس میں منکر معروف اور معروف منکر ہوگیا ہے، تو ان کے یہاں قضاء اور فتویٰ جبہ قبہ پہننے اور پگڑی باندھنے کا نام ہے، اللہ اس پر رحم فرمائے جس نے کیا خوب کہا ہے:

فَرِّغِ الْقَلْبَ عَنْ مَسَائِلِ نَحْوٍ — وَاشْتَغِلْ بِالرَّطَانَةِ التُّرْكِيَّةِ
وَالبَسِ الكوربانَ وَالفروَ تَفَقُّهاً — ذَهَبَ الْيَوْمَ دَولَةُ الْعَرَبِيَّةِ
وَبِفقهِ أَبِي حَنِيفَةَ فَاقرَأْ — ذَهَبَ الْيَوْمَ دَولَةُ الأَثَرِيَّةِ

دل کو نحو کے مسائل سے فارغ کرلو، ترکی زبان سیکھنے میں لگ جاؤ، اور فقیہ بننے کے لئے جبہ قبہ پہن لو، آج عربی زبان کی حکومت جا چکی ہے، اور ابوحنیفہ کی فقہ رٹ لو، کیونکہ آج احادیث کی حکومت جا چکی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ہماری ذکر کردہ بات کہ مقلد سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا علم ہو جس سے وہ حق و باطل کے درمیان تمیز کرسکے، کی تائید اس بات سے بھی ہوتی جسے امام ابن رشد رحمہ اللہ نے اپنے جوابات میں ذکر کی ہے، جیسا کہ امام برزلی[1] اور ابن سلمون نے اُس سے نقل فرمائی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''امام ابن رشد سے فتویٰ، اہل مذہب کے طریقہ پر مفتی کی صفت، امام مالک کے مذہب کا مفتی ہونے کے لئے امام مالک کے مذہب میں کیا لازم ہے، اور امام مالک کے مذہب کے پابند قاضی کی کیا خوبیاں ہیں، جبکہ

(۱) یہ ابوالقاسم بن احمد بن محمد بلوی، قیروانی، معروف بہ برزلی، مغرب میں مالکیہ کے ایک امام ہیں، شیخ الاسلام کی صفت سے متصف کیا جاتا تھا، ۸۴۴ھ میں ۱۰۳سال کی عمر میں تیونس میں وفات ہوئی، ان کی کئی کتابیں ہیں: ان میں جامع مسائل الاحکام، الدیوان الکبیر فی الفقہ، اور ایک فتاویٰ کی کتاب ہے، الاعلام، از زرکلی (۶/۶)۔

ملک میں ایسا کوئی نہ ہو جو فتویٰ کے درجہ پر پہنچا ہو، اور کیا اُس کے فیصلے اور فتوے مطلق طور پر نافذ ہوں گے یا مطلق طور پر رد کئے جائیں گے یا اس کے جواب میں اختلاف ہے؟

تو امام ابن رشد نے اس کا جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے: کہ جو امام مالک کا مذہب مانئے اور بلا دلیل اُن کی تقلید کرے چنانچہ صحیح وغلط کی تمیز کرنے والے معانی میں تفقہ کے بغیر فقہی مسائل میں اس مذہب کے اقوال اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کو محض اپنے آپ پر رٹ لینا لازم کرلے تو اس کے لئے اپنے رٹے ہوئے اقوال کے ذریعہ فتوی دینا جائز نہیں ہے' کیونکہ اس کے پاس اس میں سے کسی چیز کی صحت کا علم نہیں ہے' لہٰذا بلا علم محض تقلید کی بنیاد پر فتویٰ دینا درست ہے نہ فیصلہ کرنا۔ البتہ جو امام مالک کے مذہب کی درستی ان دلائل کی صحت کی روشنی میں جانے جن پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے' اور وہ فقہی مسائل میں اُن کے اور صحابہ کے اقوال یاد کرے اور ان کے معانی میں غور بھی کرے' یہاں تک کہ ان میں سے دلیل کے اعتبار سے اُن کے اصولوں پر جاری صحیح قول کو دلیل کے خلاف ضعیف قول سے ممتاز کر سکے' البتہ علم اصول کی تحقیق کے درجہ تک نہ پہنچا ہو' کہ فرع کو اصل پر قیاس کرنے کی کیفیت جان سکے' تو ایسے شخص کے لئے امام مالک اور ان کے شاگردان کے قول سے اس کی دلیل کے علم کی روشنی میں فتوی دینا درست ہے' بشرطیکہ مسئلہ اپنے قیود کے ساتھ منصوص ہو۔ لیکن اس کے لئے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرنا جائز نہیں' کیونکہ اُسے قیاس کی کیفیت اور علم اصول میں اس کی معروف شرطوں کا علم نہیں ہے۔ اور رہا مسئلہ اس کا جس کی حالت دوسرے طبقہ جیسی ہے۔ البتہ وہ اصل پر فرع کو قیاس کرنے کے علم کے ذریعہ تحقیق کے درجہ پر پہنچ چکا ہے' کیونکہ وہ ناسخ منسوخ، مجمل مفصل، اور خاص و عام وغیرہ احکام قرآن کا جاننے والا ہے' اسی طرح احکام کی سنتوں اور ان میں صحیح وضعیف کی تمیز کی معرفت رکھتا ہے۔ صحابہ تابعین اور ان کے بعد دنیا کے فقہاء کے اقوال اور ان کے اتفاقات واختلافات سے واقف کار ہے۔ عربی زبان کا اتنا علم رکھتا ہے جس سے احکام سمجھ سکے اور وجہ قیاس سے بھی آگاہ ہے نیز دلائل کی جگہوں اور ان کے مقامات کا بھی علم رکھتا ہے تو اس کے لئے عمومی طور پر اجتہاد کے ذریعہ اور کتاب وسنت اور اجماع امت کے اصولوں پر قیاس کے ذریعہ فتویٰ دینا جائز ہے' بایں طور کہ اُن کے اور پیش آمدہ مسئلہ کے مابین جامع معنیٰ (علت) موجود ہو اور اگر ان پر قیاس موجود نہ ہو تو ان پر قیاس کردہ مسائل پر قیاس کے ذریعہ، یا قیاس کردہ مسائل پر جو مسائل قیاس کئے گئے ہیں' اُن پر قیاس کے ذریعہ فتویٰ دے سکتا ہے۔ اور قیاس دو طرح کا ہوتا ہے' جلی اور خفی۔ قیاس خفی کو اسی صورت میں اپنایا جائے گا

جب قیاس جلی موجود نہ ہو، یہ رہیں وہ باتیں جو ہم نے تمہارے اس سوال کے جواب میں ذکر کی ہیں جو تم نے پوچھا ہے کہ مختلف ادوار میں مفتی میں کون سی خوبیاں پائی جانی چاہئیں۔

رہا یہ سوال کہ مذہب مالکی پر فتویٰ دینے والے کے مذہب مالک میں کیا لازم ہے، تو یہ ایک فاسد اور لغو سوال ہے، کیونکہ کسی کو بھی امام مالک یا دیگر علماء کے مذہب پر تقلید کے ذریعہ فتویٰ دینے کا اختیار نہیں ہے، بلکہ اگر اس کے پاس اس مذہب کی صحت کی دلیل ہو تب تو اس پر اسی کا فتویٰ دینا لازم ہے اور اگر اس کی صحت کی دلیل نہ ہو تو اس کا فتویٰ دینا درست ہی نہیں ہے۔

اور باقی رہا یہ سوال کہ اگر قاضی مالکی مذہب کا پیروکار ہو اور اس کے علاقہ میں کوئی فتویٰ دہی کا درجہ نہ رکھتا ہو اور وہ خود بھی اس کا اہل نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو اس کا جواب پہلی اور دوسری قسم کی حالت میں گزر چکا ہے''۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: ہم نے امام ابن رشد کی بات سے جو کچھ سمجھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے لئے بھی صرف انہی مسائل میں فتویٰ دینا جائز ہے جن میں اُسے کتاب وسنت اور اجماع کی دلیل کا علم ہو، خواہ وہ کسی معین مذہب کا پیروکار ہو یا نہ ہو، مالکی ہو یا نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابو القاسم بن محرز [1] مدونہ میں امام مالک کے قول: ''اگر قاضی کوئی فیصلہ کرے اور پھر اس پر واضح ہو کہ درستی اس کے علاوہ میں ہے، تو وہ اپنے فیصلہ کو رد کر دے گا'' پر اپنی کتاب ''التبصرۃ'' میں لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''اگر اس کا فیصلہ کتاب وسنت یا اجماع کے خلاف ہو تو وہ فیصلہ فسخ کر دے گا، اور اگر وہ نہ فسخ کرے یہاں تک کہ دوسرا قاضی متعین کر دیا جائے، تو بعد والے قاضی پر واجب ہے کہ اُسے فسخ کر دے؛ کیونکہ یہ فیصلہ قطعی طور پر باطل ہے، اس پر باقی رکھنا جائز نہیں، اسی لئے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

''اگر میں کوئی فیصلہ کروں، پھر مجھے معلوم ہو کہ حق اس کے علاوہ ہے، تو میرے نزدیک اپنے اس فیصلہ کو توڑنا مٹی کو مسلنے سے بھی زیادہ آسان ہے''۔

---

(۱) یہ ابو القاسم بن محرز المقری القیر وانی فقیہ اور بلند پایہ شخص تھے، آخری عمر میں کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہوئے، ابن فرحون نے ان کی کتاب التبصرۃ اور اسی طرح ان کی بڑی کتاب القصد والایجاز کا تذکرہ کیا ہے، ۴۵۰ھ میں وفات پائے، الدیباج (۲/ ۱۵۳)۔

اور یہ فیصلہ ظلماً کیا گیا ہو یا غلطی سے دونوں برابر ہے اس میں اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر قاضی کوئی فیصلہ ظن وگمان یا تخمینہ سے کردے لاعلمی کے سبب دلائل میں اجتہاد نہ کرے تو وہ بھی باطل ہے؛ کیونکہ محض گمان کی بنیاد پر فیصلہ کرنا فسق وظلم اور خلاف حق ہے اس فیصلہ کو قاضی خود یا اس کے علاوہ کوئی بھی فسخ کردے خواہ حق کے موافق بھی ہو بس اتنا ثابت ہو جانا کافی ہے کہ وہ فیصلہ اس طرح (بلا دلیل) کیا گیا ہے''۔ بات ختم ہوئی، واللہ اعلم۔

حطاب [1] خلیل رحمہ اللہ کے قول: ''ظالم جاہل کا فیصلہ رد کر دیا جائے گا...'' الخ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''''جاہل اگر علماء سے مشورہ نہ لے تو اس کے فیصلوں کو خواہ وہ درستی کے موافق ہوں یا نہ ہوں مطلق طور پر رد کر دیا جائے گا' کیونکہ اس کے سارے فیصلے گمان وتخمین ہونے کے سبب باطل ہیں۔

علامہ ونشریسی [2] اپنی کتاب ''معیار'' میں فرماتے ہیں:

''رہا دعاء کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرہ پر پھیرنے کا مسئلہ، تو جب امام مالک سے اس کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں نہیں جانتا''، علامہ ونشریسی فرماتے ہیں: یہ عمل امام ترمذی کی صحیح حدیث کی رو سے جائز ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ، لَمْ يَحُطَّهُمَا حَتَّى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ'' [3]۔

رسول اللہ ﷺ جب دعا میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے تو انہیں نیچے نہ کرتے تھے یہاں تک کہ انہیں اپنے چہرے پر پھیر لیتے تھے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ صحیح غریب ہے۔

تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ صحیح حدیث کس طرح ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا ثابت کر رہی ہے اور حدیث صحیح کے

---

(۱) یہ محمد بن محمد بن عبد الرحمن رعینی، ابو عبد اللہ حطاب مالکی فقیہ ہیں، مکہ میں پیدا ہوئے اور وہیں شہرت پائی، ان کی بہت ساری کتابیں ہیں، ان میں: مواہب الجلیل فی شرح مختصر الخلیل ہے، ۹۵۴ھ میں وفات پائے۔ الاعلام، از زرکلی (۷/ ۲۸۶) وکشف الظنون (۲/ ۱۶۲۸)۔

(۲) یہ احمد بن یحییٰ بن محمد بن عبد الواحد بن علی الونشریسی، التلمسانی الاصل، مالکی المذہب فقیہ ہیں، ان کی کئی کتابیں ہیں: ان میں المعیار المعرب عن فتاویٰ علماء افریقیۃ والأندلس والمغرب، اور تعلیق علی ابن الحاجب ہے، دیکھئے: ایضاح المکنون (۱/ ۱۱۳، ۲/ ۹۴، ۵۱۷، ۵۹۲)۔

(۳) بلکہ یہ حدیث ضعیف ہے، اسے امام ترمذی (حدیث ۳۳۸۶) نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف حماد سے جانتے ہیں اور وہ منفرد ہیں، جبکہ وہ قلیل الحدیث ہیں ان سے لوگوں نے حدیثیں بیان کی ہیں، اور حماد بن عیسیٰ: ابن عبیدہ الطفیل الجہنی الواسطی ہیں، بصرہ میں مقیم تھے، ضعیف ہیں تقریب التھذیب (۱۵۰۳)۔ [علامہ البانی نے بھی اسے ضعیف الجامع (حدیث ۴۴۱۲) میں ضعیف قرار دیا ہے (مترجم)]۔

ہوتے ہوئے اس کی مخالفت کی گنجائش نہیں' بالخصوص جبکہ امام مالک رحمہ اللہ نے سوال کے جواب میں یہ کہا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ تو ان کی بات سے معلوم ہوا کہ انہیں حدیث نہیں پہنچی تھی' یا کسی ایسے واسطے سے پہنچی جو قابل اعتماد نہ تھا، بہرکیف جب یہ حدیث ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ کو ملی جو قابل اعتماد ہیں تو اُسے اپنا لینا واجب ہے [1]، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''إِذَا صَحَّ الحَدِيثُ فَهُوَ مَذهَبِي، وَإِلَّا فَاضرِبُوا بِمَذهَبِي عُرضَ هَذَا الحَائِطِ''۔

جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے' ورنہ میرے مذہب کو اس دیوار پر دے مارو۔

اس حدیث کو امام ابن رشد، ابن رشید، غزالی، اور نووی وغیرہ نے لیا ہے، اور میں ذکر کر چکا ہوں کہ منہ پر ہاتھ پھیرنے کے مسئلہ میں اختلاف ہے' لیکن راجح بات وہی ہے جو صحیح حدیث کے موافق ہے' یعنی ہاتھ پھیرنا''۔ بات ختم ہوئی۔

نورالدین سنہوری [2] نے ذکر کیا ہے کہ جو بات امام شافعی رحمہ اللہ سے ثابت ہے' اسی جیسی بات امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ثابت ہے، چنانچہ ابن مسدی [3] اپنی ''منسک'' میں فرماتے ہیں، کہ ہمیں معن بن عیسیٰ [4] سے روایت کی گئی ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مالک رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا:

''إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُخطِئُ وَأُصِيبُ، فَانظُرُوا فِي رَأيِي، فَكُلَّمَا وَافَقَ الكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوا بِهِ، وَكُلَّمَا لَمْ يُوَافِقِ الكِتَابَ وَالسُّنَّةَ، فَاترُكُوهُ'' [5]۔

---

(۱) جی ہاں! یہ اپنے فن کے امام ضرور ہیں، لیکن اپنے موقف و مذہب کی دلیل پیش کرنا ضروری ہے، جبکہ آپ کے سامنے حدیث کا ضعف واضح ہے، لیکن یہ چیز امام ترمذی کی ذات میں کسی طرح باعث عیب نہیں نہ اس سے کسی صورت میں ان کی شان کم ہوتی ہے، لیکن حق کی جستجو اور اس کی اتباع زیادہ سزاوار ہے۔

(۲) یہ سالم بن محمد سنہوری ہیں، مالکیہ کے فروعی مسائل میں مختصر خلیل پر ان کی ایک شرح ہے، ۱۰۱۵ھ میں وفات پائے، کشف الظنون (۲/ ۱۶۲۸)۔

(۳) یہ محمد بن یوسف بن موسیٰ، ابن مسدی المہلبی، فقیہ اور نہایت ماہر امام ہیں، ان کی کنیت ابو المکارم، اعلام الناسک بأعلام المناسک وغیرہ کے مولف ہیں، ۵۹۸ھ میں پیدا ہوئے، اور ۶۶۳ھ میں وفات پائے، الدیباج (۲/ ۳۲۳-۳۲۴)، و معجم المولفین (۱۲/ ۱۴۰)۔

(۴) یہ معن بن عیسیٰ بن یحییٰ اشجعی، ابو یحییٰ المدنی القزاز، ثقہ ثابت ہیں، ابو حاتم ان کے بارے میں کہتے ہیں: یہ امام مالک کے شاگردان میں سب سے پختہ ہیں، ۱۹۸ھ میں وفات پائے، تقریب التھذیب (۶۸۲۰)۔

(۵) جامع بیان العلم (۲/ ۳۹)۔

میں محض ایک انسان ہوں، مجھ سے غلطی بھی ہوتی ہے اور درستی بھی، لہٰذا میری رائے پر غور کرلو، جو کتاب وسنت کے موافق ہو اُسے لے لو، اور جو کتاب وسنت کے موافق نہ ہو اُسے چھوڑ دو۔ بات ختم ہوئی۔

ابن مسدی فرماتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی جو بھی رائیں کتاب وسنت کے خلاف ہیں، وہ ان کا مذہب نہیں ہیں، بلکہ ان کا مذہب وہ ہے، جو کتاب وسنت کے موافق ہے، جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے، واللہ اعلم''۔

میں کہتا ہوں:

امام اجہوری [۱] اور امام خرشی [۲] نے بھی اس بات کو مختصر خلیل پر اپنی شرح میں نقل کیا ہے اور برقرار رکھا ہے [۳]۔

شیخ ابو الحسین [۴] ابن ابو زید [۵] کے رسالہ کی شرح میں اُن کے قول ''اگر چاہے تو اپنے دونوں پیروں کو دھولے اور چاہے تو غسل کے اخیر میں دھوئے'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''جو بات مشہور ہے، موطا کے مطابق اس کی دلیل یہ ہے کہ: رسول اللہ ﷺ جب غسل جنابت کرتے تھے تو نماز کے لئے وضو کی طرح وضو کرتے تھے... الحدیث'' [۶] اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ وضو مکمل کیا تھا،

(۱) یہ علی بن محمد الاجہوری، علامہ، شیخ الاسلام، ابو رشاد ہیں، ان کی بھی مختصر خلیل پر ایک شرح ہے، جس کا نام مواہب الجلیل فی تحریر ما حواہ مختصر خلیل ہے، ۱۰۶۶ھ میں وفات پائے، کشف الظنون (۲/ ۱۶۲۸-۱۶۲۹)۔

(۲) یہ شیخ المالکیہ، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخرشی ہیں، مختصر خلیل پر ان کی بھی شرح ہے، ۱۱۰۲ھ میں وفات پائے، کشف الظنون (۲/ ۱۶۲۸)۔

(۳) یہ مالکیہ کے فروعی مسائل میں مختصر خلیل ہے، جس کے مولف خلیل بن اسحاق جندی مالکی ہیں، ۷۶۷ھ میں وفات ہوئی، کشف الظنون (۲/ ۱۶۲۸)، والدیباج (۱/ ۳۵۷-۳۵۸)۔

(۴) شاید یہ ابو الحسن علی بن ابو عبد اللہ القطان ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں: میں نے ابو محمد بن ابو زید کی تقلید نہیں کی، یہاں تک کہ میں نے نسائی کو ان کی تقلید کرتے ہوئے دیکھا۔ الدیباج (۱/ ۳۲۸)۔

(۵) یہ مالکیہ کے فروعی مسائل کے بارے میں عبد اللہ بن ابو زید عبد الرحمن، ابو محمد قیروانی فقیہ مالکی، کا رسالہ ہے، ان کی بہت ساری تصنیفات ہیں، ۳۸۶ھ میں وفات پائے، ھدیۃ العارفین (۳/ ۴۴۷)، والدیباج (۱/ ۴۲۷-۴۳۰)۔

(۶) اسے امام مالک نے موطا (حدیث ۱۰۰) میں، اور بخاری (حدیث ۲۴۸)، ترمذی (حدیث ۱۰۴)، نسائی (حدیث ۲۴۳-۲۴۸)، ابو داود (حدیث ۲۴۲، ۲۴۳)، احمد (۶/ ۲۴۱، ۳۰)، اور دارمی (حدیث ۷۴۸) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کے غسل کی کیفیت کے سلسلہ میں روایت کیا ہے، جس میں دونوں پیروں کے دھونے کا ذکر نہیں ہے۔

ہمارے شیخ فرماتے ہیں: پیروں کو غسل کے اخیر میں دھونا مشہور بات سے زیادہ عیاں ہے، کیونکہ صحیحین میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دونوں پیروں کا دھونا غسل کے اخیر تک موخر کرتے تھے اور پھر آخر میں دھوتے تھے [1]، یہ حدیث صریح ہے جبکہ پہلی حدیث ظاہر تھی، اور ظاہر صریح کا مقابلہ کب کر سکتی ہے؟ لہذا یہی قول مشہور قرار پائے گا، بنا بریں کہ مشہور وہ ہوتا ہے جس کی دلیل مضبوط ہو، بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: ابن بشیر [2] اور ابن خویز منداد [3] نے صحیح قرار دیا ہے کہ مشہور وہ ہے جس کی دلیل مضبوط ہو، اور میں نے اس کی تحقیق اپنی کتاب ''تقویم الکفۃ فی ما للعلماء من حدیث الجبۃ والکفۃ'' میں کی ہے۔

جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ مجتہدین کے جو بھی اقوال اور آراء کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف ہیں وہ ان کا مذہب نہیں ہیں، تو اس سے ان کے مذاہب کو پکڑ کر بیٹھنے والوں پر طے ہو گیا کہ کتاب وسنت اور علماء کے اقوال کی روشنی میں فتویٰ دیں، تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ان کے امام کا مذہب کیا ہے اور کیا نہیں ہے، برخلاف اس کے جو مذاہب اربعہ کے فقہاء متاخرین دلیل سے خالی مختصرات پر اکتفا کرنے کے رسیا ہو گئے ہیں اور حدیث، اصول حدیث اور فقہ کی مدلل کتابوں سے پوری طرح منہ موڑ لیا ہے، چنانچہ وہ اپنی اس حرکت کی بنا پر اپنے ائمہ کے مذاہب کی بابت لوگوں میں سب سے بڑے جاہل مرکب ہیں، کیونکہ جن آراء کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ اُن کے ائمہ کے مذاہب ہیں ان میں سے بعض آراء واقوال کتاب اللہ یا سنت یا اجماع کے سراسر مخالف ہیں، جبکہ ائمہ رحمہم اللہ کتاب وسنت اور اجماع کے مخالف ہر چیز سے بری ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

---

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۲۴۹)، مسلم (حدیث ۳۱۷)، وترمذی (حدیث ۱۰۳)، ونسائی (حدیث ۲۵۳، ۴۱۸، ۴۱۹)، ابوداود (حدیث ۲۴۵)، ابن ماجہ (حدیث ۵۷۳)، احمد (۶/ ۳۳۶)، اور دارمی (حدیث ۷۱۲) نے میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کے غسل کی کیفیت کے سلسلہ میں روایت کیا ہے، اس میں دونوں پیروں کو اخیر میں دھونے کا ذکر ہے، اسی طرح امام مسلم (حدیث ۳۱۶) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

(۲) شاید یہ احمد بن بشیر بن محمد بن اسماعیل معروف بہ ابن الاغبس ابوعمر قرطبی فقیہ ہیں، ۳۲۸ھ میں وفات پائے، الدیباج از فرخون (۲/ ۱۵۷)۔

(۳) یہ محمد بن احمد بن عبد اللہ بن خویز منداد، ابو عبد اللہ بصری مالکی، صاحب سنت وتصنیفات ہیں، الدیباج (۲/ ۲۲۹-۲۳۰)، ومعجم المولفین (۸/ ۲۸۰)۔

"مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَتَذْهَبُ عَلَيْهِ سُنَّةٌ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَتَعْزُبُ عَنْهُ"[1]۔

ہر شخص سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی نہ کوئی سنت چھوٹ جاتی اور اوجھل رہ جاتی ہے۔

امام ابن دقیق العید[2] رحمہ اللہ نے ان مسائل کو ایک ضخیم جلد میں جمع کیا ہے، جن میں ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے مذہب نے انفرادی یا اجتماعی طور پر حدیث صحیح کی مخالفت کی ہے، اس کے آغاز میں شیخ نے لکھا ہے کہ ان مسائل کو ائمہ مجتہدین کی جانب منسوب کرنا حرام ہے، اور ان کے مقلد فقہاء پر اس کی معرفت ضروری ہے؛ تاکہ انہیں اُن کی طرف منسوب کر کے اُن پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں، ان کے شاگرد ادفوی نے اُن سے ایسے ہی نقل کیا ہے، میں نے اسے شیخ عیسیٰ ثعالبی جعفری کے تذکرہ سے نقل کیا ہے، جو پیدائش و پرورش کے اعتبار سے جزائری اور وفات کے اعتبار سے مکی ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ہیثم بن جمیل[3] فرماتے ہیں:

میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے کہا: اے ابو عبد اللہ! ہمارے یہاں بعض لوگ کچھ کتابیں رکھے ہوئے ہیں، ان میں کا ایک شخص کہتا ہے: ہمیں فلاں نے فلاں کے واسطے سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی! اسی طرح فلاں نے ابراہیم نخعی کے واسطے سے یہ بات بیان کی! اور ہم ابراہیم نخعی کی بات لیں گے!! امام مالک نے پوچھا: ان کے یہاں عمر رضی اللہ عنہ کا قول صحیح ثابت ہے؟ میں نے کہا: وہ تو بس روایت ہے، جیسے ان کے یہاں ابراہیم کا قول صحیح ہے۔ تو امام مالک نے فرمایا: ان لوگوں سے توبہ کروائی جائے۔

اسے امام ابن القیم نے اپنی سند سے امام مالک سے روایت کیا ہے، پھر کہا ہے: اگر ابراہیم نخعی کی بات لے کر عمر رضی اللہ عنہ کی بات کو ترک کرنے والے سے توبہ کروائی جائے گی تو اُس کا کیا حال ہوگا جو ابراہیم نخعی جیسے یا اُن

---

(۱) تاریخ دمشق (۱۵/ ۳/ ۱)۔

(۲) یہ محمد بن علی بن وہب بن مطیع منفلوطی، تقی الدین ابو الفتح ابن دقیق العید شافعی مالکی، محدث، حافظ، فقیہ، اصولی ہیں، اس کی بہت زیادہ تصنیفات ہیں نیز مختصر ابن الحاجب کی شرح (منتہی السؤل والامل) فرمائی ہے، ۶۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۰۲ھ میں وفات پائے، معجم المؤلفین (۱۱/ ۷۰-۷۱)، والدیباج (۲/ ۳۱۸-۳۱۹)۔

(۳) الہیثم بن جمیل بغدادی، ابو سہل ثقہ ہیں محدثین میں سے ہیں، شاید آخری عمر میں اختلاط ہوگیا تھا، ۲۱۳ھ میں وفات پائے، تقریب التہذیب (۷۳۵۹)۔

سے کمتر کی بات کو اپنا کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان ترک کر دے؟![1] ۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: یعنی ایسا شخص تو امام مالک کے یہاں اتنا بڑا کافر ہوگا کہ اس سے توبہ ہی نہ کروائی جائے بلکہ وہ زندیق ہوگا، واللہ اعلم۔

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابن وہب فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا: رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں جو فرمایا تھا اُسے لازم پکڑے رہو:

"أَمْرَانِ تَرَكْتُهُمَا فِيكُمْ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ ﷺ"[2]۔

میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑا ہے جب تک تم ان پر مضبوطی سے کاربند رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِمَامَ الْمُسْلِمِينَ، وَسَيِّدَ الْعَالَمِينَ، يُسْأَلُ عَنِ الشَّيْءِ فَلَا يُجِيبُ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْوَحْيُ مِنَ السَّمَاءِ"[3]۔

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے امام اور تمام جہانوں کے سردار تھے اس کے باوجود جب آپ ﷺ سے کچھ پوچھا جاتا تو جواب نہ دیتے یہاں تک کہ آسمان سے وحی آجائے۔

جب رب دو جہاں کے رسول ﷺ وحی سے جواب دیتے تھے ورنہ نہیں تو بھلا وہ شخص کس قدر جری ہوگا جو اپنی دانشوری، یا قیاس، یا جس کے ساتھ نیک گمان ہے اُس کی تقلید، یا عرف، یا عادت، یا سیاست، یا ذوق، یا کشف والہام، یا خواب، یا استحسان، یا انکل پچو سے جواب دیتا ہے، اپنے دین کو بدلنے والے ہر شخص کے خلاف اللہ ہی مددگار ہے"۔ اعلام الموقعین سے بات ختم ہوئی۔

(۱) اعلام الموقعین (۲/ ۱۸۲)۔
(۲) صحیح ہے، اس کی تخریج (ص ۱۴۴، ۱۸۳، ۲۰۶) میں گزر چکی ہے۔
(۳) جامع بیان العلم (۲/ ۶۷)۔

تیسرا مقصد:

قریش کے عالم امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ اور ان کے شاگردان کے عجز و درماندگی سے شفا بخش اقوال کا بیان

ہمارے بزرگ شیخ محمد بن سنہ نے بتلایا، وہ اپنے محترم محمد بن ارکماش حنفی سے بطریق اجازہ روایت کرتے ہیں وہ حافظ ابن حجر عسقلانی سے، وہ حافظ عراقی سے، وہ ابوالفضل محمد بن اسماعیل فارسی سے، وہ حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی سے، انہیں ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حافظ نے بتلایا، ان سے ابوعمرو بن سماک نے بالمشافہہ بیان کیا کہ ابوسعید جصاص نے ان سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیع بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو سنا کہ۔ ان سے ایک شخص نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا ایسا فرمایا، تو سوال کرنے والے ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! کیا آپ اس حدیث کے قائل ہیں؟ یہ سن کر امام شافعی رحمہ اللہ کانپنے لگے، ان کا چہرہ زرد اور حالت دیگر ہونے لگی، آپ نے فرمایا:

”وَيْحَكَ! أَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِي، وَأَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِي إِذَا رَوَيْتُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا فَلَمْ أَقُلْ بِهِ؟ نَعَمْ عَلَى الرَّأْسِ وَالْعَيْنِ“[1]۔

تجھ پر افسوس! مجھے کونسی زمین پناہ دے گی اور کون سا آسمان سایہ دے گا، اگر میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات روایت کروں اور اس پر عمل نہ کروں! ہاں سنت رسول میرے سر آنکھوں پر ہے۔

---

(۱) الفقیہ والمتفقہ، از خطیب بغدادی (۱/۱۵۰)۔

فرماتے ہیں، میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَتَذْهَبُ عَلَيْهِ سُنَّةٌ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَتَعْزُبُ عَنْهُ، فَمَهْمَا قُلْت مِنْ قَوْلٍ، أَوْ أَصَّلْت مِنْ أَصْلٍ، فِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ خِلَافَ مَا قُلْت، فَالْقَوْلُ مَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَهُوَ قَوْلِي''۔

ہر شخص سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی نہ کوئی سنت چھوٹ جاتی اور اوجھل رہ جاتی ہے، لہٰذا میں کوئی بات کہوں یا کوئی اصول قائم کروں، اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے اس کے خلاف کوئی بات منقول ہو تو حقیقی بات رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اور میرا قول بھی وہی ہے۔

فرماتے ہیں: آپ اس بات کو بار بار دہراتے رہے[1]۔

اور اسی سند سے امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں ابو عبد الرحمن سلمی نے بتلایا، انہوں نے ابو العباس محمد بن یعقوب سے سنا، انہوں نے ربیع بن سلیمان سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''إِذَا وَجَدْتُمْ فِي كِتَابِي خِلَافَ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقُولُوا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَدَعُوا مَا قُلْتُ''[2]۔

اگر تم میری کتاب میں کوئی بات رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف پاؤ تو رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرو اور میری بات چھوڑ دو۔

اتباع سنت کی بابت امام شافعی کا مسلک یہی تھا۔

اسی سند سے امام بیہقی فرماتے ہیں: ہم سے ابو عبد اللہ حافظ اور ابو سعید نے بیان کیا، ان سے ابو العباس نے بیان کیا، ان سے ربیع نے بیان کیا، اور ان سے امام شافعی نے بیان کیا، فرمایا:

''إِذَا حَدَّثَ الثِّقَةُ عَنِ الثِّقَةِ إِلَى أَنْ يَنْتَهِيَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَهُوَ ثَابِتٌ، وَلَا يُتْرَكُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَدِيثٌ أَبَدًا، إِلَّا حَدِيثٌ وُجِدَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَآخَرُ يُخَالِفُهُ''[3]۔

---

(۱) مناقب الشافعی، از امام بیہقی، اپنی سند سے مکمل روایت کیا ہے، (۱/ ۴۷۵)۔

(۲) مناقب الشافعی، از امام بیہقی، (۱/ ۴۷۲-۴۷۳)، والمدخل (ص ۲۰۵، فقرہ ۲۴۹)، والخطیب والمتفقہ (۱/ ۱۵۰)، والحلیہ ابونعیم (۹/ ۱۰۷)۔

(۳) المدخل (ص ۱۰۴، فقرہ ۲۴)۔

جب ثقہ کے واسطے سے ثقہ بیان کرے یہاں تک کہ سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جائے تو وہ حدیث ثابت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کو کبھی چھوڑا نہیں جا سکتا، سوائے اس حدیث کے جس کے خلاف کوئی دوسری حدیث ہو (تو تطبیق، ترجیح وغیرہ کا مرحلہ آئے گا)۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے خلاف خود آپ ﷺ کی کوئی حدیث نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کے نیچے کسی سے کوئی حدیث مروی ہو جو آپ ﷺ کی حدیث کے موافق ہو تو اس سے آپ ﷺ کی حدیث کو مزید قوت نہیں ملے گی، کیونکہ حدیث رسول خود بے نیاز ہے، اور اگر رسول اللہ ﷺ کے نیچے کسی سے آپ ﷺ کی حدیث کے خلاف کوئی حدیث مروی ہے تو ہم اس کی طرف نظر التفات نہ کریں گے، کیونکہ حدیث زیادہ مستحق اتباع ہے، اور حدیث رسول کے خلاف روایت کرنے والے کو جب آپ ﷺ کی سنت کا علم ہو گا تو ان شاء اللہ وہ اس کا پیروکار ہو جائے گا''(1)۔

اور اسی سند سے امام بیہقی فرماتے ہیں: ہم سے ابو عبد اللہ حافظ نے کتاب ''الرسالۃ الجدیدۃ'' میں بیان کیا، ان سے ابو العباس محمد بن یعقوب نے بیان کیا، ان سے ربیع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا:

''اگر ان کے اقوال جداگانہ ہوں گے تو ہم اس قول کو اپنائیں گے جو کتاب وسنت یا اجماع کے موافق ہوگا، یا قیاس کے اعتبار سے صحیح ترین ہوگا، اور اگر ان میں سے کوئی ایک کوئی بات کہے، جس کے علاوہ کسی اور سے اس کے موافق یا مخالف کسی قول کا علم نہ ہو تو میں اس ایک کے قول کی اتباع کروں گا، جب مجھے کتاب وسنت یا اجماع کی کوئی دلیل نہ ملے گی، نہ ہی اس کے ہم معنیٰ کوئی چیز کہ اسی کا حکم اس کو بھی دے دیا جائے یا اس کے ساتھ کوئی قیاس موجود ہو''(2)۔

نیز اسی سند سے امام بیہقی فرماتے ہیں: ہم سے ابو سعید بن ابو عمرو نے ''کتاب اختلاف مالک والشافعی'' میں بیان کیا، ان سے ابو العباس نے بیان کیا، ان سے ربیع نے بیان کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا:

''جب تک کتاب وسنت موجود ہوں ان دونوں کو سننے والے کے لئے اس کے سوا کوئی عذر نہیں کہ ان دونوں

---

(1) المدخل (ص ۱۰۴، فقرہ ۲۴)۔

(2) المدخل (ص ۱۰۹، فقرہ ۳۴)، والرسالۃ، از امام شافعی (۵۹۷ مسئلہ ۱۸۰۵-۱۸۱۰)، معمولی اختلاف کے ساتھ۔

کی اتباع کرے، لیکن جب کتاب وسنت کی دلیل نہ ہوگی تو ہم نبی کریم ﷺ کے صحابہ یا ان میں سے کسی ایک کا قول اپنائیں گے، پھر اگر تقلید کرنی ہوگی تو ائمہ مسلمین: ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کا قول ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہے، لیکن یہ اس وقت جب ہمیں اختلافی امر میں کوئی ایسی دلیل نہ ملے گی جو کتاب وسنت سے قریب ترین امر کی رہنمائی کرنے والی ہو، تو ایسی صورت میں ہم اس قول کی پیروی کریں گے جس کے ساتھ دلیل ہوگی، کیونکہ امام وقت کا قول مشہور ہے کہ وہ لوگوں پر لازم ہوتا ہے اور جس کا قول لوگوں پر لازم ہو جائے وہ کسی آدمی یا چند لوگوں کو فتویٰ دیئے جانے کہیں زیادہ مشہور ہوتا ہے، کبھی آدمی اس کے فتویٰ کو لیتا ہے کبھی چھوڑ دیتا ہے، اور زیادہ تر مفتیان تو اپنے گھروں اور مجلسوں میں خاص لوگوں کو فتویٰ دیتے رہتے ہیں لیکن عوام الناس ان کی باتوں پر اتنا توجہ نہیں دیتے جتنا امام کی بات کا اہتمام کرتے ہیں، اور ہم نے ائمہ وقت کو پایا ہے کہ انہیں بلایا جاتا تھا اور اُن سے اپنے ارادہ کے مطابق کتاب وسنت سے علم کا سوال کیا جاتا تھا، نیز یہ کہ وہ علم کی بابت کچھ بولیں اور وہ بھی بولتے تھے، چنانچہ انہیں اُن کے قول کے خلاف دلیلیں بھی بتلائی جاتی تھیں جسے وہ بتانے والے سے قبول بھی کرتے تھے اور اللہ سے اپنے تقویٰ اور اپنے حالات میں اللہ کا فضل شامل حال ہونے کے سبب اپنے سابقہ اقوال سے رجوع کرنے سے کتراتے بھی نہیں تھے لہٰذا جب ائمہ یعنی خلفاء اربعہ سے کچھ نہیں ملے گا تو رسول اللہ ﷺ کے دیگر صحابہ دین کی بابت امانت کا معیار ہیں ہم ان کا قول لے لیں گے، اور بعد کے لوگوں کی بہ نسبت ہمارے لئے اُن کی اتباع زیادہ مناسب اور بہتر ہے''[1]۔

فرماتے ہیں:

''علم کے کئی طبقات ہیں: پہلا: کتاب اللہ اور سنت صحیحہ۔ دوسرا: جن مسائل میں کتاب وسنت کی دلیل نہ ہو اُس میں اجماع۔ تیسرا: نبی کریم ﷺ کے بعض صحابہ کا قول اور ہم ان میں سے اُس کا کوئی مخالف نہ جانتے ہوں۔ چوتھا: نبی کریم ﷺ کے صحابہ کا اختلاف۔ پانچواں: ان طبقات پر قیاس، البتہ کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے کسی چیز کو نہیں اپنایا جائے گا، بلکہ علم کو اعلیٰ ترین سے لیا جائے گا''[2]۔

امام شافعی رحمہ اللہ کتاب ''الرسالۃ القدیمۃ'' میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کرنے اور ان کے شایان شان ان کی

(۱) المدخل (ص ۱۰۹-۱۱۰ فقرہ ۳۵)۔

(۲) المدخل (ص ۱۱۰ فقرہ ۳۶)۔

مدح وثنا کے بعد، فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر علم، اجتہاد، احتیاط وورع، سوجھ بوجھ اور کسی مسئلہ پر استدراک یا کسی علم کے استنباط وغیرہ میں ہم سے اوپر اور برتر ہیں، ہمارے لئے ان کی رائیں خود اپنے لئے اپنی رایوں سے زیادہ قابل ستائش اور سزاوار ہیں، واللہ اعلم۔

اور ہم جن پسندیدہ لوگوں کو جانتے ہیں یا جن کے بارے میں ہمارے ملک میں ہمیں بتایا گیا ہے ہم نے انہیں دیکھا کہ جس مسئلہ میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت نہیں ملی انہوں نے اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کسی قول پر متفق تھے تو ان کا قول اپنالیا، اور اگر ان کی رائے جداگانہ تھی تو بھی کسی کا قول اپنالیا، لہٰذا ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر صحابہ متفق ہوں تو ہم ان کا اتفاق اپنائیں گے اور اگر ان میں سے ایک کوئی بات کہے اور کوئی دوسرا اس کے مخالف نہ ہو تو اس کا قول اپنائیں گے. اور اگر ان کا اختلاف ہو تو بھی ان میں سے کسی کا قول اپنائیں گے، لیکن ان کی تمام باتوں سے باہر نہیں نکلیں گے''[1]۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

''اگر ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) میں سے دو لوگ کسی مسئلہ میں دو مختلف باتیں کہیں تو میں غور کروں گا اگر ان دونوں میں سے ایک کی بات کتاب اللہ سے یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوگی تو اُسے لے لوں گا، کیونکہ اس کے پاس ایک چیز ہے جو باعث تقویت ہے اُس کے مخالف کے پاس اس جیسی چیز نہیں ہے لیکن اگر دونوں میں سے کسی بھی قول پر مذکورہ وضاحت کے مطابق دلیل نہ ہوگی تو ائمہ مسلمین ابو بکر یا عمر یا عثمان یا علی رضی اللہ عنہم کا قول ہمارے نزدیک ان کے خلاف کسی کے قول سے راجح ہوگا، سوائے امام وقت کے... اس کتاب میں دوسری جگہوں پر بھی اس طرح کی باتیں ذکر کی ہیں''[2]۔

نیز فرماتے ہیں:

''اگر کسی قول پر کتاب وسنت کی دلیل نہ ہو تو مجھے ابو بکر، یا عمر، یا عثمان یا علی رضی اللہ عنہ کا قول اپنانا، ان کے خلاف دوسروں کے قول سے زیادہ محبوب ہے اس اعتبار سے کہ وہ اہل علم ہیں اور حکام بھی''۔

---

(۱) المدخل (ص ۱۱۰، فقرہ ۳۶)۔

(۲) یعنی المدخل از امام بیہقی۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

''اگر حکام کا اختلاف ہو تو ہم ان کے اختلاف میں کتاب وسنت سے استدلال کریں گے اور کتاب وسنت کی دلیل والے قول کو اپنائیں گے، اور ان کا اختلاف کتاب وسنت کے دلائل سے کم ہی خالی ہوا کرتا ہے، اور اگر مفتیان-یعنی خلفاء اربعہ کے بعد دیگر صحابہ میں سے-کا اختلاف بلا دلیل ہوگا تو ہم اکثریت کو دیکھیں گے، اگر سب برابر ہوں گے تو ہم دیکھیں گے کہ ہمارے یہاں باعتبار نتیجہ سب سے اچھا قول کونسا ہے۔ اور اگر ہم اپنے دور میں اور اس کے پہلے دور میں مفتیان کا کسی چیز پر اجماع پائیں گے جس میں ان کا اختلاف نہ ہو تو اس کی پیروی کریں گے اور یہ چیز علم دین کے چار راستوں: یعنی کتاب اللہ، پھر سنت رسول، پھر بعض صحابہ کا قول پھر اجماع میں سے ایک راستہ ہوگا، اور اگر کوئی ہنگامی مسئلہ پیش آجائے اور ہم اس میں ان چاروں راستوں میں سے کوئی راستہ نہ پائیں گے تو ہنگامی پیش آمدہ مسئلہ کی بابت گفتگو میں اجتہاد رائے کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہوگا''[1]۔

''امام شافعی رحمہ اللہ نے حسب حاجت محمد بن حسن شیبانی کے مذہب اور ان کے ساتھی کے مذہب سے بھی علم لیا ہے یہاں تک کہ ان سے اور ان کے حجت و دلائل سے اچھی طرح واقف ہوئے ہیں پھر جن مسائل میں دلیل کی خلاف ورزی محسوس کی ہے ان میں ان سے مناظرہ بھی کیا ہے''[2]۔

چنانچہ امام شافعی فرماتے تھے:

''میں نے محمد بن حسن شیبانی سے زیادہ عقلمند کسی سیاہ فام سے بات نہیں کی ہے''۔ محمد بن حسن رحمہ اللہ امام شافعی کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے، اور کئی مسائل میں امام شافعی کے قول کی طرف رجوع بھی کیا ہے، مدینہ کے سابق علماء اہل کوفہ کے مذاہب نہیں جانتے تھے، جبکہ اہل کوفہ اہل مدینہ کے مذاہب جانتے تھے، چنانچہ جب ان کی ملاقات ہوتی اور باہم گفتگو کرتے تو بسا اوقات مدینہ کا عالم دلیل کی کمزوری کے سبب لاجواب ہو جاتا، لہذا امام شافعی رحمہ اللہ نے ان کے مذاہب اور دلائل لکھے، اور ان کی مخالفت صرف انہی مسائل میں کی جن میں ان کی دلیل مضبوط اور کوفیوں کی دلیل کمزور ٹھہری، آپ محمد بن حسن شیبانی وغیرہ سے از راہ انصاف وخیر خواہی گفتگو کرتے تھے، نیز فرماتے تھے: ''میں نے جس کسی سے مناظرہ کیا خیر خواہی کے مقصد سے کیا''۔

---

(۱) المدخل (ص-۱۱۰-۱۱۱، فقرہ ۳۸،۳۷، ۳۹)۔

(۲) کتاب الأم میں (کتاب الرد علی محمد بن حسن ۷/ ۳۰۷-۳۳۳)، امام بیہقی نے مناقب الشافعی میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، (۱/ ۱۸۲)۔

نیز فرماتے تھے:

''میں نے کسی سے مناظرہ کرتے ہوئے کبھی نہ چاہا کہ اس سے غلطی ہو''۔

اسی طرح فرماتے تھے:

''میں نے جس کسی سے بات کی پروانہ کی کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان پر حق ظاہر کر دے گا''[1]۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل اپنے والد سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا:

''أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِالْحَدِيثِ وَالرِّجَالِ مِنِّي، فَإِذَا كَانَ الْحَدِيثُ صَحِيحًا، فَأَعْلِمُونِي أَنْ يَكُونَ كُوفِيًّا أَوْ بَصْرِيًّا أَوْ شَامِيًّا حَتَّى أَذْهَبَ إِلَيْهِ إِذَا كَانَ صَحِيحًا''[2]۔

آپ حدیث اور راویان کے بارے میں مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی صحیح حدیث ہو تو مجھے بتایئے تا کہ میں جا کر اسے حاصل کروں، خواہ (سند) کوفی ہو یا بصری یا شامی بشرطیکہ صحیح ہو۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

اسی لئے امام شافعی کے یہاں حدیث سے مسائل کا اخذ زیادہ ہے اس کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے اہل حجاز، شام، یمن اور عراق وغیرہ ممالک کا علم اکٹھا کرلیا اور ان کے یہاں جو باتیں صحیح قرار پائیں ان تمام کو کسی قسم کے تساہل، اور اپنے علاقہ والوں کے پسندیدہ مذہب کی طرف میلان اور جانبداری کے بغیر اختیار کیا، خواہ کتنا ہی حق اس کے علاوہ میں ظاہر ہو، جبکہ ان سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے صرف اپنے علاقہ کے لوگوں کے یہاں معروف مذہب پر اکتفا کیا تھا، اس کے خلاف مذہب کی صحت جاننے کی کوشش نہ کی تھی۔ اللہ ہم سب کی مغفرت فرمائے''[3]۔

اسی طرح امام بیہقی فرماتے ہیں:

ہمیں سعید بن ابوعمرو نے بتلایا، ان سے ابو العباس محمد بن یعقوب نے بیان کیا، ان سے ربیع بن سلیمان نے بیان کیا، ان سے امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان کیا، فرماتے ہیں:

---

(۱) مناقب الشافعی، از بیہقی (۱/ ۱۷۴)، والحلیۃ، از ابونعیم (۹/ ۱۱۸)۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) المدخل (ص ۱۷۳، فقرہ ۱۷۵)۔

''حاکم کے جائز نہیں کہ کسی کو بھی فیصلہ کی ذمہ داری سونپ دے، نہ جسے سونپی جائے اُس کے لئے قبول کرنا ہی جائز ہے، اور نہ ہی کسی والی کے لئے جائز ہے کہ کسی کو بھی فیصلہ کا منصب دیدے، اسی طرح مفتی کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں تا آنکہ وہ بیک وقت کتاب اللہ، اور اس کے ناسخ ومنسوخ، خاص وعام اور فرض وادب وغیرہ کا عالم ہو اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں، قدیم وجدید اہل علم کے اقوال وفرمودات کا جاننے والا ہو اسی طرح زبان عرب کا جاننے والا ہو نیز عقلمند ہو تاکہ مشتبہ مسائل میں تمیز کرسکے اور قیاس کو سمجھ سکے، اگر ان خوبیوں میں سے ایک بھی خوبی نہ پائی گئی تو اُس کے لئے قیاس کی بنیاد پر بات کرنا حلال نہ ہوگا، اسی طرح اگر وہ اصول کا جاننے والا ہو لیکن قیاس یعنی فرع کو نہ سمجھ سکتا ہو تو کسی آدمی سے کہنا جائز نہیں کہ ''قیاس کرو'' جبکہ اسے قیاس کا علم ہی نہیں ہے، اور اگر قیاس تو سمجھتا ہو لیکن اصولوں کے علم یا کچھ اصولوں کے علم سے ناواقف ہو تو اس سے یہ کہنا جائز نہیں کہ ''نامعلوم اصولوں پر قیاس کرو''۔

اور کتاب الشہادات میں اس بات کا بھی اعتبار کیا گیا ہے کہ ان شرائط کے ساتھ قاضی عادل بھی ہو، اور قدیم مذہب میں اس کے ساتھ یہ بھی مطلوب ہے کہ اُسے تصحیح کے ساتھ حدیثوں کو لینے کی سوجھ بوجھ ہو تاکہ کسی ثابت حدیث کو رد نہ کردے اور ضعیف کو ثابت نہ کردے''[1]۔

اسی سند سے امام بیہقی فرماتے ہیں: ہم سے سعید بن ابوعمرو نے بیان کیا، ان سے ابوالعباس محمد بن یعقوب نے بیان کیا، ان سے ربیع بن سلیمان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا فیصلہ، پھر اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ، پھر مسلمانوں کا فیصلہ اس بات کی دلیل ہے کہ حاکم یا مفتی کے لئے کوئی فیصلہ کرنا یا فتویٰ دینا جائز نہیں سوائے لازمی خبر کی بنیاد پر یعنی کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، اہل علم کے اقوال جن میں ان کا اختلاف نہ ہو یا ان میں سے کسی اصول پر قیاس کی روشنی میں استحسان کی بنیاد کوئی فیصلہ کرنا یا فتویٰ دینا جائز نہیں''۔

نیز اسی سند سے فرماتے ہیں: ہم سے ابوعبداللہ حافظ اور ابوسعید بن ابوعمرو نے بیان کیا، ان سے ابوالعباس محمد بن یعقوب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیع بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے امام شافعی کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

---

(۱) المدخل، باب من لہ الفتویٰ والحکم (ص ۱۷۵، فقرہ ۱۷۹)، والفقیہ والمتفقہ، از خطیب (۲/ ۱۵۷)۔

''إِذَا وَجَدْتُمْ فِي كِتَابِي خِلَافَ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقُولُوا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَدَعُوا مَا قُلْتُ''۔

اگر تم میری کتاب میں کوئی بات رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف پاؤ تو، تو سنت رسول کو لے لو میری بات چھوڑ دو۔

فرماتے ہیں[1]: میں نے ربیع کو کہتے ہوئے سنا ہے:

''رَوَى الشَّافِعِيُّ حَدِيثًا، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: تَأْخُذُ بِهَذَا يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ؟ فَقَالَ: مَتَى رَوَيْتُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَدِيثًا صَحِيحًا فَلَمْ آخُذْ بِهِ فَأُشْهِدُكُمْ أَنَّ عَقْلِي قَدْ ذَهَبَ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى رُءُوسِهِمْ''[2]۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک حدیث بیان کی، تو ایک شخص نے ان کے کہا: اے ابو عبد اللہ! کیا آپ اس حدیث کو لیں گے؟ آپ نے فرمایا: اگر میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث روایت کروں اور اسے نہ لوں تو میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میری عقل ضائع ہو چکی ہے، اور ان کے سروں کی طرف اشارہ کیا۔

نیز امام شافعی فرماتے ہیں:

''أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ مَنِ اسْتَبَانَتْ لَهُ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَدَعَهَا لِقَوْلِ أَحَدٍ''[3]۔

مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت واضح ہو جائے اُس کے لئے کسی کے قول کی بنا پر اُسے چھوڑنا حلال نہیں۔

نیز اُن سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''لَا قَوْلَ لِأَحَدٍ مَعَ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ''۔

---

(۱) یہ کہنے والے: ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم ہیں جو ربیع سے روایت کرتے ہیں۔

(۲) المدخل، از امام بیہقی، (ص ۲۰۵، فقرہ ۲۵۰)، ومناقب الشافعی، از بیہقی (۱/ ۴۷۴)، وآداب الشافعی، از ابن ابی حاتم (ص ۶۷)، والحلیہ از ابو نعیم (۹/ ۱۰۶)، والفقیہ والمتفقہ، از خطیب (۱/ ۱۵۰)، نیز اسے امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں بھی ذکر کیا ہے (۲/ ۲۶۳)۔

(۳) اسے امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں ذکر کیا ہے (۲/ ۲۶۳)۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہوتے ہوئے کسی کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ۔

المدخل سے امام بیہقی کی بات ختم ہوئی[1] ۔

اعلام الموقعین میں ہے کہ اصم فرماتے ہیں ہمیں ربیع بن سلیمان نے بتلایا کہ امام شافعی نے فرمایا:

''أَنَا أُعْطِيكَ جُمْلَةً تُغْنِيكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، لَا تَدَعْ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَدِيثًا أَبَدًا، إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَدِيثٌ خِلَافَهُ، فَتَعْمَلَ بِمَا قُلْتُ لَكَ فِي الْأَحَادِيثِ إِذَا اخْتَلَفَتْ''[2] ۔

میں تمہیں کچھ چیزیں دے رہا ہوں جو ان شاء اللہ تمہارے لئے مفید ہوں گی: دیکھنا رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کو کبھی نہ چھوڑنا، الا یہ کہ اس کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث آجائے تو ایسی صورت میں مختلف احادیث کی بابت اس بات پر عمل کرنا جو میں نے تم سے کہا ہے۔

ابو محمد جارودی کہتے ہیں کہ میں نے ربیع بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''إِذَا وَجَدْتُمْ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ خِلَافَ قَوْلِي، فَخُذُوا بِالسُّنَّةِ وَدَعُوا قَوْلِي، فَإِنِّي أَقُولُ بِهَا''[3] ۔

جب تم میری بات کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت پاؤ تو سنت کو لے لو میری بات چھوڑ دو، کیونکہ میں سنت ہی کا قائل ہوں۔

احمد بن عیسیٰ بن ماہان رازی کہتے ہیں کہ میں نے ربیع کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے امام شافعی کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''كُلُّ مَسْأَلَةٍ تَكَلَّمْتُ فِيهَا صَحَّ الْخَبَرُ فِيهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ عِنْدَ أَهْلِ النَّقْلِ بِخِلَافِ مَا قُلْتُ، فَأَنَا رَاجِعٌ عَنْهَا فِي حَيَاتِي وَبَعْدَ مَوْتِي''[4] ۔

---

(۱) ان میں سے بعض اقتباسات المدخل میں موجود نہیں ہیں۔

(۲) اعلام الموقعین از ابن القیم (۲/۲۶۶)، اور اس کے بعد کی چیزیں دوسرے فقرہ میں آئیں گی۔

(۳) اعلام الموقعین از ابن القیم (۲/۲۶۶)۔

(۴) اعلام الموقعین از ابن القیم (۲/۲۶۶)۔

ہر مسئلہ جس میں میں نے گفتگو کی ہو اس میں میری بات کے خلاف محدثین کے یہاں رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث ہو تو میں اپنی بات سے اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی رجوع کرتا ہوں۔

حرملہ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا:

''مَا قُلْتُ وَقَدْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ قَالَ بِخِلَافِ قَوْلِي مِمَّا يَصِحُّ، فَحَدِيثُ النَّبِيِّ ﷺ أَوْلَى، وَلَا تُقَلِّدُونِي''[1]۔

میں جو کچھ کہوں رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث میری بات کے خلاف ہو تو حدیث رسول ہی لائق اتباع ہے، میری تقلید نہ کرو۔

حمیدی فرماتے ہیں: کہ ایک شخص نے امام شافعی رحمہ اللہ سے کوئی مسئلہ پوچھا، انہوں نے اس کا جواب دیا اور بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسئلہ میں ایسا ایسا فرمایا ہے، تو اس آدمی نے کہا: اے ابو عبد اللہ! کیا آپ اس حدیث کو لیں گے؟ تو امام شافعی نے فرمایا:

'' أَرَأَيْت فِي وَسَطِي زُنَّارًا؟ أَتَرَانِي خَرَجْت مِنْ الْكَنِيسَةِ؟ أَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَتَقُولُ لِي: أَتَقُولُ بِهَذَا؟ رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا أَقُولُ بِهِ؟''[2]۔

کیا تم میرے جسم پر جنیو (وہ دھاگا جسے مجوسی یا نصاریٰ یا ہندو پہنتے ہیں) دیکھ رہے ہو؟ یا مجھے کسی گرجا گھر سے نکلتے ہوئے دیکھ رہے ہو؟ میں کہہ رہا ہوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، اور تم پوچھ رہے ہو کیا میں اس حدیث کو لوں گا؟ نبی کریم ﷺ سے مروی ہو اور میں اسے نہ لوں؟ (ایسا کیسے ممکن ہے؟)۔

ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا:

میں کسی نے کو نہیں جانتا جسے میں یا عام لوگ یا وہ خود اپنے آپ کو علم کی طرف منسوب کرتا ہو جو اس امر میں اختلاف بیان کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی فرمانبرداری اور آپ کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کرنا فرض قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بعد نبی کریم ﷺ کے سوا کسی کی اتباع فرض نہیں کیا ہے، نیز یہ کہ ہر شخص کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں ہی بولنا لازم ہے دیگر چیزیں ان کے تابع ہیں، نیز یہ

---

(۱) اعلام الموقعین از ابن القیم (۲/ ۲۶۶)۔

(۲) مناقب الشافعی (۱/ ۴۷۴)، والحلیۃ (۹/ ۱۰۶)، ومفتاح الجنۃ (ص ۵۴)، واعلام الموقعین (۲/ ۲۶۶-۲۶۷)۔

کہ ہم پر ہمارے بعد والوں پر اور ہم سے پہلے والوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض ایک ہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی بات ماننا ضروری ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے سوائے ایک فرقہ کے، جس کے قول کے بارے میں ان شاء اللہ میں بتاؤں گا۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

پھر رسول اللہ ﷺ سے مروی خبر واحد کو ثابت کرنے کی بابت اہل کلام کا بڑا جداگانہ اختلاف ہے [1] اور کچھ لوگ جنہیں عوام فقہ کی طرف منسوب کرتی ہے وہ بھی اس قدر الگ تھلگ ہو گئے ہیں کہ غور و تحقیق سے کنارہ کش ہو کر تقلید، غفلت اور بعجلت حصول سرداری کو ترجیح دیدیا ہے" [2]۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے ہم سے کہا:

"إِذَا صَحَّ لَكُمْ الْحَدِيثُ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ فَقُولُوا لِي، حَتَّى أَذْهَبَ إِلَيْهِ" [3]۔

جب آپ لوگوں کے پاس نبی کریم ﷺ کی حدیث صحیح ہو تو مجھے بتلاؤ تاکہ میں اسے اپنا لوں۔

نیز امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كَانَ أَحْسَنُ أَمْرِ الشَّافِعِيِّ عِنْدِي أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَمِعَ الْخَبَرَ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ، قَالَ بِهِ وَتَرَكَ قَوْلَهُ" [4]۔

میرے نزدیک امام شافعی کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ جب وہ کوئی حدیث سنتے جو ان کے پاس نہ ہوتی، تو اسے فوراً اپنا لیتے اور اپنا قول ترک کر دیتے۔

ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا:

"لَا نَتْرُكُ الْحَدِيثَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَإِنَّهُ لَا يَدْخُلُهُ الْقِيَاسُ، وَلَا مَوْضِعَ لِلْقِيَاسِ لِمَوْقِعِ السُّنَّةِ" [5]۔

---

(۱) یہاں تک مناقب الشافعی میں ہے (۱/۴۷۵-۴۷۶)۔

(۲) اعلام الموقعین (۲/۲۶۷)۔

(۳) اعلام الموقعین (۲/۲۶۷)، وحلیۃ الاولیاء (۹/۱۰۶)، ومناقب الشافعی (۱/۴۷۶)۔

(۴) اعلام الموقعین (۲/۲۶۷)، ومناقب الشافعی (۱/۴۷۶)۔

(۵) اعلام الموقعین (۲/۲۶۷-۲۶۸)، ومناقب الشافعی (۱/۴۷۶)۔

ہم رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں چھوڑ سکتے، کیونکہ اس میں قیاس داخل نہیں ہوتا، اور جہاں سنت ہو وہاں قیاس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

ربیع کہتے ہیں (کہ امام شافعی نے فرمایا):

''وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِأَبِي هُوَ وَأُمِّي، أَنَّهُ قَضَى فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ أُنْكِحَتْ بِغَيْرِ مَهْرٍ، فَمَاتَ زَوْجُهَا، فَقَضَى لَهَا بِمَهْرِ نِسَائِهَا؛ وَقَضَى لَهَا بِالْمِيرَاثِ''[1]۔

نبی کریم ﷺ 'میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بروع بنت واشق کے بارے میں، جن کا نکاح مہر متعین کئے بغیر ہوا، اور ان کے شوہر کی وفات ہوگئی، تو آپ ﷺ نے ان کے لئے دیگر عورتوں جیسے مہر کا فیصلہ کیا اور انہیں میراث میں حق دلوایا۔

اگر یہ بات نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے تو ہمارے لئے سب سے زیادہ لائق وسزاوار ہے، نبی کریم ﷺ کے علاوہ دیگر لوگوں کی باتوں میں کوئی حجت ہے، نہ قیاس میں، اللہ کی اطاعت کرنے اور اس کے نبی کی بات تسلیم کرنے کے سوا کچھ بھی گنجائش نہیں[2]، اور اگر نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے تو کسی کے لئے غیر ثابت کو ثابت کرنا ممکن نہیں، اور مجھے کسی بھی سند سے اس جیسی روایت یاد نہیں، کبھی معقل بن سنان سے مروی ہے، کبھی معقل بن یسار سے مروی ہے، اور کبھی بنواشجع کے کسی فرد سے مروی ہے، جس کے نام کا پتہ نہیں''[3]۔

ربیع کہتے ہیں: کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نماز میں رفع یدین (ہاتھوں کو اٹھانے) کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: نمازی اپنے دونوں ہاتھوں کو نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں مونڈھوں تک

---

(۱) مناقب الشافعی میں: بروایت ربیع امام شافعی سے منقول ہے، ربیع کا اپنا قول نہیں ہے، برخلاف اس کے جو امام ابن القیم اور علامہ فلانی نے ذکر کیا ہے۔ اور بروع کی حدیث کو امام ابوداود (حدیث ۲۱۱۵)، نسائی (حدیث ۳۳۵۵)، ترمذی (حدیث ۱۱۴۵) اور دارمی (حدیث ۲۲۴۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے ارواء الغلیل (حدیث ۱۹۳۹) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اور بروع بن واشق رواسیہ کلابیہ، ہلال بن مرہ کی بیوی صحابیہ ہیں، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (۴/۲۵۱)، والاکمال از ابن ماکولا (۱/۲۴۳)، نیز اسے امام بیہقی نے مناقب الشافعی (۱/۴۷۸-۴۷۹) میں، اور امام احمد نے (۴/۲۷۹-۲۸۰) میں روایت کیا ہے۔ نیز دیکھئے: اعلام الموقعین (۲/۲۶۸)۔

(۲) خبر صحیح ثابت ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

(۳) مناقب الشافعی (۱/۴۷۹)، اعلام الموقعین (۲/۲۶۸)۔

اٹھائے اور رکوع کرتے وقت اٹھائے اور جب رکوع سے اپنے سر کو اٹھائے تب بھی اٹھائے، البتہ سجدہ میں ایسا نہ کرے۔ میں نے عرض کیا: اس سلسلہ میں آپ کی کیا دلیل ہے؟ انہوں نے فرمایا:

ہمیں ابن عیینہ نے زہری کے واسطے سے، انہوں نے سالم کے واسطے سے، انہوں نے اپنے والد کے واسطے سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے قول کی طرح روایت کیا ہے"(1)۔

ربیع کہتے ہیں: کہ میں نے عرض کیا: لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں کہ صرف نماز کے آغاز میں ہاتھوں کو اٹھائے، پھر نہ اٹھائے!

یہ سن کر امام شافعی نے فرمایا: ہمیں امام مالک نے نافع کے واسطے سے بتلایا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے(2)، امام شافعی نے فرمایا: کہ امام مالک رحمہ اللہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے(3)۔

اور اسی پر عمل تھا، لیکن پھر تم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی مخالفت کی، اور کہا کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف آغاز نماز میں اٹھائے گا، باوجودیکہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت کر چکے ہو کہ انہوں نے آغاز نماز اور اسی طرح رکوع سے سر اٹھاتے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھایا ہے! تو کیا بھلا کسی عالم کے لئے جائز ہے کہ اپنی ذاتی رائے کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ترک دے؟ یا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل چھوڑ دے؟ پھر کبھی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے

---

(۱) اسے امام بیہقی نے مناقب الشافعی (۱/ ۴۸۲) میں روایت کیا ہے، اور اسی سند سے امام ترمذی (حدیث ۲۵۵)، نسائی (حدیث ۱۰۲۵)، ابوداود (حدیث ۷۲۱) اور ابن ماجہ (حدیث ۸۵۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور سبھوں نے اسی سند سے ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث امام بخاری (حدیث ۷۳۵)، ومسلم (حدیث ۳۹۰) اور دیگر لوگوں کے یہاں بھی سفیان کے علاوہ سے مروی ہے۔

نیز اور کئی صحابہ سے مروی ہے، چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت امام ترمذی (حدیث ۲۳۹)، نسائی (حدیث ۲۴۰) اور ابوداود (حدیث ۷۵۳) وغیرہ کے یہاں موجود ہے۔

(۲) اسے امام مالک نے اپنی موطا (حدیث ۱۶۹) میں اور ابوداود (حدیث ۷۴۱، ۷۴۲) نے روایت کیا ہے۔

(۳) اسے بھی سابق سند سے (عن الزہری عن سالم عن ابیہ) امام مالک نے موطا (حدیث ۱۶۵) میں مرفوعاً روایت کیا ہے۔

قول پر دوسرے مسائل قیاس کرتے ہو؟ اور پھر دوسرے مقام پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث بھی چھوڑ دیتے ہو! آخر ان میں سے کسی رویہ سے کیوں باز نہیں آتے؟ مجھے بتاؤ کہ جب یہ جائز ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہو کہ آپ ﷺ نے دو یا مرتبہ یا تین مرتبہ رفع یدین کیا ہے، اور اسی میں یہ بھی ہو کہ آپ ﷺ نے دو مرتبہ رفع یدین کیا ہے، تو کیا جائز ہے کہ ایک کو لے اور دوسری کو چھوڑ دے؟ اور کیا یہ کسی کے لئے جائز ہے کہ جو آپ نے کیا ہو اُسے چھوڑ دے اور جسے آپ نے چھوڑا ہو اُسے لے لے؟ اور کیا کسی کے لئے جائز ہے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث کو چھوڑ دے؟ [امام شافعی فرماتے ہیں: کسی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں]۔ پھر میں نے امام شافعی سے عرض کیا: ہمارے صاحب کا سوال ہے کہ رفع یدین کا مقصد کیا ہے؟ فرمایا: [یہ تو بڑی جاہلانہ حجت ہے] اس کا مقصد اللہ کی تعظیم اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی پیروی ہے! اور آغاز نماز میں رفع یدین کا جو مقصد ہے وہی رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا بھی ہے اور تم نے ان دونوں جگہوں کے سلسلہ میں بیک وقت نبی کریم ﷺ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خود اپنی روایت کردہ حدیث کی مخالفت کی ہے، حالانکہ اس سنت کو نبی کریم ﷺ سے تیرہ صحابہ کرام روایت کرتے ہیں جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے لہٰذا جس نے رفع یدین چھوڑا (نہیں کیا) وہ سنت کا تارک ہے"[1]۔

میں کہتا ہوں (ابن القیم رحمہ اللہ): یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی صراحت ہے کہ رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین نہ کرنے والا سنت کا تارک ہے، اور دو روایتوں میں سے ایک روایت کی رو سے امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس بات کی صراحت فرمائی ہے[2]۔

ربیع فرماتے ہیں:

میں نے امام شافعی سے احرام سے پہلے لگائی ہوئی خوشبو جس کا اثر احرام کے بعد بھی باقی ہو یا کنکری مارنے اور حلق کرا لینے کے بعد طواف افاضہ سے پہلے خوشبو لگانے کا حکم پوچھا؟ تو آپ نے فرمایا: جائز ہے میں اُسے پسند کرتا ہوں ناپسند نہیں کرتا، کیونکہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ کی سنت ثابت ہے، اور اس کے علاوہ بہت سارے صحابہ کے آثار بھی موجود ہیں۔ میں نے عرض کیا: اس بارے میں آپ کی کیا دلیل ہے؟ تو آپ نے احادیث و آثار بیان

(۱) مربع قوسین کے درمیان کی عبارت مناقب الشافعی سے اضافہ ہے (۱/ ۴۸۳)، نیز دیکھئے: اعلام الموقعین (۲/ ۲۶۸-۲۷۹)۔

(۲) مسائل الامام احمد لابنہ عبداللہ، ص (۷۰)۔

کئے، اور پھر فرمایا: ہم سے ابن عیینہ نے عمرو بن دینار کے واسطے سے اور انہوں نے سالم سے روایت کیا ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مَنْ رَمَى الْجَمْرَةَ فَقَدْ حَلَّ لَهُ مَا حُرِّمَ عَلَيْهِ إِلَّا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ"[1]۔

جس نے کنکری ماری' اس کے لئے بیویوں اور خوشبو کے علاوہ' تمام حرام چیزیں حلال ہوگئیں۔

اور سالم فرماتے ہیں کہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"طَيَّبْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ"[2]۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو طواف کعبہ (افاضہ) سے پہلے آپ کی حلت کے لئے' خوشبو لگایا۔

اور سنت رسول ﷺ زیادہ مستحق اتباع ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

تمام نیک کاروں اور علماء دین کو ایسا ہی ہونا چاہئے، رہا تمہارا اپنی رائے کی بنا پر سنت رسول ﷺ اور ان کے علاوہ صحابہ کی سنت کو چھوڑنے والا مذہب (تو یہ بڑی جسارت ہے)، اس کا علم تو تمہی کو ہے' تم اپنی مرضی سے جو چاہتے ہو عمل کرتے ہو اور جو چاہتے ہو چھوڑ دیتے ہو"[3]۔

اور کتاب قدیم میں فرماتے ہیں:

مدبر[4] کو فروخت کرنے کے مسئلہ میں زعفرانی کی روایت اُن لوگوں کے جواب میں ہے جنہوں نے امام

---

(۱) یہ سالم بن عبداللہ بن عمر ہیں' ان کی ملاقات عمر رضی اللہ عنہ سے قطعاً نہیں ہوئی، ۱۰۵ھ میں وفات پائے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے موطا (حدیث ۹۸۳) میں بروایت عن نافع وعبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمر روایت کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر ذکر کیا۔

(۲) اسے امام بخاری (حدیث ۱۴۵۴)، مسلم (حدیث ۱۱۸۹)، نسائی (حدیث ۲۶۸۵)، اور ابن ماجہ (حدیث ۲۹۲۶) وغیرہ نے کئی سندوں سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

(۳) مناقب الشافعی (۱/ ۴۸۴)، واعلام الموقعین (۲/ ۲۶۹)۔

(۴) المدبر: اس غلام کو کہتے ہیں جو مالک کی موت کے بعد آزاد ہو، یعنی مالک اپنے غلام کی آزادی کو اپنی موت پر موقوف کردے، التعریفات، از جرجانی (ص ۲۶۵)۔

اور صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدبر غلام کو بیچا ہے، دیکھئے: بخاری (حدیث ۲۲۳۱)، مسلم (حدیث ۹۹۷)، ترمذی (حدیث ۱۲۱۹)، نسائی (حدیث ۴۶۵۲)، ابوداود (حدیث ۳۹۵۵)، ابن ماجہ (حدیث ۲۵۱۲) اور دارمی (حدیث ۲۵۷۳) وغیرہ۔

شافعی سے کہا کہ: آپ کے بعض پیروکار اس کے خلاف کہتے ہیں!۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے اُن سے کہا:

''جو سنت رسول ﷺ کی اتباع کرے میں اس کے موافق ہوں اور جو غلط کرے، سنت رسول ﷺ چھوڑ دے میں اس کا مخالف ہوں حتیٰ کہ میرا جگری ساتھی جسے میں نہیں چھوڑ سکتا وہ ہے جو سنت رسول ﷺ کا پیروکار ہے خواہ کتنا ہی دور رہو اور جسے میں چھوڑ دوں گا وہ ہے جو حدیث رسول ﷺ کا قائل نہیں ہے خواہ کتنا ہی قریب ہو''۔

صاحب اعلام الموقعین امام ابن قیم کی بات ختم ہوئی [1]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''توالی التاسیس فی معالی ابن ادریس'' میں فرماتے ہیں:

امام شافعی کا بڑا مشہور قول ہے: ''إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي'' (صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے)، میں نے تقی الدین سبکی کے قلم سے اُن کی کسی کتاب میں اس مسئلہ کی بابت پڑھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''کہ اگر کسی شافعی کو اپنے مذہب کے خلاف کوئی صحیح حدیث ملے اور اس مسئلہ میں اُس کے یہاں مکمل اجتہادی صلاحیت ہو تو وہ اس حدیث پر عمل کرے بشرطیکہ ایسا نہ ہو کہ امام کو اس کا علم ہوا ہو اور اس نے اس کا جواب دیا ہو، اور اگر اجتہادی مکمل صلاحیت نہ ہو اور اُسے اصحاب مذاہب میں سے کوئی امام ملے جس نے اس پر عمل کیا ہو تو اس کے لئے اس کی تقلید کرنا جائز ہے اور اگر کوئی نہ ملے اور مسئلہ بھی اجماعی نہ ہو تو امام سبکی فرماتے ہیں: ''ایسی صورت میں حدیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے اور اگر اجماع فرض کیا جائے تو نہیں''۔

میں کہتا ہوں: یہ چیز اس وقت مزید تاکیدی ہو جاتی ہے جب امام نص مسئلہ کو کسی حدیث کی بنیاد پر پائے جس کے بارے میں اس کا گمان ہو کہ صحیح ہے اور پھر واضح ہو کہ صحیح نہیں ہے اور اس کے برخلاف کوئی صحیح حدیث بھی مل جائے۔ اسی طرح اگر امام کو اس حدیث کا علم ہو لیکن اس کے یہاں اس کے خلاف کوئی حدیث ثابت نہ ہو بلکہ اس کی صحیح ثابت سند بھی مل جائے۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کثرت سے مسائل پر حکم کو محدثین کے یہاں حدیث کی صحت وثبوت پر موقوف کیا ہے، جیسا کہ بویطی فرماتے ہیں: ''اگر میت کو نہلانے والے کے غسل کرنے کی بابت حدیث [2] صحیح ہو تو میں اس کا قائل ہوں، اور کتاب الأم میں فرماتے ہیں: اگر حج میں شرط لگانے کی بابت ضباعہ

---

(۱) اعلام الموقعین (۲/۲۶۶-۲۷۰)۔

(۲) حدیث: ''مَنْ غَسَّلَ الْمَيِّتَ فَلْيَغْتَسِلْ'' (جو میت کو نہلائے وہ غسل کرے) کو امام ترمذی (حدیث ۹۹۳)، ابوداود (حدیث ۳۱۶۱)۔ ===

کی حدیث صحیح ہو[1] تو میں اس کا قائل ہوں وغیرہ۔ میں نے اس سلسلہ میں ایک کتاب ترتیب دی ہے' جس کا نام ''المحنۃ فیما علق الشافعی القول بہ علی الصحۃ'' رکھا ہے، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اسے پایۂ تکمیل کو پہنچائے ان شاء اللہ''[2]۔ بات ختم ہوئی۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین میں رقمطراز ہیں:

امام شافعی کا قول: ''إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي'' (صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے)، اپنے معنیٰ میں دوٹوک ہے کہ حدیث رسول ﷺ کا معنیٰ و مدلول ہی ان کا مذہب ہے' اس کے علاوہ ان کا کوئی قول نہیں، لہٰذا حدیث رسول کے خلاف کسی بات کو ان کی طرف منسوب کر کے یہ کہنا جائز نہیں کہ'' یہ امام شافعی کا مذہب ہے'' نہ ہی حدیث رسول کے خلاف کو امام شافعی کا مذہب سمجھ کر اس کی بنیاد پر فتویٰ دینا حلال ہے' اور نہ ہی اس کے ذریعہ فیصلہ کرنا جائز ہے! امام شافعی کے مذہب کے ائمہ کی ایک جماعت نے اس کی صراحت کی ہے' یہاں تک کہ ان میں سے بعض ایسے ائمہ بھی ہیں کہ جب پڑھنے والا ان کے سامنے مسئلہ پڑھتا تو وہ کہتے: اس کے برخلاف صحیح حدیث موجود ہے' اس مسئلہ کو مٹادو' کیونکہ امام شافعی کا مذہب نہیں ہے! اور قطعی طور پر یہی بات صحیح اور درست ہے' اگر وہ نہ

=== ابن ماجہ (حدیث ۱۴۶۳) اور احمد نے (۲/ ۲۷۲) روایت کیا ہے۔ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابوداود (حدیث ۲۷۰۷) میں صحیح قرار دیا ہے۔ مغیرہ بن شعبہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(۱) حج میں شرط لگانے کا معنیٰ یہ ہے کہ عازم حج احرام کے وقت کہے:

''لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، وَمَحِلِّي مِنَ الْأَرْضِ حَيْثُ حَبَسْتَنِي''۔ (میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، اور میرے حلال ہونے کی جگہ وہی ہے جہاں تو مجھے روک لے)۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: محرم کو اگر کوئی بیماری یا عذر لاحق ہو جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ حلال ہو کر اپنے احرام سے نکل جائے، یہی امام شافعی احمد، اور اسحاق کا قول ہے، جبکہ بعض اہل علم حج میں شرط لگانے کے قائل نہیں ہیں''۔

اور ضباعہ: یہ بنت زبیر بن عبد المطلب ہاشمیہ، نبی کریم ﷺ کی چچازاد بہن، صحابیہ ہیں، مقداد بن اسود کی بیوی ہیں تقریب التہذیب (۸۶۲۹)۔

اس حدیث کو امام مسلم (حدیث ۱۲۰۸)، ترمذی (حدیث ۹۴۱)، ابوداود (حدیث ۱۷۷۶)، نسائی (حدیث ۲۷۶۶)، ابن ماجہ (حدیث ۲۹۳۸) اور احمد (۱/ ۳۳۷، ۳۵۲) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، جبکہ امام بخاری (حدیث ۵۰۸۹)، مسلم (حدیث ۱۲۰۷) اور احمد (۶/ ۱۶۴) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، اور ابن ماجہ (حدیث ۲۹۳۶) اور احمد (۶/ ۳۴۹) نے اسماء سے روایت کیا ہے، اور خود ضباعہ سے ابن ماجہ (حدیث ۲۹۳۷) اور احمد (۶/ ۳۶۰، ۴۱۹) نے روایت کیا ہے، اور ام سلمہ سے بھی امام احمد نے روایت کیا ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

(۲) توالی التاسیس، (ص ۱۰۹)۔

بھی صراحت کرتے، چہ جائیکہ انہوں نے صراحت فرمائی ہے اور بار بار دہرایا ہے اور بھی الفاظ میں کہا ہے، جو سب اپنے معنیٰ میں صریح اور واضح ہیں؟ لہٰذا ہم اللہ کی گواہی دیتے ہیں کہ اُن کا مذہب اور قول وہی ہے، جس کے علاوہ کوئی قول نہیں، جو حدیث کے موافق ہو، نہ کہ جو مخالف ہو اور جو ان کی طرف اس کے برخلاف کچھ منسوب کرتا ہے، وہ اُن کے مذہب کے خلاف منسوب کرتا ہے، بالخصوص اس صورت میں جب انہوں نے خود اس حدیث کو ذکر کیا ہو اور بتلایا ہو کہ اس کے خلاف انہوں نے اس لئے کہا ہے کہ اُس کی سند میں ضعف ہے، یا کسی معتبر سند سے ان تک نہیں پہنچی ہے، پھر حدیث کی کوئی صحیح سند مل جائے جس میں کوئی خلل نہ ہو اور محدثین نے کچھ سندوں کی بنا پر اُسے صحیح قرار دیا ہو، جو اُن تک پہنچی ہوں، تو کسی عالم کو کوئی شک یا جھگڑا نہیں ہونا چاہئے کہ قطعی طور پر یہی ان کا مذہب ہے، مثال کے طور پر جیسے "جوائح" یعنی آسمانی آفتوں کا مسئلہ ہے"[1] کہ انہوں نے سفیان بن عیینہ کی حدیث[2] میں

---

(۱) الجوائح: جائحہ کی جمع ہے، یہ اس آفت کو کہتے ہیں جو پھلوں اور دیگر اموال پر آئے اور اسے پوری طرح نیست و نابود کردے، اور ہر بڑی مصیبت اور ہلاکت انگیز فتنہ کو بھی جائحہ کہا جاتا ہے، دیکھئے: النھایۃ فی غریب الحدیث، از ابن الاثیر (۱/ ۳۱۱-۳۱۲)۔

ان آفات کے مسئلہ میں علامہ ابن قدامہ المغنی (۶/ ۱۷۷-۱۸۸) میں فرماتے ہیں:

مسئلہ: اگر کوئی اصل کے بجائے صرف پھل خریدے، اور وہ کسی آسمانی آفت کے سبب تباہ ہو جائے تو وہ بیچنے والے سے آ کر کہے گا (جس کا خلاصہ یہ ہے): آسمانی آفت کے سبب جو پھل برباد ہوں گے وہ بیچنے والے کے ذمہ ہیں، یہ اکثر اہل مدینہ کا قول ہے، ان میں امام مالک اور محدثین کی ایک جماعت ہے، اور امام شافعی کا پرانا قول بھی یہی ہے، البتہ نیا قول یہ ہے کہ اس کا ذمہ خریدار پر ہے۔ پھر کہتے ہیں: کہ امام شافعی نے فرمایا: میرے یہاں ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آسمانی مصیبتوں سے ہونے والے نقصان کو چھوڑنے کا حکم دیا ہے، اور اگر ثابت ہوتا تو میں اس سے آگے نہ جاتا، اور اگر میں اسے چھوڑنے کا قائل ہوتا تو کم وبیش سب میں ہوتا"۔

پھر فرماتے ہیں: ہم کہتے ہیں کہ حدیث ثابت ہے، اسے کئی ائمہ نے روایت کیا ہے، پھر کہتے ہیں: جائحہ: ہر اس آفت کو کہتے ہیں جس میں آدمی کا کوئی دخل نہ ہو جیسے طوفانی ہوا، ژالہ باری، ٹڈی، اور پیاس (خشکی)"۔ آگے فرماتے ہیں: حنبلی مذہب میں بظاہر یہ ہے کہ کم یا زیادہ آفت میں کوئی فرق نہیں ہے، سوائے اس کے جتنا نقصان عادتاً ہوتا رہتا ہے" پھر امام احمد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ: ایک تہائی سے کم نقصان ہو تو خریدار ذمہ دار ہوگا، کیونکہ اتنا تو لازمی طور پر پرندے کھا لیتے ہیں، اور ہوا کے سبب جھڑتا اور گرجاتا ہے، اور شریعت اسلامیہ میں کئی جگہوں پر ایک تہائی کا اعتبار کیا گیا ہے، جیسے وصیت، مریض کے عطیے، اسی طرح عورت کے ایک تہائی زخم کا مرد کے زخم کے برابر ہونا" وغیرہ، مکمل مسئلہ اس کے مراجع میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) سفیان بن عیینہ کی روایت کو امام مسلم (حدیث ۱۵۵۴)، نسائی (حدیث ۴۵۲۹)، اور ابوداود (حدیث ۳۳۷۴) نے حمید الاعرج عن سلیمان بن عتیق عن جابر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "آفتوں کے نقصان کو چھوڑ دینے کا حکم دیا"۔ اور امام ابوداود فرماتے ہیں: ایک تہائی کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے کوئی بات صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ اہل مدینہ کی رائے ہے۔ اور حکم استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں۔ بات ختم ہوئی۔

علت بیان کی ہے کہ: ہوسکتا ہے انہوں نے جوائح کا ذکر چھوڑ دیا ہو، جبکہ وہ حدیث سفیان کی سند علاوہ [1] دوسری سند سے بالکل صحیح ہے، جس میں کسی طرح کی کوئی علت یا شبہہ نہیں ہے، لہٰذا امام شافعی کا مذہب جوائح کو درگزر کرنا ہے، توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

اور ائمہ شوافع نے صراحت کی ہے کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ صلاۃ وسطیٰ (درمیانی نماز) نماز عصر ہے [2]، اور جس کی موت ہو اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اُس کی طرف سے اس کا ولی رکھے گا [3]، اور اونٹ کا گوشت

---

(۱) ابن جریج عن ابی الزبیر کے طریق سے بروایت جابر رضی اللہ عنہ مرفوعاً ثابت ہے:

"لَوْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا، فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ، فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا، بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ؟"۔

اگر تم اپنے بھائی سے پھل بیچو اور اس پر کوئی آسمانی آفت آجائے تو تمہارے لئے اس سے کچھ بھی لینا حلال نہیں آخر تم اپنے بھائی کا مال ناحق کیسے لوگے؟

اسے امام مسلم (حدیث ۱۵۵۴)، نسائی (حدیث ۴۵۲۷، ۴۵۲۸)، ابوداود (حدیث ۳۴۷۰)، ابن ماجہ (حدیث ۲۲۱۹)، اور دارمی (حدیث ۲۵۵۶) نے روایت کیا ہے، اور ان میں سے بعض طرق میں ابن جریج اور ابوالزبیر نے سماع اور تحدیث کی صراحت کی ہے۔

(۲) صحیح میں علی رضی اللہ عنہ سے اس بات کا اشارہ (بلکہ صراحت) ثابت ہے کہ صلاۃ وسطیٰ (درمیانی نماز) نماز عصر ہے، اسے امام بخاری (حدیث ۲۹۳۱)، مسلم (حدیث ۶۲۷)، ترمذی (حدیث ۲۹۸۴)، نسائی (حدیث ۴۷۳)، ابوداود (حدیث ۴۰۹)، ابن ماجہ (حدیث ۶۸۴)، اور دارمی (حدیث ۱۲۳۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور امام مسلم نے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (حدیث ۶۲۸)، ترمذی (حدیث ۱۸۱، ۲۹۸۵)۔ اور اسی طرح ابن ماجہ (حدیث ۶۸۶) نے صریح الفاظ میں مرفوعاً روایت کیا ہے:

"الصَّلَاةُ الْوُسْطَى، صَلَاةُ الْعَصْرِ"۔ (درمیانی نماز نماز عصر ہے)۔

نیز مائی عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت کریمہ: ﴿حَٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ﴾ [البقرۃ:۲۳۸]۔ "وَصَلَاةِ الْعَصْرِ"۔

(نمازوں کی پابندی کرو بالخصوص درمیانی نماز (یعنی نماز عصر کی) املا کرائی، اور کہنے لگیں: "میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے"۔ اسے امام مسلم (حدیث ۶۲۹)، ترمذی (حدیث ۲۹۸۲)، نسائی (حدیث ۴۷۲)، ابوداود (حدیث ۴۱۰) اور امام مالک (حدیث ۳۱۵) نے روایت کیا ہے۔

اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سابقہ آیت کی تفسیر میں اپنا قول مروی ہے کہ "یہ نماز عصر ہے اور یہ مصحف میں تھا اس کی تلاوت ہوتی تھی پھر صلاۃ وسطیٰ کے لفظ سے منسوخ کر دیا گیا، صحیح مسلم (حدیث ۶۳۰) واحمد (۴ / ۳۰۱)۔

اسی طرح زید بن ثابت نے سابقہ آیت کا ذکر کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے کہ اس سے پہلے دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد دو نمازیں، اسے ابوداود (حدیث ۴۱۱) اور احمد (۵ / ۱۸۳) نے روایت کیا ہے۔

(۳) یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث ہے: "مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ"۔

(جس کی موت ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی رکھے)۔

===

کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے[1]، اور یہ حجامہ (سینگی) کے ذریعہ روزہ ٹوٹنے کے برخلاف ہے[2]، اور مقتدی بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ امام بھی اسی طرح پڑھ رہا ہو[3]، کیونکہ اس بارے میں حدیث صحیح ہے لہٰذا وہ ان کا

=== اسے امام بخاری (حدیث ۱۹۵۲)، مسلم (حدیث ۱۱۴۷)، ابوداود (حدیث ۲۴۰۰، ۳۳۱۰)، ابن ماجہ (حدیث ۱۷۲۸) اور احمد (۶/ ۶۹) نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح بریدہ بن حصیب سے بھی مروی ہے جسے امام مسلم (حدیث ۱۱۴۹)، ترمذی (حدیث ۶۶۷، ۹۲۹)، ابوداود (حدیث ۱۶۵۶)، ابن ماجہ (حدیث ۱۷۵۹) اور احمد (۵/ ۳۴۹، ۳۵۹، ۳۶۱) نے روایت کیا ہے۔

(۱) اونٹ کے گوشت سے وضو کی حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسے امام مسلم (حدیث ۳۶۰)، ابن ماجہ (حدیث ۴۹۵) اور احمد نے کئی جگہوں پر روایت کیا ہے، اور براء بن عازب کی حدیث کو امام ترمذی (حدیث ۸۱)، ابوداود (حدیث ۱۸۴)، ابن ماجہ (حدیث ۴۹۴) اور احمد (۴/ ۲۸۸) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے صحیح ابوداود (حدیث ۱۶۹) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

رہا مسئلہ اس کے دودھ سے وضو کا تو اس کا ذکر اسید بن حضیر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں آیا ہے لیکن روایتیں ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ اسید کی حدیث کو ابن ماجہ (حدیث ۴۹۶) اور احمد (۴/ ۳۵۲، ۳۹۱) نے روایت کیا ہے، اور اس میں حجاج بن ارطاۃ ہے، اور ابن عمر کی حدیث کو بھی ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس میں عطاء بن السائب ہے۔

(۲) امام ترمذی نے رافع بن خدیج کی حدیث (حدیث ۷۷۴) پر تبصرہ کرتے ہوئے امام شافعی کا قول ذکر کیا ہے: نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے روزہ کی حالت میں پچھنا لگوایا، اسی طرح نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''أَفْطَرَ الحاجِمُ والمحجومُ'' (پچھنا لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا)۔ میں ان دونوں میں سے ایک حدیث کو ثابت نہیں سمجھتا، اور اگر آدمی حالت صوم میں پچھنا لگوانے سے احتراز کرے تو یہ میرے نزدیک زیادہ محبوب اور بہتر ہے، اور اگر کوئی روزہ دار پچھنا لگوا لے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا''۔

چنانچہ پہلی حدیث: صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، جن میں رافع بن خدیج بھی ہیں، ان کی روایت کو امام ترمذی (حدیث ۷۷۴) اور احمد (۳/ ۴۶۵) نے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے کہا ہے: حدیث حسن صحیح ہے، اور امام احمد بن حنبل سے ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''اس باب کی صحیح ترین حدیث ہے''، اسی طرح ثوبان بن بجدد سے مروی ہے، اسے ابوداود (حدیث ۲۳۶۷) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے صحیح ابوداود (حدیث ۲۰۴۷) میں صحیح قرار دیا ہے، نیز ابن ماجہ (حدیث ۱۶۸۰) اور دارمی (حدیث ۱۷۳۰) نے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، امام ابوداود (حدیث ۲۳۶۸) اور احمد (۴/ ۱۲۲، اور دیگر جگہوں پر) نے روایت کیا ہے۔

دوسری حدیث: یہ عملی سنت ہے، جسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رویت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے روزہ کی حالت میں پچھنا لگوایا، اسے امام بخاری (حدیث ۱۹۳۸)، ترمذی (حدیث ۷۷۶)، ابوداود (حدیث ۲۳۷۲)، اور ابن ماجہ (حدیث ۳۰۸۱)، وغیرہ نے روایت کیا ہے، اسی طرح امام ترمذی نے ضعیف سند سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: ''ثَلَاثٌ لَا يُفطِرْنَ الصَّائِمَ'' (تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا) اور ان میں پچھنا لگانے کا ذکر کیا ہے، (حدیث ۷۱۹)، اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم ہے۔

(۳) مقتدی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا جبکہ امام بھی اسی حالت میں ہو: یہ بھی کئی صحابہ سے مروی ہے ان میں عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، اسے امام بخاری (حدیث ۶۸۸، ۵۶۵۸) نے روایت کیا ہے۔ ===

مذہب نہیں اس لئے کہ انہوں نے اس حدیث کی روایت کرنے اور اس کی صحت کا علم ہونے کے باوجود اس کی مخالفت کی ہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ منسوخ ہے اور یہ وہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، کیونکہ اس قسم میں نسخ وعدم نسخ میں غور کرنا ہوتا ہے جبکہ پہلی صورت میں حدیث کی صحت اور سند کی مضبوطی پر غور کرنا ہوتا ہے لہٰذا اسے خوب سمجھ لو"[1]۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ کی بات ختم ہوئی۔

امام عز بن عبد السلام رحمہ اللہ اپنے "قواعد" میں فرماتے ہیں[2]:

"کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں سوائے ان کے جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دی ہے جیسے رسول ﷺ، اور علماء، ائمہ، قاضیان، حکمران، والدین، سرداران، بیویوں کے شوہران، اور اعمال و کاریگریوں کے ٹھیکیداران کی نیز اللہ عزوجل کی معصیت و نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنے کا انجام دنیا واخرت یا دونوں میں سے کسی ایک میں تباہ کن فساد ہے لہٰذا جو کسی نافرمانی کا حکم دے اس کی بات سنی جائے گی نہ مانی جائے گی الا یہ کہ کوئی انسان کسی کام پر مجبور کر دیا جائے جو مجبور کئے جانے کے سبب مباح ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کی اطاعت کرنے والا گنہ گار نہ ہوگا بلکہ بسا اوقات اس کی اطاعت واجب بھی ہو سکتی ہے اس لئے نہیں کہ وہ حکم دینے والا ہے بلکہ قتل کئے جانے یا کاٹ دیئے جانے یا آبرو پر زیادتی وغیرہ پر کسی قسم کے فساد کے دفعیہ کے لئے۔ اور اگر امام یا حاکم کسی انسان کو کسی ایسی بات کا حکم دے جس کے بارے میں حکم دینے والے کا خیال ہو کہ وہ حلال ہے اور جسے حکم دیا جا رہا ہو اس کا خیال ہو کہ وہ حرام ہے تو کیا حکم دینے والے کی رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا کرنا جائز ہوگا یا پھر جسے حکم دیا جا رہا ہے اس کی رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا کرنا ممنوع

=== اور حمیدی فرماتے ہیں: "یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے آخری نماز جو پڑھی اس میں آپ بیٹھے ہوئے اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے"، نیز مسلم (حدیث ۴۱۲) اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے، اسی طرح انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسے امام بخاری (حدیث ۶۸۹) و مسلم (حدیث ۴۱۱)، وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسے بھی امام بخاری (حدیث ۷۲۲) اور مسلم (حدیث ۴۱۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسے بھی امام مسلم (حدیث ۴۱۳) نسائی (حدیث ۱۲۰۰)، اور ابو داود (حدیث ۶۰۵،۶۰۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(۱) إعلام الموقعین (۴/ ۲۳۳-۲۳۴)۔

(۲) یہ عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام بن ابو القاسم حسن بن محمد بن مہذب سلمی، شافعی فقیہ ہیں، ۵۷۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۶۰ھ میں وفات پائے، ان کی کتاب القواعد الکبریٰ ہے جو "قواعد الأحکام فی مصالح الأنام" کے نام سے معروف ہے، ھدیۃ العارفین از بغدادی (۵۸۰)، عقیدۃً اشعری، صوفی ہیں، جیسا کہ اس کتاب میں ان کی باتوں سے واضح ہوتا ہے۔

ہوگا؟اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور مسئلہ اس بات کے ساتھ خاص ہے جس میں حکم دینے والے کا حکم توڑا نہ جاسکتا ہو اب اگر وہ ان باتوں میں سے ہو جس میں حکم توڑا جاسکتا ہو تو اس میں سمع وطاعت (سننا اور ماننا) نہیں ہے اسی طرح جاہل امراء اور بادشاہوں کی اطاعت بھی نہیں کی جائے گی سوائے ان امور میں جن میں مامور کو علم ہو کہ شریعت میں اس بات کی اجازت ہے۔

صرف تنہا اللہ تعالیٰ ہی اطاعت کا مستحق ہے کیونکہ پیدائش و پرداخت نگرانی غذا رسانی، اور دینی و دنیوی خیر و بھلائی کی تمام نعمتیں اُسی کے ساتھ خاص ہیں وہی ہر بھلائی سے نوازنے والا اور ہر برائی کو ٹالنے والا ہے، بندوں میں سے کوئی قابل اطاعت ہونے میں اس سے زیادہ حقدار نہیں ہے کیونکہ ان میں سے کسی کے پاس اللہ کی بابت ذکر کردہ نعمتوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے اسی لئے اللہ کے سوا کسی کا کوئی حکم و فیصلہ نہیں، اُس کے احکام و فیصلے کتاب وسنت، اجماع، قیاس صحیح اور معتبر استدلالات سے مستنبط و مستفاد ہوتے ہیں لہٰذا کسی کے لئے استحسان یا مصلحت مرسلہ کا استعمال جائز ہے نہ کسی کی تقلید کرنا جس کی تقلید کا حکم نہیں دیا گیا ہے، جیسے کوئی مجتہد کسی مجتہد کی تقلید کرے یا صحابہ کی تقلید کرے اوران مسائل میں علماء کے مابین اختلاف بھی ہے لیکن حاصل یہ کہ اس باب میں فرمان باری:

﴿إِنِ ٱلْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ﴾ [یوسف:۴۰]۔

فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

کی مخالفت کرنے والے کی تردید کی جائے گی۔

البتہ عوام الناس اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کی ذمہ داری تقلید کرنا ہے [1] کیونکہ وہ بذریعہ اجتہاد احکام کی معرفت تک رسائی سے عاجز ہوتے ہیں برخلاف مجتہد کے کہ اُسے حکم تک پہنچانے والے غور وفکر کی قدرت ہوتی ہے۔

اور اگر کوئی کسی امام کی تقلید کرے پھر اُسے چھوڑ کر دوسرے کی تقلید کرنا چاہے تو اُس کے لئے ایسا کرنا روا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے، صحیح بات یہ ہے کہ مسئلہ میں تفصیل ہے:

جس مذہب میں منتقل ہونا چاہتا ہے اگر اس میں حکم ٹوٹتا ہو تو اس کے لئے کسی ایسے حکم میں منتقل ہونا روا نہیں جس کا توڑنا واجب ہو کیونکہ اس کا توڑنا اسی لئے واجب ہوگا کہ وہ باطل ہے! البتہ اگر دونوں مذاہب کے مآخذ قریب قریب ہوں تو دوسرے مذہب میں منتقل ہونا اور تقلید کرنا جائز ہے، کیونکہ لوگ دور صحابہ سے لے کر ائمہ اربعہ

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں: کتاب کا (ص ۶۲، حاشیہ ۲، وص ۱۹۱، حاشیہ ۳، وص ۱۹۳، وص ۲۹۰، حاشیہ ۱)۔

کے مذاہب رونما ہونے تک کسی بھی عالم کی تقلید کیا کرتے رہے ہیں [1]' اس میں کسی معتبر شخصیت کی طرف سے کوئی نکیر وارد نہیں ہے' اور اگر یہ چیز باطل ہوتی تو اس پر ضرور نکیر کرتے۔ اسی طرح افضل ہی کی تقلید بھی واجب نہیں ہے' گرچہ کہ زیادہ حقدار وہی ہے' کیونکہ اگر افضل ہی کی تقلید واجب ہوتی تو صحابہ وتابعین کے زمانوں میں لوگ بلانکیر فاضل ومفضول کی تقلید نہ کرتے' جبکہ وہ فاضل ومفضول کی تقلید میں آزاد تھے، اور افضل شخص تمام لوگوں کو اپنی ذات کی تقلید کی طرف بلاتا تھا نہ ہی فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول سائل کو جواب دینے منع کرتا تھا، اس میں کوئی عقلمند شک نہیں کرسکتا۔

لیکن عجیب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ: فقہاء مقلدین میں کا ایک شخص اپنے امام کے کمزور مذہب پر ڈٹا رہتا ہے' باوجودیکہ اس کے پاس اس کمزوری کے دفعیہ کی کوئی صورت بھی نہیں ہوتی' لیکن اس کے باوجود وہ اس میں اس کی تقلید کرتا ہے، اور اپنے امام کی تقلید پڑ اَڑے رہنے کی بنا پر' اپنے مذہب کے بالمقابل کتاب وسنت کے شواہد اور قیاس صحیح کو ترک کردیتا ہے، یہی نہیں بلکہ کتاب وسنت کے ظواہر کو ٹالنے کے لئے بڑی حیلہ جوئی کرتا ہے' اور اپنے امام (مُقلَّد) کے دفاع میں اُن کی باطل اور دور از کار تاویلیں کرتا ہے! ہم نے انہیں دیکھا ہے کہ مجلسوں میں اکٹھا ہوتے ہیں' اور اگر ان کے سامنے اُس مسئلہ کے خلاف کوئی بات کہہ دی جاتی ہے' جس پر اُس نے اپنے آپ کو جمار کھا ہے' تو وہ کسی دلیل کی بنیاد پر اطمینان کے بجائے' حد درجہ تعجب کرتا ہے' کیونکہ اپنے امام کی تقلید سے مانوس ہوچکا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اُسے گمان ہوتا ہے کہ حق اُس کے امام کے مذہب میں محصور ہے' حالانکہ اگر وہ غور کرے تو خود اس کے امام کا مذہب دوسرے امام کے مذہب سے زیادہ تعجب کا مستحق ہوگا! لیکن ان مقلدین کے ساتھ بحث کرنا فضول اور بلافائدہ باہمی قطع تعلق اور ایک دوسرے سے منہ پھیر لینے کا سبب ہے، میں کسی کو نہیں جانتا جس نے دوسرے مذہب میں حق ظاہر ہونے پر اپنے امام کے مذہب سے رجوع کیا ہو؛ بلکہ

(۱) اولاً: یہ تقلید - جیسا کہ ثابت اور واضح ہے - ان باتوں میں ہے جن میں نص ہے اور اس پر دلیل قائم ہے، لہٰذا یہ اتباع ہے جو قابل ستائش ہے۔

ثانیاً: یہ علم وروشنی کے طلبگار کی تقلید ہے' بایں معنیٰ کہ وہ عالم کے قول کی تقلید نہیں کررہا ہے بلکہ اس کی تقلید اس لئے کررہا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ حق اس کے ساتھ ہے، لہٰذا وہ متبع حق ہے' کسی عالم کا مقلد نہیں۔

ثالثاً: صحابہ رضی اللہ عنہم کے آپس میں ایک دوسرے پر نکیر واستدراک کے سلسلہ میں بہت سارے آثار وارد ہیں، اور ان کے بعد کے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی کتاب جامع بیان العلم ملاحظہ فرمائیں اس قسم کی بہت ساری باتوں سے واقفیت ہوگی۔

صورتحال یہی ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کی کمزوری اور حق سے دوری کا علم ہونے کے باوجود اُس پر اڑا رہتا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان مقلدین کے ساتھ بحث نہ کی جائے کہ جب ان میں سے کوئی اپنے امام کے مذہب کو چلانے سے عاجز ہوتا ہے تو کہتا ہے: ہوسکتا ہے میرے امام کو اس کی کسی دلیل کا علم رہا ہو جس سے میں واقف نہ ہوسکا ہوں نہ جان سکا ہوں!!! اس مسکین کو نہیں معلوم کہ اُس سے بھی اسی جیسی بات کہی جاسکتی ہے اور اس طرح وہ اپنے مقابل کی واضح دلیل اور روشن برہان کو ٹھکرا دیتا ہے! اللہ کی ذات پاک ہے، تقلید نے کتنوں کی کو اندھا کر دیا ہے، یہاں تک کہ اُنہیں بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ مذکورہ باتیں کہنے پر آمادہ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں حق کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے، وہ جہاں بھی ہو اور جس کی زبان پر بھی ظاہر ہو۔

کہاں یہ رویہ اور کہاں سلف صالحین کا مناظرہ، احکام میں باہمی مشورہ اور فریق مخالف کی زبان پر دلیل ظاہر ہونے صورت میں اتباع حق میں سبقت، چنانچہ امام شافعی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”مَا نَاظَرْت أَحَدًا إِلَّا قُلْت اللَّهُمَّ أَجْرِ الْحَقَّ عَلَى قَلْبِهِ وَلِسَانِهِ، فَإِنْ كَانَ الْحَقُّ مَعِي اتَّبَعَنِي وَإِنْ كَانَ الْحَقُّ مَعَهُ اتَّبَعْته“[1]۔

میں نے جب بھی کسی سے مناظرہ کیا یہی کہا: کہ اے اللہ اس کے دل اور زبان پر حق جاری کر دے، اگر حق میرے پاس ہو تو وہ میری پیروی کرلے اور اُس کے پاس ہو تو میں اس کی بات مان لوں۔

اپنے دین وعلم میں متفق علیہ امام کی بات ختم ہوئی[1] جن کے بارے میں امام ابن عرفہ مالکی نے کہا ہے[3]:

”امام عزالدین بن عبدالسلام کے بغیر مسلمانوں کا اجماع منعقد ہی نہیں ہوسکتا“۔

نیز اپنے قواعد میں فرماتے ہیں:

اگر مجتہد کسی شرعی حکم میں اجتہاد کرے، پھر واضح ہو کہ اس کا گمان درست نہ تھا، اب اگر معلوم ہو کہ دوسرا گمان اس

---

(۱) امام بیہقی نے المدخل (ص ۱۵۷-۱۶۰) اور مناقب الامام الشافعی (۱/ ۱۷۳-۱۷۵) میں اور ابونعیم نے الحلیۃ (۹/ ۱۴۸) میں اس کے ہم معنی نقل فرمایا ہے۔

(۲) قواعد الاحکام (۲/ ۱۵۷-۱۶۰)۔

(۳) یہ محمد بن محمد بن عرفہ ورغمی تیونسی مالکی، ابوعبداللہ، قاری، فقیہ، اصولی ہیں، ان کی تالیفات میں المبسوط، اور مختصر الفرائض وغیرہ ہیں، ۵۹۵ھ میں پیدا ہوئے، اور ۶۸۰ھ میں وفات پائے، معجم المولفین (۱۱/ ۲۸۵)، والدیباج المذھب (۲/ ۳۳۱-۳۳۲)۔

کے برابر ہے یا اُس سے معمولی راجح ہے، اب اگر اس گمان سے حکم متعلق ہو تو اپنا فیصلہ توڑ دے اور پہلے اجتہاد پر مبنی فیصلوں کے علاوہ دیگر فیصلوں کو اپنے دوسرے اجتہاد پر بنا کرے، اور اگر دونوں مآخذ میں زیادہ بُعد ہو بایں طور کہ پہلے گمان میں اس کی درستی بعید ہو تو اپنا فیصلہ توڑ دے، مثلاً اس کا پہلا اجتہاد کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ کی کسی نص، یا اجماع، یا قیاس جلی یا قواعد کلیہ کے خلاف ہو تو اس کا فیصلہ توڑ دیا جائے گا، اور اگر اس سے کوئی حکم متعلق نہ ہو، تو اپنے پہلے اجتہاد ہی پر بنا کرے، اِلا یہ کہ دونوں گمان یکساں ہوں تو صحیح قول کے مطابق توقف کرنا واجب ہے''[1] بات ختم ہوئی۔

نیز فرماتے ہیں:

''میں نہیں سمجھتا کہ مجتہدین میں سے کسی فرد کی ہر مسئلہ میں جس میں اس کی مخالفت ہوئی ہو اس میں اس کی درستی اس کی غلطی سے زیادہ ہو، بہ نسبت اس کے جس میں اس نے مخالفت کی ہو، اور شریعت ایک پیمانہ اور کسوٹی ہے جس پر لوگوں، اقوال، اعمال، معارف اور احوال سب پرکھے جاتے ہیں، جسے شریعت کا پیمانہ راجح قرار دے وہ ارجح ہے اور خطا کاروں پر کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ اجتہاد میں اور احکام کی تعریف میں حسب استطاعت حد درجہ ذمہ داری ادا کرے جسے اللہ نے اس پر واجب قرار دیا ہے؛ کیونکہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے، لہٰذا ان میں سے جس نے حق و درستی کو پالیا، اسے دوہرا اجر ملے گا، ایک اجتہاد کا اور دوسرا درستی کا۔ اور جس سے تمام کوششوں کے بعد غلطی ہوگئی اس کی غلطی معاف ہے، اسے اپنے اجتہاد کے مقدمات میں درستی کی چاہت پر اجر سے نوازا جائے گا، اور یقیناً وہ شخص کامیابی سے ہمکنار ہوا جس نے وہ بات کہی جس کے وجوب پر لوگوں کا اجماع ہے اور جس کی حرمت پر اجماع ہے اُس سے اجتناب کیا، اور جس کے مباح قرار دینے پر اجماع ہے اُسے مباح قرار دیا، اور جس کے مباح ہونے پر اجماع ہے اُسے انجام دیا، اور جس کے مکروہ ہونے پر اجماع ہے اس سے اجتناب کیا، اور جس نے علماء کے یہاں مختلف فیہ مسئلہ کو اپنایا اُس کی دو حالتیں ہیں:

پہلی حالت یہ ہے کہ مختلف فیہ مسئلہ ایسا ہو جس کے ذریعہ کوئی حکم و فیصلہ ٹوٹتا ہو تو اس میں تقلید کا کوئی راستہ نہیں ہے؛ کیونکہ یہ سراسر غلط ہے، اور اُس میں توڑنے کا فیصلہ اسی لئے کیا گیا کہ وہ غلط اور شریعت کے مزاج، اس کے ماخذ اور اس کے فیصلہ کی رعایت سے بعید ہے۔

(۱) قواعد الاحکام، (۲/۶۸)۔

اور دوسری حالت یہ ہے کہ وہ مسئلہ ایسا ہو جس سے کوئی حکم نہ ٹوٹتا ہو، تو اس کے کرنے یا چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں جب اس مسئلہ میں کسی عالم کی تقلید کی ہو، کیونکہ لوگوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ اتفاقی طور پر جو بھی مل جائے کسی قید اور کسی سائل پر نکیر کے بغیر لوگ اہل علم سے سوالات کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ ان مذاہب اور ان کے متعصب مقلدین کا ظہور ہوا، چنانچہ ان کا حال یہ ہے کہ ایک مقلد اپنے امام کی اس کے مذہب کے دلائل سے دور ہونے کے باوجود پیروی کرتا ہے اور اس کے قول پر ایسے ڈٹا رہتا ہے گویا وہ نبی مرسل ہو ایسا شخص حق سے پرے اور درستی سے دور ہے کوئی عقلمند اسے پسند نہیں کر سکتا، اے اللہ ہمیں حق کی رہنمائی فرما، اور راستی کی ہدایت دے یقیناً تو بڑا کرم نواز عطا کرنے والا ہے۔

بالجملہ مجتہدین اسلام پر درستی ہی غالب ہے اور غلطی کی مقدار میں سب قریب قریب ہیں لہٰذا ان میں سب سے بہتر وہ ہے جس کی غلطی سب سے کم ہے، اور اس کے قریب وہ ہے جو غلطی میں متوسط ہے اور اس کے بعد وہ ہے جو سب سے زیادہ غلطی کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے اور زیادہ تر غلطیاں بعض قواعد، اور بعض ارکان و شروط اور معارض سے غفلت برتنے کے سبب واقع ہوتی ہیں، جبکہ سب کا مطلوب حق پا کر اللہ کی قربت حاصل کرنا ہے لیکن، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُــــهُ   تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

آدمی اپنی آرزو کے مطابق ہر چیز نہیں پاتا ہوائیں کشتیوں کے مزاج کے خلاف چلتی ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

زیادہ تر لوگ خسارہ میں ہیں کم ہی لوگ فائدہ میں ہیں جسے اپنا خسارہ اور فائدہ دیکھنا ہو وہ اپنے آپ کو کتاب وسنت پر پیش کرے اگر وہ ان دونوں کے موافق ہو تو فائدہ میں ہے بشرطیکہ ان دونوں کی موافقت میں اس کا گمان سچا ہو اور اگر اس کا گمان جھوٹا ہو تو ہائے افسوس! اور اللہ تعالیٰ نے خسارہ والوں کے خسارہ اور نفع والوں کے نفع کی بابت بتلا دیا ہے، چنانچہ زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ یقیناً انسان گھاٹے میں ہے، سوائے اس کے جس میں بیک وقت چار خوبیاں پائی جائیں اول: ایمان، دوم: عمل صالح، سوم: باہم حق کی وصیت، اور چہارم: باہم صبر کی تلقین۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی بابت مروی ہے کہ جب وہ اکٹھا ہوتے تو اس آیت کریمہ کو پڑھے بغیر جدا نہ ہوتے، اور اس دور میں کسی انسان کے اندر ان تمام خوبیوں کا بیک وقت پایا جانا بڑا نادر ہے، اور انسان کو اس حقیقت کا علم کیسے ہو سکتا

ہے کہ اس میں یہ تمام صفات اور خوبیاں پائی جاتی ہیں جس سے خارج ہونے والے اور دور جانے والے کے خسارہ کی اللہ نے قسم کھائی ہے باوجودیکہ اسے اپنی تباہ حالیوں اور بداعمالیوں کا علم بھی ہو؟ کتنے گنہ گاروں کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ فرمانبردار ہے اور دور کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ قریب ہے، مخالف کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ موافق ہے، بدکردار کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ پارسا ہے پشت پھیرنے والے کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ پیش رفت کر رہا ہے بھاگنے والے کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ طالب ہے جاہل کے بارے میں سوچا جاتا ہے کہ جاننے والا ہے بے خوف کے بارے میں سوچا جاتا ہے کہ وہ ڈرنے والا ہے ریاکار کے بارے میں سوچا جاتا ہے کہ مخلص ہے، گمراہ کے بارے میں سوچا جاتا ہے کہ ہدایت یافتہ ہے، اندھے کے بارے میں سوچا جاتا ہے کہ وہ بینا ہے اور رغبت رکھنے والے کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ زاہد و بے رغبت ہے؟! اور بہت سے اعمال پر ریاکار تکیہ کرتا ہے جبکہ وہ اس کے خلاف وبال ہوتے ہیں، اور بہت سے اطاعت کے کاموں میں نمود کرنے والا اپنے آپ کو ہلکان کرتا ہے جبکہ وہ اس کے منہ پر ماردی جاتی ہیں۔

جبکہ شریعت ایک میزان اور پیمانہ ہے جس سے لوگوں کو پرکھا جاتا ہے اور اس سے فائدہ ونقصان واضح ہوتا ہے لہٰذا جو میزان شریعت میں بھاری ہوگا وہ اللہ کے اولیاء میں سے ہوگا، اور میزان میں بھاری پن کے کئی مراتب ہیں: جن میں سب سے اونچا مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے پھر ان کے بعد والوں کا، اور مراتب بدستور کم ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ سب سے کمتر مرتبہ تک پہنچ جاتے ہیں اور جو میزان شریعت میں ناقص ہیں وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں، اور میزان شریعت میں ان کا ہلکا پن بھی مختلف ہوتا ہے، چنانچہ سب سے خسیس اور گھٹیا درجہ کفار کا ہے، اور یہ مراتب بدستور کم ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ سب سے معمولی گناہ کے مرتکب تک پہنچ جاتے ہیں، بنابریں اگر آپ کسی انسان کو دیکھیں کہ وہ ہوا میں اڑ رہا ہے یا پانی پر چل رہا ہے یا غیب کی خبریں دے رہا ہے اور ساتھ ہی کسی حلال کرنے والے سبب سے بغیر حرام کاموں کا ارتکاب کرکے شریعت کی مخالفت کر رہا ہے اور بغیر کسی وجہ جواز کے واجبات کا تارک ہے تو خوب جان لیں کہ وہ شیطان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جاہلوں کی آزمائش اور فتنہ پروری کے لئے کھڑا کیا ہے، اور اس چیز کا گمراہوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے تیار کردہ اسباب میں سے ہونا بعید نہیں، کیونکہ دجال بھی گمراہوں کو آزمائش میں مبتلا کرنے کے لئے مارے گا اور جلائے گا، اسی طرح کھنڈر اور ویرانے سے گذرے گا تو اس کے خزانے شہد کی نر مکھیوں کی طرح اس کے ساتھ ہو جائیں گے، لوگوں کے سامنے ظاہر کرے گا

کہ اس کے پاس جنت اور جہنم ہیں، جبکہ اس کی جہنم جنت اور اس کی جنت جہنم ہوگی، اسی طرح جو سانپ کھاتا ہے اور آگ میں داخل ہوتا ہے، وہ سانپ کھانے کے سبب حرام کا مرتکب اور آگ میں داخل ہو کر لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے، تاکہ لوگ اس کی گمراہی میں اس کی پیروی کریں اور جہالتوں میں اس کے پیچھے پیچھے چلیں"[1]۔

سلطان العلماء عز بن عبد السلام کی بات ختم ہوئی۔

شیخ محمد حیاۃ سندھی -شرح مسلم سے نقل کرتے ہوئے- فرماتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی صحیح بات مجتہد کے قول سے اولیٰ وافضل ہے"۔

اور امام نووی کی شرح مہذب میں ہے:

"اگر مقلد کے قول کے خلاف حدیث ثابت ہو اور آپ اس کی تفتیش کریں تو آپ کو اس کا کوئی معارض بھی نہ ملے، اور تفتیش کرنے والا صاحب اہلیت ہو، تو اسے چاہئے کہ صاحب مذہب یعنی امام کی بات چھوڑ دے، حدیث پر عمل کرے، اور یہ چیز اپنے امام کا مذہب چھوڑنے کی بابت مقلد کے لئے حجت و دلیل ہوگی"۔

قوت القلوب میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں یہ بھی ہے کہ آپ کی سنت کو عقل ورائے پر ترجیح دی جائے"۔ بات ختم ہوئی۔

شعرانی میزان میں فرماتے ہیں:

"اگر تم کہو: کہ میں ان حدیثوں کا کیا کروں جو میرے امام کی موت کے بعد صحیح ٹھہریں جسے انہوں نے نہیں لیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو چاہئے کہ ان احادیث پر عمل کرو، کیونکہ اگر وہ تمہارے امام کو ملی ہوتیں، اور ان کے یہاں صحیح ہوتیں، تو وہ تمہیں اس کا حکم دیتے، کیونکہ تمام ائمہ رحمہم اللہ شریعت کے ہاتھ میں قید ہیں، اور جو ایسا کرے گا اپنے دونوں ہاتھوں سے بھلائی سمیٹ لے گا، اور اس کے برعکس جو یہ کہے کہ: اگر میرا امام حدیث لے گا، تب ہی میں اس پر عمل کروں گا! تو اس سے بہت ساری بھلائیاں فوت ہو جائیں گی -جیسا کہ آج زیادہ تر ائمہ مذاہب کے مقلدین کا وطیرہ ہے- حالانکہ ان کے لئے بہتر تھا کہ ائمہ رحمہم اللہ کی وصیت کو نافذ کرتے ہوئے، اپنے امام کی وفات کے بعد، ہر صحیح حدیث پر عمل کرتے، کیونکہ ان کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اگر انہیں یہ حدیثیں ملتیں جو ان کے بعد صحیح ہوئی ہیں، تو انہیں ضرور اپناتے اور ان پر عمل کرتے، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ جس نے امام ابوحنیفہ

(۱) قواعد الاحکام، (۲/۲۲۸-۲۳۰)۔

رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ نص پر قیاس کو ترجیح دیتے تھے' اُسے امام کے مقلدین کی باتوں میں یہ چیز مل گئی ہو' جو اپنے امام کے قیاس پر پابندی سے عمل کرتے ہیں' اور امام کی موت کے بعد ملنے والی صحیح حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لہٰذا ائمہ کرام معذور ہیں' ان کے متبعین معذور نہیں' اور مقلدین کی اس بات میں کوئی دم خم نہیں کہ ان کے امام نے اس حدیث کو نہیں اپنایا ہے' کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ امام کو حدیث ملی ہی نہ ہو' یا ملی ہو لیکن اس کے یہاں صحیح نہ رہی ہو! اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ تمام ائمہ نے یہ بات کہی ہے: ''حدیث صحیح ہی ہمارا مذہب ہے'' اور اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے علاوہ کسی کے قیاس و حجت کا کوئی اعتبار نہیں' اور یہ بات جو ہم نے ذکر کی ہے' اس میں بہت سے لوگ ملوث ہیں، چنانچہ اگر امام کے پیروکاروں کے واسطے سے کوئی مسئلہ پاتے ہیں تو اُسے امام کا مذہب و مسلک بنا دیتے ہیں، حالانکہ یہ بے سر و پا اور بے تکی بات ہے' کیونکہ امام کا مذہب در حقیقت وہ ہے جو اس نے کہا ہے اور موت تک اس سے رجوع نہیں کیا ہے' نہ کہ جو اُس کے مقلدین نے اُس کی بات سے سمجھا ہے، چنانچہ ہوسکتا ہے امام کی وہ رائے نہ رہتی جو اُس نے امام کی بات سے سمجھا ہے' اور اگر اُسے پیش کی جاتی تو نہ لیتا! لہٰذا معلوم ہوا کہ جو امام کی طرف اس کی باتوں سے سمجھی ہوئی ہر بات کو امام کی طرف منسوب کرے وہ مذاہب کی حقیقت سے جاہل ہے''۔ بات ختم ہوئی۔

اسماعیل بن یحییٰ مزنی اپنی ''مختصر'' کے آغاز میں فرماتے ہیں [1]:

''میں نے اس کتاب کو امام شافعی کے علم اور ان کے قول کے معنی سے مختصر کیا ہے' تاکہ خواہشمندوں کے لئے اُسے قریب کروں' کیونکہ امام شافعی نے اپنی اور اپنے علاوہ کی تقلید سے ممانعت کا کھلا اعلان کیا ہے، تاکہ انسان اس میں اپنے دین کی بابت غور کرے اور اپنی ذات کے لئے احتیاط برتے'' [2]۔ بات ختم ہوئی۔

❁ ❁ ❁

(۱) المزنی: یہ اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل مزنی، ابو ابراہیم مصری، امام شافعی کے شاگرد ہیں، ۲۶۴ھ میں وفات پائے، اور المختصر امام شافعی کتاب ''الأم'' کی مختصر ہے۔

(۲) مختصر المزنی للأم (ص ۱)۔

چوتھا مقصد:

ناصرِ سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول فرمودات اور کتاب وسنت پر عمل کی ترغیب سے متعلق ان کے شاگردان کے اقوال کا بیان

امام ابو داود کہتے ہیں: میں نے امام احمد سے پوچھا: امام اوزاعی زیادہ قابل اتباع ہیں یا امام مالک؟ تو انہوں نے فرمایا:

''لَا تُقَلِّدْ دِينَكَ أَحَدًا مِنْ هٰؤُلَاءِ، مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ فَخُذْ بِهِ، ثُمَّ التَّابِعِينَ بَعْدُ الرَّجُلُ فِيهِ مُخَيَّرٌ''(۱)۔

اپنے دین کو ان میں سے کسی کا مقلد نہ بناؤ، نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے جو کچھ آئے اُسے لے لو، پھر تابعین کے بارے میں آدمی کو اختیار ہے۔

نیز امام احمد فرماتے ہیں:

''لَا تُقَلِّدْنِي وَلَا تُقَلِّدْ مَالِكًا وَلَا الشَّافِعِيَّ وَلَا الثَّوْرِيَّ وَلَا الْأَوْزَاعِيَّ، وَخُذْ مِنْ حَيْثُ أَخَذُوا''(۲)۔

میری تقلید کرو، نہ مالک کی، نہ شافعی کی، نہ ثوری کی، اور نہ اوزاعی کی، تم بھی وہیں سے لو جہاں سے انہوں

(۱) مسائل الامام احمد لابی داود، (ص ۲۷۷)، واعلام الموقعین (۲/ ۱۸۱)۔
(۲) مسائل الامام احمد لابی داود، (ص ۲۷۷)، واعلام الموقعین (۲/ ۱۸۱-۲۸۲)۔

نے لیا ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

''مِنْ قِلَّةِ فِقْهِ الرَّجُلِ أَنْ يُقَلِّدَ دِينَهُ الرِّجَالَ''[1]۔

آدمی کم سمجھی ہے کہ اپنے دین کو لوگوں کا مقلد بنا دے۔

امام ابن الجوزی تلبیس ابلیس میں فرماتے ہیں[2]:

''جان لو کہ مقلد کو اپنے تقلیدی مسائل پر یقین نہیں ہوتا، اور تقلید میں عقل کی منفعت کو تباہ کرنا ہے' کیونکہ عقل غور و تدبر کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے، آدمی کے لئے باعث عیب ہے کہ اُسے روشنی کے لئے چراغ دیا گیا ہو' اور وہ اسے بجھا کر تاریکی میں چل رہا ہو''۔

اور یہ بھی جان لیں کہ عام طور پر مذاہب کے پیروکاروں کے دلوں پر ان کے امام کے دلائل کی جانچ پڑتال بڑی گراں گذرتی ہے' اس لئے وہ امام کے قول کی پیروی کرتے ہیں' حالانکہ قول کو دیکھنا چاہئے' قائل کو نہیں' جیسا کہ جب حارث بن عبد اللہ اعور حوتی[3] نے جب علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کا خیال ہے کہ طلحہ اور زبیر دونوں باطل پر تھے؟ تو انہوں نے فرمایا:

''يَا حَارِثُ! إِنَّهُ مَلْبُوسٌ عَلَيْكَ، إِنَّ الْحَقَّ لَا يُعْرَفُ بِالرِّجَالِ، اعرِفِ الْحَقَّ تَعرِفْ أَهلَهُ''[4]۔

اے حارث! تم پر معاملہ گڈ مڈ ہو گیا ہے، یقیناً حق لوگوں کے ذریعہ نہیں پہچانا جاتا، بلکہ حق کو پہچانو اہل حق کو خود بخود پہچان لو گے۔ بات ختم ہوئی۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''چنانچہ جب یہ یعنی نفس مطمئنہ رسول اللہ ﷺ کی خالص اتباع لائے گی تو وہ یعنی نفس امارہ لوگوں کے آراء و اقوال کے ذریعہ فیصلہ چاہے گی، اور اس مقصد کے لئے گمراہ کن شبہ پیش کرے گی تاکہ نبی کریم ﷺ کی کمال

---

(۱) اعلام الموقعین (۲/۱۸۲)۔

(۲) جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن الجوزی حنبلی فقیہ، واعظ، بہت ساری کتابوں کے مصنف ہیں، (۵۰۹-۵۹۷ھ)۔

(۳) رفض سے متہم ہیں اور شعبی نے انہیں جھوٹا قرار دیا ہے، ۶۰ھ میں وفات ہوئی تقریب التھذیب (۱۰۲۹)۔

(۴) کمیل بن زیاد کے اس اثر کی روایت گزر چکی ہے' کہ انہوں نے وہ سوال کیا، تو علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح کا جواب دیا۔

اتباع سے روکے اور اللہ کی قسم کھائے گی کہ اُس کا مقصد احسان و توفیق کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے' اس کا مقصد اتباع کے قید خانے سے نکال کر اپنی چاہت و خواہش اور مقاصد کی تکمیل کرنا ہے، اور نفس امارہ نبی کریم ﷺ کی خالص اتباع، اور آپ ﷺ کے فرمان کو آراء رجال پر مقدم کرنے کو انسان کی نظر میں علماء کی تنقیص و بے ادبی کی شکل میں پیش کرے گی' جس کا نتیجہ ان کے ساتھ بدگمانی ہے اور یہ کہ ان سے صوابدید فوت ہوگئی، تو ہمیں ان کا جواب دینے طاقت کہاں ہے؟ یا ہم ان کے بغیر درستی کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ وغیرہ اور اللہ کی قسمیں کھا کھا کر ان سے کہے گی کہ میرا مقصد صرف بھلائی اور توفیق ہے!! یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا حال اللہ خوب جانتا ہے' لہٰذا ان سے کنارہ کش رہیے، انہیں نصیحت کیجئے، اور ان سے وہ بات کہیئے! جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو۔ نبی معصوم ﷺ کی خالص اتباع اور آپ کے اقوال کو ضائع اور بے معنیٰ قرار دینے کے مابین فرق یہ ہے کہ خالص اتباع رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں پر کسی کے قول و رائے کو مقدم نہیں کرتی' خواہ کوئی بھی ہو، بلکہ سب سے پہلے حدیث کی صحت کو دیکھا جائے گا، اگر صحیح ہو تو اس کے معنیٰ میں غور کیا جائے گا، اگر معنیٰ واضح ہو تو اس سے عدول نہیں کیا جائے گا' خواہ مشرق و مغرب کے درمیان کے تمام لوگ اس کے مخالف ہوں' اور معاذ اللہ! پوری امت نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی بات ترک کرنے پر متفق نہیں ہو سکتی، بلکہ لازمی طور پر امت میں کسی نہ کسی نے اس پر عمل کیا ہوگا' گرچہ آپ سے پوشیدہ ہو! لہٰذا آپ اس پر عمل کرنے والے کی بابت اپنی لاعلمی کو اس کے چھوڑنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر حجت نہ بنائیں، بلکہ نص کو اپنائیں اور کمزوری کا شکار نہ ہوں، اور جان لیں کہ قطعی طور پر اس پر کسی نہ کسی نے ضرور عمل کیا ہوگا، لیکن آپ کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ البتہ یہ ساری باتیں اہل علم کے درجات، ان سے ولایت و محبت، ان کے ادب و احترام، ان کی امانت و دیانت اور دین کی حفاظت و نگہداشت کے لئے ان کی کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے ہوں گی، کیونکہ اہل علم اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو' ایک اجر، دو اجر اور مغفرت کے درمیان ہوا کرتے ہیں، لیکن بہر حال یہ چیز نصوص کو پس پشت ڈالنے اور اہل علم میں سے کسی کے قول کو اس شبہہ کی بنیاد پر کہ وہ تم سے زیادہ علم والا ہے' نصوص پر' مقدم کرنے کی موجب و مجاز نہیں ہے [1]۔

---

(۱) بدعتیوں کی پہچان اہل علم کی تنقیص اور ان کی ناقدری کرنا ہے، جبکہ حق کی تائید و حمایت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ سے آئی ہوئی بات کو امام کی بات پر مقدم کرنے والے کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے' کیونکہ اس میں اہل علم کی قطعاً ناقدری نہیں' بلکہ اہل علم کی قدر و منزلت کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے اسے غلطی کی ذمہ داری سے بری کرنا ہے، چنانچہ یہ علماء کا راستہ ہے' اور خواہش نفسانی کی بنیاد پر ان کی تنقیص کرنا، بلا دلیل انہیں غلط ٹھہرانا، یا کسی مذہب کی حمایت کرنا یا کسی عقیدہ و نظریہ کے لئے تعصب برتنا' ہلاکت و تباہی کا راستہ ہے' علماء اس سے بری ہیں، واللہ اعلم۔

اور اگر معاملہ ایسا ہو تو جس نے نصوص کو اپنایا ہے وہ زیادہ علم والا ہے' اگر آپ سچے ہیں تو آپ نے اس کی موافقت کیوں نہیں کی؟ علماء کے اقوال کو نصوص پر پیش کرنے والا، اُسے ان سے پرکھنے والا، اور ان میں سے نص کے خلاف باتوں کی مخالفت کرنے والا اہل علم کے اقوال کی ناقدری کرنے والا اور ان کے پہلو کو نظر انداز کرنے والا نہیں' بلکہ اُن کی اقتدا کرنے والا ہے' کیونکہ تمام ائمہ نے اسی بات کا حکم دیا ہے' بلکہ اقوال میں ان کی مخالفت اس قاعدہ کلیہ میں ان کی مخالفت کرنے سے کہیں زیادہ آسان ہے جس کا انہوں نے حکم دیا ہے اور اس کی دعوت دی ہے کہ نص کتاب وسنت کو اُن کے اقوال پر مقدم رکھا جائے!! یہاں سے عالم کی کہی ہوئی تمام باتوں میں اس کی تقلید کرنے اور اُس کی سمجھ سے مدد لینے اور اس کے علم کے نور سے روشنی حاصل کرنے کے مابین فرق واضح ہو جاتا ہے؛ چنانچہ پہلا شخص عالم کی بات کو' غور و فکر اور کتاب وسنت کی دلیل طلب کئے بغیر یونہی لے لیتا ہے، بلکہ اُسے اپنے گلے کی رسّی اور پٹہ بنا لیتا ہے' اسی لئے اس کا نام تقلید ہے، برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے میں علماء کی فہم سے مدد لینے اور ان کے علم کے نور سے روشنی حاصل کرنے والے کے؛ کہ وہ اُنہیں پہلی دلیل تک پہنچنے کی دلیل اور رہنما کے درجہ میں سمجھتا ہے، اور جب اس دلیل تک پہنچ جاتا ہے تو اس کو اپنا کر دوسرے کی رہنمائی سے بے نیاز ہو جاتا ہے، چنانچہ جو ستارے سے قبلہ کی رہنمائی حاصل کرے' اور جب قبلہ دیکھ لے تو ستارے کی رہنمائی کا کوئی معنیٰ باقی نہیں رہ جاتا''[1]۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

''أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ مَنِ اسْتَبَانَتْ لَهُ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَدَعَهَا لِقَوْلِ أَحَدٍ''[2]۔

مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت واضح ہو جائے' اُس کے لئے کسی کے بھی قول کی بنا پر اُسے چھوڑنا حلال نہیں۔

اس سے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ واجب الاتباع حکم اور تاویل شدہ' جو زیادہ سے زیادہ جائز الاتباع ہو سکتا ہے' کے درمیان فرق واضح ہو گیا کہ: پہلا حکم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے متلو یا غیر متلو کی حیثیت سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر

---

(۱) الروح، از ابن القیم (ص: ۲۶۴)۔ [مترجم]

(۲) الروح، از ابن القیم (ص: ۲۶۴)، و اعلام الموقعین عن رب العالمین (۲/ ۲۰۱)۔ [مترجم]

اتارا ہے، بشرطیکہ صحیح ہو اور معارضہ سے خالی ہو، اور یہی وہ حکم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے، جس کے سوا اللہ کا کوئی حکم نہیں۔ اور دوسرا حکم مجتہدین کے مختلف اقوال ہیں، جن کی اتباع واجب ہے نہ اس کی مخالفت کرنے والے کو کافر یا فاسق ہی قرار دیا جائے گا، کیونکہ ان اقوال کے قائلین نے قطعاً یہ نہیں کہا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم وفیصلہ ہے، اور وہ ایسا کہہ بھی نہیں سکتے! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے:

''وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ ﷺ، فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهِ ﷺ، وَلَكِنْ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكَ؛ فَإِنَّكُمْ إِنْ تُخْفِرُوا ذِمَمَكُمْ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكُمْ أَهْوَنُ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ ﷺ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ، وَلَكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ؛ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ حُكْمَ اللهِ فِيهِمْ أَمْ لَا''۔

جب تم کسی قلعہ والوں کو محاصرہ کرلو اور وہ تم سے چاہیں کہ تم انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ دو، تو انہیں اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ نہ دینا، بلکہ انہیں اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ دینا؛ کیونکہ اگر تم اپنے ذمے اور اپنے ساتھیوں کے ذمے کو توڑ بھی دو گے تو وہ اللہ کے ذمہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کو توڑنے سے آسان (کمتر) ہوگا، اور جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرلو اور وہ تم سے چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر اتارو، تو تم انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر نہ اتارنا، بلکہ اپنے حکم وفیصلہ پر اتارنا، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ تم ان کے بارے میں اللہ کے حکم وفیصلہ کو پاسکو گے یا نہیں۔

اسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے [1]، بلکہ ان ائمہ نے یہ کہا ہے کہ ہم نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا ہے، جو چاہے قبول کرے جو چاہے نہ قبول کرے، کسی بھی امام نے ائمہ کے قول کو ماننا لازم نہیں ٹھہرایا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''هَذَا رَأْيِي فَمَن جَاءَ بِخَيْرٍ مِنْهُ قَبِلْتُهُ''۔

---

(۱) اسے امام احمد (۵/ ۳۵۲، ۳۵۸)، مسلم (حدیث ۱۳۵۷-۱۳۵۸، ۱۷۳۱)، ابو داود (حدیث ۲۶۱۲)، ترمذی (حدیث ۱۶۱۷)، ابن ماجہ (حدیث ۲۸۵۸) اور دارمی (حدیث ۲۴۳۹) نے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

یہ میری رائے ہے، جو اس سے بہتر لائے گا میں اسے مان لوں گا۔ بات ختم ہوئی۔

اگر وہ اللہ کا حکم ہوتا تو امام ابو یوسف و محمد اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ کے لئے اس کی مخالفت جائز نہ ہوتی۔

اسی طرح جب خلیفہ ہارون رشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ لوگوں پر موطا میں لکھی ہوئی باتیں نافذ کر دیں تو انہوں نے اس سے منع فرمایا اور کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں، ہر علاقہ کے لوگوں کے پاس کچھ حدیثیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں'' (اس لئے اسے نافذ کرنا مناسب نہیں)۔

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اپنے شاگردان کو اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے، اور ہمیشہ انہیں تاکید کرتے تھے کہ اگر ان کے قول کے خلاف حدیث مل جائے تو ان کا قول چھوڑ دیں۔

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ اپنے فتاوے لکھنے اور جمع کرنے والوں پر نکیر کرتے تھے اور کہتے تھے:

''نہ میری تقلید کرو، نہ فلاں اور فلاں کی، بلکہ تم بھی وہیں سے لو جہاں سے انہوں نے لیا ہے''۔

امام ابن القیم کی طویل بات ختم ہوئی۔

اور اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:

''امام احمد رحمہ اللہ کتابوں کی تصنیف سخت ناپسند کرتے تھے، حدیثوں کو علاحدہ یکجا کرنا پسند کرتے تھے، اپنی باتیں لکھے جانے کو ناپسند کرتے تھے، اور اس پر سخت ناراض ہوتے تھے، چنانچہ اللہ نے ان کے اخلاص اور حسن نیت کو پرکھ لیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی باتیں اور فتاوے تیس سے زائد جلدوں میں لکھے گئے، اور امام خلال [1] نے آپ کے نصوص کو جامع کبیر میں جمع کیا تو بیس جلدیں یا اس سے بھی زیادہ ہو گئیں'' [2]۔

❀ ❀ ❀

(۱) یہ احمد بن محمد بن ہارون بن یزید بغدادی، ابو بکر الخلال، فقیہ ہیں، امام احمد کے مذہب کی جمع و ترتیب کی، وسیع علم والے اور احادیث و آثار کا سخت اہتمام کرنے والے تھے، ۳۱۱ھ میں وفات پائے، بہت ساری کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں: الجامع فی الفقہ الحنبلی تقریباً بیس جلدوں میں ہے، اسی طرح العلل، السنۃ اور ألفاظ احمد وغیرہ ہیں، طبقات الحنابلہ (۲/ ۱۲)، و معجم المؤلفین (۲/ ۱۶۶)، و الأعلام، از زرکلی (۱/ ۳۰۶)۔

(۲) إعلام الموقعین، (۱/ ۲۸)۔

امام احمد رحمہ اللہ کے اصولِ فتاویٰ

امام احمد رحمہ اللہ کے فتاوے (حسب ذیل) پانچ اصولوں پر مبنی تھے:

پہلا اصول: نصوص کتاب وسنت:

آپ کے فتوؤں کی پہلی بنیاد نصوص ہے، چنانچہ جب آپ کو کتاب وسنت کی نص مل جاتی تو اس کے مطابق فتویٰ دیتے، اس کے خلاف کسی چیز کی طرف التفات کرتے' نہ کسی شخص کی طرف' خواہ کوئی بھی ہو، اسی لئے طلاق بتہ پانے والی خاتون کی بابت فاطمہ بن اسد کی حدیث [1] کی بنا پر عمر رضی اللہ عنہ کے اختلاف کی طرف التفات کیا، نہ عمار بن یاسر کی حدیث [2] کی بنا پر جنبی کے لئے تیمم کے مسئلہ میں ان کے اختلاف کی طرف توجہ دیا، نہ احرام سے پہلے کی

---

(۱) مبتوتۃ: طلاق بتہ پانے والی، بائنہ یعنی تین طلاق پا کر بالکل علیحدہ ہوجانے والی، النھایۃ (۱ / ۹۳)۔

اس حدیث کو امام مسلم (حدیث ۱۴۸۰)، ترمذی (حدیث ۱۱۳۵، ۱۱۸۰)، نسائی (حدیث ۳۲۲۲)، ابوداود (حدیث ۲۲۸۴)، ابن ماجہ (حدیث ۱۸۶۹)، احمد (۶ / ۴۱۲-۴۱۶) اور دارمی (حدیث ۲۱۷۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور امام مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ الْأَعْظَمِ، وَمَعَنَا الشَّعْبِيُّ، فَحَدَّثَ الشَّعْبِيُّ بِحَدِيثِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ "أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَجْعَلْ لَهَا سُكْنَى وَلَا نَفَقَةً"، ثُمَّ أَخَذَ الْأَسْوَدُ كَفًّا مِنْ حَصًى، فَحَصَبَهُ بِهِ، فَقَالَ: وَيْلَكَ تُحَدِّثُ بِمِثْلِ هَذَا، قَالَ عُمَرُ: لَا نَتْرُكُ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ لِقَوْلِ امْرَأَةٍ، لَا نَدْرِي لَعَلَّهَا حَفِظَتْ، أَوْ نَسِيَتْ، لَهَا السُّكْنَى وَالنَّفَقَةُ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾ [الطلاق: ۱].

ابواسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں اسود بن یزید کے ساتھ مسجد اعظم میں بیٹھا ہوا تھا، ہمارے ساتھ شعبی بھی تھے، چنانچہ شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کیا کہ "رسول اللہ ﷺ نے انہیں نان نفقہ اور رہائش کچھ نہ دیا" تو اسود نے ایک مٹھی کنکری لی اور انہیں اس سے مارا اور کہا: تمہارا برا ہو، اس طرح کی باتیں بیان کرتے ہو، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت ایک عورت کے کہنے کی بنا پر نہیں چھوڑیں گے، ہم نہیں جانتے کہ شاید اس نے از بر کیا یا بھول گئی ہو، اسے نفقہ اور رہائش دونوں ملے گی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود) نکلیں ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں۔) [الطلاق: ۱]۔

جبکہ حدیث بالکل ثابت ہے کہ مطلقہ بائنہ کو نفقہ اور رہائش کچھ نہ ملے گی، الا یہ کہ حاملہ ہو، جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ کی روایتوں میں ثابت ہے۔

(۲) عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بخاری نے کئی جگہوں پر روایت کیا ہے، ان میں سے (حدیث ۳۳۸) ہے، اسی طرح مسلم (حدیث ۳۶۸)، ابوداود (حدیث ۳۲۱) نسائی (حدیث ۳۱۲)، اور ابن ماجہ (حدیث ۵۶۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

===

خوشبو کے احرام کے بعد باقی رہنے کے مسئلہ میں عائشہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث [1] کی بنا پر اُن کے اختلاف کی طرف توجہ دیا، نہ مفرد اور قارن کو فسخ کر کے تمتع بنانے کی ممانعت کے مسئلہ میں فسخ کی صحیح احادیث [2] کی بنا پر اُن کے اختلاف کا کوئی خیال کیا، اسی طرح بلا انزال مباشرت سے غسل کے وجوب کے مسئلہ میں علی، عثمان، طلحہ، ابوایوب، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے قول کی کوئی پروا کی، کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث ہے کہ "اماں عائشہ رضی اللہ

=== صحیح بخاری میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"جاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ، فَقَالَ: إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ المَاءَ، فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ لِعُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ: أَمَا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ، فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ، وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ، فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هَكَذَا" فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفَّيْهِ الأَرْضَ، وَنَفَخَ فِيهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ"۔

ایک شخص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں جنبی ہوگیا اور مجھے پانی نہیں مل سکا (کیا کروں؟) تو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تمہیں یاد نہیں کہ ہم دونوں سفر میں تھے، اور تم نے (پانی نہ ملنے کے سبب) نماز نہیں پڑھی تھی، جبکہ میں نے مٹی میں لوٹ کر (لت پت ہوکر) نماز پڑھ لیا تھا، پھر میں نے نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے لئے بس اتنا کرلینا کافی تھا" چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور ان میں پھونک مارا، پھر انہیں اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر پھیر لیا۔

(۱) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۲۷۱)، مسلم (حدیث ۱۱۷۹)، ترمذی (حدیث ۹۱۷)، نسائی (حدیث ۴۱۷)، ابوداود (حدیث ۱۷۴۵)، ابن ماجہ (حدیث ۲۹۲۶) اور دارمی (حدیث ۱۸۰۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

"كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ الطِّيبِ، فِي مَفْرِقِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ"۔

گویا میں نبی کریم ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں درانحالیکہ آپ حالت احرام میں ہیں۔

(۲) مفرد: وہ ہے جو حج کے مہینوں میں میقات سے صرف حج کا احرام باندھے۔ قارن: وہ ہے جو ایک ہی نیت سے حج وعمرہ دونوں کو احرام میں شامل کرلے۔ اور متمتع: وہ ہے جو میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے، پھر طواف، سعی اور حلق یا قصر سے فارغ ہو کر احرام کھول کر حلال ہوجائے، پھر یوم الترویہ (آٹھ ذی الحجہ) کو مکہ میں اپنی قیام گاہ سے حج کا احرام باندھے، اور اس پر تمتع کا دم (قربانی) واجب ہوگا۔ یہاں فسخ سے مراد یہ ہے کہ عمرہ کے بعد اپنے احرام کو فسخ (ختم) کردے۔

اس حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، ان میں جابر رضی اللہ عنہ بھی ہیں، ان کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۱۵۶۸) ومسلم (حدیث ۱۲۴۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۳۱۹) ومسلم (حدیث ۱۲۱۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، ان کی روایت کو بھی امام بخاری (حدیث ۱۰۸۵) ومسلم (حدیث ۱۲۴۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اسی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی حدیث کو امام مسلم (حدیث ۱۲۴۷) اور احمد (۳/ ۵، ۷۱، ۷۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

عنہا اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا اور دونوں نے غسل کیا"[1]، نہ ابن عباس اور ایک روایت کی رو سے علی رضی اللہ عنہم کی قول کی کوئی پرواکی کہ: "متوفی عنہا حاملہ کی عدت دونوں میں سے بعد والی ہے" کیونکہ سبیعہ اسلمیہ کی حدیث صحیح ہے[2]، نہ کفار کو وارث قرار دینے کے مسئلہ میں معاذ ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے قول کی کوئی پرواکی، کیونکہ کافر و مسلم کے مابین توارث سے مانع حدیث صحیح ہے[3]، نہ صَرف (نقدی لین دین) کے مسئلہ میں ابن عباس رضی

---

(۱) اکسال: بیوی سے مباشرت کر کے بلا انزال الگ ہو جانے کو کہتے ہیں۔اس سے غسل کی حدیث کو امام مسلم (حدیث ۳۵۰)، ترمذی (حدیث ۱۰۸)، ابن ماجہ (حدیث ۶۰۸)، اور احمد (۶/ ۹۷، ۱۶۱، ۲۶۵) نے مائی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

"إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ يُجَامِعُ أَهْلَهُ ثُمَّ يُكْسِلُ هَلْ عَلَيْهِمَا الْغُسْلُ؟ وَعَائِشَةُ جَالِسَةٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "إِنِّي لَأَفْعَلُ ذَلِكَ، أَنَا وَهَذِهِ، ثُمَّ نَغْتَسِلُ"۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اس آدمی کی بابت پوچھا جو اپنی بیوی سے صحبت کرے اور منی خارج نہ کرے' تو کیا ان دونوں پر غسل واجب ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا وہیں بیٹھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اور یہ میری زوجہ دونوں ایسا کرتے ہیں، پھر ہم غسل کرتے ہیں"۔

اور دوسری حدیثیں بھی آئی ہیں، جیسے: "إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ"۔

جب ختنہ ختنے سے مل جائے (داخل ہو جائے) تو غسل واجب ہے۔ [بخاری (حدیث ۲۹۱)، ومسلم (حدیث ۳۴۹) وغیرہ، (مترجم)]۔

رہی وضو کی حدیث تو اسے بھی امام بخاری (حدیث ۲۹۳)، ومسلم (حدیث ۳۴۶) وغیرہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

"سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ يُصِيبُ مِنَ الْمَرْأَةِ ثُمَّ يُكْسِلُ؟ فَقَالَ: "يَغْسِلُ مَا أَصَابَهُ مِنَ الْمَرْأَةِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ، وَيُصَلِّي"۔

کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ کرے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیوی سے جو لگ گیا ہو اسے دھولے پھر وضو کر کے نماز پڑھے۔

نیز امام ابو داود (حدیث ۲۱۴)، ترمذی (حدیث ۱۱۰)، ابن ماجہ (حدیث ۶۰۹) وغیرہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّمَا جُعِلَ ذَلِكَ رُخْصَةً لِلنَّاسِ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ لِقِلَّةِ الثِّيَابِ"، ثُمَّ أَمَرَ بِالْغُسْلِ، وَنَهَى عَنْ ذَلِكَ"۔

یہ (صحبت بلا انزال سے عدم غسل کی رخصت) کپڑوں کی قلت کے سبب آغاز اسلام میں لوگوں کو دی گئی تھی پھر نبی کریم ﷺ نے غسل کا حکم دیا اور اس سے منع فرمادیا۔

(۲) سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث متفق علیہ ہے، اس کی تخریج (ص ۸۶، ۱۵۰) میں گذر چکی ہے، یہ اپنے شوہر کی وفات کے کچھ دنوں بعد حالت نفاس میں ہوگئیں (وضع حمل ہوگیا) تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ نکاح کرلیں۔ یہ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں۔

(۳) مومن و کافر کے مابین توارث کی ممانعت کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۴۲۸۳)، ومسلم (حدیث ۱۶۱۴) اور دیگر لوگوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

===

اللہ عنہما کے قول کی پرواہ کی، کیونکہ اس کے خلاف حدیث صحیح ہے[1]، نہ اسی طرح گدھوں کے گوشت کی اباحت کے بارے میں کسی کی پرواہ کی، کیونکہ اس کے خلاف صحیح دلیل موجود ہے[2]، اور اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ حدیث صحیح کے اوپر کسی عمل، یا رائے، یا قیاس، یا قول صحابی کو مقدم نہیں کرتے تھے اور نہ مخالف کی لاعلمی ہی کو مقدم کرتے تھے۔ جسے بہت سے لوگ اجماع کا نام دیتے ہیں اور اُسے حدیث صحیح پر مقدم کرتے ہیں، امام احمد نے مدعیٔ اجماع کو جھوٹا قرار دیا ہے[3]، اور اِسے صحیح حدیث پر مقدم کرنا جائز نہیں ٹھہرایا ہے۔

=== ''لَا يَرِثُ الْمُؤْمِنُ الْكَافِرَ، وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُؤْمِنَ''۔ (مومن کافر کا وارث ہوگا، نہ کافر مومن کا)۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال تھا کہ سود صرف تاخیر (ادھار) میں ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام بخاری (حدیث ۲۱۷۹)، ومسلم (حدیث ۱۵۸۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اسی لفظ سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے، اور ان سے اس بات سے رجوع بھی بیان کیا گیا ہے، جسے امام ترمذی (حدیث ۱۲۴۱) نے ذکر کیا ہے۔ جبکہ ابوصالح نے ان سے اُن کی موت تک عدم رجوع کا ذکر کیا ہے، اور اسی طرح سعید بن جبیر نے بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ''میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے وفات کے بیس روز پہلے صرف (ادھار کے سود) کی بابت پوچھا، تو انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا، بلکہ اس کا حکم دیتے تھے'' دیکھئے: المغنی (۶/ ۵۲-۵۳)۔ اور ممانعت کی حدیث عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے جسے امام بخاری (حدیث ۲۱۳۴)، ومسلم (حدیث ۱۵۸۶) وغیرہ نے اور دیگر کئی صحابہ نے روایت کیا ہے۔

الصرف: سونے چاندی کو ایک دوسرے سے فروخت کرنے کو کہتے ہیں۔ التعریفات، از جرجانی (ص ۱۷۴)۔

(۲) علامہ ابن قدامہ المغنی (۱۳/ ۳۱۸) میں فرماتے ہیں: اکثر علماء گھریلو گدھوں کے گوشت کی حرمت کے قائل ہیں، پھر کہتے ہیں: ابن عباس و عائشہ رضی اللہ عنہم سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿قُل لَّآ أَجِدُ فِى مَآ أُوحِىَ إِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ۚ فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٥﴾﴾ [الانعام: ۱۴۵]۔

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے، مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔

کے ظاہر کے قائل تھے۔ پھر کہتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی اور کہا: جو کچھ اس میں حلال ہے وہ حلال ہے۔ صحیح بخاری (حدیث ۵۵۲۹)، واحمد (۴/ ۲۱۳)۔ حالانکہ ممانعت صریح بلکہ متواتر المعنی ہے، ان میں سے بعض حدیثوں کو امام بخاری (حدیث ۵۵۲۸) ومسلم (حدیث ۱۹۲۳) وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۳) اجماع: عربی زبان میں اتفاق اور کسی بات پر پختہ اور قطعیت کے معنیٰ میں آتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: ===

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اپنے جدید رسالہ میں صراحت فرمائی ہے کہ "جس مسئلہ میں اختلاف معلوم نہ ہو، اُسے اجماع نہیں کہا جائے گا، ان کے الفاظ ہیں: "مَالَا يُعلَمُ فِيهِ خِلَافٌ فَلَيْسَ إِجْمَاعًا"[1]۔

جس مسئلہ میں اختلاف معلوم نہ ہو وہ اجماع نہیں ہے۔

عبداللہ بن امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا:

"مَا يَدَّعِي فِيهِ الرَّجُلُ الْإِجْمَاعَ فَهُوَ كَذِبٌ، مَنْ ادَّعَى الْإِجْمَاعَ فَهُوَ كَاذِبٌ، لَعَلَّ النَّاسَ اخْتَلَفُوا، مَا يُدْرِيهِ وَلَمْ يَنْتَهِ إِلَيْهِ؟ فَلْيَقُلْ: لَا نَعْلَمُ النَّاسَ اخْتَلَفُوا، هَذِهِ دَعْوَى بِشْرٍ الْمَرِيسِيِّ وَالْأَصَمِّ، وَلَكِنَّهُ يَقُولُ: لَا نَعْلَمُ النَّاسَ اخْتَلَفُوا، أَوْ لَمْ يَبْلُغْنِي ذَلِكَ"۔

جس مسئلہ میں آدمی اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹ ہے، جو اجماع کا دعویٰ کرے وہ بھی جھوٹا ہے، شاید لوگوں نے اختلاف کیا ہو، اُسے اس کا علم نہ ہو، وہاں تک اس کی رسائی نہ ہوئی ہو؟ اس لئے یہ کہے: ہمیں نہیں معلوم کہ لوگوں نے اختلاف کیا ہے! یہ تو بشر مریسی اور اصم[2] کا دعویٰ ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ: ہمیں لوگوں کے اختلاف کا علم نہیں، ہم تک ایسی کوئی بات نہیں پہنچی ہے"[3]۔

=== ﴿فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِۦ وَأَجْمَعُوٓا۟ أَن يَجْعَلُوهُ فِى غَيَٰبَتِ ٱلْجُبِّ﴾ [یوسف:۱۵]۔

پھر جب اسے لے چلے اور سب نے مل کر ٹھان لیا کہ اسے غیر آباد گہرے کنوئیں کی تہ میں پھینک دیں۔ روضۃ الناظر (ص ۱۶۶)۔

اور اصطلاح میں اجماع: امت محمد ﷺ کے مجتہدین کا آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی زمانہ میں کسی مسئلہ پر اتفاق کر لینے کو کہتے ہیں۔ ارشاد الفحول (ص ۶۳)۔

رہا مسئلہ اجماع کی حجیت کا تو وہ کتاب وسنت اور ائمہ کے اقوال سے ثابت ہے، اس سے وہ اجماع مراد ہے جو کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ کی کسی نص سے معارض نہ ہو۔

(۱) جامع العلم (ص ۵۱-۸۱)، یہ اجماع: اجماع سکوتی کہلاتا ہے۔ اور کتاب "جامع العلم" اس باب میں بڑی عمدہ اور نفیس کتاب ہے، یہ کتاب ہمارے بھائی شیخ عبدالرؤوف عبدالحنان کی تحقیق سے شائع ہو چکی ہے، اس کی طباعت کا شرف دار الفتح شارقہ کے حصہ میں آیا ہے۔

(۲) بشر بن غیاث مریسی معتزلی مرجی ہے، اس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: یہ بدعتی گمراہ ہے، اس سے روایت کرنا حلال نہیں، اس کی موت ۲۱۸ھ میں ہوئی۔

اور ابو بکر الاصم معتزلہ کا امام ہے، اس کی تفسیر میں بہت ساری تصنیفات ہیں، اسی طرح اس کی ایک کتاب "خلق قرآن" بھی ہے، ۲۰۱ھ میں موت ہوئی، سیر اعلام النبلاء (۹/ ۴۰۲)، والفہرست ابن ندیم (۳۵۴-۳۵۵)۔

(۳) مسائل الامام احمد لابنہ عبداللہ، ص (۴۳۹)۔

===

یہ امام احمد کے الفاظ ہیں، ورنہ امام احمد سمیت دیگر تمام ائمہ محدثین کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نصوص اس سے کہیں زیادہ عظیم اور بلندتر ہیں کہ ان پر کسی وہمی اجماع کو مقدم کیا جائے' جس کا حاصل بس اتنا ہے کہ مخالف کا علم نہیں ہے' اگر یہ چیز جائز ہوتی تو تمام نصوص بیکار ہو کر رہ جاتے، اور ہر شخص جسے کسی مسئلہ کے حکم میں مخالف کا علم نہ ہوتا' اس کے لئے روا ہوتا کہ مخالف کی بابت اپنی لاعلمی کو نصوص پر مقدم کرتا پھرے! اجماع کے دعویٰ کی بابت یہی وہ پہلو ہے جس کا امام احمد اور شافعی نے انکار کیا ہے' نہ کہ اس سے اجماع کے وجود کا استبعاد مراد ہے' جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

دوسرا اصول: صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاوے:

امام احمد کے فتویٰ کے اصولوں میں سے دوسرا اصول: صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاوے ہیں، چنانچہ اگر آپ کو کسی صحابی کا فتویٰ ملتا' جس کا صحابہ میں سے کوئی مخالف معلوم نہ ہوتا' تو آپ اس سے آگے نہ بڑھتے، نہ ہی یہ کہتے کہ یہ اجماع ہے، بلکہ آپ تعبیر میں بڑا احتیاط برتتے، کہتے: ''میں اسے ٹالنے والی کوئی چیز نہیں جانتا''، وغیرہ، جیسا کہ ابو طالب کی روایت میں فرمایا ہے:

''میں غلام کی گواہی کی قبولیت کے مسئلہ میں ابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہم اور گیارہ تابعین: عطاء، مجاہد، اور اہل مدینہ کے قول کو ٹالنے والی کوئی چیز نہیں جانتا''[1]۔

=== امام ابن القیم رحمہ اللہ نے امام احمد کے قول کی توجیہ فرمائی ہے کہ: ''ان کا مقصد اجماع کے وجود کا استبعاد نہیں ہے' بلکہ معاملہ یہ تھا کہ امام احمد اور دیگر ائمہ حدیث کا سابقہ کچھ ایسے لوگوں سے تھا جو صحیح حدیثوں کو ان کے خلاف لوگوں کے اجماع کے ذریعہ رد کر دیا کرتے تھے، چنانچہ امام شافعی اور احمد نے واضح کیا کہ یہ دعویٰ جھوٹ ہے، اور ان جیسے دعووں سے سنتوں کو رد نہیں کیا جا سکتا'' مختصر الصواعق المرسلۃ (ص ۵۰۶-۵۰۷)۔

(۱) جمہور کے یہاں غلام کی گواہی مقبول نہیں ہے، اور یہی عطاء، حسن، مجاہد، اوزاعی، ثوری، مالک، ابوحنیفہ، شافعی اور ابوعبید کی بھی رائے ہے، المغنی (۱۴/۱۸۵)۔ اور ابو الخطاب نے ایک روایت امام احمد سے بھی نقل کی ہے (الانصاف، ۱۲/۶۰)، نیز یہی عمر، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

اس کے برخلاف نخعی، شعبی اور حکم کا کہنا ہے کہ معمولی چیز میں اس کی گواہی مقبول ہوگی، المغنی (۱۴/۱۸۶)، اور حنبلی مذہب کا ظاہر یہ ہے کہ حدود وقصاص کے علاوہ میں اس کی گواہی قبول ہوگی، المغنی (۱۴/۱۸۵)۔

رہا غلام کی گواہی کا مطلقاً قبول ہونا، تو وہ انس بن مالک اور علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اور وہی عروہ، شریح، ابن سیرین اور ابوثور وغیرہ کا قول ہے۔ دیکھئے: مسائل الامام احمد بروایت صالح (۲/۳۱۳)، واعلام الموقعین (۱/۳۰) میں ''شھادۃ العبد'' کے بجائے ''تسری العبد'' ہے جو غلط ہے۔

اور اسی طرح انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

"لَا أَعْلَمُ أَحَدًا رَدَّ شَهَادَةَ الْعَبْدِ"[1]۔

میں کسی کو نہیں جانتا' جس نے غلام کی گواہی کو رد کیا ہو۔

اس بات کو ان سے امام احمد نے بیان کیا ہے، جب امام احمد کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس قسم کی چیز مل جاتی تو آپ اُس پر کسی عمل، یا رائے یا قیاس کو مقدم نہیں کرتے۔

تیسرا اصول: صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوتا تو کتاب وسنت سے قریب ترین حکم کا انتخاب کرتے:

امام احمد کے اصول فتویٰ میں سے تیسرا اصول یہ ہے کہ: اگر مسئلہ میں صحابہ کا باہم اختلاف ہوتا، توان کے اقوال میں سے کتاب وسنت سے قریب ترین قول کا انتخاب کرتے' اور ان کے اقوال سے نہیں نکلتے، اور اگر ان میں سے کسی قول کی کتاب وسنت سے موافقت واضح نہ ہوتی تو اُس مسئلہ میں اختلاف بیان کر دیتے، کسی قول پر جبر نہیں فرماتے۔ اسحاق بن ابراہیم بن ہانی[2] اپنے مسائل میں فرماتے ہیں: ابوعبداللہ (امام احمد) سے پوچھا گیا: اگر آدمی سے کسی دیہات میں کوئی مسئلہ پوچھا جائے' جس میں اختلاف ہو' تو وہ کیا کرے؟ فرمایا:

"جو حکم کتاب وسنت کے موافق ہو' اس کا فتویٰ دے، اور جو کتاب وسنت کے موافق نہ ہو' اس سے رک جائے" آپ سے پوچھا گیا: کیا ہمیں اس کے بارے میں کچھ ڈرنا چاہیے؟ فرمایا: نہیں"۔

چوتھا اصول: مرسل اور حدیث ضعیف کو لینا:

چوتھا اصول: یہ ہے کہ مرسل اور حدیث ضعیف لی جائے، بشرطیکہ اس باب میں کوئی چیز اُسے ٹالنے والی نہ ہو اور

---

(۱) اسے امام ابن قدامہ نے المغنی (۱۴/ ۱۸۵) میں ذکر کیا ہے، اور امام بخاری نے انس بن مالک رضی اللہ کا قول ذکر کیا ہے: "شهادة العبد جائزة" غلام کی گواہی جائز ہے، اور اسے تعلیقاً بیان کیا ہے، جسے امام ابن ابی شیبہ نے المصنف" باب شهادة الاماء والعبيد" میں موصول بیان کیا ہے۔

(۲) یہ اسحاق بن ابراہیم بن ھانئ، ابو یعقوب نیشاپوری ہیں، انہوں نے امام احمد کی خدمت کی جب ان کی عمر نو سال تھی، اور ان سے مسائل نقل کیا، بڑے نیک اور محتاط تھے، ۲۷۵ھ میں وفات پائے. طبقات الحنابلہ (۱/ ۱۰۸)۔

اسی کو آپ نے قیاس پر مقدم کیا ہے، اور ضعیف سے امام احمد کی مراد باطل و بے اصل، منکر یا متہم بالکذب کی روایت نہیں ہے' بایں طور کہ اسے اپنانا اور اس پر عمل کرنا جائز نہ ہو، بلکہ ان کے یہاں ضعیف حدیث صحیح کے مقابل قسم ہے' اور حسن کی قسموں میں سے ایک قسم ہے، آپ حدیث کی تقسیم: صحیح، حسن اور ضعیف [1] نہیں کرتے تھے' بلکہ صحیح اور ضعیف کرتے تھے، اور ان کے یہاں ضعیف کے کئی مراتب ہیں، چنانچہ اگر کتاب وسنت میں اسے ٹالنے والی کوئی نص یا قول صحابی یا اس کے خلاف اجماع نہ پاتے تو ان کے یہاں قیاس کی بہ نسبت اس پر عمل کرنا زیادہ بہتر تھا۔

اور تمام ائمہ رحمہم اللہ اس اصول میں بالجملہ امام احمد کے موافق ہیں، کیونکہ ائمہ میں سے ہر ایک نے حدیث کو قیاس پر مقدم رکھا ہے، چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے قیاس محض پر نماز میں قہقہہ کی حدیث کو مقدم کیا ہے [2] جبکہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اجماع ہے، اسی طرح کھجور کی نبیذ (شربت) سے وضو کرنے کی حدیث کو [3] قیاس محض پر مقدم کیا ہے' جبکہ یہ حدیث محدثین کے یہاں متفقہ طور پر ضعیف ہے،، نیز حدیث: ''أَكْثَرُ الْحَيْضِ عَشَرَةُ أَيَّامٍ'' [4] (حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے) کو جو محدثین کے یہاں متفقہ طور پر ضعیف ہے' قیاس محض پر مقدم کیا ہے، کیونکہ آپ کو تیرہویں دن دکھائی دینے والا خون حد، حقیقت اور صفت میں دسویں دن کے خون کے مساوی ہوتا ہے۔ نیز حدیث: ''لَا مَهْرَ أَقَلُّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ'' [5] (دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں ہوتا) کو جس کے ضعیف بلکہ باطل ہونے پر محدثین کا اجماع ہے' قیاس محض پر مقدم کیا ہے، کیونکہ

---

(۱) حدیث کی تین قسمیں: صحیح، حسن اور ضعیف امام ترمذی نے کی ہیں، چنانچہ انہوں نے حسن کو صحیح سے کمتر رکھا ہے کیونکہ اس کے راویان وہم وغفلت کے بغیر حافظہ یا تحریر (کتاب) کو ضبط ومحفوظ کرنے میں صحیح کے راویان سے کمتر ہوتے ہیں، اسی طرح ضعیف جسے اپنے مثل سے تقویت ملتی ہے اور اس کے راویان میں کوئی متہم یا سخت ضعیف نہ ہو' کو حسن کے بعد رکھا ہے، اور ہر قسم کی تعریف کی ہے، دیکھئے: النکت، از حافظ ابن حجر (۱/ ۱۴۲-۱۴۴)۔

(۲) اس کی تخریج (ص ۲۴۷) گزر چکی ہے۔

(۳) اس کی تخریج (ص ۲۴۷) گزر چکی ہے۔

(۴) اس کی تخریج (ص ۲۴۸) گزر چکی ہے۔

(۵) اسے امام دارقطنی نے اپنی سنن (حدیث ۳/ ۲۴۵) میں، بیہقی نے اپنی سنن (۷/ ۲۴۰) میں، عقیلی نے الضعفاء (۴/ ۲۴۵) میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس میں مبشر بن عبید کذاب ہے، الدرایہ از ابن حجر (۲/ ۶۲)، والمیزان، از ذہبی (۳/ ۴۳۳)، اور ابن عدی فرماتے ہیں: یہ حدیث باطل ہے' اسے مبشر کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے۔

نکاح کے ذریعہ شرمگاہ حلال کرنے کے عوض باہمی رضامندی سے مہر کی کم وبیش جو بھی مقدار دیدی جائے جائز ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے مقام وج (۱) کے شکار کی حرمت کی حدیث کو ضعیف ہونے کے باوجود قیاس پر مقدم کیا ہے، اسی طرح اوقات ممنوعہ میں مکہ میں نماز کے جواز کی حدیث کو (۲) ضعیف ہونے اور دیگر ممالک پر قیاس کے

---

(۱) وج: طائف کے علاقہ میں ایک جگہ کا نام ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ طائف کے قلعوں کا جامع نام ہے۔ النھایۃ (۵ / ۱۵۴-۱۵۵)۔

اور حدیث کو امام ابوداود (حدیث ۲۰۳۲)، احمد (۱ / ۱۶۵)، اور عقیلی نے الضعفاء الکبیر (۴ / ۹۳، حدیث ۱۶۴۶) میں روایت کیا ہے، اس میں محمد بن عبد اللہ بن انسان طائفی اور اس کے والد دونوں ضعیف ہیں، تقریب التھذیب (۶۰۰۱، ۳۵۵) بالترتیب، دیکھئے: تلخیص الحبیر از حافظ ابن حجر (۲ / ۱۸۰، حدیث ۱۱۰۴)، اور امام بخاری التاریخ الکبیر (۱ / ۱۴۰ حدیث ۴۲۰) میں فرماتے ہیں: ''لا یتابع علیہ'' اس کی متابعت نہیں پائی جاتی ہے، نیز حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر میں فرماتے ہیں: ''امام ذہبی نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی نے اسے صحیح کہا ہے''۔ اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''إِنَّ صَيْدَ وَجٍّ وَعِضَاهَهُ حَرَامٌ مُحَرَّمٌ لِلَّهِ'' وَذَلِكَ قَبْلَ نُزُولِهِ الطَّائِفَ وَحِصَارِهِ لِثَقِيفٍ''. عَنِ الزُّبَيْرِ رضي الله عنه۔

''مقام وج کا شکار اور اس کے خاردار درخت اللہ کے لئے حرام ہیں'' یہ آپ ﷺ نے بنو ثقیف کا محاصرہ کرنے کے لئے طائف میں فروکش ہونے سے پہلے فرمایا تھا۔ (بروایت زبیر رضی اللہ عنہ)۔

(۲) بلکہ یہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً صحیح ہے:

''يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ''۔

اے بنو عبد مناف! کسی کو رات دن میں وہ جب بھی چاہے اس گھر کا طواف کرنے یا نماز پڑھنے سے نہ روکو۔

اسے امام نسائی (حدیث ۵۸۵، ۲۹۲۴)، اور ابوداود (حدیث ۱۸۹۴) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے صحیح سنن ابوداود (حدیث ۱۶۶۸) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز اسے امام ابن ماجہ (حدیث ۱۲۵۴)، دارمی (حدیث ۱۹۲۶)، اور ترمذی (حدیث ۸۶۸) نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے فرمایا ہے: مکہ میں صلاۃ عصر اور صلاۃ فجر کے بعد نماز پڑھنے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ: نماز فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے اور طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ امام شافعی، احمد اور اسحاق کی رائے ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جبکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر عصر کے بعد طواف کرلے تو غروب آفتاب تک نماز نہ پڑھے، اسی طرح اگر فجر کے بعد طواف کرلے تو طلوع آفتاب تک نماز نہ پڑھے، ان کا استدلال عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے انہوں نے نماز فجر کے بعد طواف کیا پھر نماز نہیں پڑھی بلکہ مکہ سے نکل گئے یہاں تک کہ ذی طوی میں اترے اور طلوع آفتاب کے بعد نماز پڑھی، یہ سفیان ثوری اور مالک بن انس کی رائے ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام مالک نے موطا (حدیث ۸۲۶) میں روایت کیا ہے، اور امام احمد (۵ / ۱۶۵) نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: ''لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلَا بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، إِلَّا بِمَكَّةَ، إِلَّا بِمَكَّةَ''۔

عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں اسی طرح فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں، سوائے مکہ میں، سوائے مکہ میں۔

بطریق: عبد اللہ بن مؤمل عن قیس بن سعد عن مجاہد۔ اس میں عبد اللہ بن مؤمل ضعیف ہے تقریب التھذیب (۳۶۴۹)، اسی طرح مجاہد اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔

خلاف ہونے کے باوجود قیاس پر مقدم کیا ہے، اسی طرح ایک قول کی رو سے حدیث: ''مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ''[1] (جسے قے آجائے یا نکسیر پھوٹ جائے اسے چاہئے کہ وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے) کو بھی ضعیف اور مرسل ہونے کے باوجود قیاس پر مقدم کیا ہے[2]۔

رہا امام مالک کا مسئلہ تو وہ حدیث مرسل، منقطع، بلاغات اور قول صحابی وغیرہ کو قیاس پر مقدم کرتے تھے۔

چنانچہ جب امام احمد کے یہاں کسی مسئلہ میں نص، یا کسی صحابی کا قول، اور کوئی مرسل یا ضعیف اثر بھی نہیں ہوتا ہے تو وہ پانچواں اصول اپناتے ہیں:

پانچواں اصول: اضطراری صورت میں قیاس:

پانچواں اصول قیاس ہے جسے بصورت اضطرار استعمال کرتے ہیں، کتاب الخلال میں فرماتے ہیں:

میں نے امام شافعی سے قیاس کے بارے میں پوچھا؟ تو انہوں نے فرمایا: اسے اضطرای صورت میں اپنایا جائے گا[3]، یا اس سے ملتی جلتی کوئی بات کہا۔

---

(۱) اسے امام ابن ماجہ (حدیث ۱۲۲۱) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

''مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَذْيٌ، فَلْيَنْصَرِفْ، فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ، وَهُوَ فِي ذَلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ''۔

جسے نماز میں قے آئے، یا نکسیر پھوٹے یا ڈکار کے سبب منہ میں کھانا یا پانی آجائے، یا مذی کا خروج ہو، وہ نماز توڑ دے، اور پھر وضو کرکے اپنی نماز پر بنا کرے اور وہ اس میں بات نہ کرے۔

اسی طرح امام بیہقی (۱/ ۱۴۲) اور دارقطنی (۱/ ۱۵۱-۱۵۵) نے بہت ساری سندوں سے روایت کیا ہے، ان سب کا دارومدار (ابن جریج عن ابیہ عن ابن ابی ملیکہ عن عائشہ) پر ہے۔ اور علماء نے عبد العزیز بن جریج پر جو ابو عبد الملک سے مشہور ہے کلام کیا ہے۔ اور ابن ماجہ کی روایت میں اسماعیل بن عیاش عن ابن جریج عن ابن ملیکہ عن عائشہ ہے، ابن جریج کے باپ کا ذکر نہیں ہے، البتہ اس میں ہیثم بن خارجہ مروزی صدوق ہے، تقریب التہذیب (۷۳۶۴)، اور اسماعیل بن عیاش کی روایت جب غیر شامیوں سے ہوتی ہے تو اس میں اضطراب اور خلط ملط ہوتا ہے، اور یہاں انہوں نے ابن جریج سے روایت کیا ہے جو مکی ہیں، اور امام دارقطنی نے العلل میں اسماعیل بن عیاش کی اس روایت کو غلط ٹھہرایا ہے، اور کہا ہے کہ صحیح (ابن جریج عن ابیہ) ہے، الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ (۱/ ۳۰-۳۲)۔

(۲) امام دارقطنی فرماتے ہیں: ''حفاظ حدیث کہتے ہیں: عن ابن جریج عن ابیہ عن النبی ﷺ، مرسل ہے'' سنن دارقطنی (۱/ ۱۵۴)۔

(۳) اسے امام بیہقی نے اپنی سند سے میمونی یعنی عبد الملک بن عبد الحمید سے المدخل میں روایت کیا ہے۔ (ص ۲۰۵، فقرہ ۲۴۸)۔

یہ امام احمد کے فتاووں کے پانچ اصول ہیں اُن پر ان کے فتوؤں کا دارو مدار ہے، اور بسا اوقات آپ دلائل کے تعارض، یا مسئلہ میں صحابہ کے اختلاف، یا اس مسئلہ میں کسی اثر یا کسی صحابی یا تابعی کے کسی قول کی معلومات نہ ہونے کے سبب فتوی دینے سے توقف کرتے تھے، اور کسی مسئلہ میں فتوی دینے کو سخت ناپسند کرتے تھے اور اس سے منع کرتے تھے، جس میں سلف کا کوئی اثر نہ ہو، اور زیادہ تر آپ اختلافی مسائل کے جواب میں کہتے تھے: ''لَا أَدْرِي'' ''میں نہیں جانتا''(۱)۔

عبداللہ بن احمد اپنے مسائل میں فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا: عبدالرحمن بن مہدی بیان کرتے ہیں کہ ایک مغربی شخص نے مالک بن انس سے کوئی مسئلہ پوچھا، تو انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا۔ اس شخص نے تعجب سے کہا: اے ابو عبداللہ آپ کہتے ہیں: میں نہیں جانتا!!؟ انہوں نے کہا: ہاں، اپنے پیچھے والے دیگر لوگوں کو بھی بتادو کہ میں نہیں جانتا''۔

اور عبداللہ بن احمد کہتے ہیں:

میں اکثر والد صاحب کو سنتا تھا کہ آپ سے اختلافی سوالات کئے جاتے تو آپ کہتے: میں نہیں جانتا، اور فتویٰ دینے سے رک جاتے، اور زیادہ تر کہتے: ''سَلْ غَيْرِي'' (کسی اور سے پوچھو)(۲)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فتویٰ وفیصلہ وغیرہ میں اپنی ذات پر بلاعلم کچھ کہنا حرام قرار دیا ہے، اور اسے محرمات میں سرفہرست رکھا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْيَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾﴾ [الاعراف: ۳۳]۔

آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگادو جس کو تم جانتے نہیں۔

---

(۱) یہاں اعلام الموقعین (۱/ ۳۳) میں اس کے درمیان اور آگے پیچھے اور بھی باتیں ہیں جنہیں مصنف رحمہ اللہ نے (بغرض اختصار) ذکر نہیں کیا ہے۔

(۲) مسائل الامام احمد لابنہ عبداللہ، (۴۳۸ نمبر ۱۵۸۳)، واعلام الموقعین (۱/ ۳۳)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حرام امور کو چار مراتب پر بیان کیا ہے، سب سے پہلے آسان تر کا ذکر کیا ہے' یعنی فحش باتیں، پھر دوسرے نمبر پر اس سے زیادہ حرمت والے کو، یعنی گناہ اور ظلم، پھر تیسرے نمبر پر اس سے عظیم تر حرمت والے کو، یعنی اللہ سبحانہ کے ساتھ شرک، پھر چوتھے نمبر پر اُس سے بھی زیادہ بڑے حرام امر کو، یعنی بلا علم اللہ تعالیٰ پر کوئی بات کہنا، اور یہ چیز اللہ کے اسماء وصفات، اقوال وافعال اور اس کے دین وشریعت سب میں اللہ پر بلا علم بات کہنے کو شامل ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ ٱلْكَذِبَ هَـٰذَا حَلَـٰلٌ وَهَـٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَـٰعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾﴾ [النحل:١١٦-١١٧]۔

کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو، سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔ انہیں بہت معمولی فائدہ ملتا ہے اور ان کے لئے ہی دردناک عذاب ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی بابت اپنی ذات پر جھوٹ باندھنے والوں اور جسے اللہ نے حرام نہیں ٹھہرایا ہے اُسے حرام اور جسے حلال نہیں کہا ہے اُسے حلال کہنے والوں کو سخت وعید سنائی ہے، یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس بات کا بیان ہے کہ جس چیز کے بارے میں بندہ کو علم نہ ہو کہ اللہ نے اُسے حلال ٹھہرایا ہے یا حرام' اُس میں اس کے لئے: 'یہ حرام ہے، یا یہ حلال ہے' کہنا جائز نہیں۔

اور بعض سلف نے کہا ہے:

تم میں سے کسی کو یہ کہنے سے ڈرنا چاہئے کہ: اللہ نے اس چیز کو حلال قرار دیا ہے، یا اس چیز کو حرام ٹھہرایا ہے' ورنہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کہ تو جھوٹ بولتا ہے! میں نے اس چیز کو حلال ٹھہرایا ہے، نہ اس چیز کو حرام! لہٰذا جس چیز کے حلال وحرام ہونے کی بابت کھلی وحی آنے کا علم نہ ہو اُس کے بارے میں محض تقلید یا تاویل کی بنا پر "اللہ نے حلال کیا ہے، اللہ نے حرام کیا ہے" کہنا مناسب نہیں۔

اور نبی کریم ﷺ نے صحیح حدیث میں اپنے امیر بریدہ رضی اللہ عنہ کو دشمن کا محاصرہ کرنے کی صورت میں اُنہیں

اللہ کے حکم وفیصلہ پر اتارنے سے منع فرمایا تھا، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

''فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ حُكْمَ اللهِ فِيهِمْ أَمْ لَا، وَلَكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ وَ أَصْحَابِكَ''[1]۔

تمہیں نہیں معلوم کہ تم ان کے بارے میں اللہ کے حکم وفیصلہ کو پاسکو گے یا نہیں، اس لئے انہیں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے حکم وفیصلہ پر اتارنا۔

غور کیجئے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اللہ کے فیصلہ اور امیر مجتہد کے فیصلہ میں فرق کیا ہے اور مجتہدین کے حکم وفیصلہ کو اللہ کا فیصلہ کہنے سے منع فرمایا ہے؟!

اور اسی پہلو سے جب کاتب نے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کا کوئی فیصلہ لکھتے ہوئے کہا: یہ وہ فیصلہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کو دکھایا ہے' تو انہوں نے فرمایا:

''ایسا نہ کہو: بلکہ یہ کہو کہ: یہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی رائے ہے''[2]۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے بیٹے صالح کی روایت میں فرماتے ہیں:

''آدمی کے فتویٰ دہی کے قابل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اُسے قرآن کے مختلف وجوہ کا علم ہو، صحیح سندوں کا علم ہو اور سنتوں کی گہری بصیرت ہو' کیونکہ مخالفت کرنے والوں کی جو بھی مخالفتیں ہوئی ہیں' نبی کریم ﷺ کی احادیث اور ان میں صحیح وضعیف کے بارے میں کم علمی کے سبب ہوئی ہیں''[3]۔

ابن ابو داود رحمہ اللہ فرماتے ہیں[4]: ہم سے عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والے کو فرماتے ہوئے سنا:

---

(۱) اس کی تخریج (ص ۳۷۷) میں گزر چکی ہے، نیز دیکھئے: (ص ۱۹۳)۔

(۲) إعلام الموقعین (۱/ ۳۸-۳۹)۔

(۳) إعلام الموقعین (۱/ ۴۴، ۴۶)۔

(۴) یہ امام عبد اللہ بن امام ابو داود سلیمان بن اشعث، ابو بکر سجستانی، بغداد کے کبیر ترین حفاظ حدیث میں سے ہیں، مصر اور شام کے اساتذہ میں اپنے والد کے ساتھ شریک ہیں، بڑے زاہد اور عبادت گزار تھے، ان کی بہت ساری تصنیفات ہیں، ان میں: المسند، المصابیح اور السنن ہیں، ۳۱۶ھ میں وفات پائے، طبقات الحنابلہ (۲/ ۵۱)، تذکرۃ الحفاظ (۲/ ۷۶۷)۔

''لَا تَكَادُ تَرَى أَحَدًا نَظَرَ فِي الرَّأْيِ إِلَّا وَفِي قَلْبِهِ دَغَلٌ''[1]۔

تمہیں قیاس ورائے میں غور کرنے والا کوئی نہ ملے گا' جس کے دل میں کجی اور فساد نہ ہو۔

نیز عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا:

''ضعیف حدیث مجھے رائے سے زیادہ محبوب ہے''۔

اور عبداللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو کسی ایسی بستی میں ہو جہاں ایک محدث' جسے صحیح وضعیف کا علم نہ ہو' اور اہل رائے کے علاوہ کوئی نہ ہو' اور اُسے کوئی ہنگامی مسئلہ درپیش ہو تو وہ کس سے مسئلہ پوچھے؟ تو انہوں نے فرمایا:

''يَسْأَلُ أَصْحَابَ الْحَدِيثِ، وَلَا يَسْأَلُ أَصْحَابَ الرَّأْيِ، ضَعِيفُ الْحَدِيثِ أَقْوَى عِنْدَنَا مِنَ الرَّأْيِ''[2]۔

اہل الحدیث سے مسئلہ پوچھے، اہل الرائے سے نہ پوچھے، کیونکہ ہمارے یہاں ضعیف حدیث بھی رائے سے بہتر اور مضبوط ہے۔

حاصل کلام اینکہ تمام تر سلف صالحین کتاب وسنت کے مخالف رائے وقیاس کی مذمت پر متفق ہیں، نیز یہ کہ فتویٰ وفیصلہ میں اس پر عمل کرنا حلال نہیں ہے، رہی وہ رائے جس کی کتاب وسنت سے مخالفت یا موافقت کا علم نہ ہو' اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ اتنی ہے کہ بتقاضائے ضرورت لازم کئے اور مخالف پر نکیر کئے بغیر اس پر عمل کر لینا جائز ہے''[3]۔

❀ ❀ ❀

(۱) إعلام الموقعین (۱/ ۷۶)۔ الدغل: بہت زیادہ گھنے درخت کو کہتے ہیں' یہ الدغل: کی طرح ہے جس میں اہل فساد چھپے رہتے ہیں، لسان العرب (۳/ ۱۳۹۰)۔

(۲) إعلام الموقعین (۱/ ۷۶-۷۷)، ومسائل عبداللہ بن احمد (ص ۴۳۸، مسئلہ ۱۵۸۵)، اس میں عبارت اس طرح ہے: ''قال يسأل اصحاب الحديث لا يسأل اصحاب الرأي ضعيف الحديث خير من رأي ابي حنيفة (اہل الحدیث سے پوچھے' اہل الرائے سے نہ پوچھے' ضعیف حدیث بھی امام ابوحنیفہ کی رائے سے بہتر ہے) مربع قوسین کے درمیان کی عبارت إعلام الموقعین میں نہیں ہے' اور مسائل احمد میں ہے: ''تو کس سے پوچھے؟''۔

(۳) إعلام الموقعین (۲/ ۷۷)۔

تقلید مذموم اور اس کی قسمیں

ممنوع تقلید کی تین قسمیں ہیں:

۱- باپ دادوں کی تقلید پر اکتفا کرتے ہوئے اللہ کے نازل کردہ احکامات سے اعراض اور اس سے بے اعتنائی۔

۲- ایسے شخص کی تقلید جس کے بارے میں مقلد کو علم نہ ہو کہ وہ بات لئے جانے کا اہل ہے۔

۳- قیام حجت اور جس کی تقلید کی جارہی ہے اس کے قول کے خلاف دلیل واضح ہو جانے کے بعد تقلید کرنا۔

اس قسم اور پہلی قسم کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے شخص نے علم و دلیل میں پختگی سے پہلے تقلید کی ہے جبکہ اس نے دلیل واضح ہونے کے بعد تقلید کی ہے' اس لئے یہ مذمت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت کا زیادہ سزاوار ہے''[1]۔ بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: مقدمہ میں تقلید اور اس کی تمام قسموں کی مذمت کی دلیلیں گزر چکی ہیں۔

امام ابن القیم فرماتے ہیں:

''اگر کوئی کہے: اللہ تعالی نے کفار اور اپنے آباء و اجداد کی تقلید کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے' جو عقل و ہدایت سے کورے تھے؛ ہدایت یافتہ علماء کی تقلید کرنے والوں کی مذمت نہیں کی ہے' بلکہ اہل ذکر یعنی اہل علم سے پوچھنے کا حکم دیا ہے' یہی ان کی تقلید ہے، چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل:۴۳]۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

یہ لاعلموں کو علم والوں کی تقلید کرنے کا حکم ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی نازل کردہ شریعت سے منہ موڑ کر باپ دادوں کی تقلید

---

(۱) إعلام الموقعين (۱/ ۱۶۸-۱۶۹)۔

اپنانے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور تقلید کی اسی صورت کی مذمت وحرمت پر سلف صالحین اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔ رہا اس آدمی کا تقلید کرنا جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کی اتباع میں اپنی کوشش صرف کرلے اور اس کے باوجود کچھ حصہ پوشیدہ رہ جائے لہٰذا اس میں اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید کرلے تو یہ قابل ستائش ہے مذموم نہیں اور باعث اجر ہے [گناہ کا سبب نہیں] (1) اور یہی تقلید واجب ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ﴾ [الاسراء:٣٦]۔

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔

اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ تقلید علم نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْيَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾﴾ [الاعراف:٣٣]۔

آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ٱتَّبِعُوا۟ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٣﴾﴾ [الاعراف:٣]۔

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف سے نازل کردہ باتوں کی پیروی کا حکم دیا ہے، اور مقلد کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اگر اس کے سامنے اپنے امام (جس کی وہ تقلید کر رہا ہے) کے قول کے خلاف دلیل واضح ہوئی ہوتی، تب تو وہ جان ہی لیتا کہ اس کی تقلید کرنا اللہ کے نازل کردہ حکم

(1) یہ اضافہ إعلام الموقعین میں ہے (٢/١٣٠)۔

کے خلاف کی پیروی ہے!! ارشاد باری ہے:

﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ۝٥٩﴾ [النساء:۵۹]۔

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

چنانچہ اللہ نے ہمیں اپنے علاوہ اور اپنے رسول ﷺ کے علاوہ کی طرف لوٹانے سے منع فرمایا ہے اور یہ چیز تقلید کو باطل قرار دیتی ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿أَمۡ حَسِبۡتُمۡ أَن تُتۡرَكُواْ وَلَمَّا يَعۡلَمِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ مِنكُمۡ وَلَمۡ يَتَّخِذُواْ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَلَا رَسُولِهِۦ وَلَا ٱلۡمُؤۡمِنِينَ وَلِيجَةٗۚ وَٱللَّهُ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ ۝١٦﴾ [التوبہ:۱۶]۔

کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ نے تم میں سے انہیں ممتاز نہیں کیا جو مجاہد ہیں اور جنہوں نے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔ اللہ خوب خبردار ہے جو تم کر رہے ہو۔

اور اس سے بڑھ کوئی دلی اور جگری دوست نہیں، جس معین آدمی کو وہ اللہ کی باتوں اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں اور تمام ائمہ اسلام کی باتوں کا مختار بنالے اور اسے ان تمام کی باتوں پر مقدم کرے اور کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اجماع امت کو اس کے قول پر پیش کرے، جو اس کے موافق ہو اُسے موافقت کی بنا پر قبول کر لے اور جو خلاف ہو اُس کی تردید میں نرمی برتے اور اس کے لئے طرح طرح کی حیلہ جوئی کرے! اگر یہ جگری دوست نہیں ہے تو ہمیں نہیں معلوم کہ پھر جگری دوست کون ہے؟

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمۡ فِي ٱلنَّارِ يَقُولُونَ يَٰلَيۡتَنَآ أَطَعۡنَا ٱللَّهَ وَأَطَعۡنَا ٱلرَّسُولَا۠ ۝٦٦ وَقَالُواْ رَبَّنَآ إِنَّآ أَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّونَا ٱلسَّبِيلَا۠ ۝٦٧﴾ [الاحزاب:۶۶-۶۷]۔

اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے۔ (حسرت و افسوس سے) کہیں گے کہ کاش

ہم اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرتے۔ اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔

یہ تقلید کو باطل ٹھہرانے صریح دلیل ہے۔

اب اگر کوئی کہے: یہاں تو راہ راست سے بھٹکانے والوں کی تقلید کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے اس میں راہ راست کی رہنمائی کرنے والوں کی تقلید کی مذمت کہاں ہے؟

تو میں کہوں گا: اس سوال کا جواب اسی سوال میں ہے، کیونکہ بندہ ہدایت یافتہ تب ہی ہوگا جب اللہ کی اپنے رسول ﷺ پر نازل کردہ شریعت کی اتباع و پیروی کرے، لہٰذا اگر اس مقلد کو اللہ کی نازل کردہ شریعت کا علم ہو تو وہ ہدایت یافتہ ہے مقلد نہیں، اور اگر اللہ کی اپنے رسول ﷺ پر نازل کردہ شریعت کا اسے علم نہ ہو تو وہ گمراہ گر اور خود اپنے بارے میں اقرار کرنے والا جاہل ہے، بھلا وہ کہاں سے جانے گا کہ اپنی تقلید میں وہ ہدایت پر ہے؟؟ یہ اس باب میں اس پہلو سے وارد ہر سوال کا جواب ہے کہ وہ تو ہدایت یافتگان کی تقلید کرتے ہیں لہٰذا وہ اپنے تقلید میں ہدایت پر گامزن ہیں!!

اور اگر کوئی کہے: آپ لوگ تو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ ائمہ کرام جن کی دین کے معاملہ میں تقلید کی جارہی ہے وہ ہدایت پر قائم ہیں، تو لازمی طور پر ان کے مقلدین بھی ہدایت پر ہیں؛ کیونکہ وہ انہی کے پیچھے چلنے والے ہیں؟

تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ: مقلدین کا ان اماموں کے پیچھے چلنا، قطعی طور پر ان کی تقلید کو باطل ٹھہراتا ہے؛ کیونکہ ان ائمہ کا طریقہ دلیل و حجت کی پیروی اور اپنی تقلید سے ممانعت تھا۔ جیسا کہ ان کے حوالہ سے ذکر کیا جا چکا ہے۔ بنابریں جو دلیل کو چھوڑ کر اس بات کا مرتکب ہو جس سے انہوں نے منع کیا ہے، اور ان سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے؛ وہ ان کی راہ کا راہی نہیں، بلکہ ان کے مخالفین میں سے ہے، درحقیقت ان کے راستے پر وہ ہے جو دلیل کی پیروی کرے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کردے، اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی متعین شخص کو اس طرح نہ بنالے کہ اسے کتاب و سنت پر مختار بنا کر کتاب و سنت کو اس کے قول پر پیش کرتا پھرے۔

اس سے تقلید کو اتباع سمجھنے والوں کی غلط فہمی واضح ہوتی ہے، اور ان کے وہم و تلبیس کاری کا پردہ فاش ہو جاتا ہے،

بلکہ یہ اتباع کے سراسر خلاف ہے‘اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل علم نے دونوں کے درمیان تفریق کی ہے۔
کیونکہ اتباع متبوع کی راہ پر چلنے اور اُسی جیسا عمل کرنے کا نام ہے“[1]۔

صاحب اعلام الموقعین کی بات ختم ہوئی۔

اور تقلید واتباع کا فرق مقدمہ میں گزر چکا ہے،جس کا اعادہ کرنے کی حاجت نہیں،واللہ اعلم۔

(۱) إعلام الموقعین،(۱۶۹-۱۷۱)۔

خاتمہ

مقلدین کے شبہات کی بیخ کنی اور متبعین کے خلاف نفس پرست متعصبین کے دلائل کا جواب

امام ابن القیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:

فصل: ہٹ دھرم مقلد اور حق پرست صاحب دلیل کے مابین ایک مجلس مناظرہ:

مقلد نے کہا: ہم جماعت مقلدین فرمان باری تعالیٰ:

﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل: ۴۳]۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

کے مطابق عمل کرنے والے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جنہیں علم نہیں وہ زیادہ علم والوں سے پوچھ لیں، یہ ہمارے موقف کی صریح دلیل ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے بھی ہماری رہنمائی کی ہے کہ علم والوں سے پوچھیں، چنانچہ سر میں زخم لگنے والے کی حدیث میں ارشاد فرمایا:

"أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا؟ فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ"[1]۔

---

(۱) حدیث حسن ہے، اسے امام ابوداود (حدیث ۳۳۶) نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

"خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ، ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ فَقَالَ: هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ؟ فَقَالُوا: مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أُخْبِرَ بِذَلِكَ، فَقَالَ: "قَتَلُوهُ، قَتَلَهُمُ اللَّهُ، أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا، فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ" إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ - أَوْ يَعْصِبَ، شَكَّ مُوسَى - عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً، ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ"۔

===

جب علم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں؟ عاجز کا علاج تو سوال کرنا ہے۔

اسی طرح مزدور کے باپ جس (مزدور) نے اپنے مزدوری دار کی بیوی سے زنا کرلیا تھا کہا:

''فَسَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّمَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ، [وَتَغْرِيبُ عَامٍ](1)، وَأَنَّ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا الرَّجْمَ''(2)۔

میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے [اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا]، اور اس شخص کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سے علم والے کی تقلید کرنے کے سبب اُس پر نکیر نہیں کی۔

== ہم ایک سفر میں نکلے، ہوا یہ کہ ہم میں ایک شخص کو پتھر لگ گیا جس سے اس کا سر زخم آلود ہوگیا، پھر اُسے احتلام بھی ہوگیا، چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگ میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہم تمہارے لئے تیمم کی رخصت نہیں پاتے، کیونکہ تمہیں پانی استعمال کرنے کی قدرت ہے، چنانچہ اس نے غسل کیا اور اس کی موت ہوگئی، جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے اور آپ کو اس کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: ''ان لوگوں نے اُسے قتل کر ڈالا، اللہ انہیں بھی مار ڈالے، جب علم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں؟ کہ عاجز کا علاج سوال کرنا ہے''، اس کے لئے اتنا کافی تھا کہ تیمم کرتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھ لیتا، پھر اس پٹی پر مسح کرتا اور بقیہ جسم دھولیتا''۔

علامہ البانی فرماتے ہیں: حسن ہے، سوائے (اس کے لئے اتنا کافی...) کے۔ صحیح سنن ابوداود (حدیث ۳۲۵)۔

نیز اسے امام ابوداود (حدیث ۳۳۷)، ابن ماجہ (حدیث ۵۷۲)، احمد (۳۳۰/۱)، دارمی (حدیث ۷۵۲) اور حاکم نے المستدرک (۱۷۸/۱) میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، لیکن اس میں: ''أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا'' (جب علم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں؟) نہیں ہے۔

الشجۃ: سر یا چہرہ یا پیشانی کے زخم کو کہتے ہیں، النھایۃ (۴۴۵/۲)، اور العی: گفتگو میں حیرانی اور عدم یادداشت کو کہتے ہیں مقصد جہالت و نادانی ہے، النھایۃ (۳۳۴/۳)۔

(۱) یہ اضافہ اعلام الموقعین میں ہے (۱۴۰/۲)۔

(۲) اسے امام بخاری (حدیث ۲۶۹۶)، مسلم (حدیث ۱۶۹۸)، ترمذی (حدیث ۱۴۳۳)، نسائی (حدیث ۵۴۱۰، ۵۴۱۱)، ابوداود (حدیث ۴۴۴۵)، ابن ماجہ (حدیث ۲۵۴۹) احمد (۱۱۵/۴)، مالک (حدیث ۱۵۵۶)، اور دارمی (حدیث ۲۳۱۷) نے ابوہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما سے دو لوگوں کے جھگڑے کے سلسلہ میں روایت کیا ہے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کی کتاب کا فیصلہ طلب کیا تھا، مسئلہ یہ تھا کہ ایک شخص کا لڑکا دوسرے کے یہاں مزدوری کرتا تھا اس نے دوسرے کی بیوی کے ساتھ زنا کرلیا، اور پہلے نے اپنے لڑکے کو سو بکریوں اور ایک لونڈی کی عوض چھڑانا چاہا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قضیہ میں فیصلہ فرمایا، چنانچہ آپ نے بکریاں اور لونڈی مزدور کے باپ کو لوٹا دی اور زانی لڑکے کو سو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے جلاوطن کردیا، اور دوسرے شخص کی بیوی کو اعتراف زنا کی صورت میں سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

عسیف: مزدور کو کہتے ہیں، النھایۃ (۲۶۳/۳)۔ اور الولیدۃ: لڑکی یا باندی کو کہتے ہیں خواہ بڑی ہو، النھایۃ (۲۲۵/۵)۔

اسی طرح روئے زمین کے عالم عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تقلید کی! چنانچہ شعبہ نے عاصم احول کے واسطے سے شعبی سے روایت کیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کلالہ کے بارے میں فرمایا:

''أَقْضِي فِيهَا بِرَأْيِي، فَإِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللَّهِ، وَإِنْ يَكُنْ خَطَأً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطَانِ، وَاللَّهُ مِنْهُ بَرِيءٌ، هُوَ مَا دُونَ الْوَلَدِ وَالْوَالِدِ''۔

میں اس مسئلہ میں اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا، اگر درست ہوا تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے، کلالہ اُسے کہتے ہیں: جس کے پاس اولاد ہو نہ باپ۔

تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا:

''إِنِّي لَأَسْتَحْيِي مِنَ اللَّهِ أَنْ أُخَالِفَ أَبَا بَكْرٍ''[1]۔

مجھے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ سے شرم آتی ہے۔

نیز عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''ہماری رائے آپ کی رائے کے تابع ہے''۔

نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کا قول لیا کرتے تھے۔

شعبی فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے چھ صحابہ لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے: ابن مسعود، عمر بن خطاب، علی، زید بن ثابت، ابی بن کعب اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم، اور ان میں سے تین لوگ، تین لوگوں کے قول کی بنا پر اپنا قول چھوڑ دیا کرتے تھے: عبد اللہ بن عمر، عمر کے قول کی بنا پر اپنا قول چھوڑ دیتے تھے، ابو موسیٰ علی کے قول کی بنا پر اپنا قول چھوڑ دیتے تھے اور زید بن ثابت ابی بن کعب کے قول کی بنا پر اپنا قول چھوڑ دیتے تھے۔

اور حبیب[2] کہتے ہیں: میں کسی کے قول کی بنا پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات نہیں چھوڑ سکتا۔

---

(۱) شعبی اور عمر یا ابو بکر رضی اللہ عنہما کے درمیان کے انقطاع کے سبب ضعیف ہے۔ امام بیہقی نے اپنی سنن (۶ / ۲۲۳) میں، اور دارمی (حدیث ۲۹۷۲) نے پورے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، لیکن یزید بن ہارون کے طریق سے۔ اور اس کے بعض حصہ یعنی (مَا دُونَ الْوَلَدِ وَالْوَالِدِ) کو سعید بن منصور نے اپنی سنن (۳ / ۱۱۸۵) میں، عبد الرزاق نے مصنف (حدیث ۱۰ / ۳۰۴) میں، ابن جریر نے تفسیر (۸ / ۵۴) میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف (۱۱ / ۴۱۵-۴۱۶) میں شعبہ کے علاوہ دوسرے طریق سے روایت کیا ہے، لیکن مجھے اپنے سامنے موجود نسخوں میں اس طریق سے نہیں ملی، اور امام سیوطی نے الدر المنثور (۲ / ۲۴۳) میں اسے ان لوگوں اور مزید ابن المنذر کی طرف منسوب کیا ہے۔

الکلالۃ: اسے کہتے ہیں جس کی اولاد ہو نہ باپ، المغنی (۹ / ۷)۔

(۲) یہ حبیب بن ابو ثابت بن قیس بن دینار اسدی ابو یحییٰ کوفی جلیل القدر فقیہ ثقہ ہیں، البتہ کثیر الارسال والتدلیس ہیں، (ت ۱۱۹ھ)، التقریب (۱۰۸۴)۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

''إنَّ مُعَاذًا قَدْ سَنَّ لَكُمْ سُنَّةً''[1]۔

یقیناً معاذ نے تمہارے لئے ایک سنت قائم کردی۔

یعنی جوانہوں نے نماز میں کیا، کہ فوت شدہ نماز کی قضا کو امام کے فارغ ہونے کے بعد تک موخر کر دیا، جبکہ صحابہ فوت شدہ نماز پہلے پڑھ کر امام کے ساتھ شامل ہوا کرتے تھے۔

نیز مقلد نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اختیار والوں کی اطاعت کا، جو علماء یا علماء اور امراء ہیں، اور ان علماء و امراء کی بات ماننا اُن کے فتوؤں میں اُن کی تقلید کرنا ہے، کیونکہ اگر ان کی تقلید نہ ہو تو دوسری کوئی اطاعت نہیں ہے جو انکے ساتھ خاص ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ﴾ [التوبہ:۱۰۰]۔

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔

ان کی تقلید ہی ان کی اتباع ہے اور ایسا کرنے والا ان میں سے ہے جن سے اللہ راضی ہو چکا ہے، اور اس کی مزید وضاحت کے لئے مشہور حدیث کافی ہے:

''أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ''[2]۔

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت یاب رہو گے۔

---

(۱) صحیح ہے، اسے امام ابوداود (حدیث ۵۰۶)، احمد (۵/ ۲۴۶) اور امام بیہقی نے السنن الکبری (۳/ ۴۹۳) میں ایک لمبی حدیث کے ضمن میں روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے صحیح سنن ابوداود (حدیث ۴۷۸) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) موضوع ہے، اسے امام ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم (۲/ ۱۱۰-۱۱۱) میں روایت کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ بات نبی کریم ﷺ سے صحیح نہیں ہے، اور انہی کی سند سے امام ابن حزم نے الاحکام (۲/ ۸۲) میں روایت کیا ہے، علامہ البانی نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے، دیکھئے: سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ (حدیث ۵۸-۶۲)۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ أَبَرُّ هَذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوبًا، وَأَعْمَقُهَا عِلْمًا، وَأَقَلُّهَا تَكَلُّفًا، قَوْمٌ اخْتَارَهُمُ اللَّهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَإِقَامَةِ دِينِهِ، فَاعْرِفُوا لَهُمْ حَقَّهُمْ، وَتَمَسَّكُوا بِهَدْيِهِمْ، فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ''(1)۔

تم میں جسے کسی کی پیروی کرنا ہو وہ فوت شدگان کی پیروی کرے کیونکہ زندہ کی بابت فتنہ سے مامون نہیں ہوا جا سکتا' وہ محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو اس امت کے سب سے نیک دل لوگ تھے' سب سے گہرے علم والے تھے، اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے' وہ ایسے قدسی لوگ تھے جنہیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کے قیام کے لئے چن لیا تھا، لہٰذا ان کا حق پہچانو اور ان کے طور طریقہ پر مضبوطی سے کاربند رہو' کیونکہ وہ راہ مستقیم پر گامزن تھے۔

اور نبی کریم ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِن بَعْدِي''(2)۔

تم میری سنت پر اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر کاربند رہنا۔

نیز فرمایا:

''اقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي: أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَاهْتَدُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ، وَتَمَسَّكُوا بِعَهْدِ

(1) اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم (۲/۱۱۹) میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے:

''مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ؛ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَبَرَّ هَذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوبًا ...''۔

تم میں جسے کسی کا اسوہ اپنانا ہو وہ محمد ﷺ کے صحابہ کا اسوہ اپنائے، کیونکہ وہ اس امت کے سب سے نیک دل لوگ تھے....

اس میں سنید بن داود مصیصی ضعیف ہے، اور قتادہ مدلس ہیں جنہوں نے عن سے روایت کیا ہے، نیز اسے امام ابونعیم نے الحلیہ (۱/۳۰۵-۳۰۶) میں بطریق عمر بن نبہان عن الحسن البصری عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، روایت کیا ہے، جبکہ عمر بن نبہان ضعیف ہیں اور حسن بصری کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہے، اسی طرح اس کے ہم معنی ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں حسن بصری کا قول روایت کیا ہے۔

(۲) اس کی تخریج (ص ۲۶۷) میں گذر چکی ہے۔

ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ"[1]۔

میرے بعد دولوگوں: ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرو، عمار کی راہ اپناؤ اور ام عبد کے بیٹے کے عہد پر قائم رہو۔

عمر رضی اللہ عنہ نے شریح کو خط لکھا:

"اقْضِ بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَاقْضِ بِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ"[2]۔

اللہ کی کتاب سے فیصلہ کرو، اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو سنت رسول ﷺ سے فیصلہ کرو، اگر سنت رسول ﷺ میں نہ ہو تو صالحین کے فیصلوں سے فیصلہ کرو۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے امہاد الاولاد (لونڈیاں جن سے ان کے مالکان صحبت کریں اور اولاد پیدا ہوں) کو بیچنے سے منع کیا، تو صحابہ نے ان کے تابعداری کی[3] اسی طرح طلاق ثلاثہ نافذ کیا تو بھی صحابہ نے تابعداری کی[4]، اور ایک مرتبہ انہیں احتلام ہوا تو ان سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کپڑے کو بدل کر دوسرا

---

(۱) اس کی تخریج (ص ۲۰۹) میں گذر چکی ہے، اور ام عبد کے بیٹے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

[اور ابن مسعود کے عہد سے مراد ان کی باتیں، وصیتیں اور نصیحتیں وغیرہ ہیں، بالخصوص ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے مسئلہ میں سب سے پہلے ان کی موافقت و تائید کرنا ہے، چنانچہ انہوں نے کہا تھا: جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا، کیا ہم اسے اپنی دنیا کے لئے پسند نہیں کریں گے؟ دیکھئے: المیسر فی شرح مصابیح السنۃ، از علامہ توربشتی (۴/ ۱۳۳۵۰)، (مترجم)]۔

(۲) اثر صحیح ہے، اسے امام نسائی نے (حدیث ۵۳۹۹) روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے صحیح سنن نسائی (حدیث ۴۹۸۹) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) اسے امام ابو داود (حدیث ۳۹۵۴)، ابن حبان (حدیث ۱۲۱۶)، بیہقی (۱۰/ ۳۴۷) اور دارقطنی نے (حدیث ۳۸۱) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: "بِعْنَا أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ نَهَانَا فَانْتَهَيْنَا"۔

ہم نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں امہات الأولاد کو بیچا، لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ہمیں منع کر دیا، لہذا ہم رک گئے۔

اسے علامہ البانی نے ارواء الغلیل (۱۷۷۷) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) تین طلاقوں کے ایک واقع ہونے کے سلسلہ میں حضرات صحابہ سے لے کر بعد تک کے علماء میں اختلاف رہا ہے، اور عمر رضی اللہ عنہ کے تین طلاقوں کو تین نافذ کرنے کی حدیث امام مسلم (حدیث ۱۴۷۲)، نسائی (حدیث ۳۴۰۶)، اور ابو داود (حدیث ۲۱۹۹، ۲۰۰) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

===

کپڑا پہن لو، تو انہوں نے فرمایا: ''لَوْ فَعَلْتُهَا صَارَتْ سُنَّةً'' (اگر میں ایسا کرلوں تو سنت بن جائے گی)[1]۔

ابی بن کعب اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ نے کہا ہے:

''مَا اسْتَبَانَ لَكَ فَاعْمَلْ بِهِ، وَمَا اشْتَبَهَ عَلَيْكَ فَكِلْهُ إِلَى عَالِمِهِ''[2]۔

جو مسئلہ تمہارے سامنے واضح ہو اس پر عمل کرو اور جس میں اشتباہ ہو اسے اس کے عالم کے حوالہ کردو۔

اور صحابہ رضی اللہ عنہم فتویٰ دیا کرتے تھے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مابین باحیات تھے، یہ قطعی طور پر ان کی تقلید ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جیتے جی ان کی بات حجت نہیں ہو سکتی!

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾﴾ [التوبہ:۱۲۲]۔

ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر واجب قرار دیا ہے کہ علماء واپس آ کر انہیں جن باتوں سے ڈرائیں وہ اسے قبول کریں، یہ بلاشبہ ان علماء کی تقلید ہے۔

=== ''كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی تھیں، تو عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: لوگوں نے ایک ایسے مسئلہ میں جلد بازی کرنی شروع کردی ہے جس میں ان کے لئے مہلت اور آسانی تھی، لہٰذا ہم ان پر نافذ کیوں نہ کردیں، چنانچہ اسے ان پر نافذ کردیا۔

أناة: یعنی مہلت اور گنجائش، أمضيناه: یعنی ہم ان پر نافذ کردیں، فأمضاه عليهم: یعنی ان پر بطور سزا تین طلاقوں کو تین قرار دیا۔

اس مسئلہ میں لمبی بحث ہے، لیکن ملاحظہ فرمائیں: المغنی، از ابن قدامہ (۱۰/ ۳۳۰-۳۳۵ مسئلہ ۱۲۴۸)، وفتح الباری (۹/ ۲۷۵-۲۷۸)، اور دیگر فقہی کتابیں۔

(۱) اسے امام مالک نے موطا (حدیث ۱۱۶) میں منقطع سند سے روایت کیا ہے، اس میں یحییٰ بن عبد الرحمن بن حاطب ہیں، جنکی ملاقات عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی ہے۔

(۲) إعلام الموقعين، (۲/ ۱۸۴)۔

ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ان سے دادا اور بھائیوں کی وراثت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''أَمَّا الَّذِي قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ''لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ'' فَإِنَّهُ أَنْزَلَهُ أَبًا''[1]۔

رہی وہ ذات جن بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: کہ اگر میں روئے زمین میں سے کسی کو اپنا خلیل (جگری دوست) بناتا تو ابو بکر کو بناتا! انہوں نے دادا کو باپ کے مقام پر رکھا ہے۔

یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقلید کے سلسلہ میں بڑی واضح بات ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے گواہ کی گواہی قبول کرنے کا حکم دیا ہے جو اُس کی تقلید ہے[2]، نیز شریعت میں قیافہ شناس[3] ....

(۱) حدیث صحیح ہے، اسے امام بخاری (حدیث ۳۶۵۸) اور احمد (۴/ ۵،۴) نے روایت کیا ہے۔ اور مسند احمد کی روایت میں عبد اللہ بن عتبہ کا دادا کے بارے میں عبد اللہ بن زبیر سے سوال کا ذکر ہے انہوں نے عبد اللہ بن عتبہ کو منصب قضاء پر فائز کیا تھا، چنانچہ انہوں نے جواب دیا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دادا کو میراث میں باپ کا درجہ دیا ہے، البتہ اس حدیث کو عبد اللہ بن زبیر کے علاوہ ابو سعید خدری، ابو ذر، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے، چنانچہ ابن مسعود کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۴۶۷ وغیرہ)، احمد (۱/ ۲۷۰)، اور دارمی (حدیث ۲۹۱۰) نے روایت کیا ہے۔ اور ابو سعید خدری کی روایت کو بھی امام بخاری (۳۶۵۴ وغیرہ)، مسلم (حدیث ۲۳۸۲)، ترمذی (حدیث ۳۶۶۰)، احمد (۳/ ۱۸)، اور دارمی (حدیث ۷۷) نے روایت کیا ہے۔ اور ابو ذر کی حدیث کو امام مسلم (حدیث ۵۳۲) نے روایت کیا ہے، اور ابن مسعود کی حدیث کو امام مسلم (حدیث ۲۳۸۳)، ترمذی (حدیث ۳۶۵۵)، ابن ماجہ (حدیث ۹۳) اور احمد (۱/ ۳۷۷) نے روایت کیا ہے، اسی طرح امام ترمذی (حدیث ۳۶۵۹) اور احمد (۳/ ۲۱۱،۴۷۸) نے ابو المعلی بن لوذان سے روایت کیا ہے، پھر امام ترمذی فرماتے ہیں: حدیث حسن غریب ہے۔

(۲) یعنی گواہی پیش کرنے کے بعد گواہ کی تصدیق کرنا، بمعنی حاکم صادر کرنے میں اس کی تصدیق اور اس پر عمل کرنا۔

(۳) قیافہ شناس: وہ ہے جو مشابہت جانے اور نشان کی پرکھ کرے، فتح الباری (۱۲/ ۵۷)، اور اسامہ بن زید کی ان کے والد زید بن حارثہ سے نسبت ثابت کرنے والی حدیث کی روشنی میں قیافہ شناس کی بات ماننا ثابت ہے، وہ حدیث صحیح بخاری (حدیث ۳۷۳۱)، مسلم (حدیث ۱۴۵۹)، ترمذی (حدیث ۲۱۲۹)، نسائی (حدیث ۳۴۹۳)، ابو داود (حدیث ۲۲۶۷)، ابن ماجہ (حدیث ۲۳۴۹)، اور احمد (۶/ ۸۲) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، بیان کرتی ہیں:

''دَخَلَ عَلَيَّ قَائِفٌ، وَالنَّبِيُّ ﷺ شَاهِدٌ، وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ مُضْطَجِعَانِ، فَقَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ، قَالَتْ: فَسُرَّ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَعْجَبَهُ''۔

===

درخت پر پھلوں کی مقدار کا اندازہ لگانے والے[1]، بانٹنے والے، برباد ہونے والی اشیاء کی قیمت لگانے والے اور شکار کے بدلے میں مثل کا فیصلہ کرنے والوں کی باتیں ماننے کی بھی تلقین ہے جو سراسر تقلید ہے۔

اسی طرح مترجم، قاصد، پہچان کرانے والے اور تعدیل کرنے والے کی بات قبول کرنے (گرچہ کہ ایک کی بات پر اکتفاء کرنے کے جواز میں اختلاف ہے) پر امت کا اجماع ہے، اور یہ سراسر ان کی تقلید ہے۔

اسی طرح اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ گوشت، کپڑے اور کھانے وغیرہ کے مالکان سے ان کی حلت وحرمت کے اسباب کی بابت سوال کئے بغیر محض ان کی تقلید پر اکتفا کرتے ہوئے ان کی خریداری جائز ہے، اگر تمام لوگوں کو اجتہاد کرنے اور علماء ہونے کا مکلف کر دیا جائے تو بندگان الٰہی کی مصلحتیں ضائع ہو جائیں گی اور تجارت وکاروبار تباہ ہو کر رہ جائیں گے، اور تمام لوگ علماء مجتہدین ہو جائیں شرعاً اس کی کوئی سبیل نہیں[2] اور تقدیر الٰہی بھی ایسا ہونے سے مانع ہے۔

نیز لوگوں کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ شوہر ان عورتوں کی تقلید کرے گا جو اس کی بیوی کو اس کے پاس پہنچا رہی ہیں اور ان کی تقلید کرتے ہوئے اُسے اپنی بیوی مان کر اُس سے صحبت کرنا بھی جائز ہے! اسی طرح اس پر

=== میرے یہاں ایک قیافہ شناس آیا، نبی کریم ﷺ موجود تھے، اور اسامہ بن زید اور زید بن حارثہ سو رہے تھے (لیکن دونوں کے پیر کھلے ہوئے تھے)، اس نے کہا: یہ سارے پیر آپس میں ایک دوسرے سے متعلق ہیں، کہتی ہیں: یہ سن کر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور آپ کو بڑا اچھا لگا۔ یہ قیافہ شناس: مجزز مدلجی تھا۔

(۱) الخرص: درختوں پر لگے پھلوں کا اندازہ لگانے کو کہتے ہیں، رہا اندازہ لگانے والے کی بات کو قبول کرنے کا مسئلہ تو وہ بہت ساری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، ان میں وہ حدیث ہے جسے امام بخاری (حدیث ۲۱۹۳)، مسلم (حدیث ۱۵۳۴)، ترمذی (حدیث ۱۲۲۶) وغیرہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

"أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا كَيْلًا"۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کو اندازہ سے تول کر بیچنے کی رخصت دی ہے۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں: عرایا: کھجوروں کے متعین درخت ہوتے ہیں جنہیں آپ جا کر خرید لیں یعنی اندازہ لگانے والے کے اندازہ سے۔

(۲) یہ ایک بہت بڑا ہتھکنڈا ہے جسے ارباب فرق، جماعتوں کے ذمہ داران اور گروہ بندی کے علمبرداروں نے نوجوانوں کو اس علم شرعی کے سرچشمہ سے دور رکھنے کے لئے اپنا رکھا ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تلقین فرمائی ہے، اس کوشش کا مقصد نوجوانوں کو جاہل ونابلد رکھنا ہے تاکہ انہیں ان کی بدعتوں، شرعی مخالفتوں اور شرکیہ عقائد سے واقفیت نہ ہونے پائے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ان کے پیروکاروں کے پاس علم کا کوئی حصہ نہیں ہوتا حتیٰ کہ معمولی علم بھی نہیں ہوتا جس سے ان کے عقائد کی تصحیح ہو، عبادتیں صحیح ہوں اور معاملات درست ہو سکیں۔

بھی اجماع ہے کہ قبلہ کے بارے میں نابینا آدمی کسی کی تقلید کرے گا، اسی طرح پاکی، نماز میں قراءت فاتحہ اور اقتداء کی درستی سے متعلق دیگر امور میں امام کی تقلید پر بھی اجماع ہے، اسی طرح بیوی خواہ مسلمہ ہو ذمیہ کی تقلید پر اجماع ہے کہ وہ اپنے حیض سے پاک ہو چکی ہے اور تقلید کی بنیاد پر شوہر کے لئے اس سے صحبت کرنا مباح ہے، اسی طرح تقلید کی بنیاد پر تکمیل عدت تسلیم کرتے ہوئے ولی کے لئے اس کا نکاح کرانا مباح ہے، اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ نمازوں کے اوقات شروع ہونے کی بابت لوگوں کے لئے موذنوں کی تقلید کرنا جائز ہے ان پر اجتہاد کرنا اور دلیل کے ساتھ اس کی معرفت ہونا واجب نہیں ہے!!

اسی طرح کالی کلوٹی لونڈی نے عقبہ بن حارث سے کہا: ''أَرْضَعْتُكَ وَأَرْضَعْتُ امْرَأَتَكَ'' (میں نے تجھے اور تیری بیوی دونوں کو دودھ پلایا ہے) تو نبی کریم ﷺ نے انہیں بیوی سے علاحدہ ہونے [1]، اور لونڈی کی تقلید کرتے ہوئے اس کی بات ماننے کا حکم دیا۔

اسی طرح ائمہ رحمہم اللہ نے بھی تقلید کے جواز کی صراحت فرمائی ہے، چنانچہ حفص بن غیاث [2] فرماتے ہیں: میں نے سفیان کو فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم کسی آدمی کو مختلف فیہ عمل کرتے ہوئے دیکھو جس کے بارے میں تمہاری رائے حرمت کی ہو تو اُسے متہم نہ کرو''۔

محمد بن حسن فرماتے ہیں:

''عالم کے لئے اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید کرنا جائز ہے البتہ اپنے مثل علم والے کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے''۔

امام شافعی نے بھی تقلید کی صراحت کی ہے، فرماتے ہیں:

''(محرم پر) بجو (کفتار) کے شکار میں اونٹ کا فدیہ واجب ہے، میں نے یہ بات عطاء کی تقلید میں کہی ہے'' [3]۔

---

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۵۱۰۵ وغیرہ)، ترمذی (حدیث ۱۱۵۱)، نسائی (حدیث ۳۳۳۰)، ابوداود (حدیث ۳۶۰۳)، احمد (۴/ ۷، ۳۸۳) اور دارمی (حدیث ۲۲۵۵) نے روایت کیا ہے۔

(۲) یہ حفص بن غیاث نخعی کوفی، ایک بلند پایہ شخصیت ہے، آخری عمر میں حافظہ کچھ بگڑ گیا تھا، ۱۹۴ھ میں وفات پائے، سیر أعلام النبلاء (۹/ ۲۲)۔

(۳) إعلام الموقعین میں ''تقلید العمر'' (عمر کی تقلید میں) کے الفاظ ہیں، اور الأم (۲/ ۱۹۲) میں عمر رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بجو (کفتار) کا شکار کرنے والے محرم کے بارے میں مینڈھے کا فیصلہ فرمایا، اونٹ کا نہیں، اور پھر کہا کہ: یہ ہمارے مکہ کے مفتیان کا قول ہے، اور یہ ذکر نہیں کیا کہ عطاء کی تقلید میں کہا ہے، نیز اسے امام نووی نے المجموع (۷/ ۴۲۹) میں بھی ذکر کیا ہے، لیکن تقلید کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس کنوؤں کے مسائل میں پیش رو تابعین کی تقلید کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے۔

نیز امام مالک رحمہ اللہ اہل مدینہ کے عمل سے باہر نہیں نکلتے تھے، موطا میں صراحت فرماتے ہیں کہ: ''انہوں نے لوگوں کو اسی پر عمل کرتے ہوئے پایا ہے اور ہمارے شہر (مدینہ) کے علماء کا عمل بھی اسی پر ہے''، اور متعدد جگہوں پر فرماتے ہیں: ''میں جن کی اقتداء کرتا ہوں اُن میں سے کسی کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے''۔ اگر ہم ان کے اس طرح کے اقوال اکٹھا کریں تو بات طویل ہو جائے گی۔

نیز امام شافعی رحمہ اللہ صحابہ کرام کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ہمارے لئے اُن کی رائے ہماری اپنی رائے سے بہتر ہے''، اور ہم کہتے ہیں: ''امام شافعی اور ان کے ساتھ دیگر ائمہ کی رائے ہمارے لئے اپنی رائے سے بہتر ہے''۔

اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرتوں میں یہ بات رکھی ہے کہ متعلمین وشاگردان اپنے اساتذہ اور معلمین کی تقلید کریں، اس کے بغیر مخلوقات کی مصلحتیں مکمل نہیں ہو سکتیں، یہ چیز تمام علوم وفنون اور صنعتوں کو عام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح جسمانی قوتوں میں کمی بیشی رکھی ہے اُسی طرح ذہنی قوتوں میں بھی فرق مراتب رکھا ہے' بنا بریں تمام بندگان پر دلیل کے ساتھ حق کی معرفت' اور دین کے تمام چھوٹے بڑے مسائل میں اُس کے معارض کی جوابدہی فرض کرنا اُس کی حکمت اور عدل ورحمت کی خوبی کے منافی ہے، اور اگر ایسا ہوتا تو علماء ہونے میں تمام مخلوقات کے قدم یکساں ہوتے!! بلکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو عالم بنایا ہے، تو کسی کو متعلم اور کسی کو عالم کا پیروکار' جو مقتدی کے اپنے امام اور تابع کے اپنے متبوع کی حیثیت سے اس کے پیچھے چلے۔

اللہ تعالیٰ نے جاہل پر کہاں حرام قرار دیا ہے کہ اپنے پیشوائی حیثیت سے عالم کی پیروی کرے' اُس کی تقلید کرتے ہوئے' اس کے ساتھ ساتھ چلے اور ساتھ ساتھ پڑاؤ ڈالے، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ ہنگامی مسائل اور نت نئے جدید پیش آمدہ امور مخلوق کے ساتھ ہمہ وقت رونما ہوتے رہتے ہیں' تو کیا اُس نے ہر ایک پر عینی طور پر فرض کیا ہے کہ وہ پیش آمدہ مسئلہ کا حکم تمام تر شروط ولوازم کے ساتھ شرعی دلائل سے لے؟؟ اور کیا یہ چیز کسی کے لئے ممکن بھی ہے' چہ جائے کہ مشروع ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت سے ممالک فتح کیے' نو مسلمین ان سے مسائل پوچھتے اور وہ انہیں جواب دیتے تھے، لیکن وہ نہیں کہتے تھے کہ تمہارے لئے اس فتویٰ میں دلیل کے ساتھ حق کی معرفت واجب

ہے ان میں سے کسی سے یہ بات سرے سے معلوم نہیں ہے، بلکہ تقلید شریعت کی پابندی کے لوازم بلکہ وجود کے لوازم میں سے ہے، اس لئے وہ شرعی و قدری لوازم کا حصہ ہے، اس کے منکرین بھی اس کے مجبور ہیں اس کے بغیر ان کے لئے چارہ نہیں، اور یہ پیچھے ذکر کردہ تمام احکام وغیرہ کو مشترک ہے۔

اور تقلید کو باطل قرار دینے والوں سے ہم کہیں گے: حدیث کی جو بھی دلیل آپ نے ذکر کی ہے آپ خود ان کے حافظین و راویان کے مقلد ہیں؛ کیونکہ ان کے سچائی پر کوئی قطعی دلیل قائم نہیں ہے، لہٰذا آپ کے بس میں راوی کی تقلید کے سوا کچھ نہیں، حاکم کے بس میں گواہ کی تقلید کے سوا کچھ نہیں، اسی طرح ایک عام آدمی کے بس میں عالم کی تقلید کے سوا کچھ نہیں! تو آخر کیا وجہ ہے کہ آپ کے لئے راوی اور گواہ کی تقلید جائز ہے اور ہمارے لئے عالم کی تقلید منع ہے؟

جبکہ راوی نے روایت کو کان سے سنا ہے اور گواہ نے جو کچھ سنا ہے اُسے اپنے دل سے سمجھا ہے، اس نے اپنی سنی ہوئی بات بتائی، اس نے اپنی سمجھی ہوئی بات بتائی، اس پر اپنی سنی ہوئی بات بتانا فرض ہے اس پر اپنی سمجھی ہوئی بات بتانا واجب ہے، اور جن تک یہ باتیں پہنچیں اُن پر انہیں قبول کرنا اور ماننا واجب ہے۔

نیز ہم تقلید سے منع کرنے والوں سے کہیں گے: آپ لوگوں نے مقلد کو غلطی میں پڑنے کے ڈر سے اسے تقلید سے منع کیا ہے؛ کہ کہیں وہ جس کی تقلید کر رہا ہے اس کا فتویٰ غلط نہ ہو، اور اسی وجہ سے آپ نے اس پر حق کی جستجو میں غور وفکر اور استدلال کو واجب قرار دیا ہے، جبکہ اس میں شک نہیں کہ خود اپنے ذاتی اجتہاد میں درستی کی بہ نسبت عالم کی تقلید کرنے میں اس کی درستی زیادہ قریب ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو کوئی سامان خریدنا ہو جس کا اسے کوئی تجربہ نہ ہو اور جب وہ اس سامان کے جاننے والے کسی شخص کی تقلید کرلے جسے اس کا اچھا تجربہ ہو اور ساتھ ہی وہ امانتدار اور خیر خواہ بھی ہو؛ تو اس کی درستی اور اپنے مقصد کا حصول اُس کی اپنی ذاتی کوشش کی بہ نسبت زیادہ قریب ہو جائے، یہ چیز عقلمندوں کے یہاں متفق علیہ ہے۔

مقلد کو صاحب حجت و دلیل کا جواب:

پہلی بات:

مقلدو! جو اہل علم کی گواہی کے ساتھ خود اپنے بارے میں گواہ ہیں کہ وہ علماء میں سے نہیں ہیں، نہ ہی علم والوں کے زمرہ اور ٹیم میں ان کا شمار ہے! تم پر بڑی حیرت ہے! تم نے خود اپنی ہی دلیل سے اپنا مذہب و مسلک کیسے

باطل کرلیا؟ بھلا مقلد کو دلیل و استدلال سے کیا سروکار ہے؟ اور کہاں استدلال کرنے والے کا مقام اور کہاں مقلد کی حیثیت؟ بلکہ تم نے جو دلیلیں ذکر کی ہیں وہ محض ایسے لباس ہیں، جنہیں تم نے صاحب دلیل سے بطور اُدھار لیا ہے اور اسے زیب تن کرکے لوگوں کے درمیان بڑے حسین و جمیل بن گئے ہو؟ اس باب میں تمہاری حیثیت یہ ہے کہ جو تمہیں دیا نہیں گیا ہے اُسے ظاہر کر رہے ہو، اور اس علم کی بات کر رہے ہو جس کے بارے میں تم اپنے خلاف گواہی دے چکے ہو کہ تمہیں دیا ہی نہیں گیا ہے؛ اور یہ جھوٹا لبادہ ہے جسے تم نے زیب تن کرلیا ہے، اور بے جا منصب ہے جسے تم نے غصب کر رکھا ہے!!

اچھا ذرا ہمیں بتاؤ کہ کیا بھلا تم نے کسی دلیل و برہان کی بنیاد پر تقلید اپنائی ہے، جس نے تمہاری رہنمائی کی ہو؟ جسکے نتیجہ میں تم استدلال سے کچھ قریب ہو گئے ہو اور تقلید سے الگ تھلگ ہو گئے ہو، یا پھر تم نے بلا دلیل و برہان اتفاقی طور پر محض ظن و گمان اور تخمین کی بنا پر تقلید کی راہ اپنالی ہے؟؟ تمہارے لئے ان دونوں میں سے کسی ایک کے بغیر نکلنے کی کوئی سبیل نہیں، اور ان میں سے جو بھی راستہ اپناؤ، نتیجہ میں فیصلہ تقلید کے فساد و بطلان ہی کا ہوگا، اور دلیل وحجت کا راستہ اپنانا ہی لازم اور طے پائے گا، اگر ہم تم سے دلیل کی زبان میں بات کریں تو تم کہو گے: ہم اس راستے کے لوگ نہیں ہیں اور اگر بحکم تقلید بات کریں تو جو دلیل تم نے قائم کی ہے وہ بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گی۔

اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دنیا کا ہر طبقہ اور ہر امت دعویٰ کرتی ہے کہ وہ حق پر ہے، سوائے تقلیدی ٹولے کے؛ کیونکہ یہ اس کا دعویٰ نہیں کرتے اور اگر دعویٰ کریں تو خود اسے باطل کرنے والے ہوں گے، کیونکہ وہ خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے ان باتوں کا عقیدہ کسی دلیل و برہان کی بنیاد پر نہیں رکھا ہے، جو انہیں اس کی رہنمائی کرے، بلکہ اس کا راستہ محض تقلید ہے، اور مقلد کو حق و باطل کی پرکھ ہوتی ہے نہ کارو ناکارگی کی۔

اس سے بھی قابل تعجب بات یہ ہے کہ ان کے اماموں نے انہیں اپنی تقلید سے منع کیا ہے، لیکن یہ ان کی مخالفت اور نافرمانی کرتے ہیں، پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم ان کے مذاہب کے پیروکار ہیں، حالانکہ وہ اُس بنیاد میں اُن کے خلاف ہیں، جس پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنا رکھی ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے مذاہب کی بنیاد حجت و دلیل پر رکھی ہے، اپنی تقلید سے منع کیا ہے اور انہیں وصیت اور سخت تاکید کی ہے کہ جب دلیل مل جائے تو ان کے اقوال چھوڑ دیں، دلیل کی اتباع کریں، لیکن یہ مقلدین ان تمام باتوں میں ان کے مخالف ہیں، اس کے باوصف کہتے ہیں کہ ہم ان کے پیروکار ہیں، یہ ان کی جھوٹی تمنائیں ہیں، ورنہ اُن کے سچے پیروکار وہ ہیں جو اُن کے اصول وفروع

میں ان کی راہ کے راہی اور ان کے نقشِ پا کے پیروکار ہیں۔

اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ یہ بہت ساری جگہوں پر تقلید کے بطلان اور حرمت کی صراحت بھی کرتے ہیں' نیز یہ کہ اللہ کے دین میں تقلید کی بنیاد پر کوئی بات کہنا حلال نہیں' اور اگر امام وقت جج پر یہ شرط لگائے کہ وہ کسی خاص مذہب کے مطابق ہی فیصلہ کرے تو اس کی شرط اور تولیت دونوں درست نہ ہوگی، جبکہ کچھ لوگوں نے تولیت کو صحیح ٹھہرایا ہے' اور شرط کو باطل قرار دیا ہے۔

اسی طرح لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ مفتی پر اسی بات کا فتویٰ دینا واجب ہے جس کی صحت کا اُسے علم ہو، اور مقلد کو کسی بات کی صحت وفساد کا علم نہیں ہوتا، اس کے لئے یہ راستہ بند ہے، ساتھ ہی ہر مقلد اپنے بارے میں جانتا ہے کہ وہ اپنے امام متبوع کا مقلد ہے' وہ اس کی بات نہیں چھوڑ سکتا، بلکہ اس کے لئے اس کے خلاف کتاب وسنت، قول صحابی یا اپنے امام سے زیادہ یا اس کے ہم مثل علم والے ہر ایک کی بات کو چھوڑ دیتا ہے، یہ ان کی بڑی عجیب حالت ہے۔

نیز ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ صحابہ کرام کے دور میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس نے ان میں سے کسی کو متعین کرلیا ہو اور اس کے تمام اقوال میں اس کی تقلید کرتا ہو' ان میں سے کچھ نہ چھوڑتا ہو' اور دیگر لوگوں کے اقوال بالکلیہ چھوڑ دیتا ہو کچھ نہ لیتا ہو۔ اسی طرح ہم بدیہی طور پر یہ بھی جانتے ہیں کہ تابعین اور تبع تابعین کے ادوار میں بھی ایسا کوئی نہ تھا، ہمت ہو تو مقلدین کوئی ایک آدمی پیش کر کے ہمیں جھوٹا ثابت کر دیں' جس نے رسول گرامی ﷺ کی زبانی خیر وفضیلت کی صدیوں میں ان کا تباہ کن راستہ اپنایا ہو!!

درحقیقت تقلید کی یہ بدعت رسول اللہ ﷺ کی زبانی مذموم چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئی ہے[1]۔ لہٰذا اپنے

---

(۱) اس سے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے:

''خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ – قَالَ عِمْرَانُ: لاَ أَدْرِي: ذَكَرَ ثِنْتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا بَعْدَ قَرْنِهِ – ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ، يَنْذِرُونَ وَلاَ يَفُونَ، وَيَخُونُونَ وَلاَ يُؤْتَمَنُونَ، وَيَشْهَدُونَ وَلاَ يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ''۔

تم میں سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں–عمران کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ آپ ﷺ نے اپنے زمانے کے بعد دو زمانے ذکر کیے یا تین–پھر اس کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جو نذر مانیں گے' اُسے پوری نہیں کریں گے، خیانت کریں گے' ان کے پاس امانت نہیں رکھی جائے گی، اور گواہی دیں گے جبکہ ان سے گواہی نہیں مانگی جائے گی، اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

(اسے امام بخاری (حدیث ۶۶۹۵)، ومسلم (حدیث ۲۵۳۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے، نیز عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، صحیح بخاری (حدیث ۶۶۵۸)، ومسلم (۲۵۳۳)۔

اماموں کی کہی ہوئی تمام باتوں میں ان کی تقلید کرنے والے مقلدین جو اس تقلید کے ذریعہ شرمگاہوں اور جانوں مالوں کو حلال وحرام ٹھہراتے ہیں، اور نہیں جانتے ہیں یہ صحیح ہے یا غلط' بہت بڑے خطرے میں ہیں، اللہ کے روبرو انہیں نہایت سخت موقف کا سامنا کرنا ہوگا' جس میں بلا علم اللہ پر بات کرنے والے خوب جان لیں گے کہ وہ حق پر نہ تھے۔

نیز اسی لئے ہم سب کو چھوڑ کر صرف ایک کی تقلید کرنے والے ہر شخص سے پوچھتے ہیں: تمہارے پاس دوسروں کو چھوڑ کر خصوصیت کے ساتھ اپنے امام کے تقلید کے حقدار ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اگر وہ جواب دے: اس لئے کہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم ہے' اور اپنے سے پیشتر لوگوں سے زیادہ فضیلت والا ہے' ساتھ ہی اپنے باطل جزم ویقین کے ساتھ کہے کہ اُس کے بعد اس سے زیادہ علم والا کوئی نہیں آیا!!

تو اس سے پوچھا جائے گا: کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا' باوجودیکہ تم اہل علم میں سے نہیں ہو۔' جیسا کہ تم خود بھی اپنے خلاف گواہی دے چکے ہو۔ کہ وہ اپنے وقت میں امت کا سب سے بڑا عالم تھا؟ کیونکہ یہ بات تو وہی جان سکتا ہے جسے مذاہب' اور ان کے دلائل اور راجح ومرجوح کا علم ہو! اندھے کو درہم کی جانچ پڑتال سے کیا سروکار؟ یہ بھی اللہ پر بلا علم بات کرنے کا ایک دوسرا باب ہے۔

دوسری بات:

اس سے یہ کہی جائے کہ ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان، علی بن ابی طالب، ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عائشہ، ابن عباس، اور ابن عمر رضی اللہ عنہم بلاشبہہ تمہارے امام سے زیادہ علم والے ہیں' تو تم نے اُسے چھوڑ کر ان حضرات کی تقلید کیوں نہیں کی؟ بلکہ بلاشبہہ سعید بن مسیب، شعبی، عطاء، طاووس اور ان جیسے دیگر تابعین بھی امام سے زیادہ علم وفضل والے ہیں۔

تو آخر تم نے زیادہ علم وفضل والے اور خیر وبھلائی اور علم ودین کے اسباب سے زیادہ بہرہ مند کو کیوں چھوڑا؟ اور اس کے اقوال ومذہب سے منہ موڑ کر اس سے کمتر کو کیوں اپنایا؟ اگر وہ کہے: کہ میرا امام اور جس کی میں نے تقلید کی ہے وہ اس بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے' اس لئے میرا اُس کی تقلید کرنا اس کے قول کی بنا پر' دوسرے کے قول کی مخالفت کا موجب ہے؛ کیونکہ اس کا بھرپور علم ودین اُسے اپنے سے اوپر اور زیادہ علم والے کی مخالفت سے مانع ہے' سوائے اس کے کہ اُس کے پاس کوئی دلیل ہوگی جو ان میں سے ہر ایک کے قول سے زیادہ لائق

اعتبار ہوگی!! تو اس سے کہا جائے: تمہیں اس دلیل کا علم کہاں سے ہوا جو تمہارے امام کو ملی، جس کی بابت تمہارا اور امام کا خیال ہے کہ وہ اُس دلیل سے زیادہ مستحق اتباع ہے، جو اُس سے زیادہ علم والے اور بہتر یا ہمسر کو ملی ہے؟ دو متناقض ومتضاد قول بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے، بلکہ دونوں میں سے ایک ہی صحیح ہوگا، اور یہ بات معلوم ہے کہ زیادہ علم وفضل والے کا درستی سے ہمکنار ہونا اُس سے کمتر کی بہ نسبت زیادہ قریب تر ہے۔

اگر وہ جواب دے کہ: مجھے دلیل سے معلوم ہوا!! تو اس سے کہا جائے: تب تو تم نے تقلید کا راستہ چھوڑ کر استدلال کا منصب اختیار کرلیا اور تقلید کو باطل کر دیا۔

تیسری بات:

اس سے یہ کہا جائے کہ اختلافی مسئلہ میں یہ چیز تمہارے لئے بالکل نفع بخش نہیں ہو سکتی، کیونکہ تم نے جس کی تقلید کی ہے اور جس کی اس نے تقلید کی ہے، دونوں کا اختلاف ہوگیا ہے، اور تمہارے علاوہ نے جس کی تقلید کی ہے وہ ابو بکر، عمر، یا علی یا ابن عباس یا عائشہ رضی اللہ عنہم کے موافق ہے، برخلاف اس کے جس کی تم نے تقلید کی ہے، تو بھلا تم نے اپنی خیر خواہی کرتے ہوئے اور نیک راہ اپناتے ہوئے یہ کیوں نہ کہا کہ: یہ دونوں بڑے عالم ہیں اور ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ مذکورہ صحابہ کرام ہیں، لہٰذا وہ میری تقلید کا زیادہ مستحق ہے؟؟!!

چوتھی بات:

یہ کہا جائے کہ یہاں ایک امام کے مقابلہ میں دوسرا امام ہے، لہٰذا صحابی کی بات تسلیم کرلی جائے، وہ تقلید کا زیادہ حقدار ہے۔

پانچویں بات:

یہ کہا جائے کہ جب تمہارے امام کے لئے کسی ایسے علم سے سرفراز ہو جانا جائز ہے جو عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، ابن عباس اور ان کے علاوہ سے پوشیدہ رہ جائے تو اس سے کہیں زیادہ حق اور جائز ہے کہ اُس کے ہم مثل اور بعد والا کسی ایسے علم سے سرفراز ہو جائے، جو اُس سے مخفی ہو، کیونکہ تمہارے امام اور اس کے ہم مثل اور بعد والے کے مابین کی نسبت اس امام اور صحابہ کے درمیان کی نسبت سے بہت زیادہ قریب ہے، اور صحابہ سے کوئی علم پوشیدہ رہ جانے کی بہ نسبت جس کی تم نے تقلید کی ہے اس سے مخفی رہ جانا زیادہ قریب تر ہے۔

چھٹی بات:

یہ کہا جائے کہ جب تم نے اپنی ذات کے لئے مفضول کے قول کی بنا پر زیادہ علم و فضل والے کی مخالفت روا رکھا ہے تو بھلا اپنے لئے زیادہ علم والے کے بالمقابل مفضول کی مخالفت جائز کیوں نہ رکھا؟ جبکہ تم نے جو رویہ اپنایا ہے اُس کے برعکس ہی کرنا مناسب اور ضروری تھا؟!

ساتویں بات:

یہ پوچھا جائے کہ کیا تم اپنے امام کی تقلید اور شرمگاہ اور مال کو مباح کر کے اور جس کے ہاتھ میں مال ہے اس سے لیکر دوسرے کے حوالہ کرنے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم، یا اجماع امت، یا کسی صحابی کے قول کے موافق ہو؟ اگر جواب دے: ہاں، تو وہ ایسی بات کہہ رہا ہے جس کا باطل ہونا اللہ اور اس کے رسول اور تمام علماء کے یہاں معلوم ہے، اور اگر کہے: نہیں، تو اس نے ہماری ذمہ داری نبھادی اور اپنے خلاف اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اہل علم کی گواہی دیدی۔

آٹھویں بات:

یہ کہا جائے کہ تمہارا اپنے امام کی تقلید کرنا تم پر اُس کی تقلید حرام قرار دیتا ہے کیونکہ اُس امام نے تمہیں تقلید سے منع کیا ہے، اور بصراحت کہا ہے کہ جب تک تمہیں اُس کے قول کی دلیل معلوم نہ ہو کہ انہوں نے وہ بات کہاں سے کہی ہے تب تک تمہارے لئے وہ بات کہنا حلال نہیں، اور تمہیں اپنی اور دیگر علماء کی تقلید سے منع کیا ہے، اگر واقعی تم اپنے امام کے پورے مسلک میں اس کے مقلد ہو تو یہ اُس کا مسلک و مذہب ہے تو بھلا تم نے اس میں اپنے امام کی اتباع کیوں نہ کی؟

نویں بات:

یہ پوچھا جائے کہ کیا تمہیں اس بارے میں علم و بصیرت ہے کہ جس کی تم نے تقلید کی ہے وہ ان تمام اولین و آخرین سے درستی کا زیادہ حقدار ہے جن کے قول سے تم نے اعراض کیا ہے یا نہیں ہے؟ اگر وہ جواب دے کہ ہاں مجھے اس کی بابت علم و بصیرت ہے! تو یہ ایسی بات ہے جس کا باطل ہونا معلوم ہے، اور اگر کہے کہ مجھے اس کی بابت بصیرت نہیں ہے، اور یہی حق ہے، تو اس سے پوچھا جائے کہ کل قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے تمہاری پیشی ہوگی تو تم کیا عذر پیش کرو گے، جب تم نے جس کی تقلید کی ہے وہ تمہیں ایک نیکی کا فائدہ دے سکے گا نہ تمہارا ایک گناہ

برداشت کر سکے گا، جب تم اللہ کے بندوں کے مابین ایسا فیصلہ کرو گے یا فتویٰ دو گے جس کی بات تمہیں کوئی علم و بصیرت نہیں ہے' کہ آیا وہ غلط ہے یا صحیح ؟!

دسویں بات:

یہ پوچھا جائے کہ کیا تم اپنے امام کی عصمت کا دعویٰ کرتے ہو یا اُس سے غلطی کا صدور جائز سمجھتے ہو؟ پہلی صورت کا کوئی راستہ نہیں، کیونکہ وہ باطل ہے، لہٰذا دوسری بات ہی طے ہے، اور جب تم اس سے غلطی کا صدور جائز سمجھتے ہو' تو ایک ایسے شخص کے قول کی بنا پر جس کے خطا کار ہونے کا تمہیں خود اعتراف ہے' بھلا کیسے حلال وحرام ٹھہراتے ہو، واجب قرار دیتے ہو، خون بہاتے ہو اور شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو، مالوں کو دوسروں کے حوالے کرتے ہو اور جسموں کو نقصان پہنچاتے ہو؟

گیارہویں بات:

یہ پوچھا جائے کہ جب تم اپنے امام جس کی تقلید کرتے ہو' اُس کے قول پر فیصلہ کرتے یا فتویٰ دیتے ہو تو کیا یہ کہتے ہو کہ: یہ اللہ کا دین ہے جسے دیکر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا ہے' اسی کے ساتھ اپنی کتاب اتاری ہے' اور یہی اپنے بندوں کے لئے مشروع کیا ہے' اس کے سوا اللہ کا کوئی اور دین نہیں ہے؟ یا یہ کہتے ہو کہ اللہ کا دین جسے اللہ نے بندوں کے مشروع کیا ہے' وہ اس کے خلاف ہے؟ یا پھر یہ کہتے ہو کہ: میں نہیں جانتا؟ تمہارے لئے ان میں کوئی ایک بات کہے بغیر چارہ نہیں، پہلی بات کا تو قطعاً کوئی راستہ نہیں، کیونکہ اللہ کا دین جس کے سوا کوئی دین نہیں' اس کی مخالفت جائز نہیں' اور اس کی مخالفت کرنے والے کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ گنہگاروں میں سے ہوگا، اور دوسری بات کا دعویٰ تم کر نہیں سکتے، لہٰذا تیسری بات کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں، تو ہائے افسوس! بھلا ایک ایسا مسئلہ جس میں سب سے بہتر اور افضل حالت یہ کہہ دینا ہو کہ "میں نہیں جانتا" کیسے شرمگاہ، اموال اور حقوق کو مباح ٹھہرایا جاسکتا ہے اور حلال وحرام کیا جاسکتا ہے؟

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَتِلْكَ مُصِيبَةٌ وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَالْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

اگر تم نہیں جانتے ہو تو یہ مصیبت ہے' اور اگر تم جانتے ہو تو اور بڑی مصیبت ہے۔

بارہویں بات:

یہ پوچھا جائے کہ فلاں فلاں (اماموں) کے پیدا ہونے سے پہلے' جن کی تم تقلید کر رہے ہو اور ان کے اقوال

وفرمودات کو تم نے شارع کے نصوص کا درجہ دے رکھا ہے' لوگ کس طریقہ پر گامزن تھے؟ اور کاش تم نے اسی پر بس کیا ہوتا، تم نے تو اسے شارع کے نصوص سے زیادہ قابل اتباع بنا رکھا ہے، بھلا لوگ ان ائمہ کے وجود سے پہلے ہدایت پر تھے یا گمراہی پر؟ تمہارے لئے یہ اقرار کئے بغیر چارہ نہیں کہ لوگ ہدایت پر تھے، تو ان سے پوچھا جائے: تو آخر لوگ قرآن وسنت اور احادیث وآثار کی اتباع، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان اور آثار صحابہ کو دیگر چیزوں پر مقدم کرنے، نیز فلاں کے قول یا فلاں کی رائے کے بجائے انہی سے فیصلہ لینے کے علاوہ' کس طریقہ پر قائم تھے؟ اور اگر یہی ہدایت ہے تو:

﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ ﴿٣٢﴾﴾ [یونس:۳۲]۔

پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے، پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟

اب اگر مقلدین کا ہر فرقہ کہے' اور ایسے ہی وہ کہتے بھی ہیں: کہ ہمارے امام ہی طریقۂ سلف پر قائم ہیں' اور ان کے منہج وطریقہ پر قائم وگامزن ہیں، تو ان سے کہا جائے: کیا دیگر ائمہ بھی اس میں تمہارے امام کے ساتھ شریک تھے' یا صرف تمہارے امام ہی تنہا ان کے پیروکار تھے' ان کے علاوہ دیگر لوگ محروم؟ دو میں سے کوئی ایک جواب دیئے بغیر چارہ نہیں: اب اگر وہ دوسری بات کہیں' تو وہ مویشیوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، اور اگر پہلی بات کہیں، تو ان سے کہا جائے: پھر آخر تم نے کیسے طے کر لیا کہ تمہارے امام کی ساری باتیں قبول کی جائیں گی اور اس کے مثل یا زیادہ علم والے کی ساری باتیں رد کر دی جائیں گی' چنانچہ اس کی کوئی بات رد نہیں کی جائے گی اور اُس کی کوئی بات قبول نہیں کی جائے گی، گویا درستی تمہارے امام کے لئے وقف ہے اور غلطی اس کے مخالف کے لئے وقف ہے، اور اسی لئے اس کی کہی ہوئی تمام باتوں میں اس کی نصرت، اور اس کے مخالف کی تمام باتوں کی تردید تمہارے سپرد کی گئی ہے، اور یہی حال تمہارے دوسرے فرقہ کا بھی تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔

تیرہویں بات:

یہ کہا جائے کہ جن ائمہ کی تم تقلید کر رہے ہو خود انہوں نے تمہیں اپنی تقلید سے منع کیا ہے، جبکہ تم خود ان کے سب سے پہلے مخالف ہو:

امام شافعی فرماتے ہیں:

"مَثَلُ الَّذِي يَطْلُبُ الْعِلْمَ بِلَا حُجَّةٍ كَمَثَلِ حَاطِبِ لَيْلٍ، يَحْمِلُ حُزْمَةَ حَطَبٍ، وَفِيهِ أَفْعَى

تَلْدَغُهُ، وَهُوَ لَا يَدْرِي"[1]۔

بلا دلیل علم حاصل کرنے والے کی مثال رات میں لکڑی جمع کرنے والے جیسی ہے، جو لکڑی کا گٹھر اٹھائے اور اس میں اژدھا ہو جو اُسے ڈس لے جس کا اُسے علم نہ رہا ہو۔

امام ابوحنیفہ و ابو یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

"لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ بِقَوْلِنَا، حَتَّى يَعْلَمَ مِنْ أَيْنَ قُلْنَاهُ"[2]۔

کسی کے لئے ہمارے قول کو اپنانا جائز نہیں، تا آنکہ اُسے علم ہو کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لَا تُقَلِّدْ دِينَكَ أَحَدًا"[3]۔

اپنے دین کو کسی کا مقلد نہ بناؤ۔

چودھویں بات:

یہ پوچھا جائے کہ کیا تمہیں یقین ہے کہ کل قیامت کے دن تمہیں اللہ کے رو برو کھڑا کیا جائے گا اور تم سے اللہ کے بندوں کے خونوں، شرمگاہوں، جسموں اور مالوں کے بارے میں کئے ہوئے تمہارے فیصلوں اور اللہ کے دین میں حرام کرنے، حلال ٹھہرانے اور واجب قرار دینے وغیرہ فتوؤں کی بابت باز پرس ہوگی؟ اگر وہ کہیں: کہ ہاں ہمیں یقین ہے۔ تو ان سے کہا جائے: جب اللہ تعالیٰ تم سے سوال کرے گا کہ تم یہ باتیں کہاں سے کہہ رہے ہو؟ تو تمہارا کیا جواب ہوگا؟ چنانچہ اگر تم کہو کہ: ہمارا جواب یہ ہوگا کہ ہم نے جو کچھ حلال یا حرام یا کوئی اور فیصلہ کیا ہے محمد بن حسن شیبانی کی اصل کتاب میں امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ سے روایت کردہ رائے اور پسند سے کیا ہے، اور مدونہ میں ابن القاسم سے سحنون کی روایت کردہ رائے اور پسند سے کیا ہے، نیز کتاب الأم میں ربیع کے واسطے سے مروی امام شافعی کی رائے اور پسند سے کیا ہے، اسی طرح دیگر ائمہ کے جوابات میں ان کی رائے اور پسند سے کیا ہے، اور

---

(۱) المدخل، از بیہقی (ص ۲۱۱)، ومناقب الشافعی (۲/ ۱۴۳)، وآداب الشافعی، از ابن ابی حاتم (ص ۱۰۰)، اور انہی کی سند سے ابونعیم نے الحلیہ (۹/ ۱۲۵) میں روایت کیا ہے۔

(۲) الانتقاء، از ابن عبد البر، ص (۱۴۵)، وحاشیہ ابن عابدین (۶/ ۲۹۳)، ومیزان شعرانی (۱/ ۵۵)، وغیرہ۔

(۳) مسائل الامام احمد لأبی داود (ص ۲۷۶-۲۷۷)۔

کاش تم اسی پر بس کر دیتے یا مزید اوراُو پر جاتے، یا تمہاری ہمتیں اس کی طرف بلند ہوتیں، بلکہ تم تو اس سے کئی درجہ نیچے اتر گئے، چنانچہ جب تم سے سوال کیا جائے گا: کیا تم نے یہ کام میرے حکم سے کیا تھا یا میرے رسول ﷺ کے حکم سے؟ تب تمہارا جواب کیا ہوگا؟ اب اگر اس وقت تمہارے لئے یہ کہنا ممکن ہو کہ: ہم نے یہ تیرے حکم اور تیرے رسول ﷺ کے حکم سے کیا تھا؛ تب تو تم کامیاب ہو جاؤ گے اور نجات پا لو گے، اور اگر ایسا کہنا ممکن نہ ہوا تو تمہیں لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ: ہمیں اس بات کا تو نے حکم دیا تھا نہ تیرے رسول ﷺ نے، نہ ہمارے اماموں نے، اور دونوں میں سے کوئی ایک جواب لازماً دینا ہوگا، اور اگر تم یہ کہو کہ: اس سوال میں ہم اور آپ دونوں یکساں ہیں! تو اس کا جواب یہ ہے کہ: جی ہاں سوال میں یکساں ہیں لیکن ہمارے جواب جداگانہ ہیں۔ چنانچہ ہم کہیں گے: اے رب! تو خوب جانتا ہے کہ ہم نے لوگوں میں سے کسی کو تیری بات یا تیرے رسول کی بات یا تیرے رسول ﷺ کے صحابہ کی بات پر معیار نہیں بنایا' کہ اپنے متنازعہ مسائل کو اس کی طرف لوٹائیں' اس کی بات سے فیصلہ لیں، اور اس کی باتوں کو تیری، تیرے رسول ﷺ، اور تیرے رسول کے صحابہ کی باتوں پر مقدم کریں، ساری مخلوق ہمارے نزدیک اس سے کہیں زیادہ ہیچ تھی کہ ہم ان کی باتوں اور آراء کو تیری وحی پر مقدم کریں، بلکہ ہم نے جو کچھ تیری کتاب میں پایا اور تیرے رسول ﷺ کی جو سنتیں پہنچیں، اور تیرے نبی کے صحابہ نے جو فتوے دیئے انہی پر اکتفا کیا، اگر ہم نے اس سے سر مو انحراف کیا ہو تو وہ ہمارے غلطی تھی، عمداً و قصداً نہ تھا، ہم نے تیرے، تیرے رسول اور اہل ایمان کے علاوہ کسی کو جگری دوست نہ بنایا، ہم نے اپنے دین کو ٹکڑا کیا' نہ گروہوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہوئے، نہ ہی ہم نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑا ٹکڑا کیا۔ ہم نے اپنے اماموں کو اپنا آئیڈیل اور اپنے اور تیرے رسول ﷺ کے درمیان تیری رسول کی باتیں پہنچانے کا ذریعہ بنایا، لہٰذا ہم نے اس میں ان کی اتباع و پیروی کی، کیونکہ تو نے اور تیرے رسول ﷺ ہی نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم ان کی باتیں سنیں اور تیرے اور تیرے رسول ﷺ کے حوالہ سے جو کچھ بتائیں مان لیں، چنانچہ ہم نے تیری اور تیرے رسول ﷺ کی بات کو سنا اور مانا، البتہ ہم نے انہیں رب نہیں بنایا کہ ان کی باتوں سے فیصلہ لیں اور اس بنیاد پر جھگڑیں' اور اسی بنیاد پر دوستی و دشمنی کریں، بلکہ ہم نے ان کے اقوال کو تیری کتاب اور تیرے نبی ﷺ کی سنت پر پیش کیا، جو ان دونوں کے موافق رہا قبول کیا اور جو اس کے خلاف رہا' اس سے اعراض کیا اور چھوڑ دیا، اگرچہ کہ وہ تیرے اور تیرے رسول ﷺ کے بارے میں ہم سے زیادہ علم والے تھے، لیکن جس کی بات فرمان رسول ﷺ کے موافق ہو وہ اُس مسئلہ میں اُن سے زیادہ علم

والا ہوتا ہے۔یہ تو رہا ہمارا جواب! ہم تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں: کیا تم بھی ایسے ہی ہو کہ تمہارے لئے اللہ کے رو برو یہ جواب بن پڑے' جس کے یہاں بات تبدیل ہوتی ہے' نہ اس کے پاس باطل پھٹک سکتا ہے؟؟

پندرہویں بات:

یہ کہا جائے کہ مقلدین کی تمام ٹولیو کے لوگو! تم میں سے ہر ٹولی نے اول تا آخر تمام صحابہ، اول تا آخر تمام تابعین اور اول تا آخر تمام علماء امت کو' سوائے اپنے ائمہ کے (جن کی وہ تقلید کرتے ہیں) اس درجہ بے وقعت کر دیا ہے کہ ان کی بات کا اعتبار نہ کیا جائے، ان کا فتویٰ دیکھا جائے نہ اس سے کوئی تعلق رکھا جائے' نہ ہی ان پر اعتماد کیا جائے، اور اگر ان کی بات اُن کے امام و پیشوا کے خلاف ہو تب تو ان میں غور کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں سوائے حیلہ جوئی، اور تردید کی خاطر فکر آزمائی کے، اور یہی چیز ان کے یہاں اُن کی تردید کا وجہ جواز ہے۔ اس کے برخلاف اگر ان کے امام کا قول اللہ سبحانہ وتعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کی کسی نص کے خلاف ہو تو نص کو اس کے معنیٰ ومدلول سے خارج کرنے میں حیلہ جوئی اور تکلف، نیز ہر طریقہ سے اس کو ٹالنے کی جتن واجب ہے' تا کہ اس کے امام کا قول صحیح ہو سکے!! ہائے اللہ یہ اللہ کے دین، اس کی کتاب، اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے خلاف کس قدر گھناؤنی بدعت ہے' کہ اگر اللہ نے اس دین کی تاقیامت بقاء کی ضمانت نہ لی ہوتی کہ ہمیشہ اس کا پرچم لہرانے والے اور اس کا دفاع کرنے قائم رہیں گے تو اندیشہ تھا کہ ایمان کی چولیں ہل جاتیں اور اس کے ستون منہدم ہو جاتے!!

بھلا ان لوگوں سے بڑھ کر صحابہ، تابعین، اور تمام علماء اسلام کی بے ادبی کرنے والا، ان کے حقوق کی پامالی کرنے والا، بے اعتنائی برتنے والا، اور حد درجہ گستاخی کرنے والا کون ہو سکتا ہے' جو ان میں سے کسی کے قول کی طرف سرے سے التفات کرتے ہیں نہ کسی فتویٰ کی طرف' سوائے اپنے تقلیدی امام کے جسے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ جگری دوست بنا رکھا ہے؟؟

سولہویں بات:

جب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام عادل امام اور انصاف ور حاکم کی حیثیت سے نزول فرمائیں گے تو کس مذہب کے مطابق حکم دیں گے اور کس کی رائے کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے؟[1]، جب کہ یہ بات معلوم ہے کہ ہمارے نبی

---

(۱) اس سلسلہ میں محمد بن صقر مدنی نے ''رسالۃ المھدی'' کے نام سے ایک بڑا پیارا رجزیہ قصیدہ لکھا ہے' جس میں وہ لطیفہ ومضحکہ بھی ہے، جس کا مقلدین احناف نے دعویٰ کیا ہے' وہ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام حنفی المسلک ہوں گے، اس بارے میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں: ===

محمد ﷺ کی شریعت کے علاوہ جسے اللہ نے اپنے بندگان کے لئے مشروع کر دیا ہے' کسی شریعت سے حکم وفیصلہ کرنا جائز ہی نہیں ہے' تو عیسیٰ علیہ السلام بھی بدرجہ اولیٰ اُسی کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے، اور یہی چیز اللہ نے تم پر

===

وقول أعـــلام الهدى: لا يعمل   بقــــولنا بدون نص يقبل
فيه دليل الأخـــذ بالحديث   و ذالك في القـــديم والحديث
قال أبو حنـــيفة الامـــام   لا ينبغي لمـــن له إسلام
أخذا بأقـــوالي حتى تعرضا   على الكتاب والحديث المرتضى
ومالك إمـــام دار الهجرة   قال وقـــد أشار نحو الحجرة
كل كلام منـــه ذو قبـول   ومنه مـــردود سوى الرسول
والشافعـــي قال إن رأيتم   قولي مخـــالفا لما رويتم
من الحديث فاضـــربوا الجدارا   بقولي المخـــالف الأخبارا
وأحمد قال لهـــم لا تكتبوا   ما قلته بل أصـــل ذاك فاطلبوا
فاسمع مقالات الهـداة الأربعة   واعمل بها فـــإن فيها منفعة
لقمعـــها لكل ذي تعصب   والمنصفون يكتفون بالنبي ﷺ

علم وہدایت کے بلند پایہ ائمہ کا کہنا ہے کہ ہمارے قول پر قابل عمل نص (دلیل کتاب وسنت) کی بغیر عمل نہیں کیا جائے گا، اس میں حدیث رسول ﷺ کو حرز جاں بنانے کی دلیل ہے اور ماضی تاحال اہل علم کا یہی موقف رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلمان کے لئے میری باتیں لینا جائز نہیں' تا آنکہ انہیں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ پر پیش کر دیا جائے۔ اور امام دار الہجرہ امام مالک رحمہ اللہ نے حجرہ نبوی (جس میں قبر ہے) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ہر ایک کی کوئی بات قبول کی جائے گی اور کوئی رد بھی کر دی جائے گی، سوائے رسول ﷺ کے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا: اگر تم میری کوئی بات اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف دیکھو تو احادیث کے خلاف میری باتوں کو دیوار پر دے مارو۔ اور امام احمد نے اپنے شاگردان سے کہا تھا: میرے اقوال نہ لکھو بلکہ ان کی اصل (دلیل) تلاش کرو۔ لہذا چاروں ائمہ ہدایت کی باتوں کو غور سے سنو اور ان پر عمل کرو، کیونکہ وہ ہر متعصب کے تقلید وتعصب کی جڑیں کاٹنے کے لئے بڑی نفع بخش باتیں ہیں، اور انصاف پسند لوگ تو نبی کریم ﷺ کی سنت پر اکتفا کرتے ہیں۔

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

واعجب لما قالـوا من التعصب   أن المسيـــح حنفي المذهب!!

اور ان کی حد درجہ تعصب پر مبنی انتہائی حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حنفی المسلک ہوں گے۔

ہم نے یہ اشعار اپنے شیخ ابو اسحاق حوینی - اللہ ان کی حفاظت فرمائے، ہمارے لئے ان کے علم میں برکت عطا فرمائے اور ان کے اپنے عمل میں برکت دے - سے نقل کیا ہے، میں نے یہ اشعار ان سے سنا ہے' اور انہوں نے اسے "غوث المکدود" میں درج کیا ہے۔

بھی واجب کیا ہے کہ اُسی شریعت کے مطابق فیصلہ کرو اور فتوے صادر کرو، کسی کے لئے اس کے علاوہ کسی اور چیز سے فیصلہ کرنا یا فتویٰ دینا قطعاً حلال نہیں ہے!

سترہویں بات:

مقلدو! تمہاری ایک بڑی تعجب خیز بات یہ ہے کہ تم نے اپنی ذات کے بارے میں اقرار و اعتراف کرلیا ہے کہ تم اللہ کے کلام اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان سے حق کی دلیل کی معرفت سے عاجز ہو باوجودیکہ وہ بڑا آسان، اس کا سرچشمہ قریب، اور بیان و وضاحت کے آخری مراتب پر غالب ہے اور اس کی بابت تناقض اور اختلاف محال ہے، کیونکہ وہ ایک معصوم بولنے والے نبی کی زبانی تصدیق شدہ منقول ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حق پر ظاہر و باہر دلائل قائم کئے ہیں، اور بندوں کے لئے تقویٰ کے اسباب آشکارا کردیئے ہیں۔ چنانچہ تم نے ایک طرف اللہ تعالیٰ نے جس بات پر دلائل قائم کئے ہیں اور اس کی وضاحت کا ذمہ خود لیا ہے اُس کی معرفت سے عاجز و درماندہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، اور دوسری طرف یہ کہتے ہو کہ دلیل کے ذریعہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا امام دوسرے سے تقلید کا زیادہ حقدار ہے، نیز وہ اپنے زمانے میں امت کا سب سے بڑا علم وفضل والا ہے، وغیرہ، اور تم میں ہر انتہا پسند گروہ اپنے امام کی اتباع واجب قرار دیتا ہے اور دوسرے کی اتباع کو حرام ٹھہراتا ہے، جیسا کہ ان کی اصول کی کتابوں میں موجود ہے! حیرت واستعجاب کی انتہا ہے اس پر جس سے ان مسائل میں ترجیح پوشیدہ رہ جائے جن پر اللہ کے حق میں ہونے کی دلیلیں قائم کی ہیں، اور وہ ان سے واقف نہ ہو سکے، لیکن ضرور جان لے ان کا تقلیدی امام دوسروں کی بہ نسبت حق و درستی کا زیادہ مستحق ہے، جبکہ اللہ نے اس پر ایک بھی دلیل قائم نہیں فرمائی ہے!!

اٹھارہویں بات:

اس سے بھی زیادہ اے مقلدو! تمہاری تعجب خیز حالت یہ ہے کہ جب تمہیں اللہ کی کتاب کی کوئی آیت ملتی ہے جو تمہارے امام کی رائے کے موافق ہوتی ہے تو تم یہ ظاہر کرتے ہو کہ تم اسے لے رہے ہو، حالانکہ تمہارا اعتماد اپنے امام کے قول پر ہوتا ہے آیت کریمہ پر نہیں اور جب تمہیں کوئی آیت ملتی ہے جو امام کے قول کے خلاف ہوتی ہے تو تم اسے نہیں لیتے بلکہ اس کی بے تاویلات تلاش کرتے ہو اور اُسے اس کے ظاہر سے نکالنے کی نامسعود کوشش کرتے ہو کیونکہ وہ تمہارے امام کی رائے کے موافق نہیں ہے بعینہ یعنی رویہ تم سنت کے نصوص کے ساتھ بھی برتتے ہو، جب تمہیں کوئی صحیح حدیث ملتی ہے جو امام کے قول کے موافق ہوتی ہے تو اسے لے لیتے ہو اور کہتے ہو: کہ

ہم رسول اللہ ﷺ کے فلاں فلاں فرمان پر عمل کرتے ہیں،اور اگر تمہیں سو یا اس سے بھی زیادہ صحیح حدیثیں ملتی ہیں جو امام کے خلاف ہوتی ہیں تو ان میں سے ایک حدیث کی طرف بھی التفات نہیں کرتے' ان میں سے ایک حدیث بھی تمہارے کام کی نہیں ہوتی ہے' کہ تم کہو: ہم نبی کریم ﷺ کے فلاں فرمان پر عمل کرتے ہیں،اسی طرح اگر تمہیں کوئی مرسل حدیث ملتی ہے جو امام کی رائے کے موافق ہوتی ہے تو تم اسے فوراً لے لیتے ہو'اور وہاں اسے حجت قرار دیتے ہو،اور جب تمہیں سو مرسل حدیثیں ملتی ہیں' جو امام کی رائے کے خلاف ہوتی ہیں تو تم اول تا آخر سب کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہو،اور بڑے طمطراق سے کہتے ہو: ہم مرسل حدیث نہیں لیتے!!!

انیسویں بات: [کچھ حدیثیں لینے اور کچھ چھوڑ دینے کی بابت مقلدین کی حواس باختگی کی چند مثالیں]

ان سب سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ جب تم اپنے امام کے موافق ہونے کے سبب کوئی مرسل یا مسند حدیث لے لیتے ہو' پھر اس بارے میں تمہیں کوئی حکم امام کی رائے کے خلاف ملتا ہے تو تم اُسے اُس حکم میں نہیں لیتے ہو، جبکہ وہ ایک ہی حدیث ہوتی ہے' اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ حدیث اگر تمہارے امام تقلید کی رائے کے موافق ہو تب تو حجت ہے' اور اگر اس کی رائے کے خلاف ہو تو حجت نہیں ہے!!

آیئے ہم اس قبیل کی کچھ مثالیں ذکر کئے دیتے ہیں' کیونکہ یہ ان کے بڑے تعجب خیز مسائل میں سے ہے:

۱۔ مقلدین کی ایک جماعت نے ناپاکی زائل کرنے میں استعمال شدہ پانی کی طہوریت (پاک کرنے کی صلاحیت) سلب ہو جانے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مرد کو عورت سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے یا عورت کو مرد سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا ہے[1]،اور کہا ہے کہ دونوں

---

(۱) صحیح ہے،اسے امام ابوداود (حدیث ۸۲)،ترمذی (حدیث ۶۴)،ابن ماجہ (حدیث ۳۷۳)،اور احمد (۴/ ۵،۲۱۳/ ۶۶) نے حکم بن عمرو غفاری سے روایت کیا ہے،اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح سنن ابوداود (حدیث ۷۵) میں صحیح قرار دیا ہے،نیز امام ابوداود (حدیث ۸۱)،نسائی (حدیث ۲۳۸)،اور احمد (۴/ ۱۱۱،۳۶۹) نے حمید حمیری سے روایت کیا ہے،نیز امام ابن ماجہ (حدیث ۳۷۴) نے عبداللہ بن سرجس سے روایت کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔

اسی طرح امام مسلم (حدیث ۳۲۳)،اور احمد (۱/ ۳۶۶) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

"أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يَغْتَسِلُ بِفَضْلِ مَيْمُوْنَةَ" (نبی کریم ﷺ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرتے تھے)۔

اور امام بخاری (حدیث ۲۵۳) نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

"كَانَا يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ" (میمونہ اور اللہ کے نبی ﷺ دونوں ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے)۔

===

کے اعضاء سے الگ ہونے والا پانی ان دونوں کا بچا ہوا پانی ہے، اور پھر اسی حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے مرد وعورت دونوں کے لئے ایک دوسرے سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز قرار دیا ہے، اور یہی اس حدیث کا مقصود بھی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مرد کو عورت سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع کیا ہے جب وہ پانی کے ساتھ خلوت میں ہو، اور ان کے یہاں خلوت کا کوئی اثر ہے نہ بچے ہوئے پانی کے عورت کے ہونے کا کوئی اثر ہے، اس طرح انہوں نے جس حدیث سے حجت قائم کی اُسی حدیث کی مخالفت کی، اور حدیث کو دوسرے محمل پر محمول کیا، کیونکہ یقیناً وضو کا بچا ہوا پانی وہ ہے جو وضو کے بعد بچا ہے، نہ کہ وہ پانی جو وضو میں استعمال ہو گیا ہے، کیونکہ اس مستعمل پانی کو وضو کا بچا ہوا نہیں کہا جاتا، حاصل کلام یہ کہ انہوں نے اس حدیث سے اُس مسئلہ پر استدلال کیا جو مقصود نہیں اور جو اصل مقصود ہے اس پر استدلال ضائع کر دیا۔

۲۔ اسی طرح انہوں نے پانی میں نجاست ملنے سے خواہ پانی میں کوئی تبدیلی نہ ہو پانی کے ناپاک ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے[1]، پھر کہتے ہیں کہ: اگر کوئی پانی میں پیشاب کر دے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا تا آنکہ وہ دو قلّے سے کم ہو[2]، نیز اس کی

=== اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: "كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، مِنْ قَدَحٍ يُقَالُ لَهُ الْفَرَقُ"۔

(میں اور نبی کریم ﷺ پینے کے ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے، جسے "فرق" کہا جاتا تھا)۔

اسے امام بخاری (حدیث ۲۵۰)، ومسلم (حدیث ۳۱۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کے لئے ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا جائز ہے، اور ممانعت تنزیہ پر محمول ہے، سبل السلام (۱/ ۲۷)۔

(۱) ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت کو جابر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے:

جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام مسلم (حدیث ۲۸۱)، نسائی (حدیث ۳۵)، ابن ماجہ (حدیث ۳۴۳)، اور احمد (۳/ ۳۵۰،۳۴۱) نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: "إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُبَالَ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ"۔

(رسول اللہ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے)۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۲۳۹)، مسلم (حدیث ۲۸۲)، نسائی (حدیث ۵۷)، اور ترمذی (حدیث ۶۸) وغیرہ نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: "لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي، ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ"۔

تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہتا نہ ہو پیشاب نہ کرے کہ پھر اس میں غسل بھی کرے۔

اور ترمذی میں ہے: "ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ"۔ (پھر اس سے وضو کرے)۔

(۲) القُلّة: بہت بڑے گھڑے کو کہتے ہیں، اس کی جمع قلال آتی ہے، یہ حجاز میں معروف ہیں۔ ===

ناپاکی پر اس حدیث سے بھی دلیل لی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا''[1]۔

جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ پانی میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اُسے تین بار دھولے۔

اور پھر کہتے ہیں کہ: اگر دھونے سے پہلے بھی ہاتھ پانی میں ڈال دے تو پانی ناپاک نہ ہوگا، لہٰذا اس پر ہاتھ دھونا واجب نہیں ہے اگر ہاتھ دھونے سے پہلے بھی پانی ڈالنا چاہے تو ڈال سکتا ہے۔

اور اس مسئلہ میں اس حدیث سے حجت پکڑا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس جگہ پیشاب کرنے والا پیشاب کرے' اس زمین کو کھودنے اور مٹی نکالنے کا حکم دیا ہے[2]، پھر کہتے ہیں: زمین کھودنا واجب نہیں ہے، بلکہ اگر زمین یونہی

=== جنت میں بیری کے پھل کے بارے میں آیا ہے: کہ وہ ہجر کے قلوں کی طرح ہوں گے۔ (اور ہجر مدینہ سے قریب ایک مقام ہے جہاں قلے بنائے جاتے تھے)۔ قلہ کو قلہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُسے اٹھایا اور ڈھویا نہیں جا سکتا ہے۔ النھایۃ (۴/ ۱۰۴)۔ قلہ کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے، چنانچہ علماء نے کہا ہے کہ: دو قلے پانچ مشکیزوں کے برابر ہیں۔ اور ایک مشکیزہ: سو عراقی رطل ہوتا ہے۔ جبکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ڈھائی مشکیزہ کے برابر ہوتا ہے، اسے امام ابن قدامہ نے (۱/ ۳۶-۳۷) ذکر کیا ہے۔

اور حدیث کو ترمذی (حدیث ۶۷)، ابن ماجہ (حدیث ۵۱۷)، ابوداود (حدیث ۶۳)، نسائی (حدیث ۵۲) اور احمد (۲/ ۲۳) وغیرہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دونوں قلوں کو ہجر کے قلوں کے ساتھ خاص کرنا بہتر نہیں ہے'' (إرواء الغلیل: ۱/ ۶۰)۔

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۱۶۲)، مسلم (حدیث ۲۷۸)، اور ترمذی (حدیث ۲۴) وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، البتہ بخاری نے اپنی روایت میں عدد کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۲) اسے امام بخاری (حدیث ۶۱۲۸)، ترمذی (حدیث ۱۴۷)، نسائی (حدیث ۵۶)، ابوداود (حدیث ۳۸۰) وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَثَارَ إِلَيْهِ النَّاسُ لِيَقَعُوا بِهِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ''دَعُوهُ، وَأَهْرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ''۔

(کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، چنانچہ لوگ بھڑک کر اس کی طرف دوڑے تاکہ اسے ماریں یا زدوکوب کریں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو)۔

اسی طرح اسے امام بخاری (حدیث ۲۱۹)، و مسلم (حدیث ۲۸۴) نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور دارقطنی نے اپنی سنن (۱/ ۱۳۲) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، بیان کرتے ہیں:

''جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمَكَانِهِ فَاحْتُفِرَ، فَصُبَّ عَلَيْهِ دَلْوٌ مِنْ مَاءٍ''۔

(ایک دیہاتی آیا اور مسجد میں پیشاب کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس جگہ کو کھودا گیا اور اس پر ایک ڈول پانی ڈالا گیا)۔ ===

چھوڑ دی جائے یہاں تک کہ دھوپ اور ہوا سے خشک ہو جائے تو بھی پاک ہو جائے گی۔

۳۔اسی طرح استعمال شدہ پانی سے وضو کرنے کی ممانعت پر نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے حجت پیش کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمْ غُسَالَةَ أَيْدِي النَّاسِ''(۱)۔

اے بنو عبد المطلب! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لوگوں کے ہاتھوں کا دھووَن ناپسند کیا ہے، یعنی زکاۃ، پھر کہتے ہیں: بنو عبد المطلب پر زکاۃ حرام نہیں ہے۔

۴۔اسی طرح اس مسئلہ پر کہ وہ مچھلی جو مر کر اوپر آگئی ہو اگر پانی میں گر جائے تو اُس سے پانی ناپاک نہ ہوگا، برخلاف خشکی کے مُرداروں کے، کہ اُس سے پانی ناپاک ہو جائے گا' سمندر کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کے فرمان سے حجت پکڑا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ''(۲)۔

سمندر کا پانی پاک ہے اس کے مردار حلال ہیں۔

پھر اسی حدیث کی مخالفت کی اور کہا: کہ سمندر میں مر کر اوپر آئی ہوئی مچھلی حلال ہے، نہ مچھلی کے سوا سرے سے کچھ اور حلال ہے۔

۵۔اسی طرح اہل الرائے نے کتے اور اس کے برتن میں منہ ڈالنے کی نجاست پر نبی کریم ﷺ کی اس حدیث

=== پھر فرماتے ہیں: سمعان - حدیث کا ایک راوی - مجہول ہے۔ پھر عبد اللہ بن معقل بن مقرن کی ایک مرسل حدیث روایت کی ہے، اس میں ہے: ''خُذُوا مَا بَالَ عَلَيْهِ مِنَ التُّرَابِ فَأَلْقُوهُ وَأَهْرِيقُوا عَلَى مَكَانِهِ مَاءً''۔ (آپ ﷺ نے فرمایا: جس مٹی پر اس نے پیشاب کیا ہے' اُسے نکال کر پھینک دو اور اس جگہ ایک ڈول پانی بہادو)۔ اس کے بعد امام دارقطنی فرماتے ہیں: عبد اللہ بن معقل تابعی ہیں، لہٰذا روایت مرسل ہے۔

(۱) اسے امام مسلم (حدیث ۱۰۷۲)، نسائی (حدیث ۲۶۰۹)، ابو داود (حدیث ۲۹۸۵)، احمد (۴/ ۱۶۶) اور امام مالک نے اپنی موطا (حدیث ۱۸۸۸) میں عبد المطلب بن ربیعہ بن حارث سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

''إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ''۔ (صدقہ آل محمد کے لئے مناسب نہیں ہے، یہ لوگوں کا میل کچیل ہے)

(۲) اسے امام ترمذی (حدیث ۶۹)، ابو داود (حدیث ۸۳)، نسائی (حدیث ۵۹)، ابن ماجہ وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے صحیح ابو داود (حدیث ۷۶) میں صحیح قرار دیا ہے، اور ابن ماجہ (حدیث ۳۸۷) نے ابن الفراسی سے روایت کیا ہے، نیز جابر سے بھی (حدیث ۳۸۸) روایت کیا ہے۔

سے حجت قائم کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ''(۱)۔

جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو وہ اسے سات مرتبہ دھوئے۔

پھر کہا: اس کا سات مرتبہ دھونا واجب نہیں' بلکہ ایک مرتبہ دھونا کافی ہے، اور کسی نے کہا: تین مرتبہ دھونا کافی ہے۔

۶۔ اسی طرح انہوں نے نجاست مغلظہ (بڑی نجاست) کے بارے میں درہم وغیرہ کی مقدار کے ذریعہ تفریق پر ایک ایسی حدیث سے حجت پیش کی ہے جو صحیح نہیں ہے، غطیف امام زہری سے' وہ ابوسلمہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

''تُعَادُ الصَّلَاةُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ''(۲)۔

بقدر درہم نجاست کے سبب نماز لوٹائی جائے گی۔

پھر کہا: بقدر درہم نجاست کے سبب نماز نہیں لوٹائی جائے گی۔

۷۔ اسی طرح ایک سو بیس سے زیادہ اونٹوں کی زکاۃ کے بارے میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حجت پکڑا کہ اُسے آغاز فریضہ کی طرف لوٹایا جائے گا، بایں طور کہ ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری واجب

---

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۱۷۲) مسلم (حدیث ۲۷۹) الفاظ اسی کے ہیں، ترمذی (حدیث ۹۱) وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، نیز امام مسلم (حدیث ۲۸۰)، نسائی (حدیث ۶۷)، ابوداود (حدیث ۷۴)، ابن ماجہ (حدیث ۳۶۵)، احمد (۵/۵۶) اور دارمی (حدیث ۷۳۷) نے عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

''فَاغْسِلُوهُ سَبْعَ مِرَارٍ، وَالثَّامِنَةُ عَفِّرُوهُ بِالتُّرَابِ''۔ (اسے سات مرتبہ دھوؤ، اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھو)

(۲) حافظ ابن حجر لسان المیزان میں کہتے ہیں: غطیف طائفی جسے مزنی بھی کہا جاتا ہے' عن الزہری، اور ان سے اسد بن عمرو کی روایت منکر ہے۔ اسے امام دارقطنی نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: اسد کو غطیف کا نام لینے میں وہم ہوا ہے، اصل میں وہ روح بن غطیف ہے' اور وہ متروک ہے پھر اسی طرح اُس نے قاسم بن مالک مزنی جو ایک ثقہ راوی ہے' سے بروایت روح بن غطیف بیان کیا ہے، وہ یہ حدیث ہے: ''تُعَادُ الصَّلَاةُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ مِنَ الدَّمِ''۔ (ایک درہم برابر خون کے سبب نماز لوٹائی جائے گی)۔ اسے امام دارقطنی نے اپنی سنن (۱/۴۰۱) میں، بیہقی نے السنن الکبری (۲/۴۰۴) میں اور عقیلی نے الضعفاء الکبیر (۲/۵۶) میں روح بن غطیف کی سوانح میں، اور ابن عدی نے الکامل میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں: روایت باطل ہے۔

ہوگی[1]۔ اور اسی طرح بارہ جگہوں پر اس حدیث کی خلاف ورزی کی۔

۸۔ اور اسی طرح عمرو بن حزم کی حدیث سے حجت پکڑا کہ:

"أَنَّ مَا زَادَ عَلَى مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَلَا شَيْءَ فِيهِ حَتَّى يَبْلُغَ أَرْبَعِينَ، فَيَكُونُ فِيهَا دِرْهَمٌ"[2]۔

---

(۱) علی رضی اللہ عنہ کی اشارہ کردہ روایت کو امام بیہقی نے السنن (۴ / ۹۲-۹۴) میں بطریق ابو اسحاق عن عاصم بن حمزہ ان سے روایت کیا ہے: "فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، تُرَدُّ الْفَرَائِضُ إِلَى أَوَّلِهَا"۔ (جب تعداد ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائے تو فرض کو پہلے کی طرف لوٹا دیا جائے گا)۔

اور ایک روایت میں ہے: "تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ" (فرض بالکل شروع کر لیا جائے گا) امام ابو حنیفہ، ثوری، اور نخعی نے استیناف کو اختیار کیا ہے، اور یہی ابن مسعود سے بھی مروی ہے، جیسا کہ ابن قدامہ نے المغنی (۴ / ۲۱) میں ذکر کیا ہے۔ نیز اسی سند سے علی رضی اللہ عنہ سے دوسرے الفاظ میں روایت کیا ہے: "فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ، وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ"۔

(اور جب اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائے، تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ واجب ہوگا)۔ یہ روایت سنن ابو داود (حدیث ۱۵۷۲)، اور سنن کبری بیہقی (۴ / ۹۳) میں ہے، اور علامہ البانی نے اسے صحیح ابو داود (حدیث ۱۵۳۹) میں صحیح قرار دیا ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: "ہم اسی کے قائل ہیں اور یہ سنت کے موافق ہے"۔ اور یہی بات انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اور عمر رضی اللہ عنہ کے خط کے موافق ہے جس میں ہے: اونٹوں میں زکاۃ کا نصاب پانچ اونٹ ہیں، پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہے، یہاں تک کہ تعداد پچیس ہو جائے، اب اگر اس سے ایک بھی زیادہ ہو تو اس میں بنت مخاض (ایک سالہ اونٹنی) واجب ہے، یہاں تک کہ تعداد پینتیس ہو جائے، اور اگر پینتیس سے ایک بھی زیادہ ہو تو اس میں بنت لبون (دو سالہ اونٹنی) واجب ہے، یہاں تک کہ پینتالیس ہو جائے، اگر اس سے ایک بھی زیادہ ہو تو ساٹھ تک ایک حقہ (تین سالہ اونٹنی، جو نر کو برداشت کر سکے، یعنی جفتی کے قابل ہو جائے) واجب ہے، اگر اس سے ایک بھی زیادہ ہو تو نوے تک دو سالہ دو اونٹنیاں واجب ہیں، اور اس سے ایک بھی زیادہ ہو یہاں تک کہ ایک سو بیس ہو جائے، تو اس میں تین سالہ دو اونٹنیاں اور ایک بکری واجب ہیں، اسی طرح آگے"۔ لیکن مذکورہ حدیث کے مطابق: ایک بھی زیادہ ہو تو ہر چالیس میں ایک دو سالہ اونٹنی اور ہر پچاس میں ایک حقہ واجب ہوگا"۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث میں راجح وہی ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

(۲) عمرو بن حزم کا خط جسے رسول اللہ ﷺ نے لکھوا کر اہل یمن کی طرف بھیجا تھا' جو فرائض، سنن اور دیات وغیرہ کے سلسلہ میں تھا، اسے امام حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے (۱ / ۳۹۵-۳۹۶)۔ اور حاکم نے کہا ہے: کہ یہ اس باب کی بڑی واضح حدیث ہے، جس کی شہادت امیر المومنین عمر بن عبد العزیز دے رہے ہیں، اور یہ خط مدینہ میں ہے۔ اسی طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ بحرین والوں کو بھیجا تھا، اور وہ عمر بن خطاب کے گھر والوں کے پاس تھا، اور انہوں نے لوگوں کو اس پر کاربند کیا تھا، اور عمرو بن حزم کے خط میں تھا:

"وَفِي كُلِّ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، وَمَا زَادَ فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ شَيْءٌ"۔

(ہر پانچ اوقیہ چاندی میں پانچ درہم واجب ہے، پھر جو بھی زیادہ ہو تو چالیس درہم میں ایک درہم واجب ہوگا، اور پانچ اوقیہ سے کم میں کچھ بھی واجب نہیں ہے)۔

===

دوسو درہم سے زیادہ ہونے پر کچھ بھی واجب نہیں یہاں تک کہ چالیس درہم ہو تو اس میں ایک درہم واجب ہوگا۔

اور پھر اسی حدیث کی نص کی پندرہ جگہوں پر مخالفت کی۔

۹۔ اسی طرح حدیث مصراۃ[۱] سے حجت پکڑتے ہوئے کہا کہ تین دنوں سے زیادہ اختیار نہیں رہے گا، یہ ان کا ایک بہت بڑا عجوبہ ہے، کیونکہ وہ اس کے سب سے بڑے منکر ہیں اس حدیث کے قائل نہیں ہیں!

اب اگر وہ حق ہے تو اس کی اتباع واجب ہے اور اگر حق نہیں ہے تو اس سے تین دن تک اختیار کی تعیین پر بھی استدلال کرنا جائز نہیں، باوجودیکہ حدیث میں خیار شرط[۲] سے سرے سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے، الحاصل یہ ہے کہ جو حدیث کا مقصود و مدلول ہے اس کی مخالفت کی ہے، اور جس بات پر حدیث دلالت ہی نہیں کرتی' اس پر اس سے استدلال کیا ہے۔

۱۰۔ نیز اس مسئلہ کے لئے حبان بن منقذ کی حدیث سے حجت پکڑا ہے' جن سے لوگ خرید و فروخت میں غبن کیا کرتے تھے' تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے تین دن تک کا اختیار متعین فرمادیا[۳]۔

=== اس میں سے کچھ حصہ کو عبد الرزاق نے المصنف (۴/۵-۵) میں، اور دارقطنی نے (۲/۱۷۲)، اور اسی طرح نسائی (حدیث ۴۸۵۴) اور دارمی (حدیث ۱۶۲۱، ۱۶۲۸) دونوں نے مختصراً روایت کیا ہے، جس میں محل شاہد موجود ہے، اور مذکورہ جملہ کا معنیٰ یہ ہے: کہ دوسو درہم میں پانچ درہم زکاۃ ہے، اور جو اس سے زیادہ ہو اس میں کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ دوسو چالیس درہم ہو جائے، تو مجموعی طور پر چھ درہم واجب ہوگا۔

(۱) مصراۃ کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۲۱۴۸) مسلم (حدیث ۱۵۱۵)، اور ترمذی (حدیث ۱۲۵۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے لیکن اس میں تین دنوں تک اختیار ہونے کی تحدید کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ تحدید والی حدیث کو امام مسلم (حدیث ۱۵۲۴)، ترمذی (حدیث ۱۲۵۲)، نسائی (حدیث ۴۴۸۹) اور ابوداود (حدیث ۳۴۴۴) وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

المصراۃ: (میم پر پیش اور راء پر تشدید کے ساتھ) اس اونٹنی یا گائے یا بکری کو کہا جاتا ہے جس کے دودھ کو تھن میں روک لیا گیا ہو (کئی دنوں سے دوہا نہ گیا ہو)، النھایۃ فی غریب الحدیث (۳/۲۷)۔ اور اس کا مقصد خریدار کو دھوکہ دینا ہے، نبی کریم ﷺ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابق حدیث میں تھنوں میں دودھ جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس میں ہے: ''لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَم'' (اونٹ اور بکری کا دودھ جمع نہ کرو)۔

(۲) شرط کا اختیار: یہ ہے کہ دو عقد کرنے والوں میں سے ایک شخص تین دن یا اس سے کم تک اختیار رہنے کی شرط لگائے، التعریفات، از جرجانی (ص ۱۳۷)۔ لیکن یہاں باہمی عقد میں شرط لگانا لازم نہیں ہے' کیونکہ حدیث کے مطابق اختیار پہلے سے ہی موجود ہے' خواہ خریدنے والا شرط لگائے یا نہ لگائے۔

(۳) اس حدیث کو امام بخاری (حدیث ۲۱۱۷)، مسلم (حدیث ۱۵۳۳)، نسائی (حدیث ۴۴۸۴)، اور ابوداود (حدیث ۳۵۰۰) وغیرہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ''أَنَّ رَجُلًا ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ، فَقَالَ: ''إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ''۔ ===

اور بقیہ پوری حدیث کی مخالفت کی، چنانچہ غبن کا اختیار ثابت نہیں کیا، خواہ اس کے خرچ کے دسویں حصہ کے برابر ہو اور چاہے خریدنے والا ''لَا خِلَابَةَ'' (دھوکہ نہیں دینا) کہے یا نہ کہے، اور غبن تھوڑا ہو یا زیادہ، ان تمام صورتوں میں اسے کوئی اختیار نہیں ہے۔

۱۱۔اسی طرح رمضان میں دن کے وقت کھانے والے پر کفارہ کے وجوب کے سلسلہ میں اس بات سے حجت پیش کیا کہ بعض حدیثوں میں الفاظ یہ ہیں:

''أَنَّ رَجُلًا أَفْطَرَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُكَفِّرَ''(۱)۔

=== کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ اسے خرید وفروخت میں دھوکہ دیا جاتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم لین دین کرو تو کہو: دھوکہ نہیں ہے۔

اور سنن ترمذی (حدیث ۱۲۵۰) اور ابوداود (حدیث ۳۵۰۴) وغیرہ میں انس رضی اللہ عنہ نے اسے تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''أَنَّ رَجُلًا كَانَ فِي عُقْدَتِهِ ضَعْفٌ، وَكَانَ يُبَايِعُ -وَيُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ-، وَأَنَّ أَهْلَهُ أَتَوْا النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، احْجُرْ عَلَيْهِ، فَدَعَاهُ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ، فَنَهَاهُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي لَا أَصْبِرُ عَنِ الْبَيْعِ، فَقَالَ: ''**إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ هَاءَ وَهَاءَ، وَلَا خِلَابَةَ**''۔

کہ ایک شخص کی عقل میں کچھ کمزوری تھی، وہ خرید وفروخت کرتا تھا اور دھوکہ دیدیا جاتا تھا، چنانچہ اس کے گھر والے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا اے اللہ کے رسول! ان پر پابندی عائد کر دیجئے! چنانچہ آپ ﷺ نے اسے بلوایا اور اسے خرید وفروخت کرنے سے منع کیا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں خرید وفروخت کئے بغیر نہ رہ سکوں گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم لین دین کرو تو کہو: ایک ہاتھ سے لو ایک ہاتھ سے دو، دھوکہ نہیں ہے۔

الخلابۃ: جیم کے کسرہ کے ساتھ، دھوکہ کو کہتے ہیں۔ اور ابن ماجہ (حدیث ۲۳۵۵) نے محمد بن یحییٰ بن حبان بن منقذ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ میرے دادا منقذ بن عمرو ہیں ان کے دماغ پر مار لگ گئی تھی جس سے ان کی زبان (گویائی) ٹوٹ گئی تھی۔

پھر ان روایات میں تین دنوں کا اختیار ذکر کیا ہے، جسے ''غبن اور دھوکہ کا اختیار'' کہا جاتا ہے، عون المعبود (۹/ ۲۸۷)، اور ابن ماجہ کی اس آخری روایت کو علامہ البانی نے صحیح ابن ماجہ (حدیث ۹۰۷) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) اسے ان الفاظ کے ساتھ امام مسلم (حدیث ۱۱۱) نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور ''بعتق رقبۃ'' (غلام آزاد کرنے) کا اضافہ کیا ہے۔ اسی طرح اس روایت کو امام بخاری (حدیث ۱۹۳۶)، ترمذی (حدیث ۷۲۴)، اور ابوداود (حدیث ۲۳۹۰) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور یہ جماع کے ذریعہ روزہ توڑنے پر محمول ہے، ورنہ جو جان بوجھ کر کھالے یا پی لے، اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ: اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہے، اور کھانے پینے کو جماع کے مشابہ قرار دیا ہے، یہ سفیان ثوری، ابن المبارک اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے، جبکہ دوسرے علماء نے کہا ہے: کہ اس پر صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جماع کی صورت میں کفارہ کا ذکر تو ہے، ===

کہ ایک شخص نے دن میں کھانا کھالیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

پھر اس کے صریح لفظ کی مخالفت کی، اور کہا: اگر آٹے وغیرہ [1] کے ذرات منہ میں چلے جائیں، یا گوندھا ہوا آٹا یا ہلیلج [2] نگل جائے، تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن اس پر کوئی کفارہ نہ ہوگا۔

۱۲۔ اسی طرح جان بوجھ کر قے کرنے والے پر قضا واجب ہونے کے سلسلہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

=== لیکن کھانے پینے کی صورت میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے، نیز ان کا کہنا ہے کہ کھانا پینا جماع کے مشابہ نہیں ہے، یہ امام شافعی اور احمد کا قول ہے۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں: جس نے جماع کے ذریعہ روزہ توڑ دیا تھا، پھر اس پر صدقہ کیا گیا، اس سے نبی کریم ﷺ کے "اسے لے جاؤ اپنے گھر والوں کا کھلا دو" کہنے میں کئی معانی کا احتمال ہے: ہوسکتا ہے کفارہ اس پر واجب ہو جسے اس کی قدرت ہو، اور اس آدمی کو قدرت نہ تھی لیکن آپ ﷺ نے اسے دیدیا اور کھجوروں کا مالک بنادیا تو اس نے کہا: ان کھجوروں کا ہم سے زیادہ محتاج کوئی نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ" (اسے لے جاؤ اپنے گھر والوں کا کھلا دو) کیونکہ کفارہ اپنی خوراک سے بچنے کے بعد ہی واجب ہوتا ہے۔ یہ ساری باتیں میں نے اس امید سے نقل کی ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

البتہ امام دارقطنی (۲/۱۹۱) نے ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں کھانے کے سبب کفارہ کا ذکر ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَجُلًا أَكَلَ فِي رَمَضَانَ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ "أَنْ يُعْتِقَ رَقَبَةً، أَوْ يَصُومَ شَهْرَيْنِ، أَوْ يُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا"۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رمضان (دن) میں کھالیا، تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ ایک غلام آزاد کرے، یا دو مہینوں کا روزہ رکھے، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: ابو معشر نجیح ہیں جو قوی نہیں ہیں، حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر (۲/۲۰۸) میں فرماتے ہیں: "امام بیہقی نے کہا ہے کہ اسے زہری کے بیس حفاظ حدیث شاگردوں نے جماع کے ساتھ ذکر کیا ہے" اور ابو معشر نے ضعیف ہونے کے باوجود ان کی مخالفت کی ہے۔

رہا مسئلہ عاجز ہونے کی صورت میں کفارہ کے ساقط ہونے کا، تو حافظ ابن حجر نے تلخیص میں رافعی کا قول ذکر کیا ہے: کہ اس کے لئے اس بات سے استدلال کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب اس دیہاتی کو حکم دیا کہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو کھلا دیا جائے، تو اسے دوسری حالت میں کفارہ نکالنے کا حکم نہیں دیا، اور اگر واجب ہوتا تو آپ نے ضرور بیان کیا ہوتا، اس سلسلہ میں ابن عبدالبر نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: آپ ﷺ نے اسے کفارہ کا وجوب جتلانے کے بعد اس سے یہ نہیں کہا کہ تیری تنگدستی کے سبب تجھ سے ساقط ہوگیا ہے، اور ہر چیز جس کی ادائیگی کشادگی میں واجب ہوتی ہے کشادگی کی صورت میں ہی لازم ہوتی ہے"۔

(۱) استف: کا معنی سفاسف نگلنا ہے، یعنی آٹے کو چھاننے یا مٹی بکھیرنے کی صورت میں اس سے اڑنے والا دھول اور غبار۔ لسان العرب (۹/۱۵۵، مادہ سفف)۔

(۲) اَلہلیلج: پہلے لام پر کسرہ اور دوسرے پر فتحہ/کسرہ کے ساتھ: ایک زرد یا سیاہ پھل، جو پوری طرح پکا ہوا ہو، اس کی قسم۔ افغانستان میں کابل سے منسوب۔ کابلی ہے، یہ پھیپھڑے اور سانس کی تکلیف میں مفید ہے، عقل کی حفاظت کرتا ہے اور سر درد سے افاقہ پہنچاتا ہے، القاموس المحیط (مادہ ہلج)، اور لسان العرب میں ہے: کہ یہ ایک معروف جڑی بوٹی ہے۔

سے حجت پکڑا[1] پھر بعینہ اسی حدیث کی خلاف ورزی کی، اور کہا: اگر منہ بھر سے کم قے کرے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

۱۳۔ اسی طرح نماز میں قصر اور روزہ نہ رکھنے کی رخصت والے سفر کی مسافت کی تعیین کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے حجت پکڑا:

''لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ زَوْجٍ أَوْ ذِي مَحْرَمٍ''[2]۔

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لئے تین دن کی مسافت کا سفر کرنا جائز نہیں' سوائے شوہر یا کسی اور محرم کے ساتھ۔

اور باوجودیکہ اس حدیث میں ان کے دعویٰ کی دلیل نہیں ہے' انہوں نے اس حدیث کی مخالفت کی، اور کہا: لونڈی، مکاتب لونڈی اور ام ولد کے لئے شوہر اور محرم کے علاوہ کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے۔

۱۴۔ اسی طرح محرم کے لئے چہرہ ڈھانپنے کی ممانعت پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے حجت پکڑا' جس میں اس شخص کا ذکر ہے جسے حالت احرام میں اس کی سواری نے گرا دیا تھا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

''لَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ وَلَا وَجْهَهُ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا''[3]۔

---

(۱) اسے امام ترمذی (حدیث ۷۲۰)، ابوداود (حدیث ۲۳۸۰)، ابن ماجہ (حدیث ۱۶۷۶)، احمد (۲/ ۴۹۸)، بیہقی (۴/ ۲۱۹) اور دارمی (حدیث ۱۷۲۹) نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: ''مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ''۔

جسے بے اختیار قے آجائے اس پر قضا نہیں ہے' البتہ جو جان بوجھ کر قے کرے' وہ قضا کرے۔

علامہ البانی نے اسے صحیح ابوداود (حدیث ۲۹۸۴) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام مسلم (حدیث ۱۳۳۹) نے ''أَنْ تُسَافِرَ ثَلَاثًا'' (تین رات کا سفر کرے) کے الفاظ میں روایت کیا ہے' اور امام بخاری (حدیث ۱۰۸۸)، ترمذی (حدیث ۱۱۷۰)، اور ابوداود (حدیث ۱۷۲۳) نے ''مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ'' (ایک دن اور ایک رات کی مسافت) کے لفظ سے روایت کیا ہے۔

اسی طرح امام مسلم (حدیث ۱۳۴۰)، ترمذی (حدیث ۱۱۶۹)، ابوداود (حدیث ۱۷۲۶) وغیرہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، نیز امام بخاری (حدیث ۱۸۶۴) نے بھی ''يَوْمَيْنِ'' (دودنوں کی مسافت) کے لفظ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام بخاری (حدیث ۱۰۸۶)، مسلم (حدیث ۱۳۳۸)، ابوداود (حدیث ۱۷۲۷) وغیرہ نے: ''لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ'' (عورت تین دنوں کا سفر محرم کے ساتھ ہی کرے)۔ کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔

(۳) اسے امام بخاری (حدیث ۱۲۶۵)، مسلم بلفظہ (حدیث ۱۲۰۶) اور دیگر لوگوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس کا سر اور چہرہ نہ ڈھانکو، کیونکہ اُسے قیامت کے دن تلبیہ پکارتا ہوا اٹھایا جائے گا۔

یہ بڑی عجیب بات ہے، کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اگر محرم مر جائے تو اس کا سر اور چہرہ ڈھانکنا جائز ہے، کیونکہ اس کا احرام باطل ہو چکا ہے۔

۱۵۔اسی طرح حالت احرام میں بجّو یا کفتار (یہ ایک ایسا حیوان ہے جو قبریں اکھاڑنے اور انسان کا خون پینے سے معروف ہے)[1] مارنے والے پر کفارہ واجب قرار دینے کے لئے جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حجت پکڑا جنہوں نے اس کے کھانے اور اس کے مارنے والے پر کفارہ کا فتویٰ دیا تھا[2]، اور اسے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا تھا، پھر اسی حدیث کی مخالفت کی اور کہا: کہ اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

۱۶۔اسی طرح جس پر بنت مخاض واجب ہو اور وہ دو تہائی بنت لبون دے جو بنت مخاض کے مساوی ہو یا گدھا دے جو اس کے مساوی ہو اس کے بارے میں انس رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سے حجت پکڑتے ہوئے کہا کہ وہ کافی ہے، اس حدیث میں ہے:

''مَنْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ ابْنَةُ مَخَاضٍ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ، وَعِنْدَهُ ابْنَةُ لَبُونٍ؛ فَإِنَّهَا تُؤْخَذُ مِنْهُ، وَيَرُدُّ عَلَيْهِ السَّاعِي شَاتَيْنِ أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا''[3]۔

جب پر زکاۃ میں بنت مخاض واجب ہو، لیکن نہ ہونے کے سبب بنت لبون دے تو اسے قبول کرلیا جائے گا، اور زکاۃ وصول کرنے والا اُسے دو بکریاں یا بیس درہم واپس کرے گا۔

یہ بھی عجیب بات ہے، کیونکہ یہ وہ بات نہیں کہہ رہے ہیں جس پر تعیین کے ساتھ حدیث دلالت کر رہی ہے، اور اس بات پر استدلال کر رہے ہیں جو مقصود ہے نہ اس پر کسی طرح دلالت کر رہی ہے۔

---

(۱) دیکھئے: مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، از علامہ عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ (۹ / ۴۱۷) [مترجم]۔

(۲) صحیح ہے، اسے امام ابوداود (حدیث ۱۸۵۱)، ترمذی (حدیث ۸۴۶)، نسائی (حدیث ۲۸۳۶)، ابن ماجہ (حدیث ۳۰۸۵)، حاکم (۱ / ۴۵۳) اور بیہقی (۵ / ۱۸۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے إرواء الغلیل (حدیث ۱۰۵۰) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) یہ مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ کے فرض کردہ زکاۃ کے احکام سے متعلق انس رضی اللہ عنہ کے لئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک خط کا ٹکڑا ہے۔ اسے امام بخاری (حدیث ۱۴۵۳)، ابوداود (حدیث ۱۵۶۷)، نسائی (حدیث ۲۴۴۶)، ابن ماجہ (حدیث ۱۸۰۰)، احمد (۱ / ۱۱) اور بیہقی (۴ / ۸۶) نے روایت کیا ہے۔ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔

۱۷۔اسی طرح دارالحرب میں اگر مسلمان سے بعض اسباب حدود سرزد ہو جائیں تو ان سے حدود ساقط قرار دینے پر اس حدیث سے حجت پکڑا ہے:

’’**لَا تُقْطَعُ الْأَيْدِي فِي الْغَزْوِ**‘‘[1]، وَفِي لَفْظٍ: ’’**فِي السَّفَرِ**‘‘[2]۔

جنگ میں ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔اور ایک دوسری روایت میں ہے: سفر میں۔

لیکن انہوں نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا، کیونکہ ان کے یہاں اس میں سفر یا جنگ وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہے۔

۱۸۔اسی طرح قربانی کے وجوب پر اس حدیث سے حجت پکڑا:

’’أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِالْأُضْحِيَةِ، وَأَنْ يُطْعَمَ مِنْهَا الْجَارُ وَالسَّائِلُ‘‘[3]۔

کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ قربانی کی جائے اور اس کا گوشت پڑوسی اور مانگنے والے کو کھلایا جائے۔

لیکن انہوں نے کہا: قربانی کو گوشت پڑوسی یا سائل کو کھلانا واجب نہیں۔

۱۹۔اسی طرح غاصب یا چور کے ذبیحہ کے مباح ہونے پر اس حدیث سے حجت پکڑا جس میں آیا ہے:

’’أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دُعِيَ إِلَى الطَّعَامِ مَعَ رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَلَمَّا أَخَذَ لُقْمَةً قَالَ: ’’**إِنِّي أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ حَقٍّ**‘‘ فَقَالَتِ الْمَرْأَةُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أَخَذْتُهَا مِنِ امْرَأَةِ فُلَانٍ بِغَيْرِ عِلْمِ زَوْجِهَا، فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تُطْعَمَ الْأَسَارَى‘‘[4]۔

---

(۱) اسے امام ترمذی (حدیث ۱۴۵۰)، احمد (۴/ ۱۸۱)، اور دارمی (حدیث ۲۴۹۲) نے اس لفظ سے روایت کیا ہے، نیز اس کے بعد بھی دیکھئے۔

(۲) صحیح ہے، اسے امام ابو داود (حدیث ۴۴۰۸) اور نسائی (حدیث ۴۹۷۹) نے ’’سفر کے لفظ‘‘ سے روایت کیا ہے، اور دونوں نے بسر بن ارطاۃ سے روایت کیا ہے، جو چھوٹے صحابہ میں سے ہیں تقریب التھذیب (۶۶۳)، اور علامہ البانی نے اسے صحیح ابو داود (حدیث ۳۷۰۸) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) اسے امام بخاری (حدیث ۵۵۶۹)، و مسلم (حدیث ۱۹۷۴) نے سلمہ بن عمرو بن اکوع سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے بارے میں فرمایا: ’’كُلُوا وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا‘‘ (کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ کرو)، اور کھلانے میں پڑوسی اور سائل سب داخل ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۴) صحیح ہے، اسے امام ابو داود (حدیث ۳۳۳۲)، احمد (۵/ ۲۹۳، ۴۰۸)، دارقطنی (۴/ ۲۸۴) اور بیہقی (۵/ ۳۳۵) نے ایک انصاری شخص سے روایت کیا ہے:

’’خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي جَنَازَةٍ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوصِي الْحَافِرَ: ’’أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ، أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ‘‘، فَلَمَّا رَجَعَ اسْتَقْبَلَهُ دَاعِي امْرَأَةٍ فَجَاءَ وَجِيءَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ، ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ، فَأَكَلُوا، ===

کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کھانے کی دعوت دی گئی، آپ ﷺ نے جونہی لقمہ اٹھایا، فرمایا: میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جسے ناحق لیا گیا ہے! تو عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے ایک خاتون سے اس کے شوہر کے علم کے بغیر لیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے قیدیوں کو کھلانے کا حکم دیدیا۔

ان لوگوں نے اس حدیث کی مخالفت کی اور کہا: غاصب کا ذبیحہ حلال ہے، اور مسلمانوں کے لئے اس کا کھانا بھی حرام نہیں ہے۔

۲۰۔ اسی طرح مویشیوں کی زیادتی سے تاوان ساقط کرنے پر فرمان نبوی ﷺ:

''جَرْحُ الْعَجْمَاءِ جُبَارٌ''[1]۔ (مویشی کی زیادتی درگزر ہے)۔

سے حجت قائم کیا۔

پھر اس کے اصل معنیٰ و مراد میں اس کی مخالفت کی اور کہا: جو کسی چوپائے پر سوار ہو، یا اُسے ہانکے یا لے جائے

=== فَنَظَرَ آبَاؤُنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَلُوكُ لُقْمَةً فِي فَمِهِ، ثُمَّ قَالَ: ''أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا''، فَأَرْسَلَتِ الْمَرْأَةُ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي أَرْسَلْتُ إِلَى الْبَقِيعِ يَشْتَرِي لِي شَاةً، فَلَمْ أَجِدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى جَارٍ لِي قَدِ اشْتَرَى شَاةً، أَنْ أَرْسِلْ إِلَيَّ بِهَا بِثَمَنِهَا، فَلَمْ يُوجَدْ، فَأَرْسَلْتُ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَرْسَلَتْ إِلَيَّ بِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ''أَطْعِمِيهِ الْأُسَارَى''۔

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ قبر کے پاس گئے اور قبر کھودنے والے کو تاکید کرنے لگے: پیروں کی جانب سے قبر کشادہ کرو اور سر کی جانب سے کشادہ کرو۔ پھر جب آپ ﷺ وہاں سے لوٹے تو راستے میں ایک عورت کی جانب سے کھانے کی دعوت دینے والا آپ سے ملا، بہرکیف آپ ﷺ اس کے یہاں تشریف لائے اور کھانا پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ رکھا، پھر دوسرے لوگوں نے بھی رکھا اور سبھوں نے کھایا، لیکن ہمارے باپوں نے رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنے منہ میں ایک ہی لقمہ چبا رہے ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جسے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر لے لیا گیا ہے، تو اس عورت نے کہلا بھیجا: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک آدمی کو بکری خریدنے کے لئے بقیع کی طرف بھیجا تو اسے بکری نہیں ملی، پھر میں نے اپنے پڑوسی کو جس نے ایک بکری خرید رکھی تھی کہلا بھیجا کہ اپنی بکری خریدی ہوئی قیمت میں مجھے دے دے، لیکن وہ بھی موجود نہ تھا، بالآخر میں نے اس کی بیوی سے کہلا بھیجا تو اس نے مجھے بکری بھیجی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے قیدیوں کو کھلا دو۔

اسی علامہ البانی نے صحیح ابو داود (حدیث ۲۸۵۰) اور احکام الجنائز (ص ۱۴۳-۱۴۴) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۱۴۹۹)، ومسلم (حدیث ۱۷۱۰) وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ الجبار: یعنی درگزر۔ معنیٰ یہ ہے کہ مویشی بدک کر بھاگے اور بھاگنے میں کسی انسان یا کسی چیز کو نقصان پہنچا دے تو اس سے لگنے والا زخم درگزر ہے۔ النہایۃ (۱/۲۳۶)۔

تو وہ جانور اپنے منہ سے جس کو بھی کاٹے اس کا ذمہ دار وہی ہے، البتہ پیر سے جو بھی نقصان کرے اس کا کوئی تاوان نہیں۔

۲۱۔اسی طرح دیت کو تکلیف ٹھیک ہونے تک موخر کرنے پر مشہور حدیث سے حجت پکڑا:

"أَنَّ رَجُلًا طَعَنَ اٰخَرَ فِي رُكْبَتِهِ بِقَرْنٍ، فَطَلَبَ الْقَوَدَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى يَبْرَأَ، فَأَبَى، فَأَقَادَهُ قَبْلَ أَنْ يَبْرَأَ"[1]۔

کسی آدمی نے دوسرے آدمی کے گھٹنے میں سینگ کو نچ دیا (گھسا دیا)، اس نے قصاص مانگا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا: اُسے ٹھیک ہوجانے دو، اس نے انکار کردیا، چنانچہ آپ ﷺ نے ٹھیک ہونے سے پہلے اسے قصاص دلوادیا۔الحدیث۔

لیکن انہوں نے کونچنے میں قصاص کی بابت اس حدیث کی مخالفت کی اور کہا کہ: کونچنے کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

۲۲۔اسی طرح اپنے بیٹے کی لونڈی یا ام ولد سے زنا کرنے والے سے حد کو ساقط کرنے کے لئے فرمان نبوی:

"أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ"[2]۔(تم اور تمہارا مال اپنے باپ کے لئے ہو)۔سے حجت پکڑا۔

لیکن انہوں نے حدیث کے معنیٰ ومدلول کی مخالفت کی اور کہا: باپ کو اپنے بیٹے کے مال میں سرے کوئی حق نہیں اور باپ کے لئے اپنے بیٹے کے مال میں سے پیلو کی مسواک بلکہ اس سے بھی کمتر کوئی چیز لینا جائز نہیں رکھا، بلکہ اس کا قرض نہ لوٹانے اور کچھ نقصان کرنے کے سبب اسے قید کرنا واجب قرار دیا ہے۔

۲۳۔اسی طرح موذن کے "قَدْ قَامَتْ الصَّلَاةُ" (نماز کھڑی ہوچکی ہے) کہنے پر امام کے اللہ اکبر کہنے پر بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لَا تَسْبِقْنِي بِآمِينَ"[3]۔

---

(۱) اسے امام احمد (۲/۲۱۷)، ودارقطنی (۳/۸۸) نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور دارقطنی (۳/۸۸-۸۹) نے جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، نیز دیکھئے: الدرایۃ، از حافظ ابن حجر (۲/۲۷۹)۔

(۲) اسے امام ابن ماجہ (حدیث ۲۲۹۱)، وطبرانی نے معجم صغیر (۲/۱۵۵) میں جابر رضی اللہ عنہ سے اور ابوداود (حدیث ۳۵۳۰)، ابن ماجہ (حدیث ۲۲۹۲) واحمد (۲/۲۲۹۱) نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے، اسی طرح طبرانی نے معجم صغیر (۱/۲۴) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے صحیح الجامع (حدیث ۱۴۹۸) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) ضعیف ہے، اسے امام ابوداود (حدیث ۹۳۷)، احمد (۶/۱۲، ۱۵)، اور بیہقی (۲/۳۲، ۵۶) نے روایت کیا ہے۔ ===

(مجھ سے آمین کہنے میں پہل نہ کرو)۔

نیز مروان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول:

''لَا تَسْبِقْنِي بِآمِينَ'' (مجھ سے آمین کہنے میں پہل نہ کرو) سے حجت قائم کی۔

پھر حدیث کی کھلم کھلا مخالفت کی اور کہا: امام و مقتدی کوئی آمین نہیں کہے گا۔

۲۴۔ اسی طرح سر کے چوتھائی حصہ کے مسح پر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا:

''أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعِمَامَتِهِ''[(۱)]۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیشانی اور پگڑی پر مسح کیا۔

پھر اس کے معنیٰ کی مخالفت کی اور کہا: پگڑی پر مسح کرنا جائز ہے' نہ سرے سے اس پر مسح کا کوئی اثر ہے' کیونکہ پیشانی پر مسح کرنے سے فرض ساقط ہوگیا، اور پگڑی پر مسح کرنا ان کے یہاں واجب یا مستحب کچھ نہیں ہے۔

۲۵۔ اسی طرح امام کی متابعت مستحب ہونے پر فرمان نبوی ﷺ سے استدلال کیا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ''۔

امام اسی لئے بنایا گیا ہے' تاکہ اس کی اقتدا کی جائے۔

کہا: امام کی اقتداء اس بات کی متقاضی ہے کہ بالکل اُسی جیسا عمل کیا جائے۔

پھر اسی حدیث کے معنیٰ و مدلول کی مخالفت کی، کیونکہ اس میں یہ بھی ہے:

''فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ''[(۲)]۔

=== اور انہوں نے یہ باب باندھا ہے: ''بَابُ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يُكَبِّرُ قَبْلَ فَرَاغِ الْمُؤَذِّنِ مِنَ الْإِقَامَةِ'' ان کا بیان جن کا کہنا ہے کہ موذن کے اقامت سے فارغ ہونے سے پہلے (امام) تکبیر کہے گا۔ علامہ البانی نے اسے ضعیف ابوداود (حدیث ۱۹۸) میں ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام طبرانی نے معجم کبیر (۱/ ۳۶۶) اور معجم اوسط (حدیث ۷۲۴۳) میں بھی روایت کیا ہے۔

(۱) محدثین کی جماعت نے مغیرہ کی حدیث روایت کی ہے، اور اس میں وضو، چمڑے کے دونوں موزوں، جوتوں اور پائتابوں پر مسح کا ذکر ہے، جبکہ پگڑی پر مسح کا ذکر امام مسلم (حدیث ۲۷۴)، ابوداود (حدیث ۱۵۰)، نسائی (حدیث ۱۰۹،۸۲) اور دیگر محدثین نے کیا ہے۔

(۲) مساوقت: کا معنیٰ متابعت اور تابعداری ہے، گویا ایک دوسرے کو لے کر چل رہا ہو، النہایۃ (۲/ ۴۲۳)، اور حدیث متفق علیہ ہے، اسے امام بخاری (حدیث ۷۷۳)، مسلم (حدیث ۴۱۱) اور دیگر لوگوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب ''سمع اللہ لمن حمدہ'' (اللہ نے اپنی حمد کرنے والے کی بات سنی) کہے تو تم ''ربنا ولک الحمد'' (اے ہمارے رب: تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں) کہو، اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

۲۶۔ اسی طرح نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا متعین (ضروری) نہ ہونے پر نماز میں غلطی کرنے والے کی حدیث سے حجت پکڑا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے کہا تھا: ''اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ'' (یعنی تمہیں قرآن سے جو بھی یاد ہو پڑھو)۔

پھر اس حدیث کے معنیٰ ومدلول کی صریح مخالفت کی، کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا:

''ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا

پھر خوب اطمینان سے رکوع کرو، پھر سر اٹھاؤ یہاں تک بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر خوب اطمینان سے سجدہ کرو۔

نیز اسی میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ''[1]۔

جاؤ پھر سے نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔

چنانچہ کہا: جس نے اطمینان ترک کر دیا اس کی بھی نماز ہوگئی، اطمینان کا حکم فرض اور لازم نہیں ہے! جبکہ اطمینان اور قراءت دونوں کا حکم حدیث میں یکساں ہے۔

۲۷۔ اسی طرح نماز میں جلسۂ استراحت ساقط کرنے کے لئے ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث[2] سے

---

(۱) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اسے امام بخاری (حدیث ۷۵۷)، مسلم (حدیث ۳۹۷) اور دیگر لوگوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۲) جلیل القدر صحابی ابوحمید الساعدی عبد الرحمن بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام ابو داود (حدیث ۷۳۰)، ابن ماجہ (حدیث ۱۰۶۱)، ترمذی (۳۰۴، و ۵/ ۴۲۴)، اور دارمی (حدیث ۱۳۰۷) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے صحیح ابو داود (حدیث ۶۷۰) میں صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس جلسہ کا ذکر کئے بغیر اس کا کچھ حصہ امام بخاری (حدیث ۸۲۸) نے بھی روایت کیا ہے، لیکن جلسۂ استراحت کو ابوحمید کے علاوہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے بھی صحیح بخاری (حدیث ۶۷۷) کی روایت میں صریح الفاظ میں روایت کیا ہے: ''يَجْلِسُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، قَبْلَ أَنْ يَنْهَضَ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى''۔ پہلی رکعت میں کھڑے ہونے سے پہلے جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو بیٹھتے۔

اسی طرح امام مسلم (حدیث ۶۷۴) اور دیگر لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔

استدلال کیا، کیونکہ انہوں نے جلسۂ استراحت کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اور پھر اُسی حدیث کے معنیٰ ومدلول رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کی مخالفت کی۔

۲۸۔اسی طرح نماز میں نبی کریم ﷺ پر درود کی فرضیت ساقط کرنے کرنے کے لئے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا:

''فَإِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ''[1]۔

جب تم نے یہ کہہ دیا تو تمہاری نماز مکمل ہوگئی۔

پھر حدیث کے اُسی معنیٰ ومدلول کی مخالفت کی اور کہا: وہ کہے یا نہ کہے اُس کی نماز مکمل ہے۔

۲۹۔اسی طرح جمعہ کے دن امام کے منبر پر ہوتے ہوئے بات چیت کے جواز پر نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کیا، جو آپ ﷺ نے مسجد میں داخل ہونے والے سے کہا تھا:

''أَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ قَبْلَ أَنْ تَجْلِسَ؟''۔

اے فلاں! کیا تم نے بیٹھنے سے پہلے نماز پڑھی؟

اس نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ''[2]۔(اٹھو دو رکعت پڑھو)۔

پھر اس کے معنیٰ ومدلول میں اُس کی مخالفت کی اور کہا: جو مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ بیٹھ جائے، نماز نہ پڑھے!

۳۰۔اسی طرح نماز میں رفع یدین کی کراہت پر اس حدیث سے استدلال کیا، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ان الفاظ کے ساتھ اسے امام ابوداود (حدیث ۹۷۰) نے روایت کیا ہے، جبکہ حدیث کو مذکورہ عبارت کے بغیر امام بخاری (حدیث ۸۳۱)، ومسلم (حدیث ۴۰۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور اس عبارت کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے جیسا کہ سنن ابو داود (حدیث ۸۵۶) میں ہے، اور اصل حدیث صحیح بخاری (حدیث ۷۵۷) ومسلم (حدیث ۳۹۷) وغیرہ میں ہے، اور امام ترمذی (حدیث ۳۰۲) نے ان الفاظ کے ساتھ رفاعہ بن رافع سے تشہد کی کیفیت کے بغیر روایت کیا ہے۔

(۲) متفق علیہ: صحیح بخاری (حدیث ۹۳۰)، ومسلم (حدیث ۸۷۵) نے ان الفاظ کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور مسجد میں داخل ہونے والے سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ تھے۔

”مَا بَالُهُمْ رَافِعِي أَيْدِيهِمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ“[1]۔

کیا بات ہے لوگ اپنے ہاتھوں کو ایسے اٹھائے رہتے ہیں گویا بدکنے والے گھوڑوں کی دُمیں ہوں۔

پھر اس حدیث کے مدلول کی مخالفت کی، کیونکہ اس میں یہ بھی ہے:

”إِنَّمَا يَكْفِي أَحَدَكُمْ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَى أَخِيهِ مِنْ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ“۔

بلکہ تم میں کسی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے بھائی کو یہ کہتے ہوئے سلام کرے: تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو، تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

چنانچہ کہا: سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں، اس کے بجائے نماز کو فاسد کرنے والا کوئی بھی عمل کافی ہے!!

۳۱۔ اسی طرح امام کا وضو ٹوٹ جانے پر اس کی جگہ دوسرے کو نماز پڑھانے کی بابت صحیح حدیث سے استدلال کیا، جس میں ہے:

”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَتَأَخَّرَ أَبُو بَكْرٍ، وَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى بِالنَّاسِ“[2]۔

کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے درانحالیکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کی امامت کر رہے تھے، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہو گئے اور نبی کریم ﷺ نے آگے بڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔

پھر اسی حدیث کے معنیٰ و مدلول کی مخالفت کی اور کہا: جو ایسا کرے گا اس کی نماز باطل ہو جائے گی! اور بعینہ رسول اللہ ﷺ، ابو بکر صدیق اور دیگر موجود صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا عمل کرنے والوں کی نماز کو باطل قرار دیا! چنانچہ حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال کیا جو اس کا مدلول نہیں ہے، اور جو اس کا صحیح مدلول ہے اس پر عمل باطل قرار دیا۔

۳۲۔ اسی طرح اپنے قول ”اگر امام کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا“ پر نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث سے استدلال کیا، جس میں ہے:

---

(۱) اسے امام مسلم (حدیث ۴۳۱)، ابوداود (حدیث ۹۹۸)، نسائی (حدیث ۱۱۸۴)، اور احمد (۵/ ۸۶) نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۲) متفق علیہ بروایت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ، بخاری (حدیث ۶۸۴)، ومسلم (حدیث ۴۲۱) وغیرہ۔

''أَنَّهُ خَرَجَ فَوَجَدَ أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ قَائِمًا، فَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَجَلَسَ وَصَلَّى بِالنَّاسِ، وَتَأَخَّرَ أَبُو بَكْرٍ''(۱)۔

کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو دیکھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو کھڑے ہو کر نماز پڑھا رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ آگے بڑھے اور لوگوں کو نماز پڑھائی، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہو گئے۔

پھر حدیث ہی کے مدلول کی مخالفت کی اور کہا: اگر امام حدث (ناقض وضو) کے علاوہ کسی وجہ سے پیچھے ہٹے اور دوسرا آگے بڑھ جائے تو دونوں اماموں اور تمام مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی!!

۳۳۔اسی طرح اس شخص کے روزہ کے باطل ہونے پر جو رات سمجھ کر کھاتا رہے پھر معلوم ہو کہ دن ہو چکا ہے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کیا:

''إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ''(۲)۔

بلال رات میں اذان دیتے ہیں لہذا کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔

پھر حدیث ہی کے مدلول کی مخالفت کی، اور کہا: نماز فجر کی اذان رات میں دینا جائز نہیں خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان، اور ایک دوسرے اعتبار سے بھی مخالفت کی کیونکہ اسی حدیث میں یہ بھی ہے:

''وَكَانَ ابْنُ مَكْتُومٍ رَجُلًا أَعْمَى لَا يُؤَذِّنُ حَتَّى يُقَالَ لَهُ: أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ''۔

ابن ام مکتوم نابینا آدمی تھے وہ اذان نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ ان سے کہا جاتا: تم نے صبح کر دی، تم نے صبح کر دی۔

جبکہ ان لوگوں کے یہاں یہ ہے کہ: جو اس وقت کھائے گا اس کا روزہ باطل ہو جائے گا۔

۳۴۔اسی طرح پاخانہ کی حالت میں قبلہ کا استقبال یا استدبار کرنے کی ممانعت پر نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا''(۳)۔

---

(۱) متفق علیہ بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، بخاری (حدیث ۶۸۷)، و مسلم (حدیث ۴۱۸) وغیرہ۔

(۲) متفق علیہ بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، بخاری (حدیث ۶۱۷)، و مسلم (حدیث ۱۰۹۲) وغیرہ۔

(۳) متفق علیہ بروایت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، بخاری (حدیث ۱۴۴)، و مسلم (حدیث ۲۶۴) وغیرہ۔

پیشاب و پاخانہ کی حالت میں قبلہ کا استقبال کرو نہ استدبار (آگے یا پیچھے کی سمت میں قبلہ نہ کرو)۔

ان لوگوں نے اسی حدیث کی مخالفت کی اور پیشاب کی حالت میں استقبال واستدبار جائز قرار دیا!!

۳۵۔اسی طرح اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہ ہونے پر عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سے دلیل پیش کیا:

''أَنَّهُ نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُوفِيَ بِنَذْرِهِ''[(۱)]۔

کہ انہوں نے جاہلیت میں نذر مانا تھا کہ ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کریں گے،تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔

یہ لوگ اس حدیث کے قائل نہیں ہیں،کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ کافر کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی،اور اسلام کے بعد اس کا پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

۳۶۔اسی طرح انہوں نے رد[(۲)] یعنی تقسیم میراث کے بعد باقیماندہ حصہ کو دوبارہ تقسیم کرنے پر اس حدیث سے استدلال کیا:

''تَحُوزُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَ مَوَارِيثَ: عَتِيقَهَا، وَلَقِيطَهَا، وَوَلَدَهَا الَّذِي لَاعَنَتْ عَلَيْهِ''[(۳)]۔

---

(۱) متفق علیہ بروایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما،بخاری (حدیث ۲۰۳۲)،ومسلم (حدیث ۱۶۵۶) وغیرہ۔

(۲) الرد: عربی زبان میں پھیرنے اور لوٹانے کو کہتے ہیں۔اور اصطلاح میں: اہل فروض کے فرضوں (حصوں) سے جو مال بچ جائے اور عصبوں میں سے کوئی اس کا مستحق نہ ہو اُسے ان کے حقوق کے بقدر انہی میں لوٹانے کا نام رد ہے،التعریفات،از جرجانی (ص ۱۴۷)۔

(۳) اسے بلفظ ''تحرز'' امام ابو داود (حدیث ۲۹۰۶) نے روایت کیا ہے،اور بلفظ ''تحوز'' امام ترمذی (حدیث ۲۱۱۵) نے روایت کیا ہے،اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے صرف اسی طریق سے بروایت محمد بن حرب معروف ہے۔نیز اسے امام ابن ماجہ (حدیث ۲۷۴۲)،اور احمد (۳/ ۴۹۰، ۴/ ۱۰۷) نے روایت کیا ہے،اس کی سند میں عمر بن رؤبہ تغلبی صدوق ہے،تقریب التہذیب (۴۸۹۵)۔لہٰذا ان کا تفرد قبول نہیں کیا جائے گا۔اور امام بخاری فرماتے ہیں: فیہ نظر،التاریخ الکبیر (۶/ ۱۵۵/ ۲۰۰۸)،اور ابن حبان نے اسے الثقات (۷/ ۱۷۵) میں ذکر کیا ہے،اور ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل میں فرماتے ہیں: میں نے اس کے بارے میں والد صاحب (ابو حاتم) سے پوچھا تو انہوں فرمایا: صالح الحدیث ہے،میں نے پھر پوچھا: کیا وہ قابل حجت ہے؟ فرمایا: نہیں،لیکن ٹھیک ہے۔اور امام بیہقی السنن الکبری (۶/ ۲۴۰) میں اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ثابت نہیں ہے''۔اور امام حاکم نے (۴/ ۳۴۱) روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے،اسی طرح اس حدیث کو واثلہ بن اسقع نے بھی روایت کیا ہے۔

لیکن ملاعنہ کے بیٹے کی میراث کے بارے میں ایک حدیث آئی ہے جسے امام ابو داود (حدیث ۲۵۲۴)،اور دارمی (حدیث ۲۹۶۷) نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور علامہ البانی نے اسے صحیح ابو داود (حدیث ۲۵۲۴) میں صحیح قرار دیا ہے۔

عورت تین طرح کی وراثت پائے گی: اپنے آزاد کردہ غلام کے مال کی، حاصل کردہ لقیط (راستے وغیرہ میں پھینکا ہوا بچہ، جسے اُس نے اٹھالیا ہو) کے مال کی، اور اپنے بچے کی، جس کی وجہ سے اس نے لعان کیا ہے۔

لیکن یہ لوگ عورت کے لئے اُس کے حاصل کردہ لقیط کے مال کی بابت اس حدیث کے قائل نہیں ہیں، جبکہ عمر بن خطاب اور اسحاق بن راہویہ کا یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے [1]۔

۳۷۔اسی طرح ذوی الارحام (رشتے ناطے والوں) کو حق وراثت دینے کی بابت اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں ہے:

''الْتَمِسُوا لَهُ وَارِثًا أَوْ ذَا رَحِمٍ'' فَلَمْ يَجِدُوا، فَقَالَ ﷺ: ''أَعْطُوهُ الْكُبْرَ مِنْ خُزَاعَةَ'' [2]۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا کوئی وارث یا رشتہ دار تلاش کرو، لوگوں نے تلاش کیا، کوئی نہ ملا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ مال بنوخزاعہ کے عمر رسیدہ (جو ان کے جد اعلیٰ سے قریب تر ہو) کو دیدو۔

لیکن یہ لوگ اس حدیث کے قائل نہیں ہیں، کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مال اُس کے قبیلہ کے سب سے بزرگ کو دیدیا جائے۔

---

(۱) یہ حدیث ثابت نہیں ہے، ابن قدامہ فرماتے ہیں (المغنی ۱۹/ ۱۱۸): عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ملاعنہ کے بیٹے کی میراث کو اس کی ماں سے ملحق کیا ہے، اور یہ بات ملاعنہ کے بارے میں ثابت ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

(۲) اسے امام ابوداود (حدیث ۲۹۰۳) اور احمد (۵/ ۳۴۷) نے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس میں شریک بن عبداللہ اور ابوبکر جبریل بن احمر ہیں، یہ دونوں صدوق ہیں غلطی کرتے ہیں، اور ان کی کوئی متابعت کرنے والا نہیں ہے۔ اور دوسری حدیث کو امام ابوداود (حدیث ۲۹۰۲) ترمذی (حدیث ۱۰۵) ، ابن ماجہ (۲۷۳۳) ، اور احمد (۶/ ۱۸۱،۳۷) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

''أَنَّ مَوْلًى لِلنَّبِيِّ ﷺ مَاتَ، وَتَرَكَ شَيْئًا وَلَمْ يَدَعْ وَلَدًا، وَلَا حَمِيمًا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ''أَعْطُوا مِيرَاثَهُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ قَرْيَتِهِ''،

وَفِي رِوَايَةٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ''هَاهُنَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ أَرْضِهِ؟'' قَالُوا: نَعَمْ. قَالَ: ''فَأَعْطُوهُ مِيرَاثَهُ''.

کہ نبی کریم ﷺ کے ایک آزاد کردہ غلام کی موت ہوگئی، اس نے کچھ مال چھوڑا، لیکن اس کی کوئی اولاد یا قریبی دوست بھی نہ تھا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کی میراث اس کے گاؤں کے کسی آدمی کو دیدو، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا یہاں کوئی اس کی سرزمین کا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کی میراث اسے دیدو''۔

اسے علامہ البانی نے صحیح ابوداود (۲۵۲۲) میں صحیح قرار دیا ہے۔

۳۸۔اسی طرح قاتل کو مقتول کی وراثت سے محروم قرار دینے کی بابت عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ کی حدیث سے استدلال کیا جس میں ہے:

''لَا يَرِثُ قَاتِلٌ، وَلَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ''[1]۔

قاتل مقتول کا وارث ہو گا' نہ کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا۔

لیکن یہ حدیث کے آغاز کی بات کے قائل ہیں' بعد کی بات کے نہیں!

۳۹۔اسی طرح حضر میں اگر نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو پانی کے ہوتے ہوئے تیمم کے جواز پر نبی کریم ﷺ کے تیمم کے بارے میں ابوجہیم بن حارث کی حدیث[2] سے استدلال کیا ہے۔

---

(۱) ان الفاظ کے ساتھ مجھے یہ روایت نہیں مل سکی، البتہ اس کے دوسرے حصہ کو امام ابوداود (حدیث ۴۵۳۱)، ابن ماجہ (حدیث ۲۶۴۶) احمد (۱/ ۴۹) اور امام مالک (حدیث ۱۶۲۰) نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے:

''قَتَلَ رَجُلٌ ابْنَهُ عَمْدًا، فَرُفِعَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَجَعَلَ عَلَيْهِ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ: ثَلَاثِينَ حِقَّةً، وَثَلَاثِينَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعِينَ ثَنِيَّةً، وَقَالَ: لَا يَرِثُ الْقَاتِلُ، وَلَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: ''لَا يُقْتَلُ وَالِدٌ بِوَلَدِهِ'' لَقَتَلْتُكَ''۔

ایک شخص نے اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کر دیا، معاملہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو انہوں نے اس پر بطور دیت سو اونٹ عائد کیا، تیس حقہ (اونٹنی جو تین سال مکمل کر کے چوتھے میں داخل ہو)، تیس جذعہ (اونٹنی جو چار سال مکمل کر کے پانچویں میں داخل ہو) اور چالیس ثنیہ (اونٹنی جو پانچ سال مکمل کر کے چھٹے میں داخل ہو)، اور فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے نہ سنا ہوتا: ''کہ باپ کو بیٹے کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا'' تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔

اور اس کا کچھ حصہ امام ترمذی (حدیث ۱۴۰۰)، اور ابن ماجہ (حدیث ۲۶۶۲) نے روایت کیا ہے، اس میں حجاج بن ارطاۃ ضعیف ہے۔اور حدیث کے پہلے حصہ کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ امام ابو داود (حدیث ۴۵۶۴) نے روایت کیا ہے۔اسی طرح اس کے بعض حصہ کو امام نسائی (حدیث ۴۸۰۱) نے روایت کیا ہے' لیکن اس میں محل شاہد نہیں ہے، نیز امام دارمی (حدیث ۳۰۸۰) نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام ترمذی (حدیث ۲۱۰۹)، وابن ماجہ (حدیث ۲۶۴۵) نے روایت کیا ہے، اور حدیث کے کئی شواہد ہیں جن سے اسے قوت ملتی ہے۔اور دوسرے حصہ کو امام ترمذی (حدیث ۱۴۱۳)، ابن ماجہ (حدیث ۲۶۵۹)، اور احمد (۲/ ۱۸۰) نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے۔نیز امام بخاری (حدیث ۱۱۱)، ترمذی (حدیث ۱۴۱۲)، نسائی (حدیث ۴۷۳۵)، اور ابن ماجہ (حدیث ۳۶۵۸) وغیرہ نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب ان سے پوچھا گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل بیت کو کون سی خاص باتیں بتلائی ہیں، جسے حدیث صحیفہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

(۲) ابوجہیم: یہ عبداللہ بن حارث بن صمہ انصاری صحابی ہیں، رضی اللہ عنہ۔اور حدیث کو امام بخاری (حدیث ۳۳۷)، و مسلم (حدیث ۳۶۹) وغیرہ نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

===

لیکن پھر اسی حدیث کے مدلول میں دو جگہوں پر مخالفت کی ہے:

۱۔ یہ کہ آپ ﷺ نے صرف اپنے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کیا، دونوں بازوؤں کا نہیں۔

۲۔ ان کے یہاں بے وضو شخص کے لئے سلام کا جواب دینا مکروہ نہیں ہے اور نہ ہی سلام کا جواب دینے کے لئے تیمم کرنا مستحب ہے۔

۴۰۔ اسی طرح استنجاء کے لئے دو ڈھیلوں پر اکتفا کرنے کے جواز پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا:

''أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ذَهَبَ لِحَاجَتِهِ، وَقَالَ لَهُ: ''ائْتِنِي بِأَحْجَارٍ''، فَأَتَاهُ بِحَجَرَيْنِ وَرَوْثَةٍ، فَأَخَذَ الْحَجَرَيْنِ وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ، وَقَالَ: ''هٰذِهِ رِكْسٌ''''[1]۔

کہ رسول اللہ ﷺ قضاء حاجت (استنجاء) کے لئے تشریف لے گئے اور ان سے کہا: میرے پاس کچھ ڈھیلے لے کر آؤ، وہ دو ڈھیلے اور ایک گوبر لے کر آئے، تو آپ ﷺ نے دونوں ڈھیلے لئے اور گوبر پھینک دیا، اور فرمایا: ''یہ ناپاک ہے''۔

لیکن ان لوگوں نے اس حدیث میں جو چیز نص صریح ہے اس کی مخالفت کی، یعنی گوبر سے استنجاء جائز قرار دیا، اور اس سے استنجاء کے لئے دو ڈھیلوں پر اکتفا کرنے کے جواز پر استدلال کیا' جس پر حدیث دلالت ہی نہیں کرتی۔

۴۱۔ اسی طرح عورت کو چھونے سے وضو نہ ٹوٹنے پر نبی کریم ﷺ کے اپنی نواسی امامہ بنت ابو العاص بن الربیع کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھنے سے استدلال کیا: جنہیں آپ ﷺ حالت قیام میں اٹھا لیتے اور رکوع اور سجدہ میں اتار دیتے''[2]۔

=== ''أَقْبَلَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ، فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ''۔

نبی کریم ﷺ جمل کے کنوئے کی جانب سے آرہے تھے' آپ سے ایک شخص نے ملاقات کی اور سلام کیا تو نبی ﷺ نے اس کا جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ دیوار کے پاس آئے اور (اس پر ہاتھ مار کر) اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مسح کیا، پھر اس کے سلام کا جواب دیا۔

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۱۵۶)، ترمذی (حدیث ۱۷)، اور نسائی (حدیث ۴۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور الفاظ نسائی کے ہیں۔

(۲) متفق علیہ بروایت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ، صحیح بخاری (حدیث ۵۱۶)، ومسلم (حدیث ۵۴۳) وغیرہ۔

اور پھر کہا: اس طرح نماز پڑھانے والے کی نماز باطل ہو جائے گی اور مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہو جائے گی!!

بعض اہل علم کہتے ہیں:

بڑی حیرت ہے ان پر کہ یہ لوگ اس نماز کو تو باطل قرار دیتے ہیں، اور جو ﴿مُدْهَآمَّتَانِ ۝﴾ [الرحمٰن: ۶۴]۔ (دونوں گہری سبز سیاہی مائل ہیں)۔ کا فارسی ترجمہ پڑھے، ایک سانس کے برابر رکوع کرے، تلوار کی دھار کے بقدر سر اُٹھائے یا سرے سے نہ اٹھائے، ویسے ہی سجدہ میں گر جائے، اپنے دونوں ہاتھوں اور پیروں کو زمین پر نہ رکھے۔ بلکہ ممکن ہو تو گھٹنے بھی نہ رکھے، تو بھی درست ہے۔ نہ ہی پیشانی رکھے، بلکہ صرف ناک کی ٹھور کو ایک سانس کے بقدر زمین سے لگا لے تو بھی کافی ہے، پھر تشہد کے بقدر بیٹھے، اور پھر نماز کے منافی کوئی حرکت کر دے' مثلاً ہوا خارج کر دے، یا پاد مارے یا ہنس دے' یا اس طرح کوئی اور کام کرے تو اس کی نماز کو صحیح قرار دیتے ہیں!!

۴۲۔ اسی طرح استبراء رحم سے پہلے قید کی گئی لونڈی یا مملوکہ باندی سے صحبت کرنے کی حرمت پر نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا، جس نے آپ ﷺ نے فرمایا:

''لَا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ، وَلَا حَائِلٌ حَتَّى تُسْتَبْرَأَ بِحَيْضَةٍ''[1]۔

حاملہ لونڈی سے صحبت نہ کی جائے' تا آنکہ بچہ پیدا ہو جائے، نہ ہی غیر حاملہ سے تا آنکہ ایک حیض انتظار کر لیا جائے۔

پھر اس کی صریح مخالفت کی اور کہا: اگر مالک اُسے آزاد کر دے جبکہ اس کے شوہر نے گذشتہ شب اس سے صحبت کی ہو' تو دوسرے شوہر کے لئے آج شب اس سے صحبت کرنا حلال ہے۔

۴۳۔ اسی طرح خالہ کے لئے پرورش کے ثبوت کے لئے اس حدیث سے استدلال کیا، جس میں حمزہ کی بیٹی کا ذکر ہے' کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی بابت اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ فرمایا[2]۔

(۱) صحیح ہے۔ اسے امام ابوداود (حدیث ۲۱۵۷)، دارمی (حدیث ۲۲۹۵)، حاکم (۲/ ۱۹۵)، احمد (۳/ ۶۲) اور بیہقی (۷/ ۴۴۹، ۹/ ۱۲۴) نے روایت کیا ہے، اور امام بیہقی نے کہا ہے: اسے شعبی نے نبی کریم ﷺ سے مرسلاً روایت کیا ہے، نیز اسے امام بغوی نے شرح السنۃ (۹/ ۳۱۹) اور طبرانی نے معجم اوسط (حدیث ۱۹۷۳) میں روایت کیا ہے۔ نیز حاملہ سے صحبت کی ممانعت کو امام دار قطنی (۳/ ۲۵۷) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور اسی طرح طبرانی نے معجم اوسط (حدیث ۴۷۹) میں روایت کیا ہے، اسی طرح اسے طبرانی نے معجم کبیر (۲۲/ ۲۱۰-۲۱۱) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور (۲۲/ ۲۱۳) میں ابوثعلبہ خشنی سے روایت کیا ہے۔ اور علامہ البانی نے اسے إرواء الغلیل (۱/ ۲۰۰-۲۰۳) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) اسے امام بخاری (حدیث ۲۷۰۰) اور ترمذی (حدیث ۱۹۰۴) نے مختصراً صلح حدیبیہ کے واقعہ میں براء بن عازب سے روایت کیا ہے، ===

پھر اس کی مخالفت کی اور کہا: اگر خالہ لڑکی کے کسی غیر محرم سے نکاح کر لے مثلاً اس کے چچازاد بھائی سے، تو اس کی پرورش کا حق ساقط ہو جائے گا۔

۴۴۔ اسی طرح دو غلام بھائیوں میں جدائیگی کرنے (مثلاً دونوں کو الگ مالکان سے فروخت کرنے) کی ممانعت پر علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا[1]، جس میں نبی کریم ﷺ نے انہیں دونوں کو جدا کرنے سے منع فرمایا تھا۔

پھر اس کی مخالفت کی اور کہا: اگر ایسا ہو جائے تو سودا لوٹایا نہیں جائے گا، جبکہ حدیث میں لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔

=== کہ رسول اللہ ﷺ نے حمزہ بن عبد المطلب کی بیٹی عمارہ یا امامہ جس کی کنیت ام الفضل ہے، کی دیکھ ریکھ اور پرورش کی ذمہ داری اس کی خالہ جعفر بن ابی طالب کی بیوی اسماء بنت عمیس کو دی، اور فرمایا: "الخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الأُمِّ"۔ (خالہ ماں کے درجہ میں ہے)

نیز اس میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ"۔ (یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے)

(۱) اسے امام ترمذی (حدیث ۱۲۸۴)، ابن ماجہ (حدیث ۲۲۴۹)، احمد (۱/ ۹۸، ۱۰۲)، حاکم (۲/ ۵۴)، دارقطنی (۳/ ۶۶)، اور بیہقی (۹/ ۱۲۷) نے روایت کیا ہے۔ اور مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں:

"أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ أَبِيعَ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ، فَبِعْتُهُمَا، وَفَرَّقْتُ بَيْنَهُمَا، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: "**أَدْرِكْهُمَا فَأَرْجِعْهُمَا، وَلَا تَبِعْهُمَا إِلَّا جَمِيعًا**"۔

مجھے رسول اللہ ﷺ نے دو غلاموں کو جو آپس میں بھائی تھے بیچنے کا حکم دیا، چنانچہ میں نے انہیں الگ الگ مالکان سے بیچ دیا، نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جلدی جا کر ان دونوں کو واپس لے لو اور دونوں کو ایک ساتھ بیچو"۔

اس کی سند بطریق حکم ابن عتیبہ عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن علی صحیح ہے۔

اور ترمذی و ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں:

"وَهَبَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ فَبِعْتُ أَحَدَهُمَا، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "**يَا عَلِيُّ مَا فَعَلَ غُلَامُكَ**" فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: "**رُدَّهُ رُدَّهُ**"۔

رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو غلام بطور ہبہ دیے جو آپس میں بھائی تھے، چنانچہ میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: "علی! تمہارا غلام کہاں گیا؟" میں نے آپ کو ماجرا بتایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے واپس لے لو، اسے واپس لے لو"۔

یہ حجاج بن ارطاۃ عن الحکم عن میمون بن ابی شبیب علی کے طریق سے ہے۔ امام دارقطنی العلل میں فرماتے ہیں: "ہو سکتا ہے حکم نے اسے عبد الرحمن بن میمون سے بھی سنا ہو، چنانچہ ایک مرتبہ اس سے روایت کیا ہو، اور ایک مرتبہ اس سے"، علامہ احمد شاکر فرماتے ہیں: امام دارقطنی نے جو بات کہی ہے وہی صحیح اور طے ہے۔

۴۵۔اسی طرح مسلمان اور ذمی کافر کے مابین قصاص نافذ ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا،جس میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی کو مسلمان سے قصاص دلوایا' جس نے اُسے طمانچہ رسید کیا تھا(۱)۔

پھر اس کی مخالفت کی،اور کہا:طمانچہ اور مار میں قصاص ہے ہی نہیں'خواہ دونوں مسلمان ہوں،یا ایک مسلمان اور دوسرا کافر ہو۔

۴۶۔اسی طرح غلام اور اس کے مالک کے درمیان قصاص نہ ہونے پر نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا: ''مَنْ لَطَمَ عَبْدَهُ فَهُوَ حُرٌّ''(۲)۔

---

(۱) مجھے علم نہ ہوسکا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی یہودی کو طمانچہ رسید کے سبب مسلمان سے قصاص لیا ہو البتہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس مسلمان کے بارے میں ثابت ہے جس نے''وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْعَالَمِينَ'' (اللہ کی قسم! جس نے سارے جہانوں میں موسیٰ علیہ السلام کو منتخب فرمایا) کہنے کے سبب یہودی کو طمانچہ مارا تھا،اسے امام بخاری (حدیث ۲۴۱۱)،ومسلم (حدیث ۲۳۷۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے،اور اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان سے قصاص نہیں لیا' بلکہ آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت دینے کے سبب اس مسلمان پر ناراض ہوئے۔امام شوکانی نے نیل الأوطار (۷/ ۱۸) میں جمہور کے اس قول پر کہ مسلمان سے کافر کا قصاص نہیں لیا جائے گا،فرماتے ہیں:اس کی تائید یہودی کے اس واقعہ سے ہوتی ہے جسے مسلمان نے اس لئے طمانچہ مارا تھا کہ اس نے کہا:''لا، وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ'(اللہ کی قسم! جس نے موسیٰ علیہ السلام کو ساری انسانیت پر فضیلت بخشی) چنانچہ اتنا سنتے ہی مسلمان نے طمانچہ رسید کردیا،کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے قصاص ثابت نہیں فرمایا،جیسا کہ صحیح میں ہے،اور یہ حدیث کوفیوں کے خلاف حجت ہے'کیونکہ وہ طمانچہ کے سبب قصاص ثابت کرتے ہیں'بات ختم ہوئی۔

اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف (۹/ ۴۶۱-۴۶۲) میں حسن،قتادہ،شبرمہ،ابن ابی لیلیٰ اور سفیان سے روایت کیا ہے کہ طمانچہ اور گھونسا مارنے میں قصاص نہیں ہے،اور سفیان اسے''ہمارے اصحاب کہا کرتے تھے'' کہہ کر نقل کرتے ہیں۔

(۲) اسے امام مسلم (حدیث ۱۶۵۷)،ابوداود (حدیث ۵۱۶۸)،احمد (۲/ ۲۵،۴۵،۶۱)،اور امام بخاری نے الادب المفرد (حدیث ۱۳۳) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے:''مَنْ لَطَمَ مَمْلُوكَهُ، أَوْ ضَرَبَهُ، فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُعْتِقَهُ''۔

جو اپنے غلام کو طمانچہ مارے یا پیٹے،اس کا کفارہ یہ ہے کہ اُسے آزاد کردے۔

نیز امام مسلم (حدیث ۱۶۵۹)،ترمذی (حدیث ۱۹۴۸)،ابوداود (حدیث ۵۱۵۹)،اور احمد (۵/ ۲۷۳،۲۷۴) نے ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:کہ جب انہوں نے اپنے غلام کو مارا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے سے ان سے کہا:''أَبَا مَسْعُودٍ، لَلَّهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ''ابومسعود!اس پر تمہاری قدرت سے زیادہ اللہ تم پر قادر ہے،انہوں نے گھوم کر دیکھا اور کہا:وہ اللہ کے واسطے آزاد ہے،تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ'' خبردار!اگر تم نے ایسا نہ کیا ہوتا تو جہنم تمہیں جھلسا کر رکھ دیتی۔

اور اسی طرح سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ جس خادمہ کو انہوں نے مارا ہے اُسے آزاد کردیں۔اسے بھی امام مسلم (حدیث ۱۶۵۸)،ابوداود (حدیث ۵۱۶۶)،ترمذی (حدیث ۱۵۴۲)،احمد (۳/ ۴۴۷) اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے۔

جس کسی نے اپنے غلام کو طمانچہ مارا' تو وہ آزاد ہے۔

پھر اس کی مخالفت کی اور کہا: اس کی وجہ سے آزاد نہیں ہوگا۔

نیز اس حدیث سے بھی استدلال کیا جس میں ہے:

''مَنْ مَثَّلَ بِعَبْدِهِ عَتَقَ عَلَيْهِ''[1]۔

جس کسی نے اپنے غلام کا کوئی عضو کاٹ دیا' تو وہ آزاد ہے۔

کہا: نبی کریم ﷺ نے اُس پر قصاص واجب نہیں کیا۔

---

(۱) اسے امام احمد (۲ / ۱۸۲) نے بطریق ابن جریج عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ روایت کیا ہے:

''أَنَّ زِنْبَاعًا أَبَا رَوْحٍ وَجَدَ غُلَامًا لَهُ مَعَ جَارِيَةٍ لَهُ، فَجَدَعَ أَنْفَهُ وَجَبَّهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: ''مَنْ فَعَلَ هَذَا بِكَ؟'' قَالَ: زِنْبَاعٌ، فَدَعَاهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: ''مَا حَمَلَكَ عَلَى هَذَا؟'' فَقَالَ: كَانَ مِنْ أَمْرِهِ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْعَبْدِ: ''اذْهَبْ فَأَنْتَ حُرٌّ''، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَمَوْلَى مَنْ أَنَا؟ قَالَ: ''مَوْلَى اللهِ وَرَسُولِهِ''، فَأَوْصَى بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُسْلِمِينَ''.

کہ زنباع ابو روح نے ایک غلام کو لونڈی کے ساتھ پایا تو اس کی ناک اور اس کا عضو تناسل کاٹ دیا، چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے پوچھا: تمہارے ساتھ ایسا کس نے کیا؟ کہا: زنباع نے۔ آپ ﷺ نے انہیں بلوایا، اور پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا: اُس نے ایسی ایسی حرکت کی تھی، تو نبی کریم ﷺ نے غلام سے کہا: جاؤ تم آزاد ہو! تو اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میں کس کا مولی ہوں گا؟ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مولی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں مسلمانوں کو وصیت (تاکید) فرمائی۔

جب: یعنی عضو تناسل کاٹ دیا۔ اور جدع أنفہ: یعنی اس کی ناک کاٹ دیا۔ اور ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مولی'' کا معنی یہ ہے کہ اس کا ولاء تمام مسلمانوں کا ہے' اس طرح نبی کریم ﷺ نے ولاء کی بنیاد پر اس کے مالک کا اختیار ختم کردیا۔ اس غلام کا نام سندر تھا۔ اور زنباع: ابن سلامہ جزامی ہیں۔

نیز اسے امام احمد نے بطریق حجاج عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ بھی روایت کیا ہے (۲ / ۲۲۵)۔ اسی طرح امام ابوداود (حدیث ۴۵۱۹) نے بطریق ابوحمزہ روایت کیا ہے، لیکن اس میں انہوں نے کہا ہے کہ جس کو آزاد کیا گیا تھا اس کا نام روح بن دینار تھا، اور جس نے اس کا عضو تناسل کاٹا تھا ان کا نام زنباع تھا۔ اسے علامہ البانی نے صحیح ابوداود (حدیث ۳۷۸۹) میں حسن قرار دیا ہے۔

اور علامہ ہیثمی نے حدیث کو بروایت عبداللہ ابن سندر عن سندر ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: اسے بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عبداللہ بن سندر ہے' میں اسے نہیں جان سکا، بقیہ راویان ثقہ ہیں۔ نیز اسے امام بیہقی نے (۸ / ۳۶) بطریق المثنی بن صباح روایت کیا ہے، جو ضعیف ہے جیسا کہ امام بیہقی نے فرمایا ہے۔ اسی طرح حاکم نے مستدرک (۴ / ۳۶۸) میں بطریق حمزہ جزری نصیبی عن عمرو بن دینار عن ابن عمر مرفوعاً روایت کیا ہے:

''مَنْ مَثَّلَ بِعَبْدِهِ فَهُوَ حُرٌّ وَهُوَ مَوْلَى اللَّهِ وَرَسُولِه''۔

جو کوئی اپنے غلام کا عضو کاٹ دے تو وہ غلام آزاد ہے' اور وہ اللہ اور اس کے رسول کا مولی ہے۔

اور حمزہ کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: متروک ہے' تقریب التھذیب (۱۵۱۹)۔

پھر اس کی مخالفت کی اور کہا: اس کی وجہ سے آزاد نہیں ہوگا۔

۴۷۔ اسی طرح عمرو بن شعیب کی حدیث:

''فِي الْعَيْنِ نِصْفُ الدِّيَةِ''[1]۔ (آنکھ میں آدھی دیت ہے)۔

سے استدلال کیا۔

پھر کئی جگہوں پر اس کی مخالفت کی، ان میں سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''وَفِي الْعَيْنِ الْقَائِمَةِ السَّادَّةِ لِمَوْضِعِهَا ثُلُثُ الدِّيَةِ''۔

صحیح سالم اپنی جگہ پر بھری ہوئی آنکھ میں ایک تہائی دیت ہے۔

نیز ارشاد ہے:

''فِي السِّنِّ السَّوْدَاءِ ثُلُثُ الدِّيَةِ''[2]۔

سیاہ دانت میں ایک تہائی دیت ہے۔

۴۸۔ اسی طرح اولاد میں ایک دوسرے پر فضیلت دینے کے جواز پر نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا، جس میں ہے:

---

(۱) اسے امام احمد (۲/ ۲۲۴،۲۱۷) نے تفصیل سے اور ابو داود (حدیث ۴۵۶۷) نے مختصراً روایت کیا ہے، اس میں ہے:

''وَفِي الْعَيْنِ الْقَائِمَةِ السَّادَّةِ لِمَوْضِعِهَا ثُلُثُ الدِّيَةِ''۔

صحیح سالم اپنی جگہ پر بھری ہوئی آنکھ میں ایک تہائی دیت ہے۔

اور نسائی (حدیث ۴۸۴۰) نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

''أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَضَى فِي الْعَيْنِ الْعَوْرَاءِ السَّادَّةِ لِمَكَانِهَا إِذَا طُمِسَتْ بِثُلُثِ دِيَتِهَا''۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جگہ بھری ہوئی کانی آنکھ کو مسخ کر دیے جانے میں ایک تہائی دیت کا فیصلہ فرمایا ہے۔

ابو داود کی روایت غیر واضح ہے نسائی کی روایت میں اس کی وضاحت ہے، جبکہ معنیٰ دونوں میں ہے، اور مسند احمد کی روایت میں ہے:

''کانی آنکھ کو اگر پوری طرح ختم کر دیا جائے تو اس میں ایک تہائی دیت ہے اور صحیح سالم آنکھ میں آدھی دیت ہے''۔ نیز اسے امام نسائی (حدیث ۴۸۵۳) نے ابو بکر بن محمد بن عمرو ابن حزم عن أبیہ عن جدہ روایت کیا ہے کہ: ''دونوں آنکھوں کی دیت مکمل ہے''۔ اور حدیث کی کئی روایتیں ذکر کی ہیں ان میں سے کچھ زہری سے مرسل ہیں، کچھ ابو بکر سے مرسل ہیں، اور عمرو بن حزم کا خط فقہاء کے یہاں مشہور ہے، اسے امام مالک (حدیث ۱۶۰۱) اور دارمی (حدیث ۲۳۶۶) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو علامہ احمد شاکر نے مسند احمد (حدیث ۷۰۳۳) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) اس سے پیشتر حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

”أَشْهِدْ عَلَى هَذَا غَيْرِي“[1]۔

اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بناؤ۔

پھر اس کی صریح مخالفت کی، کیونکہ اسی حدیث میں ہے:

”إِنَّ هَذَا لَا يَصْلُحُ“[2]، وَفِي لَفْظٍ: ”إِنِّي لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ“[3]۔

یہ درست نہیں ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے: میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔

چنانچہ انہوں نے کہا: یہ درست ہے، ظلم نہیں ہے، اور ہر ایک کو گواہی دینے کا اختیار ہے۔

۴۹۔ اسی طرح نجاست پانی کے علاوہ دیگر سائل چیزوں سے زائل ہوتی ہے، پر اس حدیث سے استدلال کیا، جس میں ہے:

”إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمُ الْأَذَى بِنَعْلَيْهِ فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُمَا طَهُورٌ“[4]۔

جب تم میں سے کوئی اپنے دونوں جوتوں سے گندگی روند دے، تو مٹی ان دونوں کی پاکی کا ذریعہ ہے۔

پھر اس کی مخالفت کی اور کہا: اگر کوئی اپنے چمڑے کے موزوں سے گندگی روند دے تو وہ مٹی سے پاک نہ ہوں گے۔

---

(۱) اسے امام مسلم (حدیث ۱۶۲۳)، ابوداود (حدیث ۳۵۴۲)، ابن ماجہ (حدیث ۲۳۷۵)، اور احمد (۴/ ۲۶۸) نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، جبکہ امام بخاری (حدیث ۲۵۸۶)، ترمذی (حدیث ۱۳۶۷)، ابن ماجہ (حدیث ۲۳۷۶)، اور امام احمد (۴/ ۲۷۰) نے مختلف الفاظ میں روایت کیا ہے۔

(۲) یہ روایت صحیح بخاری ومسلم میں ہے جیسا کہ گزرا، اور نسائی میں ہے (حدیث ۳۶۸۱)۔

(۳) مجھے اس روایت کی معلومات نہ ہو سکی۔ [یہ روایت صحیح بخاری (حدیث ۲۶۵۰)، مسلم (حدیث ۱۶۲۳)، نسائی (حدیث ۳۶۸۱) اور مسند احمد (حدیث ۱۸۳۶۳) وغیرہ میں موجود ہے۔ (مترجم)]۔

(۴) صحیح ہے، اسے امام ابوداود (حدیث ۳۸۵-۳۸۷) نے ابوہریرہ وعائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اسی طرح بیہقی (۲/ ۴۳۰)، ابن حبان (حدیث ۲۴۸)، حاکم (۱/ ۱۶۶)، شرح السنہ بغوی (۲/ ۹۳) نے روایت کیا ہے، نیز بیہقی (۲/ ۴۳۱)، شرح السنہ بغوی (۲/ ۹۲)، ابوداود (حدیث ۶۵۰)، ابن حبان (حدیث ۳۶۰)، احمد (۳/ ۲۰) اور دارمی (حدیث ۱۳۷۸) نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

”فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَذَرًا أَوْ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا“۔

(اگر اپنے دونوں جوتوں میں غلاظت یا گندگی دیکھے تو اسے پوچھ لے اور ان میں نماز پڑھے)۔

علامہ البانی نے اسے صحیح ابوداود (حدیث ۳۷۱-۳۷۳) میں صحیح قرار دیا ہے۔

۵۰۔ اسی طرح پٹی پر مسح کے جواز پر سر میں زخم لگنے والے صحابی کی حدیث سے استدلال کیا[1]۔

پھر اس کی کھلم کھلا مخالفت کی، اور کہا: پانی اور مٹی کو اکٹھا نہیں کیا جائے گا، بلکہ یا تو دھونے پر اکتفا کیا جائے گا بشرطیکہ صحیح سالم حصہ زیادہ ہو، اور زخمی حصہ پر تیمم نہیں کیا جائے گا، اور یا تو تیمم پر اکتفا کیا جائے گا، بشرطیکہ زخمی حصہ زیادہ ہو' صحیح سالم حصہ کو دھویا نہیں جائے گا۔

۵۱۔ اسی طرح امراء، حکام اور گورنروں کو یکے بعد دیگرے دو مرتبہ ذمہ داری سونپنے کے جواز پر نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا، جس میں آپ نے فرمایا:

''أَمِيرُكُمْ زَيْدٌ، فَإِنْ قُتِلَ فَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَوَاحَةَ، فَإِنْ قُتِلَ فَجَعْفَرٌ''[2]۔

تمہارے امیر زید ہیں، اگر وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں گے۔

پھر اسی حدیث کی مخالفت کی اور کہا: ذمہ داری کو شرط پر موقوف کرنا درست نہیں۔

اور ہم اللہ کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ روئے زمین کی درست ترین ذمہ داریوں میں سے ہے' جو لوگوں کی اول تا آخر تمام تر ولایتوں سے کہیں زیادہ درست اور بہتر تھی۔

۵۲۔ اسی طرح اس بات پر کہ ضائع کرنے والا تباہ کردہ سامان کی تلافی کا ذمہ دار ہوگا اور ضائع شدہ سامان کا خود مالک ہو جائے گا' اس پیالے کی حدیث سے استدلال کیا ہے جسے امہات المؤمنین میں سے کسی نے توڑ دیا تھا، تو

---

(۱) اس کی تخریج (ص ۳۹۸) میں گزر چکی ہے اور (ص ۴۶۹) میں اس کا ذکر پھر آئے گا۔ رہا مسئلہ پٹی پر مسح کرنے کا تو علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں:

''انْكَسَرَتْ إِحْدَى زَنْدَيَّ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ، فَأَمَرَنِي أَنْ أَمْسَحَ عَلَى الْجَبَائِرِ''۔

میرے ہاتھ کے بازو کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی' میں نے اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے مجھے پٹیوں پر مسح کرنے کا حکم دیا۔

اسے امام ابن ماجہ (حدیث ۶۵۷) اور بیہقی (۱/ ۲۲۸) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے ضعیف ابن ماجہ (حدیث ۱۴۱) میں ضعیف جداً قرار دیا ہے۔

(۲) اسے امام احمد (۵/ ۳۰۱)، اور دارمی (حدیث ۲۴۴۸) نے ابو قتادہ حارث بن ربعی سے روایت کیا ہے، لیکن یہ ترتیب نہیں ہے، بلکہ اس میں زید، جعفر پھر عبداللہ بن رواحہ ہیں۔ اور اس سے مختلف الفاظ میں امام بخاری نے ابن عمر رضی اللہ عنہما (حدیث ۴۲۶۱) اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ (حدیث ۴۲۶۲) سے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جس کا پیالہ تھا اُسے اُسی جیسا پیالہ واپس دلوایا[1]۔

پھر کھلم کھلا اس کی مخالفت کی اور کہا: درہم و دینار کے ذریعہ تلافی کی جائے گی، مثل کے ذریعہ نہیں!

نیز اس پر اُس حدیث سے بھی استدلال کیا، جس میں اس بکری کا ذکر ہے جسے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کر دیا گیا تھا، اور نبی کریم ﷺ نے اُسے اس کے مالک کو نہیں لوٹایا[2]۔

پھر اس کی صریح مخالفت کی، کیونکہ کریم ﷺ نے ذبح کرنے والے کو اس کا مالک نہیں بنایا تھا، بلکہ اسے قیدیوں کو کھلانے کا حکم دیا تھا۔

۵۳۔ اسی طرح میوے یا جلدی خراب ہونے والی چیزوں کی چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا کے ساقط ہونے کی بابت اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

''لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ''[3]۔

کسی پھل یا کھجور کا خوشہ چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

پھر اُسی حدیث کی کئی جگہوں پر مخالفت کی:

۱۔ اسی حدیث میں ہے:

''فَإِذَا اٰوَاهُ إِلَى الْجَرِينِ فَفِيهِ الْقَطْعُ''[4]۔

---

(۱) اسے انس اور عائشہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ انس کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۲۴۸۱)، ترمذی (حدیث ۱۳۵۹)، نسائی (حدیث ۳۹۵۵)، اور ابوداود (حدیث ۳۵۶۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور عائشہ کی حدیث کو نسائی (حدیث ۳۹۵۷)، ابوداود (حدیث ۳۵۶۸)، ابن ماجہ (حدیث ۲۳۳۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور پہلی بیوی جنہوں نے پیالہ توڑا عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور دوسری جن کا پیالہ تھا صفیہ ہیں، جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی صراحت آئی ہے۔

(۲) اس کی تخریج (ص ۴۳۳) میں گذر چکی ہے۔

(۳) صحیح ہے، اسے امام ترمذی (حدیث ۱۴۴۹)، نسائی (حدیث ۴۹۷۰)، ابوداود (حدیث ۴۳۸۸)، ابن ماجہ (حدیث ۲۵۹۳)، احمد (۳/ ۴۶۳)، مالک (حدیث ۱۵۸۳) اور دارمی (حدیث ۲۳۰۴) نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے ارواء الغلیل (حدیث ۲۴۱۴) میں صحیح قرار دیا ہے۔

الکثر: کاف اور ثاء پر فتحہ کے ساتھ، کھجور کے قلب اور اس چکنائی کو کہتے ہیں جو درمیان میں ہوتا ہے، النھایۃ (۴/ ۱۵۲)۔

(۱) حسن ہے، اسے امام نسائی (حدیث ۴۹۵۹)، ترمذی (حدیث ۱۲۸۹)، اور ابوداود (حدیث ۱۷۱۰) وغیرہ نے عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے، اس میں ہے:

===

جب پھلوں کو کھلیان میں لے آیا جائے تو اس (کی چوری) میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔
جبکہ ان کا کہنا ہے کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' خواہ کھلیان میں لے جایا گیا ہو یا نہ لے جایا گیا ہو۔
۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''إِذَا بَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ''[1]۔
ہاتھ اس وقت کاٹا جائے گا جب سامان کی قیمت زرہ کی قیمت کو پہنچ جائے۔
اور صحیح حدیث میں ہے:
''أَنَّ ثَمَنَ الْمِجَنِّ كَانَ ثَلَاثَةَ دَرَاهِمَ''۔(کہ زرہ کی قیمت تین درہم تھی)۔
جب کہ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اتنی مقدار میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔
۳۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ: کھلیان محفوظ جگہ نہیں ہے، لہٰذا اگر وہاں سے کوئی شخص خشک کھجور چوری کرلے' جبکہ وہاں کوئی نگران نہ ہو' تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔
اسی طرح اپنے مالک سے بھاگے ہوئے غلام کے مسئلہ میں جسے آدمی لے کر آئے تو اُسے چالیس درہم دیئے جائیں گے' ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے:

=== ''وَلَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ قَطْعٌ، إِلَّا فِيمَا آوَاهُ الْجَرِينُ، فَمَا أُخِذَ مِنَ الْجَرِينِ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَفِيهِ الْقَطْعُ، وَمَا لَمْ يَبْلُغْ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَفِيهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَجَلَدَاتُ نَكَالٍ''۔
لٹکے ہوئے کسی بھی پھل (کی چوری میں) ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، سوائے اس کے جسے کھلیان میں لے آیا گیا ہو، اب کھلیان سے چرائے گئے پھل کی قیمت زرہ کے برابر ہو تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا، اور زرہ کی قیمت تک نہ پہنچے تو اس میں دوگنے کا جرمانہ عائد ہوگا اور تادیبی کوڑے لگائے جائیں گے۔
اور مسند احمد کی بعض روایات میں ہے کہ'' زرہ کی قیمت دس درہم ہے۔ اسے علامہ البانی نے صحیح ابوداود (حدیث ۱۵۰۴) میں حسن قرار دیا ہے، اور الجرین: اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پھلوں کو جمع کر کے سکھایا جاتا ہے، کھلیان۔ اور المجن: زرہ کو کہتے ہیں جو مجاہد کو بچاتا ہے، اور اس کی قیمت ایک چوتھائی دینار تھی۔

(۱) اس کے ہم معنی کو امام بخاری (حدیث ۶۷۹۴)، اور مسلم (حدیث ۱۶۸۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور صحیح مسلم (حدیث ۱۶۸۴) وغیرہ کی روایت میں ایک چوتھائی دینار کا ذکر ہے۔ اور امام نسائی نے ایمن بن ام ایمن حبشیہ سے روایت کیا ہے کہ اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی (حدیث ۴۹۴۷)، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے جسے امام نسائی (حدیث ۴۹۵۱) نے روایت کیا ہے اور اسی طرح عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے (حدیث ۴۹۵۶)، نیز اسے امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

''أَنَّ مَنْ جَاءَ بِآبِقٍ مِنْ خَارِجِ الْحَرَمِ فَلَهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ أَوْ دِينَارٌ''[1]۔

کہ جو مالک سے بھاگے ہوئے کسی غلام کو خارج حرم سے لے کر آئے گا اُسے دس درہم یا دینار دیا جائے گا۔

پھر کھلم کھلا اس کی مخالفت کی اور چالیس درہم واجب قرار دیا[2]۔

اسی طرح شفعہ کے فوری اختیار پر ابن البیلمانی کی حدیث سے استدلال کیا:

''الشُّفْعَةُ كَحَلِّ الْعِقَالِ، وَلَا شُفْعَةَ لِصَغِيرٍ وَلَا لِغَائِبٍ، وَمَنْ مُثِّلَ بِهِ فَهُوَ حُرٌّ''[3]۔

شفعہ کا اختیار اونٹ کے رسی کھولنے کے مثل ہے (یعنی اگر جلدی نہ کی گئی تو فوت ہو جائے گا)، اور چھوٹے اور غائب کو شفعہ کا حق نہیں ہے،اور جس غلام کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے،وہ آزاد ہے۔

لیکن انہوں نے ''شفعہ کا اختیار اونٹ کے رسی کھول لینے کے مثل ہے'' کے سوا تمام باتوں کی مخالفت کی۔

اسی طرح باپ بیٹے اور غلام اور آقا کے مابین قصاص کی ممانعت پر اس حدیث سے استدلال کیا:

''لَا يُقَادُ وَالِدٌ بِوَلَدِهِ وَلَا سَيِّدٌ بِعَبْدِهِ''[4]۔

---

(۱) اسے امام ابن ابی شیبہ نے المصنف (۶/ ۵۱۰، ۵۴۲، ۵۴۳) میں نیز عبد الرزاق نے المصنف (۸/ ۲۰۸) میں عمرو ابن دینار اور ابن ابی ملیکہ سے مرسل روایت کیا ہے، اور یہ عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا قول ہے، المغنی (۸/ ۳۳۰)، نیز عبد الرزاق (۸/ ۲۰۸) اور ابن ابی شیبہ (۶/ ۵۴۱) نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک اثر روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہر فرد کے بدلے چالیس درہم ملیں گے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن مسعود کی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔

(۲) رہا مسئلہ بھاگے ہوئے غلام کو واپس لانے پر معاوضہ کے وجوب کا، تو ابن قدامہ نے اسے رد کر دیا ہے، چنانچہ وجوب اور عدم وجوب کی روایتیں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''دوسری روایت صحت سے قریب تر ہے، کیونکہ اصل عدم وجوب ہے، اور اس سلسلہ میں مروی حدیث مرسل ہے، اور اس میں کلام بھی ہے، اور اس بارے میں اجماع یا قیاس کچھ بھی ثابت نہیں ہے.....''۔ نیز فرماتے ہیں: ''... معاوضہ کی مقدار میں بھی روایتیں مختلف ہیں'' المغنی از علامہ ابن قدامہ مقدسی (۸/ ۳۲۹-۳۳۰)۔

(۳) اسے امام ابن ماجہ (حدیث ۲۵۰۰)، بیہقی (۶/ ۱۰۸)، اور ابن عدی (۶/ ۲۱۸۵، ۲۱۸۶) نے روایت کیا ہے، علامہ البانی ارواء الغلیل (۵/ ۳۷۹) میں فرماتے ہیں، حدیث ضعیف جداً ہے، اور حافظ ابن حجر نے التلخیص (۳/ ۵۶) میں بزار اور ابن ماجہ کا حوالہ دیا ہے۔ اور ابن البیلمانی: محمد بن عبد الرحمن ہیں، جو ضعیف ہیں۔

(۴) اسے امام حاکم (۲/ ۲۱۶، ۴/ ۳۶۸) نے، عقیلی نے الضعفاء (۲۸۵) میں، اور ابن عدی نے الکامل (۱/ ۲۴۹) میں ابن عباس عن عمر رضی اللہ عنہم سے اُس لونڈی کے بارے میں روایت کیا ہے، جو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے آقا کی شکایت کرنے آئی تھی کہ وہ اُسے آگ سے جلاتا ہے، تو انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا: ===

باپ سے بیٹے کا اور آقا سے غلال کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

اور پھر اسی حدیث کی مخالفت کی، کیونکہ حدیث کا بقیہ حصہ اس طرح ہے:

''مَنْ مَثَّلَ بِعَبْدِهِ فَهُوَ حُرٌّ''۔

جو اپنے غلام کا کوئی عضو کاٹ دے وہ غلام آزاد ہے۔

اسی طرح اس مسئلہ پر کہ ولد الزنا کو زانی کے بجائے صاحب فراش (بستر والے) سے ملحق کیا جائے گا زمعہ کی لونڈی کے بچہ والی حدیث سے استدلال کیا، جس میں ہے:

=== ''لَا يُقَادُ مَمْلُوكٌ مِنْ مَالِكِهِ، وَلَا وَالِدٌ مِنْ وَلَدِهِ''۔

کہ غلام کا اس کے مالک سے اور بیٹے کا اس کے باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا، تو میں تجھ سے اس کا قصاص ضرور لیتا۔ الحدیث۔

اس کی سند میں عمر بن عیسیٰ منکر الحدیث ہے۔ لیکن بیہقی (۸/ ۳۹)، حاکم (۴/ ۳۶۹)، ترمذی (حدیث ۴۰۱۹)، ابن ماجہ (حدیث ۲۶۶۱)، اور دارقطنی (۳/ ۱۴۱) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

''لَا تُقَامُ الْحُدُودُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَلَا يُقْتَلُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ''۔

مسجدوں میں حدود قائم کیے جا سکتے ہیں نہ بیٹے کے بدلے باپ کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ عمر رضی اللہ عنہ سے بھی بروایت عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ اس آدمی کے قصہ میں مرفوعاً مروی ہے جس نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تھا:

''لَا يُقَادُ الْأَبُ مِنَ ابْنِهِ''۔ باپ سے اس کے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

اسے امام احمد (۱/ ۲۲)، ابن ابی عاصم (حدیث ۳۲) دارقطنی (۳/ ۱۴۰)، بیہقی (۸/ ۳۸)، ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۶) اور ابن الجارود (حدیث ۷۸۸) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے إرواء الغلیل (حدیث ۲۲۱۴) میں صحیح قرار دیا ہے، نیز اس کی تخریج (ص ۴۳۵) میں گزر چکی ہے۔

اور دوسرے ٹکڑے کے بارے میں بھی حدیثیں آئی ہیں، ان میں سے ایک حدیث علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

''لَا يُقْتَلُ حُرٌّ بِعَبْدٍ'' کسی آزاد کو غلام کے بدلے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ دارقطنی (حدیث ۳۲۵۴)۔

اسی طرح ابن عباس سے بھی دارقطنی (حدیث ۳۲۵۲)، اور بیہقی (۸/ ۳۵-۳۶) میں مروی ہے۔ لیکن اس میں ضعف ہے جیسا کہ انہوں نے اشارہ کیا ہے۔

اور ابوداود (۴۵۱۸) نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے: ''لَا يُقَادُ الْحُرُّ بِالْعَبْدِ''۔

(آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا)۔

علامہ البانی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: مقطوع صحیح ہے۔

اور اس سلسلہ میں وہ حدیث بھی ہے جس کے بارے میں ابن القیم رحمہ اللہ نے ''مشکل حدیث'' کہا ہے وہ ایک الگ حدیث میں ہے، یعنی زنباع کی حدیث جو اس سے پہلے گذر چکی ہے۔

''اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ''[1]۔ زنا سے پیدا ہونے والا بچہ بستر والے کا ہے۔

پھر اسی حدیث کی صریح مخالفت کی، اور کہا: لونڈی بستر نہیں ہوتی، حالانکہ یہ معاملہ ہی لونڈی کا تھا! اور حیرت اس بات پر ہے کہ یہ کہتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنی ماں، بیٹی، بہن سے عقد نکاح کر کے صحبت کرلے تو بر بنائے شبہہ اس پر حد نہیں قائم کی جائے گی اور وہ اس حرام باطل عقد کی بنا پر بستر ہو جائے گی، اور اس کی ام ولد اور لونڈی جس سے وہ شب و روز صحبت کرتا رہتا ہے وہ اس کا بستر نہیں ہوگی!!!

نیز یہ بھی عجائب میں سے ہے کہ انہوں نے رمضان کے روزے کو زوال سے پہلے دن میں نیت کے ذریعہ رکھنے کے جواز پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے:

''أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَدْخُلُ عَلَيْهَا فَيَقُولُ: ''هَلْ مِنْ غَدَاءٍ؟'' فَتَقُولُ: لَا، فَيَقُولُ: ''فَإِنِّي صَائِمٌ''[2]۔

کہ نبی کریم ﷺ ان کے یہاں تشریف لاتے اور فرماتے: ''کیا کچھ کھانا (ظہرانہ) ہے؟ وہ کہتیں: نہیں، تو آپ ﷺ فرماتے: ''تو میں روزہ سے ہوں''۔

پھر یہ کہا: کہ اگر کوئی نفلی روزہ میں ایسا کرے تو اس کا روزہ درست نہ ہوگا، جبکہ ذکر کردہ حدیث نفلی روزہ ہی کے بارے میں ہے۔

اسی طرح مدبر غلام کو فروخت کرنے کی ممانعت پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ اس میں آزادی کا سبب طے ہو چکا ہے، اور اس کا بیچنا اس سبب کو باطل قرار دینا ہے!! اور نبی کریم ﷺ کے مدبر غلام کو بیچنے[3] کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ ﷺ نے محض غلام کی خدمت کو بیچا تھا، نہ کہ غلام کو!! اور پھر یہ بھی کہا: کہ مدبر غلام کی خدمت بھی بیچنا جائز نہیں ہے۔

---

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۲۰۵۳)، و مسلم (حدیث ۱۴۵۷) وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کے بارے میں سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ کے جھگڑے کے سلسلہ میں روایت کیا ہے، جس میں عتبہ بن ابی وقاص نے بچہ کی دیکھ ریکھ کا معاملہ اپنے بھائی سعد کے سپرد کیا تو عبد بن زمعہ کھڑے ہوئے اور کہا: یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کی لونڈی کا بچہ ہے اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے، تو اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بچہ بستر کا ہوتا ہے'' اور بچے کے عتبہ سے مشابہت کی وجہ سے سودہ کو بچے سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔

(۲) اسے امام مسلم (حدیث ۱۱۵۴)، ابوداود (حدیث ۲۴۵۵)، نسائی (حدیث ۲۳۲۹)، اور احمد (۶/ ۲۰۷) نے روایت کیا ہے۔

(۳) اس کی تخریج (ص ۳۵۸) میں گذر چکی ہے۔

اسی طرح زمینوں اوراس کے تابع درختوں میں شفعہ واجب قرار دینے پر یہ کہہ کر استدلال کیا:

''قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالشُّفْعَةِ: فِي كُلِّ شِرْكٍ فِي رَبْعَةٍ أَوْ حَائِطٍ''[1]۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین یا باغ کے ہر شریک میں حق شفعہ کا فیصلہ فرمایا۔

پھر اسی نص کی صریح مخالفت کی، کیونکہ اس میں یہ بھی ہے:

''وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يُؤْذِنَ شَرِيكَهُ، فَإِنْ بَاعَ وَلَمْ يُؤْذِنْهُ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ''۔

اوراس کے لئے اُسے بیچنا جائز نہیں' یہاں تک کہ اپنے شریک کو بتادے، اگر اس نے اپنے شریک کو بتائے بغیر بیچ دیا تو اُس کا حقدار وہی ہوگا۔

چنانچہ انہوں نے کہا: اُس کے لئے اجازت سے پہلے بیچنا حلال ہے، اور شفعہ ساقط کرنے کے لئے حیلہ جوئی کرنا بھی جائز ہے، اور اگر اپنے شریک کی اجازت کے بعد بیچے تب بھی وہی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے' اجازت لینے یا نہ لینے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

اسی طرح اس مسئلہ پر کہ زیتون کے تیل کو زیتون کے بدلے بیچنا منع ہے' تا آنکہ معلوم ہوجائے کہ زیتون میں جو تیل ہے اس کی مقدار تیل سے کم ہے' اُس حدیث سے استدلال کیا جس میں گوشت کو جانور کے بدلے بیچنے کی ممانعت آئی ہے[2]۔

---

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۲۲۵۷)، مسلم (حدیث ۱۶۰۸)، نسائی (حدیث ۴۶۴۶)، ابوداود (حدیث ۳۵۱۳)، ابن ماجہ (حدیث ۲۴۹۹)، احمد (۳/ ۳۱۶)، اور دارمی (حدیث ۲۶۲۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور الفاظ دارمی کے ہیں۔ اور اس کے ہم معنیٰ مسلم، نسائی اور احمد میں مروی ہے۔ امام بخاری نے عام لفظ سے روایت کیا ہے۔ نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً روایت کیا ہے: ''الشَّرِيكُ شَفِيعٌ، وَالشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ''۔ شریک شفعہ کا حقدار ہے' اور حق شفعہ ہر چیز میں ہوتا ہے۔ اس کے مرسل وموصول ہونے میں اختلاف ہے، جیسا کہ ترمذی (حدیث ۱۳۷۱) میں ہے۔ نیز اسے نسائی (حدیث ۴۷۰۴) نے ابوسلمہ سے مرسلاً روایت کیا ہے، اور امام ابن ماجہ (حدیث ۲۴۹۷) نے اسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور اسی طرح ابوداود (حدیث ۳۵۱۵) نے جابر رضی اللہ عنہ کے الفاظ کو موصول بیان کیا ہے۔

(۲) اسے امام مالک (حدیث ۱۳۵۹-۱۳۶۱)، دارقطنی (حدیث ۳۰۵۶)، حاکم (۲۲۵۲)، اور بیہقی (۵/ ۲۹۶) نے حسن عن سمرہ بن جندب روایت کیا ہے، پھر کہا ہے: یہ سند صحیح ہے، اور جس نے حسن بصری کا سماع سمرہ بن جندب سے ثابت کیا ہے' اس نے اسے موصول شمار کیا ہے، اور جس نے ثابت نہیں مانا ہے تو بھی عمدہ مرسل ہے، جسے سعید بن مسیب کے مراسیل میں شامل کیا جائے گا، علامہ البانی نے اسے ارواء الغلیل (حدیث ۱۳۵۱) میں حسن قرار دیا ہے۔

پھر اسی حدیث کی مخالفت کی اور کہا: گوشت کو اسی نوعیت کے جانور اور دوسری نوعیت کے جانور سے بھی بیچنا جائز ہے۔

اسی طرح اس مسئلہ پر کہ مریض کا طے شدہ اور یقینی عطیہ مثلاً وصیت' ایک تہائی مال ہی میں نافذ کیا جائے گا' عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا:

''أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِينَ عِنْدَ مَوْتِهِ لَا مَالَ لَهُ سِوَاهُمْ، فَجَزَّأَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ، وَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً''[1]۔

کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت چھ غلام آزاد کیے جس کے پاس ان کے سوا کوئی مال نہ تھا' تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں تین حصوں میں بانٹ دیا، اور ان کے درمیان قرعہ اندازی کر کے دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رکھا۔

پھر انہوں نے دو جگہوں پر اس حدیث کی مخالفت کی، چنانچہ کہا: ان کے درمیان سرے سے قرعہ اندازی نہیں کی جائے گی، اور ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ آزاد کیا جائے گا!!

اور اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ تقلید ہی نے تم پر اس چیز کا فیصلہ کیا ہے' اور جبراً و قہراً تمہیں اس انجام تک لے گئی ہے، ورنہ اگر واقعی تم دلیل کو تقلید پر فیصل بناتے تو اس قسم کی چیزوں میں نہ پڑتے؛ کیونکہ یہ حدیثیں اگر حق ہیں تو ان کی تابعداری کرنا اور ان میں جو باتیں بتائی گئی ہیں اُنہیں اپنانا واجب ہے' اور اگر صحیح نہیں ہیں تو ان میں سے کچھ بھی نہیں لیا جائے گا، لیکن رہا یہ طریقہ کہ جو حدیثیں امام تقلید کے موافق ہوں ان کی تصحیح کی جائے اور لے لیا جائے اور جو حدیثیں امام تقلید کے خلاف ہوں انہیں ضعیف قرار دیا جائے یا رد کر دیا جائے' یا ان کی تاویل کی جائے، تو یہ بڑی سنگین غلطی اور تناقض و ٹکراؤ ہے۔

اب اگر تم کہو کہ: ہم نے ان میں سے جن حدیثوں کی مخالفت کی ہے وہ زیادہ قوی تر حدیثوں سے متعارض ہیں، اور ہم نے جن کی موافقت کی ہے وہ کسی ایسی حدیث سے متعارض نہیں ہیں' جو ان سے عدول کرنے یا یونہی چھوڑ

---

(۱) اسے امام مسلم (حدیث ۱۶۶۸)، ترمذی (حدیث ۱۳۶۴)، نسائی (حدیث ۱۹۵۸)، ابوداود (حدیث ۳۹۵۸)، ابن ماجہ (حدیث ۲۳۴۵)، احمد (۴/ ۴۲۶) اور مالک (حدیث ۱۵۰۶) نے روایت کیا ہے۔

دینے کی موجب ہوں۔

تو اس کا جواب یہ ہے: کہ یہ حدیثیں یا ان جیسی دیگر حدیثیں یا تو منسوخ ہوں گی یا محکم، اب اگر منسوخ ہیں تو منسوخ سے کسی طرح حجت نہیں لی جا سکتی، اور اگر محکم ہیں تو ان میں سے کسی بھی بات کی کسی طرح مخالفت کرنا جائز نہیں۔

اب اگر کوئی کہے: ہم نے جن حدیثوں کی مخالفت کی ہے وہ منسوخ ہیں، اور جن کی موافقت کی ہے وہ محکم ہیں!!

تو اس کا جواب یہ ہے: کہ یہ بات کھلم کھلا باطل ہونے کے ساتھ - ایک ایسی چیز کا دعویٰ ہے جس کا دعویدار کو علم ہی نہیں ہے اور کہنے والا بے دلیل بات کہہ رہا ہے، اس میں کم سے کم بات یہ ہے کہ کوئی معارضہ کرنے والا پلٹ کر بالکل یہی دعویٰ اس کے خلاف کر دے تو دونوں کا دعویٰ ایک جنس کا ہو جائے گا، دونوں میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا، اور نہ کوئی فرق ہے۔ دونوں ایسی بات کے دعویدار ہیں جو ان کے لئے ثابت کرنا ممکن نہیں، لہٰذا واجب یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کی اتباع کی جائے، انہیں فیصل مانا جائے اور اپنے مسائل انہی کے حوالے کئے جائیں، یہاں تک کہ ان میں سے کسی بات کے منسوخ ہونے پر کوئی قطعی دلیل قائم ہو جائے، اور ان میں سے کسی بات کے خلاف عمل پر امت کا اجماع ہو، اور یہ دوسری بات قطعاً محال ہے؛ کیونکہ امت الحمد للہ ایک سنت بھی چھوڑنے پر متفق نہیں ہو سکتی، سوائے اس سنت کے جس کا منسوخ ہونا ظاہر و باہر ہو اور امت کو اس کے ناسخ کا بخوبی علم ہو، تو ایسی صورت میں منسوخ کو چھوڑ کر ناسخ پر عمل کرنا طے ہو گا، لیکن رہا لوگوں میں سے کسی کے قول و فرمان کی بنا پر سنتوں کو چھوڑ دینا، تو ایسا ہرگز ممکن نہیں خواہ کوئی بھی ہو، توفیق دہندہ اللہ ہی کی ذات ہے۔

بیسویں بات: [**مقلدین اللہ اور اس کے رسول کے حکم اور اپنے ائمہ کے حکم کے مخالف ہیں**]

یہ ہے کہ تقلیدی ٹولہ نے اللہ کے حکم، اس کے رسول ﷺ کے حکم، صحابہ کرام کے طور طریقہ اور اپنے ائمہ کے احوال کی مخالفت کا ارتکاب کیا ہے، اور اہل علم کے مخالف راہ چل پڑا ہے۔

رہا اللہ کا حکم: تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے متنازعہ مسائل کو اپنی طرف اور اپنے رسول ﷺ کی طرف لوٹانے کا حکم دیا ہے، جبکہ مقلدین کہتے ہیں: کہ ہم ان کی طرف لوٹائیں گے جن کی ہم نے تقلید کی ہے۔

رہا اللہ کے رسول ﷺ کا حکم: تو آپ ﷺ نے اختلاف کے موقع پر اپنی سنت اور ہدایت یافتہ نیک خلفاء کی سنت کو اپنانے حکم دیا ہے اُسے مضبوطی سے تھامے رہنے اور دانتوں سے جکڑنے کا حکم دیا ہے، جبکہ مقلدین کہتے

ہیں کہ اختلاف کے وقت ہم اپنے امامِ تقلید کے قول پر مضبوطی سے قائم رہیں گے اور اُس کی بات کو دیگر تمام لوگوں کے اقوال پر مقدم رکھیں گے!

رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طور طریقہ: تو بدیہی طور پر معلوم ہے کہ ان میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو کسی شخص کی اس کی تمام تر باتوں میں تقلید کرتا ہو، اور اس کے علاوہ دیگر صحابہ کا مخالف ہو بایں طور کہ اُس کی کوئی بات رد نہ کرتا ہو اور دوسروں کی کوئی بات قبول نہ کرتا ہو، یہ تو ایک بہت بڑی بدعت اور بدترین نئی بات ہے!!

رہا ائمہ کرام کی مخالفت: تو تمام ائمہ رحمہم اللہ نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے اور اُس سے ڈرایا ہے، جیسا کہ ان کے بعض اقوال کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

اور رہا ان کا اہلِ علم کی راہ کے خلاف چلنا: تو اہلِ علم کا طریقہ علماء کے اقوال ڈھونڈنا، انہیں ضبط کرنا، ان میں غور وفکر کرنا اور انہیں قرآن کریم، نبی کریم ﷺ کی ثابت سنتوں اور آپ ﷺ کے خلفاء راشدین کے اقوال پر پیش کرنا تھا، چنانچہ جو باتیں ان کے موافق ہوتیں انہیں مان لیتے اور اسی کی روشنی میں اللہ کی عبادت و بندگی بجالاتے، اسی بنیاد پر فیصلہ کرتے اور انہی پر فتوے صادر کرتے، اور جو باتیں ان کے خلاف ہوتیں ان کی طرف نظرِ التفات نہ کرتے بلکہ اُسے رد کر دیتے، اور جو باتیں ان پر واضح نہیں ہوتیں ان کی حیثیت ان کے یہاں اجتہادی مسائل کی رہتی جن کی زیادہ سے زیادہ حیثیت یہ ہوتی کہ اُنہیں کسی پر لازم کئے بغیر ان کی پیروی کرنا روا ہے، نہ کہ ان کی اتباع واجب ہے، وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ دیگر باتوں کے علاوہ بس یہی حق ہے!! سلف تا خلف اہلِ علم کا یہی طریقہ رہا ہے۔

لیکن ان خلف لوگوں نے تو راستہ ہی الٹ دیا، دین کے حالات ہی کو پلٹ کر رکھ دیا، چنانچہ اللہ کی کتاب، اس کے رسول ﷺ کی سنت اور آپ کے خلفاء اور دیگر تمام صحابہ کرام کے اقوال کو فرسودہ اور کھوٹا قرار دیا، اور انہیں اپنے ائمۂ تقلید کے اقوال پر پیش کرنے اور پرکھنے لگے، چنانچہ جو باتیں ان کے اقوال کے موافق ہوتی ہیں کہتے ہیں، یہ ہماری دلیلیں ہیں اور پورے طور پر اس کے تابع ہو جاتے ہیں، اور جو باتیں ان کے امامِ تقلید کے اقوال کے خلاف ہوتی ہیں، کہتے ہیں: مخالفین نے فلاں فلاں دلیل سے استدلال کیا ہے، اور اسے قبول کرتے ہیں نہ اس کی بنیاد پر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور ان کے سیانے اُن باتوں کو رد کرنے کی ہر ممکن چال چلتے ہیں، اور رد کرنے والے طرح طرح کے دور از کار حیلے تلاش کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان کے مذہب کے موافق ہو جاتی ہیں اور بعینہ وہی وجوہات اُس سے وابستہ ہوتی ہیں تو اپنے مخالف کی عیب جوئی اور تشنیع کرتے ہیں، اور بعینہ انہی

جیسے وجوہ سے اُن کے اقوال کی تردید کرنے پر اُن پر نکیر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں: اس جیسی چیز سے نصوص کو رد نہیں کیا جاتا؛ جسے اللہ تعالیٰ نے ایسی بلند ہمت سے نوازا ہے جس سے وہ اللہ، اور اس کی خوشنودی سے سرفرازی، اور اللہ کی جانب سے رسول ﷺ کو مبعوث کردہ حق کی مدد کرنے کا حوصلہ پاتا ہے خواہ جہاں کہیں اور جس کسی کے پاس ہو؛ وہ اپنی ذات کے لئے اس جیسی تباہ کن راہ اور مذموم خصلت سے کبھی راضی نہیں ہوسکتا۔

اکیسویں بات: [مقلدین اللہ کے دین میں فرقہ بندی کے والے ہیں]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کرلئے اور ٹولیوں میں بٹ گئے ہر گروہ اپنے طور طریقہ پر مست ومگن ہے، یہ بعینہ اہل تقلید ہیں، برخلاف اہل علم کے، کیونکہ اگر وہ اختلاف بھی کرتے ہیں تو اپنے دین کے ٹکڑے کرتے ہیں نہ ٹولیوں میں بٹتے ہیں، بلکہ حق کی تلاش وجستجو پر متفق ایک ہی جماعت ہوتے ہیں، جو حق واضح ہونے پر اُسے ترجیح دیتے ہیں اور حق کو حق کے سوا ہر چیز پر مقدم کرتے ہیں، چنانچہ وہ ایک ہی جماعت ہوتے ہیں جن کے مقاصد اور راستہ ایک ہی ہوتا ہے چنانچہ راستہ بھی ایک ہوتا ہے اور مقصد بھی، جبکہ مقلدین اس کے برعکس ہوتے ہیں اُن کے مقاصد جداگانہ اور راستے مختلف ہوتے ہیں چنانچہ وہ مقصد اور راہ دونوں اعتبار سے ائمہ کرام کے ساتھ نہیں ہیں۔

بائیسویں بات: [مقلدین اللہ کے دین کو باہم ٹکڑے کرنے والے ہیں]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جنہوں نے (دین) کے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلئے، ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی پر اترا رہا ہے، الزُبر: سے مراد وہ لکھی ہوئی کتابیں ہیں جنہیں اپنا کر لوگوں نے اللہ کی کتاب اور اللہ نے جو کچھ اپنے رسول ﷺ کو دیکر بھیجا ہے اُس سے اعراض کیا ہے، چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَـٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَـٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝٥١ وَإِنَّ هَـٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ ۝٥٢ فَتَقَطَّعُوٓا۟ أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝٥٣﴾ [المؤمنون: ٥١-٥٣]۔

اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں ہی تم سب کا رب ہوں، پس تم مجھ سے ڈرتے رہو۔ پھر انہوں نے خود (ہی) اپنے امر (دین) کے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیئے، ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی پر

اترا رہا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو انہیں باتوں کا حکم دیا ہے جن کا ان کی امتوں کو دیا ہے: کہ حلال و پاکیزہ روزی کھائیں، نیک عمل کریں، صرف اللہ کی عبادت کریں، صرف اسی کا حکم مانیں، دین میں فرقہ بندی نہ کریں، چنانچہ انبیاء ورسل علیہم السلام اور ان کے پیروکاران اللہ کا حکم تسلیم کرتے ہوئے اور اس کی رحمت قبول کرتے ہوئے اسی پر گامزن رہے، یہاں تک کہ کچھ نا اہل پیدا ہو گئے، جنہوں نے (دین) کے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لئے، ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی پر اترا رہا ہے، لہٰذا جو ان آیات میں غور و تدبر کرے گا اور انہیں واقع حال پر اتارے گا اس کے سامنے حقیقت حال نمایاں ہو جائے گی، اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ دونوں میں کس ٹولی میں سے ہے، اللہ ہی مددگار ہے۔

تئیسویں بات: [خالص کتاب وسنت کی دعوت دینے والے ہی کامیاب ہیں]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾﴾ [آل عمران: ۱۰۴]۔

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔

چنانچہ دیگر لوگوں کو چھوڑ کر خصوصیت کے ساتھ انہی لوگوں کو کامیابی کا پروانہ عطا کیا ہے، اور بھلائی کی طرف بلانے والے وہی ہیں جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی بلانے والے ہیں' فلاں فلاں کی رائے کی طرف بلانے والے نہیں۔

چوبیسویں بات: [اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ سے اعراض کرنے والے مذموم ہیں]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے' جنہیں جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تو پہلوتہی کرتے ہیں اور اللہ کے علاوہ سے فیصلہ لینے پر راضی ہوتے ہیں، اور مقلدین کا یہی حال ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ

عَنكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ [النساء:٦١]۔

ان سے جب بھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول ﷺ کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منھ پھیر کر کے جاتے ہیں۔

لہٰذا جو بھی اللہ کی اپنے رسول ﷺ پر نازل کردہ شریعت کی طرف بلانے والے سے اعراض کر کے دوسرے کی طرف جائے گا اُسے اس مذمت کا ایک حصہ ملے گا، چنانچہ کوئی زیادہ مذمت کا مستحق ہوگا کوئی کم۔

پچیسویں بات: [کوئی ایک قول ہی حق ہوتا ہے]

تقلیدی ٹولہ سے پوچھا جائے کہ تمہارے یہاں اللہ کا دین ایک ہے' قول اور اس کی ضد؟ یعنی کیا یہ مختلف ومتعارض اقوال جو ایک دوسرے سے ٹکراتے اور ایک دوسرے کو باطل ٹھہراتے ہیں' یہ سب اللہ کا دین ہیں؟ اگر وہ کہیں: جی ہاں، یہ مختلف ومتعارض اقوال جو ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں' یہ سب اللہ کا دین ہیں؛ تو اپنے ائمہ کے نصوص سے خارج ہو جائیں گے؛ کیونکہ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ حق کوئی ایک قول ہی ہوسکتا ہے، جیسے قبلہ کسی ایک سمت میں ہوتا ہے، نیز قرآن وسنت اور صریح عقل سے بھی خارج ہو جائیں گے اور اللہ کے دین کو لوگوں کے آراء کی لونڈی بنا دیں گے۔ اور اگر یہ جواب دیں کہ: صحیح بات یہ ہے جس کے علاوہ کوئی صحیح بات نہیں' کہ اللہ کا دین ایک ہے' اور وہ ہے جس کے ساتھ اللہ نے اپنی کتاب اتاری، اُسے دیکر اپنا رسول بھیجا، اور اُسے اپنے بندوں کے لئے پسند کیا، جیسے اللہ کا نبی ایک ہے، اور قبلہ ایک ہے، لہٰذا جو اس کے موافق ہوگا درستیاب ہوگا اور دوہرے اجر کا مستحق ٹھہرے گا، اور جس سے غلطی ہوگی' وہ بھی اپنی غلطی نہیں' بلکہ اپنی کوشش پر ایک اجر کا سزاوار ہوگا۔

تو ان سے کہا جائے: تب تو جہاں تک ممکن ہو حق کی جستجو اور اس تک رسائی کی کوشش کرنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر حسب استطاعت اپنا تقویٰ واجب قرار دیا ہے، اور اللہ کا تقویٰ اللہ کے اوامر کی انجام دہی اور نواہی سے اجتناب ہے؛ لہٰذا بندے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے اوامر کی معرفت حاصل کرے تاکہ اسے انجام دے، منہیات کا علم حاصل کرے تاکہ اس سے اجتناب کرے، اور مباح جانے تاکہ اسے کر سکے، اور اس چیز کی معرفت ایک خاص کوشش، جستجو اور تلاش حق کے بغیر ممکن نہیں' اور اگر ایسا نہیں کرے گا' تو اس کی ذمہ داری اس کے سر ہوگی، اور وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ کا حکم پورا نہ کیا ہوگا۔

چھبیسویں بات: [اللہ کے تمام رسولوں کی دعوت عام ہے]

نبی کریم ﷺ کی دعوت آپ کے ہم عصروں اور اس کے بعد تا قیامت آنے والے تمام لوگوں کے لئے عام ہے اور جو چیز صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کے لوگوں پر واجب ہے بعینہ وہی چیز صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی واجب تھی، گرچہ اختلاف احوال کے مطابق اس کی صفات وکیفیات دیگر ہوں۔

اور یہ چیز بدیہی طور پر معلوم ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو باتیں رسول اللہ ﷺ سے سنتے تھے انہیں اپنے علماء کے اقوال پر نہیں پیش کرتے تھے بلکہ قولِ رسول ﷺ کے علاوہ ان کے علماء کا کوئی قول ہی نہ ہوتا تھا، اس لئے کوئی صحابی نبی کریم ﷺ سے سنی ہوئی کسی بات کے قبول کرنے میں کسی موافق کی موافقت یا صاحب رائے کی رائے پر سرے سے منحصر ہی نہیں رہتا تھا، اور یہی چیز واجب تھی جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا تھا، اور بعینہ یہی چیز ہم پر اور تاقیامت تمام مکلفین پر بھی واجب ہے۔ جو اس سے نکل جائے گا وہ بعینہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واجب کردہ حکم سے خارج ہو جائے گا۔

ستائیسویں بات: [اقوال غیر محصور اور کہنے والے غیر معصوم ہیں]

یہ ہے کہ علماء کے اقوال وآراء غیر منضبط (کسی قاعدہ وضابطہ کے تحت) اور دائرۂ شمار سے باہر ہیں اور ان کے لئے عصمت کی ضمانت بھی نہیں دی گئی ہے سوائے اس کے کہ وہ کسی بات پر متفق ہوں اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہ ہو (یعنی اجماع ہو)؛ کہ ایسی صورت میں ان کا اتفاق حق ہی ہوگا، اور یہ بات محال ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ ہمیں کسی ایسی چیز کے سپرد کریں جو غیر منضبط اور غیر منحصر ہو اور ہمارے لئے اس کی غلطی سے عصمت کی ضمانت بھی نہ لیں، نہ ہمارے لئے اس بات کی کوئی دلیل قائم فرمائیں کہ کہنے والوں میں سے ایک کی تمام باتیں دوسرے کی بات سے زیادہ قابل اتباع ہیں، بلکہ ہم اس کی ساری باتیں چھوڑ دیں اور اس کی ساری باتیں لے لیں۔ اللہ کی ذات سے ایسی بات مشروع کرنا اور اس سے راضی ہونا محال ہے، اِلا یہ کہ قائلین میں سے ایک رسول ہو اور دوسرا اللہ پر جھوٹ بولنے والا۔

الغرض بتانا مقصود یہ ہے کہ یہ مقلدین اپنے امام تقلید اور مخالفین کے ساتھ جس بات پر اعتماد کرتے ہیں وہ کسی قاعدہ وضابطہ سے مربوط نہیں ہے، اس لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہمیں ان کے سپرد کر دینا محال ہے۔

اٹھائیسویں بات: [علم کم ہو جائے گا]

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ''[1]۔

اسلام اجنبیت کی عالم میں شروع ہوا تھا،عنقریب پھر اجنبی ہو جائے گا' جیسے شروع ہوا تھا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ علم کم ہو جائے گا[2]، اور نبی صادق ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق اس چیز کا وقوع ضروری ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ مقلدین کی کتابیں دنیا میں مشرق تا مغرب پھیلی ہوئی ہیں، یہ کتابیں جتنی زیادہ آج اس وقت ہیں' اتنی کبھی نہ تھیں، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ سالہا سال اس میں بڑھوتری اور اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے، اور مقلدین اپنی استطاعت کے مطابق انہیں حرفاً حرفاً ازبر کرتے ہیں، اور یہ کتابیں اجنبی نہیں' بلکہ لوگوں درمیان مشہور و معروف ہیں' بلکہ یہی معروف ہیں لوگ ان کے سوا کچھ نہیں جانتے! تو اب اگر یہی وہ علم ہوتا جسے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو دیکر مبعوث فرمایا ہے' تو دین ہمہ وقت غلبہ اور بڑھوتری کی طرف رواں ہوتا، اور علم بھی شہرت وظہور کی بلندیوں پر ہوتا' جبکہ یہ نبی صادق ﷺ کی پیشین گوئی کے خلاف ہے۔

انتیسویں بات: [مقلدین کی کتابوں میں اور اقوال میں اختلافات کی بھرمار ہے]

مقلدین کی کتابوں اور ان کے اقوال میں اختلافات کی بھرمار ہے' اور جو چیز اللہ کی طرف سے ہے' اس میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ وہ حق ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، اور ایک دوسرے کی گواہی دیتا ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾﴾ [النساء:٨٢]۔

اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔

تیسویں بات: [تین باتوں میں سے کوئی ایک بات ضروری ہے]

یہ ہے کہ بندہ پر عمرو کو چھوڑ کر زید کی تقلید کرنا واجب نہیں ہے' بلکہ مقلدین کے یہاں اس کے لئے ایک کی تقلید سے نکل کر دوسرے کی تقلید کرنا جائز ہے! تو ایسی صورت میں اس نے پہلے جس کی تقلید کیا تھا اگر اس کی بات حق ہے' دوسرے کی نہیں، تب تو تم نے اس کے لئے حق سے خلاف حق کی طرف منتقل ہونا جائز قرار دیا، اور یہ محال ہے، اور اگر صرف دوسرا حق ہے، تو تم نے خلاف حق پر قائم رہنا جائز قرار دیا! اور اگر تم یہ کہو کہ: دونوں متعارض باتیں حق

(١) اس حدیث کی تخریج (ص ۲۰۴،۲۰۵) میں گذر چکی ہے۔

(٢) علم اٹھا لئے جانے کی حدیث کی طرف اشارہ گذر چکا ہے، اس کی تخریج (ص ۱۵۷) میں گذر چکی ہے، نیز دیکھئے: (ص ۹۰)۔

ہیں' تو یہ تو اور زیادہ محال ہے،لیکن تمہیں ان تین قسموں میں سے کوئی ایک قسم اپنانا ضروری ہے۔

اکتیسویں بات: [تقلیدی امام کے حق ہونے کی دلیل کیا ہے؟]

مقلد سے پوچھا جائے: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ حق اسی امام کے ساتھ ہے جس کی تم تقلید کر رہے ہو' برخلاف اس کے جس کی تقلید نہیں کر رہے ہو؟ اگر وہ جواب میں کہے: دلیل سے،تو وہ مقلد نہیں رہا،اور اگر کہے کہ مجھے اس امام کی تقلید سے معلوم ہوا،کیونکہ اس نے اس کا فتویٰ دیا،اس پر عمل کیا اور اس کا اسے بخوبی علم ہے،اور اس کا دین اور اس کے حق میں امت کی مدح وثناء اس بات سے مانع ہے کہ وہ خلاف حق بات کہے! تو اس سے پوچھا جائے: اچھا تو تمہارے نزدیک وہ گناہوں سے معصوم ہے' یا اس سے غلطی کا صدور ہو سکتا ہے؟ اگر وہ اس کے گناہوں سے معصوم ہونے کی بات کرے تو باطل ہے،اور اگر اس سے غلطی کا صدور جائز قرار دے،تو اس سے کہا جائے: پھر تم کس بات سے مامون ہو کہ جس چیز میں تم نے اس کی تقلید کی ہے' اس میں اس سے غلطی ہوئی ہو اور دیگر لوگوں نے اس میں اس کی مخالفت کی ہو؟ اگر وہ کہے: اگر اس سے غلطی ہوئی ہو تو بھی اسے اجر ملے گا۔ تو اس سے کہا جائے: جی ہاں بالکل وہ اپنے اجتہاد کے سبب اجر کا مستحق ہے' لیکن اجر کا سبب (دلیل) نہ پیش کرنے کے سبب تم اجر کے مستحق نہیں ہو' بلکہ تم نے اتباع واجب میں کوتاہی سے کام لیا ہے' لہٰذا تم گنہگار ہو۔ اور اگر وہ کہے: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ امام کو اس کے فتویٰ پر اجر دے اور اس کی مدح وستائش کرے اور اس کے قول پر فتویٰ مانگنے والے کی مذمت کرے،کیا یہ معقول ہے؟ تو اس سے کہا جائے: اگر مستفتی قدرت کے باوجود حق کی معرفت میں کوتاہی اور کاہلی سے کام لے تو اسے مذمت و وعید لاحق ہوگی،اور اگر محنت کرے' اللہ کے حکم کے تئیں کوتاہی نہ کرے،اور حسب استطاعت اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار کرے' تو وہ بھی اجر کا مستحق ہوگا۔

لیکن وہ متعصب مقلد جس نے اپنے امام تقلید کی بات کو کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کی کسوٹی بنا لیا ہے' انہیں اس پر تولتا ہے،جو اس کے امام کے قول کے موافق ہوتا ہے' قبول کرتا ہے اور جو اس کے خلاف ہوتا ہے رد کر دیتا ہے' تو ایسا شخص اجر وثواب کی بہ نسبت مذمت وعقاب سے زیادہ قریب ہے۔ اور اگر وہ کہے: -اور صورتحال بھی یہی ہے- کہ میں نے اس کی تقلید و پیروی کی ہے' لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ حق پر ہے یا نہیں،لہٰذا کہنے والا ذمہ دار ہے' میں تو صرف اس کے اقوال بیان کرنے والا ہوں! تو اس سے کہا جائے: کیا جب اللہ تعالیٰ تم سے قیامت کے دن پوچھے گا کہ تم نے اللہ کے بندوں کے درمیان کس بنیاد پر فیصلہ کیا اور انہیں کیا فتویٰ دیا،تو یہ بات کہہ

کر تمہیں چھٹکارا مل جائے گا؟! اللہ کی قسم! فیصلہ کرنے والوں اور مفتیان کی اللہ کے روبرو اس قدر باز پرس ہوگی کہ اس سے کوئی چھٹکارا نہ پاسکے گا، سوائے اس کے جس نے حق جانا ہوگا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا ہوگا اور فتویٰ دیا ہوگا، رہا ان دونوں کے علاوہ کا معاملہ تو اُسے صورتحال واضح ہونے کے بعد معلوم ہوجائے گا کہ وہ کسی چیز پر نہ تھا۔

بتیسویں بات: [ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے کا سبب کیا ہے؟]

اس سے پوچھا جائے: تم نے فلاں کی بات اپنائی ہے' تو کیوں اپنائی ہے؟ اس لئے کہ فلاں نے کہی ہے' یا اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی ہے؟ اب اگر تم کہو: اس لئے کہ فلاں نے کہی ہے! تب تو تم نے فلاں کی بات کو حجت و دلیل بنادیا جو سراسر باطل ہے، اور اگر تم کہو: اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی ہے، تو اس سے بھی زیادہ سنگین اور بدتر بات ہے' کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے اور ایسی بات تھوپنے کو شامل ہے' جو آپ ﷺ نے نہیں کہی ہے، ساتھ ہی یہ امام تقلید پر بھی جھوٹ ہے' کیونکہ امام نے نہیں کہا ہے کہ: یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے! چنانچہ تمہارا معاملہ دو معاملوں کے درمیان ہے' تیسری کوئی صورت نہیں: یا تو غیر معصوم کی بات کو حجت و دلیل بناؤ، یا معصوم پر ایسی بات تھوپو جو انہوں نے کہا ہی نہیں ہے! دونوں میں سے کسی ایک بات کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں، اور اگر تم کہو: کہ نہیں اس کے علاوہ بھی چارۂ کار ہے' ایک تیسری صورت باقی ہے، وہ یہ کہ ہم نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اپنے سے زیادہ علم والوں کی پیروی کریں، اور اگر ہمیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لیں' اور جو چیزیں نہ جان سکیں انہیں اہل علم کے استنباط کے حوالہ کردیں، لہٰذا ہم ایسی صورت میں نبی کریم ﷺ کے حکم کے پیروکار ہیں۔ تو کہا جائے: ہم بھی تم سے یہی بات کہہ رہے ہیں، تو دیر کس بات کی آؤ اس اصول پر متفق ہوجائیں جس کے بغیر ایمان و اسلام مکمل نہیں ہوسکتا! چنانچہ ہم تمہیں اللہ کا واسطہ دیتے ہیں' جس نے انہیں رسول بنا کر بھیجا ہے' بھلا جب تمہارے پاس نبی ﷺ کا فرمان آئے اور امام تقلید کا قول آئے تو کیا تم حکم رسول ﷺ کی بنا پر امام کا قول چھوڑ دوگے، اُسے دیوار پر مارو گے' اور اس صورت میں اُسے اپنانا حرام سمجھو گے' تاکہ نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع کا تحقق ہوجائے' جیسا کہ تم نے کہا ہے، یا پھر تم امام کا قول اپناؤ گے اور حکم رسول ﷺ کو اللہ کے حوالہ کرتے ہوئے کہو گے: امام کو رسول ﷺ کے بارے میں ہم سے زیادہ علم ہے' اس حدیث کی مخالفت انہوں نے اسی لئے کی ہوگی کہ وہ اُن کے یہاں منسوخ یا اپنے سے قوی تر حدیث متعارض ہوگی، یا پھر اُس کے یہاں صحیح نہ ہوگی؟؟ اور اس طرح امام کے قول کو محکم اور نبی کے فرمان کو متشابہ قرار

دو گے، چنانچہ اگر تم امام کا قول اس لئے اپناؤ گے کہ رسول ﷺ نے اس کی بات کو لینے کا حکم دیا ہے تو فرمان رسول جہاں بھی ہوگا اُسے مقدم کرو گے۔

تینتیسویں بات: [تقلید شخصی کی دلیل کہاں ہے؟]

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ تمہیں رسول ﷺ نے کہاں حکم دیا ہے کہ امت میں تعیین کے ساتھ کسی ایک شخص کی بات لو، اور اس کے ہم پلہ، یا زیادہ علم والے یا رسول ﷺ سے قریب تر کی بات چھوڑ دو؟ یہ تو رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک ایسی بات کا حکم دینے کی نسبت ہے، جس کا آپ نے کبھی حکم نہیں دیا ہے؟؟

اس کی مزید وضاحت چونتیسویں بات سے ہوگی۔

چونتیسویں بات: [سلف فلاں فلاں نہیں بلکہ سنت رسول ﷺ کی جستجو کرتے تھے]

تم نے جو بات ذکر کی ہے، وہ بعینہ تمہارے خلاف حجت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اہل ذکر سے پوچھنے کا حکم دیا ہے، اور "ذکر" قرآن وحدیث ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی بیویوں کو حکم دیا تھا کہ اُس کا ذکر کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ [الاحزاب:۳۴]۔

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو۔

چنانچہ یہی وہ ذکر ہے ہمیں جس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، اور جس کے پاس علم نہ ہو اُسے اہل ذکر سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہی ہر ایک پر واجب ہے کہ ذکر کے علم والوں سے پوچھے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اس لئے اتارا ہے تاکہ وہ لوگوں کو بتائیں اور جب لوگوں کو بتادیں، تو ان کے لئے اس کی اتباع کے سوا کوئی چارہ نہیں، ائمہ اہل علم کی یہی شان رہی ہے ان کا کوئی متعین تقلیدی امام نہ ہوتا تھا جس کی کہی ہوئی تمام باتوں میں اس کی پیروی کرتے ہوں۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ صحابہ کرام سے رسول ﷺ کا قول یا فعل یا سنت پوچھتے تھے، اس کے سوا کچھ نہیں پوچھتے تھے، اسی طرح صحابہ کرام امہات المؤمنین بالخصوص عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے گھریلوں کاموں کے بارے میں پوچھتے تھے، اسی طرح تابعین رحمہم اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے صرف اپنے نبی ﷺ کی حالت وکیفیت کی بابت سوال کرتے تھے، اسی طرح ائمہ فقہ کا بھی یہی وطیرہ تھا، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے امام احمد سے کہا:

”يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ، أَنْتَ أَعْلَمُ بِالْحَدِيثِ مِنِّي؛ فَإِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَأَعْلِمْنِي حَتَّىٰ أَذْهَبَ إِلَيْهِ شَامِيًّا كَانَ أَوْ كُوفِيًّا أَوْ بَصْرِيًّا“ (1)۔

اے ابو عبداللہ! آپ حدیث کے بارے میں مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں، لہٰذا جب حدیث صحیح ہو تو مجھے بتادیجئے تاکہ میں جا کر اسے حاصل کروں، خواہ (سند) شامی ہو، یا کوفی ہو یا بصری۔

اہل علم میں سے ایسا کبھی کوئی نہ تھا جو متعین شخص کی رائے اور اس کا مذہب پوچھے اور صرف اسی کو اپنا کر اس کے علاوہ کا مخالف ہو جائے۔

مقلدین کے شبہات کی تردید

پینتیسویں بات: [مستفتیان کو چاہئے کہ رسول ﷺ کا حکم اور آپ کی سنت پوچھیں]

نبی کریم ﷺ نے مستفتیان کو رہنمائی فرمائی ہے کہ انہیں آپ ﷺ کے حکم اور سنت کا سوال کرنا چاہئے، جیسے سر میں زخم لگنے والے شخص کے واقعہ میں بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ“ (2)۔

ان لوگوں نے اُسے قتل کر ڈالا، اللہ انہیں بھی مار ڈالے۔

یہاں آپ ﷺ نے بلا علم فتویٰ دینے کے سبب اُن پر بد دعا فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ تقلید کی بنیاد پر فتویٰ دینا حرام ہے، کیونکہ علماء کا اتفاق ہے کہ تقلید علم نہیں ہے، اور رسول اللہ ﷺ جس کام کے کرنے والے پر بد دعا فرمادیں وہ حرام ہے، یہ حرمت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے، لہٰذا مقلدین نے جس بات کو بطور دلیل پیش کیا ہے، وہ خود اُن کے خلاف ایک بڑی دلیل ہے، توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

اسی طرح مزدور جس نے اپنے مزدوری خواہ کی بیوی سے زنا کرلیا تھا، اس کے باپ نے اہل علم سے سوال کیا، جب اہل علم نے اُسے غیر شادی شدہ زنا کار کی بابت رسول اللہ ﷺ کی سنت بتائی، تو آپ ﷺ نے اُنہیں اُس پر

---

(1) اسے ابن ابی حاتم نے آداب الشافعی (ص ۹۴-۹۵) میں، ابو نعیم نے الحلیہ (۹/ ۱۷۰) میں، اور دیگر بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے مدنی یا مکی نہیں کہا، کیونکہ ان دونوں سے وہ حجت پکڑتے ہی ہیں، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے۔

(2) اس کی تخریج (ص ۳۹۸) میں گذر چکی ہے۔

باقی رکھا،نکیر نہیں فرمائی؛ کیونکہ انہوں نے اہل علم سے ان کی اپنی رائے اور مذہب کا سوال نہیں کیا تھا۔

چھتیسویں بات: [عمر رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تقلید نہیں کرتے تھے]

مقلدین کا یہ کہنا کہ: عمر رضی اللہ عنہ نے کلالہ کے بارے میں فرمایا:

''إِنِّي لَأَسْتَحْيِي مِنَ اللَّهِ أَنْ أُخَالِفَ أَبَا بَكْرٍ''۔

مجھے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ سے شرم آتی ہے۔

یہ عمر رضی اللہ عنہ کی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تقلید ہے۔

اس کا جواب پانچ طرح سے ہے:

اول: یہ کہ انہوں نے حدیث مختصر بیان کی ہے اور اس کا وہ حصہ حذف کر دیا ہے، جس سے ان کا استدلال باطل ہو جاتا ہے، چنانچہ ہم اسے مکمل ذکر کرتے ہیں:

''قَالَ شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ الشَّعْبِيِّ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ قَالَ فِي الْكَلَالَةِ: ''أَقْضِي فِيهَا بِرَأْيِي، فَإِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللَّهِ، وَإِنْ يَكُنْ خَطَأً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطَانِ، وَاللَّهُ مِنْهُ بَرِيءٌ، هُوَ مَا دُونَ الْوَلَدِ وَالْوَالِدِ''.فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ:''إِنِّي لَأَسْتَحِي مِنَ اللَّهِ أَنْ أُخَالِفَ أَبَابَكْرٍ''۔

شعبہ نے عاصم احول کے واسطے سے شعبی سے روایت کیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کلالہ کے بارے میں فرمایا: میں اس مسئلہ میں اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا، اگر درست ہوا تو اللہ کی جانب سے ہے، اور اگر غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے، اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے، کلالہ اُسے کہتے ہیں: جس کے پاس اولاد ہو نہ باپ۔

تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا: مجھے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ سے شرم آتی ہے۔

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت سے اس بات پر شرمائے، کہ اُنہوں نے اپنی ذات سے غلطی سرزد ہونے کے جواز کا اعتراف کیا، نیز یہ کہ اُن کی سب باتیں درست اور غلطی سے محفوظ نہیں ہیں۔اس کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت اقرار کیا کہ انہوں نے کلالہ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا، اور یہ بھی اعتراف کیا کہ انہوں نے کلالہ سمجھا ہی نہیں۔

دوم: مسائل میں عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت اتنی مشہور ہے کہ محتاج تذکرہ نہیں' جیسا کہ انہوں نے مرتدین کی عورتوں کو قیدی بنانے کے مسئلہ میں ابوبکر سے اختلاف کیا، چنانچہ ابوبکر نے قیدی بنایا اور عمر نے ان کی مخالفت کی' اور اس اختلاف کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُنہوں نے اُن عورتوں کو اپنے اہل خانہ کی طرف آزاد حالت میں واپس کیا، سوائے ان عورتوں کے جن کے یہاں اپنے آقاؤں سے بچے پیدا ہوئے اور اس کا حکم ٹوٹ گیا، انہی میں محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ماں خولہ حنفیہ بھی ہیں[1]! تو کہاں یہ مخالفت اور کہاں اپنے اماموں کے ساتھ مقلدین کا رویہ؟

اسی طرح زور و جبر سے حاصل کردہ زمین کے بارے میں مخالفت کی، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے قابل تقسیم قرار دیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسے وقف قرار دیا۔

اسی طرح عطیہ میں کمی بیشی کے بارے میں ابوبکر کی مخالفت کی، چنانچہ ابوبکر کی رائے تھی کی یکساں رکھا جائے اور عمر کی رائے تھی کی کمی بیشی رکھی جائے۔

اسی طرح خلیفہ (جانشین) مقرر کرنے کی بابت اُن کی مخالفت کی، اور بصراحت کہا:

''وَإِنِّي لَئِنْ لَا أَسْتَخْلِفْ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَسْتَخْلِفْ، وَإِنْ أَسْتَخْلِفْ فَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ قَدِ اسْتَخْلَفَ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَوَاللهِ، مَا هُوَ إِلَّا أَنْ ذَكَرَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَعْدِلَ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ أَحَدًا، وَأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَخْلِفٍ''[2]۔

اگر میں کسی کو جانشین نہ بناؤں تو رسول اللہ ﷺ نے نہیں بنایا تھا، اور اگر جانشین بناؤں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا، ابن عمر رضی اللہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے جب سنا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے، تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی کی طرف مائل نہ ہوں گے، اور خلیفہ نامزد نہیں کریں گے۔

چنانچہ سنت رسول ﷺ اور دوسرے کسی کی بات میں تعارض کی صورت میں اہل علم کا یہی طریقہ رہا ہے کہ سنت

---

(۱) یہ محمد بن الحنفیہ ہیں، یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور حسن وحسین کے باپ جایہ بھائی ہیں۔

(۲) اسے امام مسلم (حدیث ۱۸۲۳) نے روایت کیا ہے۔ الفاظ اسی کے ہیں۔ نیز امام بخاری (حدیث ۷۲۱۸)، ترمذی (حدیث ۲۲۲۵)، ابوداود (حدیث ۲۹۳۹) اور احمد (۱/ ۴۷) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

کے علاوہ کچھ بھی گوارا نہیں کرتے تھے، جیسا کہ مقلدین سنت کی کھلم کھلا مخالفت کرتے رہتے ہیں۔

اسی طرح دادا اور بھائیوں کی میراث کے مسئلہ میں عمر نے ابو بکر کی مخالفت کی ہے، رضی اللہ عنہما۔

سوم: اگر بالفرض ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تمام باتوں میں عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید مان بھی لی جائے تو بھی صحابہ وتابعین کے بعد کے لوگوں 'جو دور دور تک صحابہ کے مقام کو نہیں پاسکتے' کی تقلید کرنے والوں کے لئے کوئی سامان راحت نہیں! چنانچہ اگر تمہارے کہنے کے مطابق عمر رضی اللہ عنہ تمہارے لئے آئیڈیل ہیں تو تم بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تقلید کرو دیگر لوگوں کی تقلید چھوڑ دو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور تمام بندگان الٰہی اس تقلید پر تمہاری اس قدر مدح وستائش کریں گے 'جتنا ابو بکر کے علاوہ کسی کی تقلید پر نہیں کریں گے۔

چہارم: عمر رضی اللہ عنہ جس بات سے شرما گئے 'اپنے اماموں کے مقلدین کو اس سے شرم نہیں آئی، کیونکہ وہ اپنے تقلیدی امام کے قول کے بالمقابل ابو بکر اور ان کے ساتھ عمر دونوں کی مخالفت کرتے ہیں 'اس سے انہیں شرم نہیں آتی ہے! بلکہ بعض غالی مقلدین نے اپنی اصول کی کتابوں میں صراحت کی ہے کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تقلید ناجائز ہے 'امام شافعی کی تقلید واجب ہے، ہائے تعجب!! تم پر امام شافعی کی تقلید کس چیز نے واجب کی اور ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تقلید کس نے حرام کی!!

ہم اپنے اوپر اللہ کو گواہ بناتے جس کے بارے میں روز قیامت ہم سے باز پرس ہوگی: کہ اگر ہمیں خلفاء راشدین ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما جن کی اتباع و پیروی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے 'کا کوئی صحیح قول مل جائے اور پوری روئے زمین کے لوگ اس کے خلاف ہوں 'تب بھی ہم کسی قول کی طرف التفات نہیں کریں گے!! ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان مصیبتوں سے عافیت بخشی ہے جن میں ابو بکر وعمر کی تقلید سے محروم اور اپنے تقلیدی اماموں کی تقلید کو واجب کہنے والے مبتلا ہیں۔

خلاصۂ کلام اینکہ اگر عمر رضی اللہ عنہ کی ابو بکر رضی اللہ کی تقلید درست بھی ہو تو اس میں مقلدین کے لئے اس کی تقلید میں کوئی سامان راحت نہیں ہے 'جس کی تقلید کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے نہ رسول اللہ ﷺ نے، نہ اُسے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی سنت کا معیار اور کسوٹی قرار دیا ہے، نہ خود اس امام ہی نے اپنے آپ کو ایسا بنایا ہے۔

پنجم: اس میں زیادہ سے زیادہ اتنی سی بات ہے کہ عمر نے ایک مسئلہ میں ابو بکر کی تقلید کر لی، تو بھلا کیا اس میں اس بات کے جواز کی دلیل ہے کہ کسی معین آدمی کے اقوال کو شارع کے نصوص کا درجہ دے دیا جائے 'اس کے علاوہ کسی

کے قول کی طرف التفات نہ کیا جائے؛ بلکہ شارع کے نصوص کو بھی خاطر میں نہ لایا جائے؛ اِلایہ کہ شارع کے نصوص اُس شخص معین کے قول کے موافق ہو؟ اللہ کی قسم! یہی وہ بات ہے جس کے بارے میں ائمہ اسلام کا اجماع ہے کہ یہ اللہ کے دین میں حرام ہے، امت میں یہ چیز فضیلت والی صدیوں کے ختم ہونے کے بعد ظاہر ہوئی ہے۔

سینتیسویں بات: [قول عمر رضی اللہ عنہ "ہماری رائے آپ کی رائے کے تابع ہے" کا صحیح پس منظر]

مقلدین کا یہ شبہہ کہ: عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر سے کہا: "رَأْيُنَا لِرَأْيِكَ تَبَعٌ" (ہماری رائے آپ کی رائے کے تابع ہے)۔

بظاہر لگتا ہے کہ اس سے حجت پکڑنے والے نے لوگوں کو ایک لفظ کہتے ہوئے سنا جو سمجھنے والے کے لئے کافی تھا لہٰذا حدیث سے صرف یہی لفظ لے کر اسی پر اکتفا کر لیا، جبکہ حدیث خود اس استدلال کو باطل کرنے والی سب سے عظیم چیز ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں طارق بن شہاب سے مروی ہے بیان کرتے ہیں:

"جَاءَ وَفْدُ بُزَاخَةَ مِنْ أَسَدٍ وَغَطَفَانَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ يَسْأَلُونَ الصُّلْحَ، فَخَيَّرَهُمْ بَيْنَ الْحَرْبِ الْمُجْلِيَةِ وَالسِّلْمِ الْمُخْزِيَةِ، فَقَالُوا: هَذِهِ الْمُجْلِيَةُ قَدْ عَرَفْنَاهَا فَمَا الْمُخْزِيَةُ؟ قَالَ: نَنْزِعُ مِنْكُمْ الْحَلْقَةَ وَالْكُرَاعَ، وَنَغْنَمُ مَا أَصَبْنَا لَكُمْ، وَتَرُدُّونَ لَنَا مَا أَصَبْتُمْ مِنَّا، وَتَدُونَ لَنَا قَتْلَانَا، وَتَكُونُ قَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ، وَتَتْرُكُونَ أَقْوَامًا يَتْبَعُونَ أَذْنَابَ الْإِبِلِ حَتَّى يُرِيَ اللَّهُ خَلِيفَةَ رَسُولِهِ وَالْمُهَاجِرِينَ أَمْرًا يَعْذِرُونَكُمْ بِهِ، فَعَرَضَ أَبُو بَكْرٍ مَا قَالَ عَلَى الْقَوْمِ، فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: قَدْ رَأَيْتَ رَأْيًا سَنُشِيرُ عَلَيْكَ: أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنَ الْحَرْبِ الْمُجْلِيَةِ وَالسِّلْمِ الْمُخْزِيَةِ فَنِعْمَ مَا ذَكَرْتَ، وَمَا ذَكَرْتَ مِنْ أَنْ نَغْنَمَ مَا أَصَبْنَا مِنْكُمْ وَتَرُدُّونَ مَا أَصَبْتُمْ مِنَّا فَنِعْمَ مَا ذَكَرْتَ، وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ أَنْ تَدُونَ قَتْلَانَا وَتَكُونُ قَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ فَإِنَّ قَتْلَانَا قَاتَلَتْ فَقُتِلَتْ عَلَى مَا أَمَرَ اللَّهُ، أُجُورُهَا عَلَى اللَّهِ لَيْسَ لَهَا دِيَاتٌ، فَتَتَابَعَ الْقَوْمُ عَلَى مَا قَالَ عُمَرُ"[1]۔

---

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۷۲۱۱) نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

"قَالَ لِوَفْدِ بُزَاخَةَ: تَتْبَعُونَ أَذْنَابَ الْإِبِلِ، حَتَّى يُرِيَ اللَّهُ خَلِيفَةَ نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُهَاجِرِينَ أَمْرًا يَعْذِرُونَكُمْ بِهِ"۔

ابو بکر صدیق نے وفد بزاخہ سے کہا: تم اونٹوں کے دموں کے پیچھے چلو گے (صحراؤں میں اونٹ چراؤ گے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (مشورے کے بعد) اپنے رسول کے خلیفہ اور مہاجرین کو کوئی ایسی چیز دکھائے جس کی بنا پر وہ تمہیں معذور قرار دیں۔

===

قبیلہ اسد و غطفان کا وفد بزاخہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا، انہوں نے آپ سے صلح کی درخواست کی، تو آپ نے انہیں مال و وطن سے نکالنے والی جنگ اور رسوا کن صلح کے مابین اختیار دیا، انہوں نے کہا: یہ مال و وطن سے نکالنے والی جنگ تو ہم نے سمجھ لیا لیکن رسوا کن صلح کیا ہے؟ فرمایا: ہم تم سے تمام اسلحہ جات، زرہیں اور ہر قسم کے گھوڑے لے لیں گے، اور جو ہمیں تم سے حاصل ہوگا ہمارا مال غنیمت ہوگا، اور جو تم ہم سے حاصل کرو گے ہمیں لوٹاؤ گے، نیز تم ہمارے مقتولین کا خون بہا ادا کرو گے، اور تمہارے مقتولین جہنم میں جائیں گے، اور تم کچھ لوگوں کو چھوڑو گے جو اونٹوں کے دموں کے پیچھے چلیں گے (غالباً جلاوطن کئے جائیں گے، یا صحراؤں میں اونٹ چرائیں گے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (مشورے کے بعد) اپنے رسول کے خلیفہ اور مہاجرین کو کوئی ایسی چیز دکھائے، جس کی بنا پر وہ تمہیں معذور سمجھ لیں، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی باتیں اپنے لوگوں کے سامنے پیش کیں، تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: میری ایک رائے ہے، ہم آپ کے سامنے بطور مشورہ پیش کر رہے ہیں: جو آپ نے مال و وطن سے نکالنے والی جنگ اور رسوا کن صلح کی بات کہی وہ بڑی پیاری بات ہے، لیکن جو آپ نے ذکر کیا کہ تم ہمارے مقتولین کا خون بہا ادا کرو گے، اور تمہارے مقتولین جہنم میں جائیں گے، تو ہمارے مقتولین نے اللہ کے حکم سے جنگ کی ہے اور شہید ہوئے ہیں، لہٰذا ان کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، اس کا کوئی خون بہا نہیں ہے، یہ سن کر سارے لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی بات کی موافقت کی۔

=== حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۳/ ۱۶۶) میں فرماتے ہیں: اس روایت کو امام برقانی نے اپنی مستخرج میں ذکر کیا ہے، اور حمیدی نے الجمع بین الصحیحین میں بیان کیا ہے، پھر کہتے ہیں: حمیدی نے کہا ہے: اسے امام بخاری نے مختصر کیا ہے، اس کا صرف ایک گوشہ ذکر کیا ہے، امام برقانی نے اسی سند سے پوری لمبی حدیث روایت کیا ہے، جس میں سے امام بخاری نے اتنی مقدار روایت کیا ہے۔

بزاخہ: باء پر ضمہ کے ساتھ، یہ قبیلہ کے طے کے لوگ ہیں، اور اسد: بہت بڑا قبیلہ ہے جو اسد بن خزیمہ بن مدرکہ کی طرف منسوب ہیں، یہ قریش کی اصل کنانہ بن خزیمہ کے بھائی ہیں، اور غطفان: بھی ایک بہت بڑا قبیلہ ہے جو غطفان بن سعد بن قیس بن غیلان کی طرف منسوب ہیں، یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے اور جھوٹے مدعی نبوت طلیحہ اسدی کے پیروی کر لی، چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا، اور جب ان پر غالب ہو گئے تو انہوں نے مجبور ہو کر اپنا وفد ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔

المجلیۃ: جلاوطنی سے ہے، یعنی پورا مال چھوڑ کر نکل جانا۔ اور المخزیہ: خزی سے ہے، رسوائی یعنی ذلت و رسوائی کے ساتھ ٹھہریں۔ الحلقۃ: ہتھیار۔ الکراع: تمام گھوڑے۔ تدون: یہ دیت سے ہے، جو مقتول کے ورثاء کو قصاص ٹالنے کے لئے دیا جاتا ہے۔

یہی وہ حدیث ہے جس کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں: "قَدْ رَأَيْت رَأْيًا وَرَأْيُنَا لِرَأْيِكَ تَبَعٌ" (میری ایک رائے ہے اور ہماری رائے آپ کی رائے کے تابع ہے)۔

تو اس میں تقلیدی ٹولہ کے لئے کہاں سامان راحت ہے؟؟

اڑتیسویں بات: [ابن مسعود رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید نہیں کرتے تھے]

مقلدین کا یہ کہنا: کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کی بات لیتے تھے۔

تو مسائل میں عمر رضی اللہ عنہ سے ابن مسعود کے اختلافات اس قدر مشہور ہیں کہ بلاوجہ ذکر کرنے کی حاجت نہیں، اور اگر کبھی ان کی موافقت بھی کی ہو جیسے ایک عالم دوسرے عالم کی موافقت کرتا ہے، حتی کہ اگر کوئی بات ان کی تقلید میں اپنا بھی لیا ہو، تو یہ کل چار مسائل ہیں، جنہیں ہم گنائیں گے، کیونکہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے گورنروں میں سے تھے اور عمر امیر المؤمنین تھے! لیکن ان کی مخالفت تقریباً سو مسائل میں ہے، جن میں سے چند مسائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ ام ولد کو اپنے بچے کے نصیبے (حصہ) سے آزاد کیا جائے گا۔

۲۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تادم حیات نماز میں تطبیق کرتے تھے [1]، جبکہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے تھے [2]۔

---

(۱) التطبیق: کا معنیٰ یہ ہے کہ حالت رکوع اور تشہد میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو اکٹھا کرکے دونوں گھٹنوں کے درمیان کرلیا جائے۔ النھایۃ (۳/۱۱۴)۔ تطبیق کو امام مسلم (حدیث ۵۳۴)، ابوداود (حدیث ۸۶۸)، نسائی (حدیث ۱۰۲۹)، ابن ماجہ (حدیث ۱۲۵۵) اور دیگر لوگوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس میں ہے: گویا میں رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل ہوتے دیکھ رہا ہوں، اور انہیں دکھایا۔

اس روایت کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً عبدالرزاق نے اپنی مصنف (۲/۸۳) میں روایت کیا ہے۔ جبکہ تطبیق کا منسوخ ہونا صحیح بخاری (حدیث ۷۹۰)، ومسلم (حدیث ۵۳۵) اور دیگر کتابوں میں مروی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان کے بیٹے کی روایت سے ثابت ہے کہ وہ اپنے والد کے بغل میں نماز پڑھتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں: میں نے اپنی دونوں ہتھیلیوں میں تطبیق کرکے اپنے دونوں رانوں کے بیچ میں رکھا، تو میرے والد نے مجھے اس سے منع کیا، اور کہا: ہم پہلے ایسا کیا کرتے تھے، پھر ہمیں اس سے منع کردیا گیا، اور اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا۔ اور دارمی (حدیث ۱۳۰۳) کی ایک روایت میں ہے کہ مصعب نے کہا:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادگان جب رکوع میں جاتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے رانوں کے درمیان کرلیتے، چنانچہ میں نے سعد کے بغل میں نماز پڑھی... اور بقیہ حدیث ذکر کی۔

(۲) امام نسائی (حدیث ۱۰۳۵)، ترمذی (حدیث ۲۵۸)، اور بیہقی (۲/۸۴) نے عمر رضی اللہ عنہ کا قول: "سنت گھٹنوں کو پکڑنا ہے" روایت کیا ہے۔

۳۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ حرام کہنے کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ قسم ہے (۱) جبکہ عمر رضی اللہ عنہ اُسے ایک طلاق شمار کرتے تھے۔

۴۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ زانی سے زانیہ کا نکاح ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیتے تھے، جبکہ عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں سے توبہ کروا کر آپس میں نکاح کروا دیتے تھے (۲)۔

۵۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ لونڈی کو بیچنا اُسے طلاق دینا سمجھتے تھے، جبکہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اُس سے طلاق نہیں ہوگی۔اور اس طرح کے دیگر مسائل۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ اس اثر سے حجت پکڑنے والے ابن مسعود کی تقلید کے قائل ہیں نہ عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید کے بلکہ ان کے یہاں امام مالک، ابوحنیفہ، اور شافعی کی تقلید زیادہ محبوب اور قابل ترجیح ہے۔پھر آخر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف لوگوں کی تقلید کی نسبت کیونکر کرتے ہیں، جبکہ وہ خود فرماتے ہیں:

---

(۱) الحرام: یہ ایک قسم ہے۔جس میں اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے طلاق کی نیت کے بغیر بیوی اور لونڈی کو حرام کرنا مقصود ہو۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام بیہقی (۷/ ۳۵۱) نے بطریق عن الشافعی عن ابی یوسف، عن الاشعث بن سوار عن الحکم عن ابراہیم عن ابن مسعود، روایت کیا ہے کہ: "اگر اس سے قسم کی نیت ہو تو قسم مراد ہوگی اور طلاق کی نیت ہو تو طلاق ہوگی"۔اسی طرح اسے ثوری نے اشعث سے اسی کے مثل روایت کیا ہے۔

رہا عمر رضی اللہ عنہ کا اثر تو اسے بھی امام بیہقی (۷/ ۳۵۱) نے روایت کیا ہے، اور کہا ہے: کہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایتیں مختلف ہیں۔چنانچہ ان سے ابن عباس کی روایت میں یہ ہے کہ حرام کہنا قسم ہے، اور اس روایت کو امام احمد (۱/ ۲۲۵) نے بھی روایت کیا ہے، لیکن: عن عکرمہ عن عمر کہا ہے، اور عکرمہ کی عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔جبکہ بیہقی کی روایت عن ابن عباس عن عمر موصول ہے۔لیکن حرام کو قسم کہنے سے متعلق ابن عباس کی ایک روایت کو امام بخاری (حدیث ۴۹۱۱)، ومسلم (حدیث ۱۴۷۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔نیز دیکھئے: المغنی (۱۰/ ۳۹۶-۳۹۹)۔

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر کو عبد الرزاق نے المصنف (۷/ ۲۰۶، اثر ۱۲۸۰۱) میں روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: "جب تک وہ دونوں ایک ساتھ رہیں گے ہم انہیں زنا کار ہی سمجھیں گے"۔اور اسی سند سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔نیز ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو عورت سے زنا کرے، پھر اس سے نکاح کر لے؟ فرمایا: دونوں جب تک ایک ساتھ رہیں گے زنا کار ہیں، کہتے ہیں: ابن مسعود سے پھر پوچھا گیا: اگر دونوں توبہ کر لیں تو؟ فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝﴾ [الشوریٰ: ۲۵]۔

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو (سب) جانتا ہے۔

اور ابن مسعود اس آیت کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوا کہ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

نیز بیہقی (۷/ ۱۵۶) نے عن رافع الغطفانی عن ابن مسعود بھی روایت کیا ہے۔اور عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام عبد الرزاق (۳/ ۲۰۳-۲۰۴)، اور بیہقی نے (۷/ ۱۵۵) روایت کیا ہے۔

''لَقَدْ عَلِمَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنِّي أَعْلَمُهُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ، وَلَوْ أَعْلَمُ أَنَّ أَحَدًا أَعْلَمُ مِنِّي لَرَحَلْتُ إِلَيْهِ.

قَالَ شَقِيقٌ: فَجَلَسْتُ فِي حَلْقَةٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا يَرُدُّ ذَلِكَ عَلَيْهِ، وَلَا يَعِيبُهُ''[1]۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھنے والا ہوں اور اگر میں کسی کو اپنے سے زیادہ علم والا جانتا تو سفر کرکے اس کے پاس جاتا۔

شقیق فرماتے ہیں: چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے ایک حلقہ میں بیٹھا، تو کسی کو ان پر رد کرتے ہوئے یا عیب لگاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

''وَالَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ مَا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ سُورَةٌ إِلَّا وَأَنَا أَعْلَمُ حَيْثُ نَزَلَتْ، وَمَا مِنْ آيَةٍ إِلَّا وَأَنَا أَعْلَمُ فِيمَا أُنْزِلَتْ، وَلَوْ أَعْلَمُ أَحَدًا هُوَ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللَّهِ مِنِّي تَبْلُغُهُ الْإِبِلُ لَرَكِبْتُ إِلَيْهِ''[2]۔

اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، میں کتاب اللہ کی ہر سورت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں اتری، اور ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ کس بارے میں اتاری گئی، اور اگر میں کسی کے بارے میں جانتا کہ وہ مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھنے والا ہے، جس تک اونٹ پہنچ سکتے ہوں، تو میں ضرور جاتا۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم یمن سے آکر کچھ دن مدینہ میں ٹھہرے، تو ہم ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کی ماں کو نبی کریم ﷺ کے گھر کثرتِ آمدورفت اور گہری وابستگی کے سبب، آل بیت رسول ﷺ میں سمجھتے تھے[3]۔

اور ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ نے - جب کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے تھے، ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

---

(۱) اسے امام بخاری (حدیث ۵۰۰۰)، و مسلم (حدیث ۲۴۶۲) اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے، اور شقیق: ابن سلمہ، کبار تابعین میں سے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری، (۶/ ۱۸۷، حدیث ۵۰۰۲) [مترجم]۔

(۳) اسے امام بخاری (حدیث ۳۷۶۳، ۴۳۸۳)، مسلم (حدیث ۲۴۶۰)، اور ترمذی (حدیث ۳۸۰۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

فرمایا: میں نے جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کسی کو چھوڑا ہو، جو اللہ کے نازل کردہ کلام کا اس کھڑے ہونے والے سے زیادہ علم والا ہو!!

تو ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا:

جب ہم غائب ہوتے تو وہ حاضر رہتے، اور جب ہمیں اجازت نہیں ملتی تو انہیں اجازت ملتی تھی[1]۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو خط لکھا:

''میں نے تمہارے پاس عمار کو بحیثیت امیر اور عبداللہ بن مسعود کو بحیثیت معلم اور وزیر بھیجا ہے، یہ نیک طینت، اصحاب رسول ﷺ اور بدری صحابہ میں سے ہیں، لہٰذا ان سے علم حاصل کرو اور ان کی پیروی کرو، کیونکہ میں نے عبداللہ کی بابت تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دیا ہے۔

نیز ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ''طلاق بتہ'' کے بارے میں فتویٰ پوچھا، اور ان کے فتوے پر عمل کیا، لیکن یہ ان کی تقلید نہ تھی، بلکہ جب ان کی بات سنی اور انہیں سمجھ میں آیا کہ یہی صحیح ہے (تو عمل کیا)، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے آپس میں ایک دوسرے کی بات لینے کی یہی کیفیت ونوعیت ہوا کرتی تھی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''اغْدُ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا، وَلَا تَكُونَنَّ إِمَّعَةً''[2]۔

عالم یا طالب علم بنو، بلا دلیل کسی کے پیچھے چلنے والے نہ رہو۔

چنانچہ انہوں نے ''امعہ'' یعنی مقلد کو علماء اور طلباء کے زمرے سے نکال دیا ہے۔

اور یہی حقیقت ہے، کیونکہ مقلد نہ علماء کے ساتھ ہوتا ہے نہ علم ودلیل حاصل کرنے کے لئے طلبہ کے ساتھ، جیسا کہ غور کرنے والے کے لئے ظاہر اور معلوم ہے۔

---

(۱) اسے امام مسلم (حدیث ۲۴۶۱) نے روایت کیا ہے۔ یہ ابوالاحوص کی روایت ہے فرماتے ہیں:

''كُنَّا فِي دَارِ أَبِي مُوسَى مَعَ نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللهِ، وَهُمْ يَنْظُرُونَ فِي مُصْحَفٍ، فَقَامَ عَبْدُ اللهِ''۔

ہم عبداللہ بن مسعود کے کچھ شاگردان کے ساتھ ابوموسیٰ کے گھر میں تھے سب مصحف میں غور کر رہے تھے، تو عبداللہ کھڑے ہوئے اور فرمایا..

اور اسے امام حاکم نے مستدرک (۳/۳۱۶) میں بھی ذکر کیا ہے۔

(۲) اس کی تخریج (ص ۱۸۶) میں گزر چکی ہے۔

انتالیسویں بات: [صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں ایک دوسرے کی تقلید نہیں کرتے تھے]

مقلدین کا یہ کہنا کہ: عبداللہ بن عمر، عمر کے قول پر اپنا قول چھوڑ دیتے تھے، ابوموسیٰ علی کے قول پر اپنا قول چھوڑ دیتے تھے اور زید بن ثابت ابی بن کعب کے قول پر اپنا قول چھوڑ دیتے تھے۔

اس کا جواب: یہ ہے کہ یہ حضرات ان تینوں کی تقلید میں نبی کریم ﷺ کی معلوم سنت نہیں چھوڑتے تھے، جیسا کہ تقلیدی ٹولہ کا شیوہ ہے، بلکہ جو صحابہ کرام کی سیرت پر غور کرے گا اُسے معلوم ہوگا کہ جب ان کے سامنے سنت ظاہر ہو جاتی تو کسی کے قول کی بنا پر اُسے نہیں چھوڑتے تھے، خواہ کوئی بھی ہو، اس کے برعکس ابن عمر رضی اللہ عنہما سنت ظاہر ہونے پر عمر رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ دیتے تھے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ''ابوبکر نے فرمایا، عمر نے فرمایا'' کہہ کر سنت رسول ﷺ کی خلاف ورزی کرنے والے پر نکیر فرماتے تھے، کہتے تھے:

''يُوشِكُ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْكُمْ حِجَارَةٌ مِنَ السَّمَاءِ، أَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَتَقُولُونَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ''[1]۔

اندیشہ ہے کہ تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو جائے، میں کہہ رہا ہوں: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، اور تم کہتے ہو: ابوبکر و عمر نے فرمایا!؟

اللہ تعالیٰ ابن عباس پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے اور ان سے راضی ہو، اگر وہ آج کے ان خلف کو دیکھتے جن سے کہا جاتا ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو کہتے ہیں: فلاں فلاں نے فرمایا! اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں صحابہ کے مقام یا ان کے قریبی مقام سے کوئی نسبت نہیں، (تو بھلا کیا محسوس کرتے)۔

درحقیقت صحابہ دوسرے صحابہ کی باتوں پر اپنی باتیں اس لئے چھوڑ دیتے تھے، کیونکہ یہ لوگ کوئی بات کہتے تھے اور دوسرے کوئی اور بات کہتے تھے، اور ان کے پاس اپنی بات کی دلیل موجود ہوتی تھی، لٰہذا وہ اپنی بات چھوڑ کر دوسروں کی بات اپنا لیتے تھے، جیسا کہ اہل علم کیا کرتے ہیں، کہ ان کے یہاں علم دیگر چیزوں سے عزیز تر ہے، اور یہ چیز ہر اعتبار سے تقلیدی ٹولہ کی روش کے برعکس ہے، اور یہی مسروق رحمہ اللہ کے قول:

''مَا كُنْتُ أَدَعُ قَوْلَ ابْنِ مَسْعُودٍ لِقَوْلِ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ''۔

میں کسی کے قول کی سبب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نہیں چھوڑ سکتا۔

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ابن تیمیہ (۲۰/ ۲۱۵)، و إعلام الموقعین عن رب العالمین (۲/ ۱۶۸)۔ [مترجم]

کا بھی جواب ہے۔

چالیسویں بات: [رسول ﷺ کے معاذ رضی اللہ عنہ کی اتباع کا حکم دینے کا معنیٰ]

مقلدین کا یہ کہنا: کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''قَدْ سَنَّ لَكُمْ مُعَاذٌ فَاتَّبِعُوهُ''۔

معاذ نے تمہیں ایک طریقہ بتادیا ہے لہٰذا ان کی پیروی کرو۔

اس قول سے اللہ کے دین میں لوگوں کی تقلید پر استدلال کرنے والے پر تعجب ہے، کیونکہ معاذ کا بتایا ہوا طریقہ نبی کریم ﷺ کے فرمان: ''فَاتَّبِعُوهُ'' (ان کی پیروی کرو) سے ہی سنت قرار پایا ہے' جیسے اذان نبی کریم ﷺ کے فرمان، آپ کی منظوری اور مشروع قرار دینے سے سنت بنی ہے[1] محض صحابی کے خواب دیکھنے سے نہیں؟؟!

اگر کوئی کہے کہ پھر حدیث کا کیا معنیٰ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک کام کیا جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سنت بنا دیا، اور ہمارے لئے تب سنت ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے اُسے برقرار رکھا' صرف اس بنیاد پر نہیں کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے کیا، اور معاذ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''كَيْفَ تَصْنَعُونَ بِثَلَاثٍ؟ دُنْيَا تَقْطَعُ أَعْنَاقَكُمْ، وَزَلَّةِ عَالِمٍ وَجِدَالِ مُنَافِقٍ بِالْقُرْآنِ؟ فَأَمَّا الْعَالِمُ فَإِنِ اهْتَدَى فَلَا تُقَلِّدُوهُ دِينَكُمْ''[2]۔

تین چیزوں کے بارے میں تم کیا کرو گے؟ دنیا جو تمہاری گردنیں کاٹ دے گی (تباہ کن دنیا)، عالم کی لغزش، اور قرآن کے ذریعہ منافق کی حجت؟ فرمایا: دیکھو عالم اگر ہدایت یافتہ ہو تو اپنے دین کو اس کا مقلد نہ بنانا (دین کی کوئی بات بلا دلیل وحجت نہ لینا)۔

جیسا کہ مقدمہ میں تفصیلات گزر چکی ہیں[3]۔

---

(۱) اذان اور عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کا خواب میں اذان دیکھنا، رسول اللہ ﷺ سے بیان کرنا اور آپ ﷺ کا انہیں حکم دینا کہ بلال کو سکھائیں، نیز عمر رضی اللہ عنہ کا اذان کے صیغوں کو خواب میں دیکھنا، وغیرہ امام ابو داود (حدیث ۴۹۹)، ترمذی (حدیث ۱۸۹) اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے صحیح ابو داود (حدیث ۴۶۹) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) اسے امام ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم (۲/۱۳۶) میں حسن سند سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

(۳) یہ مولف کتاب علامہ فلانی کی بات ہے، بقیہ اثر کو علامہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اور ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں ذکر کیا ہے۔

چنانچہ معاذ رضی اللہ عنہ نے بانگ دہل حق کا اعلان کیا ہے، ہر چیز میں تقلید سے منع کیا ہے، قرآن کے ظاہر کی اتباع کا حکم دیا ہے نیز یہ کہ اس میں مخالفت کرنے والے کی پروانہ کی جائے، اسی طرح مشکل اور پیچیدہ مسائل میں توقف کا حکم دیا ہے، یہ ساری باتیں مقلدین کی روش کے بالکل خلاف ہیں، توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

اکتالیسویں بات: [اولو الأمر کی اطاعت کا مفہوم]

تمہارا یہ کہنا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اولو الامر (اختیار والوں) کی اطاعت کا حکم دیا ہے [1]، جس سے مراد علماء ہیں، اور ان کی اطاعت ان کے فتوؤں میں ان کی تقلید ہے!

اس کا جواب یہ ہے: کہ اولو الأمر کے بارے میں ایک قول ہے کہ یہ امراء ہیں، اور دوسرا قول ہے کہ یہ علماء ہیں، امام احمد سے یہ دونوں باتیں مروی ہیں، جبکہ حق بات یہ ہے کہ آیت کریمہ دونوں طبقوں کو شامل ہے، اور ان کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت کا حصہ ہے، چنانچہ علماء حکم رسول کو پہنچانے والے ہیں اور امراء اس کی تنفیذ کرنے والے ہیں، تو ایسی صورت میں ان کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے تحت واجب ہے، تو اس آیت کریمہ میں آراء رجال کو سنت رسول ﷺ پر مقدم کرنے اور اس پر تقلید کو ترجیح دینے کی دلیل کہاں ہے؟؟

بیالیسویں بات: [''وأولی الأمر منکم'' ردِّ تقلید کی دلیل ہے!]

یہ آیت کریمہ خود کئی وجوہ سے مقلدین کے خلاف اور تقلید کے ابطال پر ایک بڑی عظیم دلیل ہے، ملاحظہ فرمائیں:

اولاً: اس میں اللہ کی اطاعت کا حکم ہے یعنی اس کے حکم کی بجا آوری اور منع کردہ سے اجتناب۔

ثانیاً: اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے، اور بندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اطاعت گزار نہیں ہوسکتا تا آنکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم وفرمان کا جاننے والا ہو، اور جو اپنی ذات کے بارے میں اس بات کا اقرار کرلے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر کا جاننے والا نہیں بلکہ اس سلسلہ میں اہل علم کا مقلد ہے؛ تو اس کے لئے کسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی اطاعت ممکن نہیں۔

ثالثاً: اولو الأمر (علماء وامراء) نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے، جیسا کہ معاذ بن جبل، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن

---

(۱) مراد اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ [النساء:۵۹]۔
اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔

عمر، عبداللہ بن عباس اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے صحیح طور پر ثابت ہے، اور ہم اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ اور دیگر لوگوں کے نصوص ذکر کر چکے ہیں، ایسی صورت میں اگر اس میں ان کی اطاعت واجب ہو تو تقلید باطل ہے اور اگر اطاعت واجب نہ ہو تو استدلال باطل ہے۔

رابعاً: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسی آیت میں فرمایا ہے:

﴿ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ﴿٥٩﴾ ﴾ [النساء:۵۹]۔

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام بہت اچھا ہے۔

یہ تقلید کے ابطال اور متنازع مسئلہ کو کسی رائے، یا مذہب یا تقلید کی طرف لوٹانے کی ممانعت میں بالکل صریح اور دوٹوک ہے۔

اب اگر کوئی کہے: کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے جو باتیں وہ بتاتے ہیں اُن میں ان کی اطاعت کرنا درحقیقت اللہ اور اس کے رسول ہی کی اطاعت ہے، نہ کہ اُن کی اطاعت، تو وہ کونسی اطاعت ہے جو اُن کے ساتھ خاص ہے؟

تو اس کا جواب: یہ ہے کہ یہی حق ہے اور اولو الأمر کی اطاعت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ماتحت اور تابع ہے، مستقل نہیں، اسی لئے آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُس کی اطاعت کو رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ یونہی ملا دیا ہے عامل [1] کا اعادہ نہیں کیا ہے، اور اطاعت رسول کو عامل کا اعادہ کر کے مستقل بیان فرمایا ہے، تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ جس طرح اولو الأمر کی اطاعت بطور تابع اور ماتحت کی جائے گی، اُسی طرح رسول ﷺ کی اطاعت بھی بحیثیت تابع کی جائے گی، کیونکہ بات ایسی نہیں ہے، بلکہ رسول ﷺ کی اطاعت مستقل طور پر واجب ہے، خواہ آپ کے اوامر ونواہی قرآن کریم میں ہوں یا نہ ہوں۔

تینتالیسویں بات: [تابعین کی مدح وثنا اور تابعی ہونے کا معنیٰ]

مقلدین کا یہ کہنا کہ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اولین سبقت کرنے والے مہاجرین وانصار اور اخلاص واچھائی کے

(۱) یہاں آیت کریمہ میں عامل "أطیعوا" ہے، یعنی (وأطیعوا أولی الأمر منکم) نہیں کہا۔

ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں کی مدح وثنا فرمائی ہے[1]، اور ان کی تقلید کرنا ہی اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی ہے!! تو پہلا مقدمہ تو بڑا سچا اور دوسرا نہایت جھوٹا ہے۔

بلکہ آیت کریمہ تقلیدی ٹولہ کی تردید کے عظیم ترین دلائل میں سے ہے' کیونکہ ان کی اتباع کرنا اُن کے راستے اور منہج وطریقہ پر چلنا ہے، اور انہوں نے تقلید اور آدمی کو بے دلیل کسی کے پیچھے چلنے سے منع کیا ہے، اور بتایا ہے کہ مقلد اہل علم وبصیرت میں سے نہیں ہے، الحمد للہ اُن میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو ان مقلدین کے مذہب ومسلک پر گامزن ہو، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مصیبت سے پناہ وعافیت بخشی تھی جس میں آراء رجال اور ان کی تقلید کے مقابل نصوص شریعت کو رد کرنے والے بتلا ہیں۔ یہ تو ان کی اتباع کی ضد اور سراسر مخالفت ہے، کیونکہ ان کے سچے پیروکار اہل علم وبصیرت ہیں جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت پر کسی رائے یا قیاس، یا عقل یا ساری دنیا میں کسی کی بات کو مقدم نہیں کرتے، نہ کسی کے مذہب کو قرآن وسنت کا معیار وکسوٹی بناتے ہیں، یہی لوگ ان کے حقیقی متبعین ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحمت سے ہمیں ان میں شامل فرمائے۔ (آمین)

اس کی مزید وضاحت چوالیسویں بات سے ہوگی۔

چوالیسویں بات: [ائمہ کرام کے سچے پیروکار کون ہیں؟]

یہ ہے کہ اگر ان کے پیروکار یہ مقلدین ہو جائیں گے جو خود اپنے بارے میں اور تمام اہل علم اُن کے بارے میں اس بات کے اقراری ہیں کہ وہ اہل علم میں سے نہیں ہیں' تو دلیل وحجت کے ساتھ ساتھ چلنے والے محترم علماء اُن کے متبع وپیروکار نہ رہ جائیں گے، اور جہلاء ان کی اتباع سے زیادہ سعادتمند ہوں گے، جبکہ یہ بالکل محال بات ہے، بلکہ جو کسی حجت کی بنا پر اُن میں سے کسی کی مخالفت کرتا ہو وہی ان کا سچا متبع ہے' نہ کہ وہ جو ان کی بات بلا دلیل اپناتا ہو، اور یہی بات ائمہ کے پیروکاروں کے بارے میں بھی ہے، اللہ کی پناہ کہ ان ائمہ کے پیروکار یہ مقلدین ہوں جو

---

(۱) یہ اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [التوبہ:۱۰۰]۔

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

ان کی رایوں کو نصوص شریعت کا درجہ دیتے ہیں' بلکہ اس کی بنا پر نصوص ترک کر دیتے ہیں؛ لہٰذا یہ لوگ ان کے پیروکار نہیں ہیں' بلکہ ان کے حقیقی پیروکار وہ ہیں جو ان کے طریقہ اور منہج پر کار بند ہیں۔

اور بعض مقلدین نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر اعتراض کیا کہ انھوں نے مدرسہ ابن الحنبلی میں جو کہ حنابلہ کے لئے وقف تھا' تدریس کا فریضہ انجام دیا' اور مجتہد ان میں سے نہیں ہوسکتا، تو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا: ''میں مذہب حنابلہ سے جو کچھ لیتا ہوں' امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب سے متعلق اپنے علم کی بنیاد پر لیتا ہوں' تقلید کرتے ہوئے نہیں لیتا''۔

اور یہ محال ہے کہ یہ متاخرین ائمہ کرام کے مذہب پر ہوں اور ان کے شاگردان جو ان کی تقلید نہیں کرتے تھے' وہ ان کے مذہب پر نہ ہوں! چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کے سب سے بڑے پیروکار ابن وہب اور ان کے طبقہ کے لوگ ہیں جو دلیل وحجت کو فیصل سمجھتے تھے اور جہاں کہیں ہو اس کے تابع فرمان رہتے تھے۔

اسی طرح امام ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بکثرت مخالفت کے باوجود اُن کے مقلدین سے بڑھ کر ان کے پیروکار ہیں۔

اسی طرح امام بخاری، مسلم، ابو داود اور اثرم (۱) رحمہم اللہ کا معاملہ ہے۔ اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ کے شاگردان کا طبقہ آپ سے نسبت رکھنے والے نرے مقلدین سے زیادہ آپ کا پیروکار ہے، اس لئے درحقیقت مقلدین کی بہ نسبت اہل حجت وبرہان اور علماء کرام ہی ائمہ کرام کے پیروکار کہلانے کے حقدار ہیں۔

پینتالیسویں بات: [حدیث ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں'' کی حقیقت!]

ان کا کہنا کہ: تقلید کے صحیح ہونے کے لئے مشہور حدیث:

''أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ'' (۲)۔

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں' تم جس کے بھی پیچھے چلو گے' راہیاب ہو گے۔

ہی کافی ہے۔

---

(۱) یہ احمد بن محمد بن ہانی ابو بکر طائی، کلبی بھی کہا جاتا ہے، اثرم اسکافی ہیں، جلیل القدر حافظ امام اور امام احمد سے بکثرت روایت کرنے والے تھے، شذرات الذھب (۲/۱۴۱)، وطبقات الحنابلہ (۱/۱۶) وغیرہ۔

(۲) اس کی تخریج (ص ۴۰۱) میں گذر چکی ہے۔

اس کا جوب کئی وجوہ سے ہے:

اولاً: یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے:

اعمش عن ابی سفیان عن جابر رضی اللہ عنہ (1)۔

سعید بن مسیب عن ابن عمر۔

اور حمزہ جزری عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔

لیکن ان میں سے کوئی سند ثابت نہیں ہے۔

میں (مولف کتاب فلانی) کہتا ہوں: امام ابن عبد البر رحمہ اللہ جامع بیان العلم میں فرماتے ہیں:

''ہم سے محمد بن ابراہیم بن سعید نے بطریق قراءت بیان کیا کہ ان سے محمد بن احمد بن یحییٰ نے بیان کیا، ان سے ابوالحسن محمد بن ایوب رقی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو بکر احمد بن عمر بن عبد الخالق بزار نے کہا میں نے ان سے عوام الناس میں مشہور نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث کے بارے میں پوچھا، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''إِنَّمَا مَثَلُ أَصْحَابِي كَمَثَلِ النُّجُومِ - أَوْ أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ - فَبِأَيِّهِم اقْتَدَوْا اهْتَدَوْا''۔

یقیناً میرے صحابہ کی مثال ستاروں جیسی ہے- یا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں- لہذا لوگ جس کے پیچھے چلیں گے، راہیاب ہوں گے۔

امام بزار فرماتے ہیں: یہ بات نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے (2)، اسے عبد الرحیم بن زید عمی نے اپنے والد کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، یہ حدیث اسی عبد الرحیم بن زید کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ اہل علم نے اس کی روایت پر سکوت اختیار کیا ہے، نیز یہ بات نبی کریم ﷺ سے منکر بھی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے صحیح طور پر مروی ہے:

''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي، فَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ'' (3)۔

---

(1) جامع بیان العلم (۲/۱۱۱)، والاحکام، از ابن حزم (۶/ ۸۱۰)، بطریق ابن عبد البر رحمہ اللہ۔

(2) یہاں تک اعلام الموقعین (۲/ ۲۲۳) سے ہے، اور آگے جامع بیان العلم (۲/ ۱۱۰) سے ابن عبد البر کی بات شروع ہو رہی ہے۔

(3) اس کی تخریج (ص ۱۴۱) میں گزر چکی ہے۔

تم لوگ میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ نیک جانشینوں کی سنت پر کاربند رہنا، اور اسے دانتوں سے خوب اچھی طرح پکڑ لینا۔

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان عبد الرحیم کی حدیث ثابت ہو تو بھی اس سے متعارض ہے، چہ جائے کہ ثابت ہی نہیں ہے؟ اور نبی کریم ﷺ اپنے بعد صحابہ کرام سے اختلاف روا نہیں رکھ سکتے، واللہ تعالیٰ اعلم" یہاں امام بزار کی بات ختم ہوئی۔

امام ابو عمر فرماتے ہیں:

ابو شہاب حناط نے حمزہ جزری سے، انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّمَا أَصْحَابِي مِثْلُ النُّجُومِ فَبِأَيِّهِمْ أَخَذْتُمْ بِقَوْلِهِ اهْتَدَيْتُمْ"۔

یقیناً میرے صحابہ کی مثال ستاروں جیسی ہے، لہٰذا تم جس کی بات بھی لے لو گے، راہیاب ہوں گے۔

یہ سند صحیح نہیں ہے، کیونکہ اسے نافع سے کوئی قابل حجت شخص روایت نہیں کرتا، اور امام بزار کی بات ہر حالت کے لئے درست نہیں ہے؛ کیونکہ انفرادی طور پر نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی اقتداء جاہل کے لئے ہے جو مسئلہ سے لاعلم ہو، اور جس کی یہ حالت ہو اس کے لئے تقلید لازم ہے، آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اگر وہ کوئی مناسب اور جائز توجیہ کرسکیں جو اصول میں ممکن ہو، تو آپس میں ایک دوسرے کی اقتدا کا حکم نہیں دیا ہے، بلکہ ان میں سے ہر ایک ستارہ ہے، جس کی اپنے دین کے ضروری مسائل سے نابلد عام آدمی کے لئے اقتدا کرنا جائز ہے، یہی دیگر علماء اور عوام الناس کا معاملہ ہے۔

یہ حدیث امام بزار کی ذکر کردہ سند کے علاوہ دوسری سند سے بھی مروی ہے: ہم سے احمد بن عمر نے بیان کیا، ان سے عبد بن احمد نے بیان، ان سے علی بن عمر نے بیان کیا، ان سے قاضی احمد بن کامل نے بیان کیا، ان سے عبد اللہ بن روح نے بیان کیا، ان سے سلام بن سلیم نے بیان کیا، ان سے حارث بن غصین نے روایت کیا، وہ اعمش سے روایت کرتے ہیں، وہ ابو سفیان سے، وہ جابر سے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ"۔

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، تم جس کے بھی پیچھے چلو گے، راہیاب ہوں گے۔

ابوعمر فرماتے ہیں:

اس سند سے حجت قائم نہیں ہوتی، کیونکہ حارث بن غصین مجہول ہے، ہم سے عبدالوارث بن سفیان نے بیان کیا، ان سے قاسم بن اصبغ نے بیان کیا، ان سے احمد بن زہیر نے بیان کیا، ان سے ان کے والد نے بیان کیا، ان سے سعید بن عامر نے بیان کیا، ان سے شعبہ نے بیان کیا، وہ حکم بن عتیبہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ إِلَّا يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيُتْرَكُ إِلَّا النَّبِيَّ ﷺ "(1)۔

اللہ کی مخلوق میں ہر ایک کی بات لی بھی جا سکتی ہے اور چھوڑی بھی جا سکتی ہے سوائے نبی کریم ﷺ کے۔

امام ابن القیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:

ثانیاً: ان مقلدین سے کہا جائے: بھلا تم نے رہنمائی کے ستاروں کو چھوڑ کر ان سے بہت کمتر درجہ کے لوگوں کی تقلید کیونکر جائز قرار لیا، کہ امام مالک، شافعی، ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل کی تقلید تمہارے یہاں ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کی تقلید سے زیادہ قابل ترجیح ہے؟ چنانچہ حدیث جس بات پر دلالت کرتی ہے اس کی تم نے صریح مخالفت کی اور جن کی تقلید سے حدیث نے سرے سے کوئی تعرض نہیں کیا اس پر تم نے اس سے استدلال کیا۔

ثالثاً: یہ چیز تم پر واجب قرار دیتی ہے کہ بیک وقت ان علماء کی بھی تقلید کرو جو دادا کو بھائیوں کے ساتھ وارث بناتے ہیں (2) اور ان علماء کی بھی جو بھائیوں کو ساقط قرار دیتے ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو حرام کہنے کو قسم کہتے ہیں اور ان کی بھی جو اسے طلاق کہتے ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو ملک یمین یعنی غلامی کے ذریعہ دو بہنوں کو نکاح میں اکٹھا کرنے کو حرام کہتے ہیں اور ان کی بھی جو اسے جائز کہتے ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو روزہ دار کے لئے اولہ کھانا جائز قرار دیتے ہیں اور ان کی بھی جو اس سے منع کرتے ہیں (3)، اور ان کی بھی تقلید کرو جو کہتے ہیں کہ متوفیٰ عنہا حاملہ

---

(1) جامع بیان العلم، (2/110-111)۔

(2) یعنی ابن مسعود اور دوسرے ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

(3) علامہ البانی رحمہ اللہ سلسلہ ضعیفہ میں فرماتے ہیں:

"یہ موقوف حدیث سابق الذکر حدیث "أصحابي کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم" (میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتدا کروگے راہیاب ہوگے) کے باطل ہونے کے صریح دلائل میں سے ہے، کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے ہوئے رمضان میں اولہ کھانے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا، جبکہ میرے علم کے مطابق آج دنیا کا کوئی مسلمان اس بات کا قائل نہیں ہے"، دیکھئے: سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، از علامہ البانی (1/155)۔ [مترجم]

خاتون دونوں میں سے زیادہ لمبی عدت گزارے گی، اور ان کی بھی جو کہتے ہیں اس کی عدت وضع حمل ہے، اور ان کی بھی تقلید کرو جو محرم پر خوشبو کا باقی رہنا حرام قرار دیتے ہیں، اور ان کی بھی کو اسے مباح کہتے ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے بیچنا جائز کہتے ہیں اور ان کی بھی جو اسے حرام کہتے ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو کو صحبت بلا انزال سے غسل واجب قرار دیتے ہیں اور ان کی بھی جو غسل ساقط کرتے ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو ذوی الارحام کو وارث بناتے ہیں اور ان کی بھی جو انہیں ساقط کرتے ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو بڑے کی رضاعت سے حرمت کے قائل ہیں اور ان کی بھی جو اس کے قائل نہیں ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو جنبی کو تیمم سے منع کرتے ہیں اور ان کی بھی جو اُسے واجب قرار دیتے ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو طلاق ثلاثہ کو ایک سمجھتے ہیں اور ان کی بھی جو اسے تین سمجھتے ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو حج کو فسخ کر کے عمرہ بنانا واجب کہتے ہیں اور ان کی بھی جو اس سے منع کرتے ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو گھریلو گدھوں کے گوشت کو مباح کہتے ہیں اور ان کی بھی جو اس سے منع کرتے ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو عضو تناسل چھونے سے وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں، اور ان کی بھی جو ٹوٹنے کے قائل نہیں ہیں، اور ان کی بھی تقلید کرو جو لونڈی کی فروخت کو طلاق سمجھتے ہیں اور ان کی بھی جو ایسا نہیں سمجھتے، اور ان کی بھی تقلید کرو جو ایلاء کرنے والے کو[1] مدت ختم ہونے پر روکتے ہیں اور ان کی بھی جو نہیں روکتے ہیں، اور ان جیسے کئی گنا مسائل میں جن میں صحابہ کرام کا اختلاف رہا ہے! چنانچہ اگر تم اسے جائز قرار دیتے ہو تو کسی کے قول کے خلاف کسی قول یا کسی کے مذہب کے خلاف کسی مذہب سے استدلال نہ کرو، بلکہ آدمی کو اختیار دو کہ وہ صحابہ میں سے جس کا بھی قول لینا چاہے لے لے، نیز جو تمہارے مذاہب کی مخالفت کر کے اُن میں سے کسی کا قول اپنالے اس پر نکیر نہ کرو، اور اگر تم اسے جائز نہیں قرار دیتے تو سب سے پہلے تم خود اس دلیل کو باطل ٹھہرانے والے اُس کی مخالفت کرنے والے اور اس کے تقاضہ کے برعکس کے قائل ہو، اور تمہارے لئے اس سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں۔

---

(۱) المولی: ایلاء کرنے والا یعنی وہ شخص جس نے اپنی بیوی سے قریب نہ ہونے کی قسم کھالی ہو، تو وہ چار مہینہ تک انتظار کرے گا، جیسا کہ آیت میں ہے:

﴿ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾ ﴾ [البقرۃ: ۲۲۶-۲۲۷]۔

جو لوگ اپنی بیویوں سے (تعلق نہ رکھنے کی) قسمیں کھائیں، ان کے لئے چار مہینے کی مدت ہے، پھر اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔

رابعاً: ان کی اقتداء درحقیقت قرآن وسنت کی اتباع اور ان کی ان تمام باتوں کو ماننا ہے جس کی انہوں نے دعوت دی ہے۔ لہٰذا ان کی اقتداء تم پر تقلید کو حرام قرار دیتی ہے اور استدلال کرنے اور دلیل کو فیصل ماننے کی موجب ہے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا۔ ایسی صورت میں یہ حدیث تمہارے خلاف قوی ترین دلائل میں سے ہے، اور توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

چھیالیسویں بات: [ہمیں صحابہ کے اسوہ پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے]

تمہارا یہ کہنا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

''مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ أَبَرُّ هَذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوبًا، وَأَعْمَقُهَا عِلْمًا، وَأَقَلُّهَا تَكَلُّفًا...''[1]

تم میں جسے کسی کی پیروی کرنا ہو وہ فوت شدگان کی پیروی کرے، کیونکہ زندہ کی بابت فتنہ سے مامون نہیں ہوا جا سکتا، وہ محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اس امت سے سب سے نیک دل لوگ تھے، سب سے گہرے علم والے تھے، اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے...

تو یہ (حسب ذیل) کئی وجوہ سے تمہارے خلاف ایک بہت بڑی دلیل ہے:

اولاً: انہوں نے زندوں کی پیروی سے منع کیا ہے، جبکہ تم زندوں مُردوں دونوں کی تقلید کرتے ہو۔

ثانیاً: انہوں نے جن کی پیروی کرنی ہے ان کی تعین فرمائی ہے، کہ وہ مخلوق میں سب سے بہتر، امت میں سب سے نیک اور سب سے زیادہ علم والے ہیں، اور وہ صحابہء کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جبکہ مقلدو! تم ان کی تقلید اور پیروی کے قائل ہی نہیں ہو، تم تو فلاں فلاں کی تقلید کے قائل ہو، جو ان سے بہت کمتر درجے کے لوگ ہیں۔

ثالثاً: ان کی پیروی کرنا درحقیقت اُن کو آئیڈیل بنانا ہے، یعنی پیروی کرنے والا ویسے ہی کرے جیسے انہوں نے کیا ہے، وہی انجام دے جو انہوں نے انجام دیا ہے، اور یہ چیز بلا دلیل کسی کی بات ماننے کو باطل ٹھہراتی ہے، جیسا کہ صحابہ کا منہج تھا۔

رابعاً: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے تقلید کی روش اور آدمی کو بلا علم وبصیرت کسی کے پیچھے چلنے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کے یہاں استنان (پیروی) تقلید سے دیگر چیز ہے۔

---

(۱) اس کی تخریج (ص ۴۰۲) میں گذر چکی ہے۔

سینتالیسویں بات: ["میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو" رد تقلید کی دلیل ہے]

تمہارا یہ کہنا کہ: نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِن بَعدِي''۔

تم میری سنت پر اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر کار بند رہنا۔

نیز فرمایا:

''اقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي: أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ..''(1)۔

میرے بعد دو لوگوں: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرو۔

یہ تو تمہاری تقلیدی روش کے باطل ہونے پر ہماری دلیلوں میں سے ہے' کیونکہ تقلید ان کی سنت کے خلاف ہے' اور بدیہی طور پر معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص سنت ظاہر ہو جانے کے بعد کسی کے قول کی بنا پر اسے نہیں چھوڑتا تھا' خواہ کوئی بھی ہو۔ بلکہ سنت کے ہوتے ہوئے سرے سے کسی کے قول کا کوئی تصور ہی نہ تھا، جبکہ تقلیدی فرقہ کا طریقہ اس کے بالکل خلاف ہے۔

اس کی مزید وضاحت اڑتالیسویں بات سے ہوگی۔

اڑتالیسویں بات: [خلفاء راشدین کی سنت کا التزام اتباع رسول ﷺ ہے]

نبی کریم ﷺ نے اتباع کے وجوب میں خلفاء راشدین کی سنت کو اپنی سنت کے ساتھ ملایا ہے، اُن کی سنت کو اپنانا اُن کی تقلید نہیں' بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے۔ جس طرح اذان کو اپنانا خواب دیکھنے والے کی تقلید نہیں، اسی طرح مسبوق کے اپنی فوت شدہ نماز کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کرنے کا عمل اختیار کرنا معاذ رضی اللہ عنہ کی تقلید نہیں' بلکہ اُسے اپنانے کی بابت رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے حکم کی اتباع ہے، تو بھلا تمہاری تقلیدی روش کا اس عمل سے کیا تعلق ہے؟

اس کی مزید وضاحت انچاسویں بات سے ہوگی۔

انچاسویں بات: [خلف سنت رسول ﷺ کو اپناتے ہیں نہ صحابہ کی اقتدا کرتے ہیں]

ان دونوں حدیثوں کے سب سے پہلے مخالف تم خود ہو، کیونکہ خلفاء راشدین کی سنت اپنانا اور ان کی اقتداء کرنا

---

(1) ان دونوں کی تخریج بھی (ص ۴۰۱، ۴۰۲) میں گذر چکی ہے۔

تمہارے یہاں واجب ہی نہیں' نہ ان کی باتیں تمہارے یہاں حجت ہیں، بلکہ تمہارے بعض غالی مقلدوں نے تو صراحت کے ساتھ یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اُن کی تقلید جائز نہیں ہے' اور امام شافعی کی تقلید واجب ہے، یہ بھی ایک عجوبہ ہے کہ تم ایک ایسی چیز سے استدلال کرتے ہو' جس کے سب سے بڑے مخالف تم خود ہو، توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

اس کی مزید وضاحت پچاسویں بات سے ہوگی۔

پچاسویں بات: [کثرت اختلاف میں سنت رسول ﷺ وخلفاء کی پیروی کا حکم ہے نہ کہ کسی رائے کی]

یہ حدیث پورے طور پر ہر اعتبار سے تمہارے خلاف حجت ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اختلافات کی کثرت کے وقت اپنی اور اپنے خلفاء راشدین کی سنت کا حکم دیا ہے، اور تم فلاں فلاں کی رائے کا حکم دیتے ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ: آپ ﷺ نے دین میں نئی ایجاد کردہ باتوں سے ڈرایا ہے اور بتلایا ہے کہ دین میں ہر نو ایجاد بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے کہ تم جس تقلید پر قائم ہو جس کے لئے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت چھوڑ دی جائے. قرآن وسنت کو اس پر پیش کیا جائے اور اُسے کتاب سنت پر کسوٹی اور پیمانہ بنا دیا جائے' بہت بڑی بدعات اور نو ایجاد امور میں سے ہے' جس سے اللہ تعالیٰ نے ان ادوار کے لوگوں کو محفوظ رکھا ہے' جنہیں دیگر صدیوں پر خیر وفضیلت سے نوازا ہے، خلاصہ کلام یہ کہ جس بات کو خلفاء راشدین یا ان میں سے کسی ایک نے امت کے لئے سنت قرار دیا ہو' وہ حجت ہے اس سے عدول واعراض کرنا جائز نہیں ہے' تو بھلا اس کا تقلیدی فرقہ کی روش سے کیا سروکار ہے. جن کا کہنا ہے کہ اُن کی سنت حجت ہے نہ اُس میں ان کی تقلید جائز ہے؟

اس کی مزید وضاحت اکیاونویں بات سے ہوگی۔

اکیاونویں بات: [رسول ﷺ کی پیشینگوئی کہ بڑے اختلافات رونما ہوں گے]

یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اسی حدیث میں فرمایا ہے:

''فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا''۔

کیونکہ جو میرے بعد زندہ رہے گا بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔

اس میں اختلاف کرنے والوں کی مذمت اور ان کی روش پر چلنے سے تنبیہ کی گئی ہے۔

اور درحقیقت اختلاف کی کثرت اور اس کے معاملہ میں شدت تقلید کے سبب ہوئی ہے، اور مقلدین ہی نے

دین کو ٹکڑے کیا اور مقلدین کو ٹولیوں میں بانٹا ہے کہ ہر ٹولی اپنے امام کی تائید کرتی ہے اس کی طرف بلاتی ہے اور اپنے مخالف کی مذمت کرتی اور ان کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں سمجھتی ہے گویا وہ ان کے علاوہ کوئی دوسری امت ہیں ان پر ہمیشہ اور بھرپور رد کرتے ہیں، اور کہتے ہیں: ان کی کتابیں اور ہماری کتابیں، ان کے ائمہ اور ہمارے ائمہ، ان کا مذہب اور ہمارا مذہب! حالانکہ نبی ایک ہے، قرآن ایک ہے، دین ایک ہے، اور رب ایک ہے!! لہٰذا تمام لوگوں پر واجب ہے کہ ایک ایسی بات کے تابع ہو جائیں جو ان تمام کے مابین یکساں ہے وہ یہ کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں ان کے ساتھ کسی اور کو شامل نہ کریں جس کے اقوال اس کے نصوص کی طرح ہو جائیں نیز کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے! لہٰذا اگر سب اس بات پر متفق ہو جائیں، اور ان میں سے ہر ایک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلانے والے کی بات مان لے اور سب کے سب اپنا فیصلہ سنت رسول ﷺ اور آثار صحابہ سے لیں تو اختلاف گرچہ روئے زمین سے ناپید نہ ہو کم ضرور ہو جائے گا، اور اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ لوگوں میں سب سے کم اختلاف اہل سنت کے یہاں ہے، روئے زمین پر کوئی طبقہ ان سے زیادہ اتفاق والا اور ان سے کم اختلاف والا نہیں ہے، کیونکہ ان کی بنیاد اسی اصول پر ہے، لوگ جتنا ہی حدیثوں سے دور ہوں گے آپس میں ان کا اختلاف اسی قدر زیادہ اور شدید تر ہوگا، کیونکہ جو حق کو ٹھکراتا ہے اس پر معاملہ الجھ جاتا ہے اور درستی کا راستہ گڈمڈ ہو جاتا ہے اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ کیا کرے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِيجٍ ۝﴾ [ق:۵]۔

بلکہ انہوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا ہے جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ چکی پس وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں۔

باونویں بات: [عمر رضی اللہ عنہ نے شریح کو کتاب اللہ پھر سنت رسول مقدم کرنے کا حکم دیا]

تمہارا یہ کہنا: کہ عمر رضی اللہ عنہ نے شریح کو خط لکھا:

''اقْضِ بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَبِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ''۔

اللہ کی کتاب سے فیصلہ کرو، اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو سنت رسول ﷺ سے فیصلہ کرو، اگر سنت رسول میں نہ ہو تو صالحین کے فیصلوں سے فیصلہ کرو۔

تو یہ تمہارے خلاف اور تقلید کے باطل ہونے پر ایک نہایت واضح دلیل ہے، کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ نے شریح کو

اسی بات کا حکم دیا ہے کہ اللہ کی کتاب کے فیصلہ کو دیگر تمام فیصلوں پر مقدم کریں، اور اگر اللہ کی کتاب میں نہ پائیں' بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں پائیں تو اس کے علاوہ کسی طرف التفات نہ کریں، اور اگر سنت میں بھی نہ پائیں تو صحابہ کرام کے فیصلہ سے فیصلہ کریں۔

ہم تقلیدی فرقہ سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں' کیا وہ بھی ایسا ہی یا اس سے قریب قریب کرتے ہیں؟ کیا جب انہیں کوئی ہنگامی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو ان میں سے کسی کے دل میں یہ بات بھی آتی ہے کہ اس کا حکم اللہ کی کتاب سے لے کر نافذ کرے، اور اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ پائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے لے' اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بھی نہ پائے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتویٰ سے فتویٰ دے؟ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور وہ خود اپنے بارے میں اس پر گواہ ہیں کہ وہ اس مسئلہ کا حکم اپنے تقلیدی امام کے قول سے لیتے ہیں، اور اگر کتاب وسنت یا اقوال صحابہ میں اس کے خلاف واضح ہو' تو بھی اس کی طرف توجہ نہیں دیتے، اور اپنے امام کے قول کے علاوہ سرے سے کسی کی بات نہیں لیتے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کا خط ان کے قول کو باطل ٹھہرانے کی عظیم ترین دلیلوں میں سے ہے، اور یہی سلف صالحین کی سیدھی ڈگر اور ان کا ٹھوس طریقۂ کار تھا۔

لیکن جب فتویٰ متاخرین کے یہاں پہنچا تو وہ الٹی چال چلنے لگے، اور کہا: جب مفتی یا حاکم کو یہ ہنگامی مسئلہ پیش آئے تو اس پر سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا اس مسئلہ میں اختلاف ہے یا نہیں؟ اگر اس میں اختلاف نہ ہو تو کتاب وسنت نہ دیکھے بلکہ اس میں اجماع سے فتویٰ دیدے اور فیصلہ کردے، اور اگر اس میں اختلاف ہو تو اس میں اجتہاد کر کے دلیل سے قریب ترین قول کی روشنی میں فتویٰ دے اور فیصلہ صادر کرے، جبکہ یہ معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث' عمر رضی اللہ عنہ کے خط اور اقوال صحابہ کے مدلول کے یکسر خلاف ہے، اور جس بات پر کتاب وسنت اور اقوال صحابہ دلالت کرتے ہیں' وہ اس سے کہیں بہتر ہے' کیونکہ وہ مفتی اور حاکم کے بس میں بھی ہے اور اسی کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ مجتہد کے لئے کتاب وسنت کا مدلول جاننا روئے زمین کے گوشے گوشے میں لوگوں کے اس حکم پر اتفاق جاننے سے کہیں زیادہ آسان ہے، اور وہ ناممکن نہ سہی تو مشکل ترین اور دشوار ضرور ہے' سوائے ان امور میں جو اسلام کے لازمی مسائل (فرائض وارکان) ہوں، تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایسی بات کے حوالہ کردیں جہاں تک ہماری رسائی ہی نہ ہو سکے، اور اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے حوالہ نہ کریں جن کے ذریعہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہے' انہیں ہمارے لئے آسان فرمایا ہے، اور ان کی معرفت

کے لئے ہمیں ایسا راستہ بتلایا ہے جسے بڑے قریب سے حاصل کرنا آسان ہے؟

پھر اسے کیا معلوم' ہوسکتا ہے لوگوں کا اختلاف ہوا سے معلوم نہ ہو' کیونکہ اختلاف معلوم نہ ہونا عدمِ اختلاف کی دلیل نہیں ہے' لہٰذا علم نہ ہونے کو پورے علم کی بنیاد پر کیسے مقدم کیا جاسکتا ہے؟ نیز معلوم حق کو ایک نامعلوم چیز کی بنیاد پر چھوڑنا کیسے جائز ہوسکتا ہے' وہ زیادہ سے زیادہ موہوم ہوسکتی ہے' اور اس کی سب سے اچھی حالت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ مشکوک ہے' جس میں شک برابر یا راجح ہے؟

پھر یہ چیز ان لوگوں کی رائے کے مطابق کیسے درست ہوسکتی ہے جن کا کہنا ہے کہ: اجماع کی صحت و درستی کے لئے اجماع کرنے والوں کا دور ختم ہونا شرط ہے؟ چنانچہ جب تک ان کا دور ختم نہیں ہوگا اس میں پیدا ہونے والے کے لئے ان کی مخالفت جائز ہوگی، تو اس موقف والے کے لئے اجماع کی حجت پیش کرنا جائز ہی نہ ہوگا' تا آنکہ اُسے علم ہو کہ ان کا دور ختم ہو چکا ہے' اور اس میں ان کا کوئی مخالفت پیدا نہیں ہوا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے امت کو اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کی سنت سے رہنمائی کے لئے ایک ایسی چیز کے حوالہ کر دیا ہے جس کے لئے ان کے پاس کوئی راستہ ہے' نہ اس کے افراد کے لئے اس کی اطلاع و آگاہی ممکن ہے؟ اور انہیں اس چیز کے حوالہ نہیں کیا ہے' جو ان کے درمیان اُن کے لئے دائمی حجت و برہان ہے' نیز اس سے رہنمائی اور حق کی معرفت کا حصول ہمیشہ ممکن ہے، یہ حد درجہ محال بات ہے۔

اور جب یہ طریقہ رواج پایا تو اس کے نتیجہ میں نصوص کو اجماع سے ٹکرانے کی فضا پیدا ہوئی، اور اجماع کے دعویٰ کا دروازہ کھل گیا، اور جن مقلدین کو اختلاف معلوم نہ ہوتا اُن کی حالت یہ ہوگئی کہ جب ان کے سامنے قرآن وسنت کی دلیل پیش کی جاتی تو بڑی دیدہ دلیری سے کہتے: یہ اجماع کے خلاف ہے!!

یہی وہ چیز ہے جس کا ائمہ اسلام نے انکار کیا ہے' اور ہر اعتبار سے اس کے مرتکب کے لئے باعث عیب گردانا ہے' اور اس کے دعویدار کو جھوٹا قرار دیا ہے، چنانچہ امام احمد اپنے بیٹے عبد اللہ کی روایت میں فرماتے ہیں:

''مَنْ ادَّعَى الْإِجْمَاعَ فَهُوَ كَاذِبٌ، لَعَلَّ النَّاسَ اخْتَلَفُوا [وَلَمْ يَبْلُغْهُ]، هَذِهِ دَعْوَى بِشْرٍ الْمَرِيسِيِّ وَالْأَصَمِّ، وَلَكِنَّهُ يَقُولُ: لَا نَعْلَمُ النَّاسَ اخْتَلَفُوا، أَوْ لَمْ يَبْلُغْنَا ذَلِكَ''۔

جو اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے' شاید لوگوں نے اختلاف کیا ہو' اُسے اس کا علم نہ ہو' یہ تو بشر مریسی اور اصم کا دعویٰ ہے، بلکہ یہ کہے کہ: ہمیں لوگوں کے اختلاف کا علم نہیں' یا ہم تک ایسی کوئی بات نہیں پہنچی ہے۔

اور مروزی (۱) کی روایت میں فرماتے ہیں:

''كَيْفَ يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَقُولَ: أَجْمَعُوا؟ إِذَا سَمِعْتَهِمْ يَقُولُونَ: أَجْمَعُوا، فَاتَّهِمْهُمْ، لَوْ قَالَ: إِنِّي لَمْ أَعْلَمْ مُخَالِفًا، كَانَ صَوَابًا''۔

آدمی کے لئے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ کہے: لوگوں کا اجماع ہے؟ جب تم لوگوں کو ''مسلمانوں کا اجماع ہے'' کہتے ہوئے سنو، تو انہیں متہم کرو! ہاں اگر وہ یہ کہے کہ: میں اس کا کوئی مخالف نہیں جانتا' تو ایسا کہنا درست ہے۔

اور ابوطالب (۲) کی روایت میں کہتے ہیں:

'' هَذَا كَذِبٌ، مَا عِلْمُهُ أَنَّ النَّاسَ مُجْمِعُونَ؟ وَلَكِنْ يَقُولُ: مَا أَعْلَمُ فِيهِ اخْتِلَافًا! فَهُوَ أَحْسَنُ مِنْ قَوْلِهِ: أَجْمَعَ النَّاسُ''۔

یہ دعویٰ جھوٹ ہے، اُسے کیسے معلوم ہوا کہ تمام لوگوں کا اجماع ہے؟ بلکہ اُسے یہ کہنا چاہئے کہ: میں اس میں کوئی اختلاف نہیں جانتا! کہ یہ ''لوگوں کا اجماع ہے'' کہنے سے بہتر ہے۔

اور ابوالحارث (۳) کی روایت میں فرماتے ہیں:

'' لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَدَّعِيَ الْإِجْمَاعَ، لَعَلَّ النَّاسَ اخْتَلَفُوا''۔

کسی کے لئے اجماع کا دعویٰ کرنا مناسب نہیں' کیونکہ ہوسکتا ہے لوگوں کا اختلاف ہو۔

---

(۱) یہ ابوبکر مَرّوذی ہیں، واؤ کے بعد ذال ہے، مروزی نہیں، جیسا کہ اعلام الموقعین کے نسخہ میں یا اس کتاب کے اصل نسخہ میں درج ہے، یہ احمد بن محمد بن حجاج بن عبد العزیز ہیں، اپنے ورع اور فضیلت کے سبب امام احمد کے شاگردان میں بلند مقام ہیں، فقہ وحدیث میں امام ہیں اور ان کی بہت ساری تصنیفات ہیں، ۲۷۵ھ میں وفات پائے، طبقات الحنابلہ (۱/ ۵۶)، وشذرات الذھب (۲/ ۶۶)۔

(۲) یہ احمد بن حمید مشکانی ہیں، امام احمد کی شاگردی اختیار کی اور ان سے بہت سارے مسائل بیان کئے، امام احمد ان کی عزت وتکریم کرتے تھے، ۲۴۴ھ میں وفات پائے، طبقات الحنابلہ (۱/ ۳۹-۴۰)۔

(۳) ابوالحارث نام کے دو لوگ ہیں اور دونوں امام احمد کے شاگرد اور ان سے روایت کرنے والے ہیں، ان میں سے ایک: احمد بن محمد الحارث الصائغ ہیں، امام خلال فرماتے ہیں: امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل ان سے انسیت رکھتے تھے، انہیں مقدم رکھتے تھے اور ان کی عزت کرتے تھے، انہوں نے امام احمد سے بہت سارے مسائل روایت کئے ہیں، طبقات الحنابلہ (۱/ ۷۴-۷۵)، اور دوسرے: احمد بن محمد بن عبد ربہ مروذی ہیں، طبقات الحنابلہ (۱/ ۷۵)۔

ائمہ اسلام ہمیشہ کتاب وسنت کو اجماع پر مقدم کرنے پر قائم رہے ہیں اور اجماع کو تیسرے درجے میں رکھا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حجت و دلیل اللہ عزوجل کی کتاب، اس کے رسول ﷺ کی سنت اور ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اجماع ہے''۔

نیز امام مالک سے اپنے اختلاف کی کتاب میں فرماتے ہیں:

''علم کے کئی طبقات ہیں: پہلا: کتاب اللہ اور سنت صحیحہ۔ دوسرا: جن مسائل میں کتاب وسنت کی دلیل نہ ہو اُس میں اجماع۔ تیسرا: صحابی کا قول جس کا صحابہ میں سے کوئی مخالف معلوم نہ ہو۔ چوتھا: صحابہ کرام کا اختلاف۔ پانچواں: قیاس''، اور پھر بتایا کہ اجماع اسی مسئلہ میں اپنایا جائے گا جس میں کتاب وسنت کی کوئی دلیل معلوم نہ ہو''۔

اور یہی حق ہے۔

امام ابوحاتم رازی فرماتے ہیں:

''ہمارے یہاں علم: اللہ کی روشن کتاب ہے، جو ناسخ ہو منسوخ نہیں، نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیثیں ہیں جن کا کوئی معارض نہ ہو، اور صحابہ کرام کی باتیں ہیں جن پر ان کا اجماع ہو، اور اگر اختلاف ہو تو بھی ان کے اختلاف سے نہیں نکلا جائے گا، اور اگر یہ تمام چیزیں پوشیدہ رہ جائیں (نہ ملیں) اور سمجھ میں نہ آئے تو تابعین کی باتیں لی جائیں گی، اور وہ بھی نہ ملیں تو ان کے بعد کے ائمہ ہدایت کی باتیں لی جائیں گی، مثلاً: ایوب سختیانی، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، سفیان ثوری، مالک بن انس، اوزاعی، حسن بن صالح، اور اگر یہ بھی نہ ملے تو عبدالرحمن بن مہدی، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن ادریس، یحییٰ بن آدم، سفیان بن عیینہ، وکیع بن جراح، اور ان کے بعد محمد بن ادریس شافعی، یزید بن ہارون، حمیدی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور ابوعبید قاسم بن سلام وغیرہ کی باتیں لی جائیں گی''۔ بات ختم ہوئی۔

چنانچہ اہل علم اور ائمہ دین کا یہی طریقہ تھا، کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کے بدلے ان کے اقوال کو اپنانے کی مثال تیمم جیسی ہے، جسے پانی نہ ملنے پر ہی اپنایا جاسکتا ہے، لیکن ان متاخر مقلدین نے تیمم اپنالیا جبکہ ان کے سامنے پانی موجود ہے، جو تیمم سے کہیں زیادہ آسان ہے۔

پھر ان کے بعد ایک نیا فرقہ وجود میں آیا جو علم اور اہل علم کا دشمن ہے، انہوں نے کہا کہ: اگر حاکم یا مفتی کو کوئی ہنگامی مسئلہ درپیش ہو تو اس کے لئے اس مسئلہ میں اللہ کی کتاب، اس کے رسول ﷺ کی سنت یا اقوال صحابہ میں

دیکھنا جائز نہیں بلکہ اپنے امام تقلید اور پیشوا جسے اس نے کتاب وسنت کی کسوٹی بنایا ہے کے قول پر پیش کرنا ضروری ہے جو اس کے قول کے موافق ہو اس کا فتویٰ دے اور فیصلہ صادر کرے اور جو اس کے خلاف ہو اس کا فتویٰ دینا یا فیصلہ کرنا جائز نہیں، اور اگر اس نے ایسا کیا، تو اُسے منصب فتویٰ وفیصلہ سے معزولی سے دو چار ہونا پڑے گا!!

اور اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا جاتا ہے: کیا فرماتے ہیں حضرات فقہائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو کسی معین مذہب ومسلک سے نسبت رکھتا ہے اور بجائے دیگر اسی کی تقلید کرتا ہے کیا اس کے لئے اپنے مذہب کے خلاف فتویٰ دینا یا فیصلہ کرنا جائز ہے؟ کیا ایسا کرنا اس کے مذہب میں باعث قدح وعیب ہے یا نہیں؟

تو مقلدین اپنا سر نیچے کر کے کہتے ہیں: اُس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں یہ اُس کے مذہب کے لئے باعث قدح ہے!! جبکہ ہوسکتا ہے جس قول کو چھوڑ کر اُس امام تقلید کے قول کو اپنایا ہے وہ ابوبکر، عمر، ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور ان جیسے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہو؛ چنانچہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے دستخط کے منصب پر براجمان ہونے والا یہ شخص جواب دیتا ہے: کہ اُس کے لئے اپنے امام کے قول کی مخالفت کرنا اُن لوگوں کے اقوال کی بنا پر جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بابت اُس سے زیادہ علم والے ہیں جائز نہیں، گرچہ اُن کے قول کے ساتھ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کی دلیلیں ہوں!!

یہ اللہ کے دین پر تقلیدی فرقہ کا سب سے بڑا ظلم ہے، اگر یہ حضرات اپنے حد ومرتبہ پر قائم رہتے اور کتابوں میں درج جو بھی اقوال پاتے انہیں صحیح و باطل جانے بغیر محض اس کی خبر دیتے تو بھی اللہ کے یہاں ان کا کوئی عذر ہوسکتا تھا لیکن یہی ان کا علمی معیار ہے، اور یہ اہل علم اور اللہ کے لئے دلیلوں پر گامزن لوگوں کے ساتھ ان کی کھلی عداوت ودشمنی ہے!! توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

ترپنویں بات: [کیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید کی تھی؟]

تمہارا یہ کہنا کہ: عمر رضی اللہ عنہ نے امہات الاولاد (مالکان کی منکوحہ لونڈیوں) کو بیچنے سے منع کیا اور صحابہ نے ان کی پیروی کی، اسی طرح انہوں نے تین طلاقیں نافذ کی تو بھی صحابہ نے ان کی پیروی کی!!

اس کا جواب (حسب ذیل) کئی طرح سے ہے:

اولاً: صحابہ رضی اللہ عنہم نے بطور تقلید اُن کی پیروی نہیں کی، بلکہ جیسے عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد اس نتیجہ تک پہنچا اسی طرح وہ صحابہ بھی اپنے اجتہاد سے وہاں تک پہنچے، ان میں سے کسی صحابی نے کبھی نہیں کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید میں

میرا بھی یہی خیال ہے!!

ثانیاً: تمام صحابہ نے اُن کی پیروی نہیں کی، بلکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے امہات الاولاد لونڈیوں کو بیچنے میں عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی، اسی طرح تینوں طلاقوں کو لازم قرار دینے میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی مخالفت کی، اور جب صحابہ اور دیگر لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو حاکم (فیصلہ کن) ''حجت'' ہوا کرتا ہے۔

ثالثاً: اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ ان دونوں مسئلوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ کے قول کی اتباع اور تقلید کی، تو بھی یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اُن سے بہت کمتر شخص کی تمام باتوں میں اس کی تقلید کرنا اور اس کے ہم مثل یا اوپر یا اس سے زیادہ علم والے کا قول رد کر دینا جائز ہے، یہ حد درجہ باطل استدلال ہے، جو تارِ عنکبوت کے سہارے سے زیادہ کچھ نہیں! لہٰذا فلاں فلاں کی تقلید چھوڑ کر تم بھی عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید کرو، لیکن تم تو بصراحت کہتے ہو کہ عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید نہیں کی جائے گی، ابوحنیفہ، شافعی اور مالک کی تقلید کی جائے گی! لہٰذا جس بات کے تم خود مخالف ہو تمہارے لئے اس سے استدلال کرنا ممکن نہیں، بھلا آدمی جس بات کا قائل ہی نہ ہو اس کے لئے اس سے استدلال کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟؟

چھٹویں بات: [قول عمر ''اگر میں ایسا کروں تو سنت بن جائے گی'' کا معنیٰ]

تمہارا یہ کہنا کہ: جب عمر رضی اللہ عنہ کو احتلام ہوا تو ان سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کپڑے کو بدل کر دوسرا کپڑا پہن لو، تو انہوں نے فرمایا: ''لَوْ فَعَلْتُهَا صَارَتْ سُنَّةً'' (اگر میں ایسا کروں تو سنت بن جائے گی)۔

بھلا اس میں عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت سے منہ موڑ کر اپنی تقلید کرانے کی اجازت کہاں ہے؟؟

اس میں اتنی سی بات ہے کہ انہوں نے ایسا اس اندیشے سے نہیں کیا کہ کہیں آپ کو ایسا کرتے دیکھنے والے آپ کی پیروی نہ کرنے لگیں، اور یہ نہ کہیں کہ اگر یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت نہ ہوتی تو عمر رضی اللہ عنہ ایسا نہ کرتے؛ عمر رضی اللہ عنہ کو اسی بات کا خدشہ تھا، اور لوگ اپنے علماء کے پیروکار ہوتے ہیں، خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں، تو صورتحال یہی ہے، اگرچہ کہ اس میں تفصیل ضروری ہے۔

پچپنویں بات: [واضح پر عمل کرو اور غیر واضح کو علم والے کے سپرد کر دو]

تمہارا یہ کہنا کہ: ابی بن کعب نے فرمایا ہے:

"مَا اشْتَبَهَ عَلَيْكَ فَكِلْهُ إِلَىٰ عَالِمِهِ"۔

جس بات میں اشتباہ ہو اُسے اُس کے عالم کے حوالہ کردو۔

تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سب پر یہی واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر ایک پر کوئی نہ کوئی بات مشتبہ ہونا ناگزیر ہے' لہٰذا جب کوئی بات مشتبہ ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ اُسے اپنے سے زیادہ علم والے کے حوالہ کردے، اب اگر بات واضح ہو تو وہ بھی اُسی جیسا اس کا جاننے والا ہے' ورنہ اُسے اُس کے حوالہ کردے' بلاوجہ اس مسئلہ میں نہ پڑے جس کا اُسے علم نہیں ہے؛ چنانچہ اللہ کی کتاب، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اقوال صحابہ کے تئیں ہم پر یہی واجب ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر علم والے سے اوپر کوئی علم والا بنایا ہے؛ لہٰذا جس سے حق کا کچھ حصہ پوشیدہ رہ جائے' اور وہ اُسے اپنے سے زیادہ علم والے کے سپرد کردے' وہی صحیح ہے۔

تو بھلا اس میں قرآن وسنن اور آثار صحابہ سے اعراض کرنے، کسی معین آدمی کو اُس پر کسوٹی بنانے، اس کے قول کی بنیاد پر نصوص کو ترک کرنے' اور اُنہیں اُس پر پیش کرنے، اور اس کے تمام فتووں کو قبول کرنے اور اس کے خلاف ہر قول وفتویٰ کو رد کرنے کی کونسی دلیل ہے؟؟

بلکہ یہ اثر بذات خود تقلید کے بطلان کی بڑی دلیلوں میں سے ایک ہے' کیونکہ اس کا آغاز اس طرح ہے:

"مَا اسْتَبَانَ لَكَ فَاعْمَلْ بِهِ، وَمَا اشْتَبَهَ عَلَيْكَ فَكِلْهُ إِلَىٰ عَالِمِهِ"۔

جو مسئلہ تمہارے سامنے واضح ہو اُس پر عمل کرو' اور جس میں اشتباہ ہو اُسے اُس کے عالم کے حوالہ کردو۔

تو آؤ ہم تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں: اگر تمہارے سامنے سنت واضح ہو جائے گی تو کیا تم اُس کی بنا پر اپنے امام تقلید کا قول چھوڑو گے' اور سنت پر عمل کرو گے، اس کے مطابق فتویٰ دو گے اور فیصلہ کرو گے' یا پھر سنت کو چھوڑ کر' اُس سے منہ موڑ کر یہ کہتے ہوئے اپنے امام کا قول اپناؤ گے کہ' 'ہمارے امام کو اس سنت کے بارے میں ہم سے زیادہ علم تھا؟''۔

چنانچہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام صحابہ اسی وصیت پر گامزن تھے، اور یہ وصیت تقلید کو قطعی باطل قرار دیتی ہے، اور توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

پھر ہم پوچھنا چاہتے ہیں: کیا تم نے مشتبہ مسائل کو اس کے جاننے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ کیا' کیونکہ وہ امت کے سب سے بڑے عالم اور افضل لوگ ہیں' یا تم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کو چھوڑ کر ان سے منہ موڑ لیا؟

اگر اس کا علم تمہارے تقلیدی امام کے حوالہ کیا جاسکتا ہے' تو صحابہ کرام اس کے کہیں زیادہ مستحق ہیں۔

چھپنویں بات: [نبی ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کا فتویٰ آپ ﷺ کی باتوں کی تبلیغ تھی]

تمہارا یہ کہنا کہ: صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے اپنے درمیان جیتے جی فتویٰ دیا کرتے تھے' اور یہ فتویٰ پوچھنے والوں کی جانب سے اُن کی تقلید ہے!!

اس کا جواب: یہ ہے کہ ان کا فتویٰ دینا محض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پہنچانا تھا، ان کی حیثیت محض خبر دینے والوں کی تھی، ان کا فتویٰ کسی کی رائے کی تقلید میں نہیں تھا خواہ نصوص کے خلاف ہو' لہٰذا وہ ان کے فتوؤں کی تقلید کرتے تھے' نہ نصوص کے بغیر فتویٰ دیتے تھے' اور نہ ہی اُن سے فتویٰ پوچھنے والوں کا ان حدیثوں کے علاوہ کسی چیز پر اعتماد تھا' جسے وہ انہیں نبی کریم ﷺ کے حوالے سے پہنچاتے تھے' چنانچہ وہ کہتے تھے: آپ ﷺ نے فلاں فلاں بات کا حکم دیا، آپ ﷺ نے فلاں فلاں کام کیا، آپ ﷺ نے فلاں فلاں کام سے منع فرمایا، ان کے فتوے ایسے ہی ہوا کرتے تھے، چنانچہ یہ بیک وقت مفتیوں اور مستفتیوں دونوں کے لئے یکساں حجت ہوا کرتے تھے' مفتیوں اور مستفتیوں کے درمیان کوئی فرق نہ تھا سوائے اس کے کہ اُن کے اور رسول ﷺ کے درمیان واسطہ ہوتا تھا یا واسطہ نہیں ہوتا تھا، اللہ عزوجل، اس کے رسول ﷺ اور تمام اہل علم جانتے ہیں کہ مفتیوں اور مستفتیوں نے وہی جانا ہے جو کچھ انہوں نے اپنے نبی کے واسطے سے جانا، سنا اور دیکھا ہے، بس فرق اتنا ہے کہ مفتیوں نے بلاواسطہ اور مستفتیوں نے بالواسطہ جانا ہے، صحابہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو کسی امام کا قول اپنا کر اس کے حلال کو حلال قرار دے یا اس کے حرام کو حرام ٹھہرائے، یا اس کے مباح کو مباح سمجھے! بلکہ نبی کریم ﷺ نے ان میں سے سنت کے بغیر فتویٰ دینے والے پر نکیر فرمائی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ابو السنابل پر نکیر فرمائی اور اُسے جھوٹا قرار دیا، ایسے ہی غیر شادی شدہ زانی کے رجم کا فتویٰ دینے والے پر نکیر فرمائی، زخمی کو غسل کرنے کا فتویٰ دینے والے پر نکیر فرمائی' یہاں تک کہ غسل کے سبب اس کی موت ہوگئی تھی، نیز بلا علم فتویٰ دینے والے پر نکیر فرمائی جیسے کوئی ایسی بات کا فتویٰ دے جس کی صحت کا اُسے علم نہ ہو، اور آپ ﷺ نے بتلایا کہ فتویٰ پوچھنے والے کا گناہ بھی مفتی پر ہوگا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں صحابہ کے فتوؤں کی دو قسمیں تھیں:

ا۔ جن فتاوؤں کی بابت آپ ﷺ کو معلوم ہوتا تھا' اور آپ اُنہیں برقرار رکھتے تھے، تو یہ آپ ﷺ کے برقرار رکھنے کے سبب حجت ہے نہ کہ محض صحابہ کے فتوے کے سبب۔

۲۔صحابہ کرام آپ ﷺ کے جو فتاوے لوگوں کو پہنچاتے تھے اس میں صحابہ کی حیثیت راویوں جیسی تھی، نہ وہ کسی کے مقلد تھے نہ کوئی ان کا مقلد تھا۔

بقیہ باتیں اعلام الموقعین میں ملاحظہ فرمائیں، اُنہوں نے اس سلسلہ میں تعداد ایک سو ستر تک پہنچائی ہے[1]، اور مقلدین کے بقیہ شبہات کا الگ الگ جواب دیا ہے، ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے کافی ہے، اللہ تعالی ہی درستی کا توفیق دہندہ ہے اور اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

(۱) ملاحظہ فرمائیں: اعلام الموقعین، از ابن القیم رحمہ اللہ (۲/ ۲۲۳-۲۶۰)۔

فصل:

سلف کے آثار اور صحابہ کے فتووں کے ذریعہ فتویٰ دینا جائز ہے اور متاخرین کی آراء اور ان کے فتووں کی بہ نسبت اُنہیں اپنانا زیادہ بہتر ہے، نیز یہ فتاوے درستی سے اتنے ہی قریب ہیں جتنا وہ مفتیان عہد رسالت سے قریب تھے

امام ابن القیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں [1] :

جان لیں کہ صحابہ کے فتاوے تابعین کے فتاووں کی بہ نسبت زیادہ اپنائے جانے کے مستحق ہیں اور تابعین کے فتاوے تبع تابعین کے فتاووں کی بہ نسبت زیادہ اپنائے جانے کے سزاوار ہیں، اور اسی طرح بعد کے لوگوں میں بھی، اور زمانہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا ہی قریب ہوگا اس میں درستی اتنی ہی غالب ہوگی، اور یہ حکم جنس کے اعتبار سے ہے، ہر ہر انفرادی مسائل کے اعتبار سے نہیں، جیسا کہ تابعین کا زمانہ گرچہ تبع تابعین کے دور سے افضل ہے، لیکن وہ جنس کے اعتبار سے ہے نہ کہ ہر ہر شخص کے اعتبار سے، لیکن پہلے زمانہ میں فضیلت والوں کی تعداد بعد کے زمانہ میں فضیلت والوں سے زیادہ ہوگی، اور اسی طرح بعد والوں کے اقوال کے بالمقابل پہلے والوں کے اقوال میں درستی زیادہ ہوگی، کیونکہ متقدمین و متاخرین میں ویسے ہی فرق مراتب ہے جیسے ان کے درمیان فضیلت ورائے میں تفاوت ہے، اور شاید مفتی اور حاکم کے لئے اللہ کے یہاں اس بات کی گنجائش نہ ہوگی کہ وہ متاخرین ائمہ

(۱) ملاحظہ فرمائیں: اعلام الموقعین، از ابن القیم رحمہ اللہ (۴ / ۱۱۸-۱۲۱)۔

مقلدین میں سے فلاں فلاں کے قول کے مطابق فتویٰ دے اور فیصلہ کرے اور اس کی رائے اور ترجیح اپنائے اور اس کے مقابل امام بخاری، اسحاق بن راہویہ، علی بن مدینی، محمد بن نصر مروزی اور ان جیسے دیگر محدثین کے قول کے مطابق فتویٰ و فیصلہ ترک کردے بلکہ ابن المبارک، اوزاعی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ اور ان جیسے دیگر حضرات کا قول چھوڑ دے، بلکہ ابن ابی ذئب، زہری، لیث بن سعد اور ان جیسے دیگر حضرات کے قول کی طرف التفات نہ کرے، بلکہ سعید بن مسیب، حسن، قاسم، سالم، عطاء، طاوس، جابر بن زید، شریح، ابو وائل، جعفر بن محمد وغیرہ قابل اعتبار لوگوں کا قول شمار نہ کرے بلکہ متاخرین میں اپنے تقلیدی امام کے پیروکاروں کے قول کو اجلہ صحابہ کرام ابو بکر صدیق، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، ابی بن کعب، ابو الدرداء، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر، عبادہ بن صامت، ابو موسیٰ اشعری وغیرہ رضی اللہ عنہم کے فتویٰ پر مقدم کرے! نہیں معلوم ان لوگوں کے پاس اللہ کے یہاں کیا عذر ہوتا اگر یہ ان لوگوں کے اقوال اور فتووں کو ان لوگوں کے اقوال اور فتووں کے برابر قرار دیتے؟ لیکن ان کا کیا حال ہوگا جبکہ یہ ان کے اقوال و فتاویٰ پر ترجیح دے رہے ہیں، اور کیا حال ہوگا جب یہ فتویٰ و فیصلہ کے اعتبار سے اُسے لینا متعین قرار دیں اور صحابہ کا قول لینے سے منع کریں، اور متاخرین میں سے اس کی مخالفت کرنے والے کو مستحق سزا قرار دیں اور اس پر بدعت، گمرہی اور اہل علم کی خلاف ورزی کا حکم لگائیں اور اُسے اسلام کے خلاف سازش سے مطعون کریں؟ اللہ کی قسم! ایسا شخص مشہور مثل: "رَمَتْنِي بِدَائِهَا وَانْسَلَّتْ" (اپنا عیب مجھ پر لگایا اور خود نکل گئی) کے مصداق ہو چکا ہے وارثین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نام دیدیا ہے، انہیں اپنا لبادہ پہنا دیا ہے اور اپنی بیماری اُن پر لگا دی ہے، اور ان میں سے بہت سارے کھلم کھلا چیختے چلاتے اور علانیہ بولتے ہیں: کہ ساری امت پر ہمارے امام کا قول اپنانا واجب ہے جس کا ہم نے اپنے دین کا مقلد بنایا ہے اور ابو بکر و عمر، عثمان و علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول لینا جائز نہیں ہے!! ایسا کہنے والے مقلد کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُسی طرف پھیر دیا ہے جس طرف وہ مائل ہے قیامت کے دن اُسے اس کا بھرپور بدلہ دے گا، لیکن دین و ایمان اس کے برخلاف ہے، اور ہم اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اگر صحابی رسول کوئی بات کہے: تو یا تو کسی صحابی کا قول اس کے خلاف ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر اس کے ہم مثل کسی نے اس کی مخالفت کی ہو تو دونوں میں سے ایک کا قول دوسرے کے خلاف حجت نہ ہوگا، اور اگر اس سے زیادہ علم والے نے مخالفت کی ہو جیسے خلفاء راشدین یا ان میں بعض لوگ کسی حکم میں دیگر صحابہ کے خلاف ہوں؛ تو جس طرف

خلفاء راشدین یا ان میں سے بعض ہوں وہ دیگر صحابہ کے خلاف حجت ہوگا یا نہیں؟ اس میں اہل علم کی دو رائیں ہیں، اور دونوں امام احمد کی دو روایتیں ہیں، صحیح بات: یہ ہے کہ جس حصہ میں خلفاء راشدین یا ان میں سے بعض ہوں گے وہ قول ورائے دوسرے کی بہ نسبت زیادہ راجح اور قابل اخذ ہوگا، اب اگر چاروں خلفاء ایک طرف ہوں تو بلاشبہ وہ درست ہوگا، اور اگر زیادہ تعداد ایک طرف ہو تو اس میں درستی غالب ہوگی، اور اگر دونوں طرف دو دو ہوں تو ابوبکر وعمر کا گوشہ درستی سے قریب ہوگا، اور اگر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہو تو درستی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگی۔

یہ چند باتیں ہیں جن کی تفصیل وہی جان سکتا ہے جسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلافی مسائل اور ان کے راجح اقوال کا تجربہ اور اس سے واقفیت ہو اور اس کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ دادا اور بھائی کی وراثت کے مسئلہ میں، اسی طرح ایک ساتھ زبان سے تین طلاق' خواہ تین کا لفظ بھی نہ کہے' کے ایک واقع ہونے کے مسئلہ میں، اور امہات الاولاد کو بیچنے کے جواز کے مسئلہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول راجح ہے۔

اور اگر انصاف ور عالم ان مسائل میں دونوں جانب کے دلائل پر غور کرے تو اس کے سامنے واضح ہوگا کہ صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلو زیادہ راجح ہے، اور ان کے بارے میں کبھی کسی ایک نص کی بھی مخالفت درج نہیں ہے، نہ اُن کا کبھی کوئی فتویٰ یا فیصلہ درج کیا گیا ہے جس کا ماخذ (دلیل) ضعیف ہو، اور یہ حق پرستی وحق جوئی نیز نیک توفیق اس لئے ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت خلافت نبوت تھی۔

اور اگر صحابی نے کسی دوسرے صحابی کی مخالفت نہ کی ہو: تو یا تو اس کا قول صحابہ میں مشہور ہوگا یا مشہور نہیں ہوگا: اب اگر مشہور ہو تو فقہاء کے زیادہ تر طبقات کا موقف یہ ہے کہ وہ اجماع اور حجت ہے، جبکہ ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ: وہ حجت ہے اجماع نہیں، اور چند اہل کلام اور بعض فقہاء متاخرین کا کہنا ہے کہ: اجماع ہے نہ حجت۔ اور اگر اس کا قول مشہور نہ ہو یا معلوم نہ ہو کہ مشہور ہے یا نہیں، تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ حجت ہوگا یا نہیں؟ جمہور امت کا موقف یہ ہے کہ وہ حجت ہے، یہی جمہور احناف کی بھی رائے ہے' امام محمد بن حسن نے صراحت فرمائی ہے اور امام ابوحنیفہ سے نص کے ساتھ مذکور ہے، اور یہی امام مالک اور ان کے شاگردان کی بھی رائے ہے' موطا میں امام مالک کا تصرف بھی اس کی دلیل ہے، یہی اسحاق بن راہویہ اور ابوعبید کا بھی قول ہے، یہی امام احمد سے بھی کئی جگہوں پر نص کے ساتھ منقول ہے، اور ان کے جمہور شاگردان نے بھی یہی پسند کیا ہے' نیز یہی امام شافعی سے بھی قدیم وجدید قول میں نص کے ساتھ

وارد ہے، رہا قدیم قول تو امام شافعی کے شاگردان نے اس کا اقرار کیا ہے، اور رہی بات قول جدید کی تو ان کے بہت سے شاگردان اس بارے میں اُن سے بیان کرتے ہیں کہ: یہ حجت نہیں ہے! لیکن ان سے یہ روایت بہت زیادہ محل نظر ہے، کیونکہ اُن سے قول جدید میں ایک حرف بھی موجود نہیں ہے کہ صحابی کا قول حجت نہیں ہے!

زیادہ سے زیادہ اس بات کے نقل کرنے والے کا سہارا یہ ہے کہ: امام شافعی قول جدید میں صحابہ کے کئی اقوال بیان کرتے ہیں' پھر ان کی مخالفت کرتے ہیں، اگر ان کے یہاں قول صحابی حجت ہوتا' تو مخالفت نہ کرتے! لیکن یہ بڑا کمزور سہارا ہے، کیونکہ مجتہد کا اپنی نظر میں قوی تر دلیل کے سبب کسی معین دلیل کی مخالفت کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ اُسے من حیث الجملہ بھی دلیل نہیں مانتا ہے' بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ اُس نے اپنی راجح دلیل کی بنا پر کسی دلیل کی مخالفت کی ہے۔

اور بعض لوگوں نے اس بات کا سہارا لیا ہے کہ انہوں نے امام شافعی کو دیکھا کہ قول جدید میں جب وہ اقوال صحابہ ذکر کرتے ہیں اور اُن کے موافق ہوتے ہیں' تو بھی صرف اُن پر اعتماد نہیں کرتے' جیسے نص پر اعتماد کرتے ہیں' بلکہ کئی قسم کے قیاسات کے ذریعہ اسے تقویت پہنچاتے ہیں؛ چنانچہ کبھی اقوال صحابہ ذکر کرکے اس کے خلاف کی صراحت کرتے ہیں، اور کبھی ان کی موافقت کرنے کے باوجود ان پر اعتماد نہیں کرتے ہیں' بلکہ دوسری دلیل سے اسے تقویت پہنچاتے ہیں! یہ سہارا پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہے؛ کیونکہ دلائل کی کثرت' اور انہیں تائید وتقویت پہنچانا ماضی تا حال اہل علم کی عادت رہی ہے، اُن کا دوسری تیسری دلیل ذکر کرنا اس بات کی دلیل نہیں' کہ ان کی پیشتر ذکر کردہ بات دلیل نہیں ہے۔

امام شافعی نے قول جدید میں بروایت ربیع صراحت فرمائی ہے کہ صحابہ کا قول حجت ہے' اُسے اپنانا ضروری ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: محدثات (نو ایجاد باتوں) کی دو قسمیں ہیں: جو کتاب اللہ یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع، یا اثر صحابی کے خلاف نئی بات ہو، تو یہ بدعت ضلالت ہے، اور امام ربیع نے یہ بات امام شافعی سے مصر میں لی ہے، اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اُنہوں نے اثر کی مخالفت کو' جو کتاب ہے' نہ سنت' نہ اجماع' بدعت ضلالت قرار دیا ہے' جو اثر صحابی کو حجت ماننے سے بڑھ کر ہے۔ صاحب اعلام الموقعین امام ابن القیم کی طویل گفتگو ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: کتاب وسنت کی عدم موجودگی کی صورت میں قول صحابی کے حجت ہونے کی بابت امام شافعی کا قول تیسرے مقصد میں گزر چکا ہے' ملاحظہ فرمائیں۔

❁ ❁ ❁

فتویٰ سے متعلق چند فوائد

پہلا فائدہ[1]:

مفتی کو چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو نص کے الفاظ کے ساتھ فتویٰ دے؛ کیونکہ نص کا لفظ مکمل وضاحت کے ساتھ مسئلہ کے حکم اور دلیل کو شامل ہوتا ہے، اس میں حکم کی درستی کی ضمانت ہوتی ہے اور اس کی دلیل کی خوب اچھی وضاحت پائی جاتی ہے، جبکہ معین فقیہ کا قول ایسا نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے منہج پر گامزن علماء کرام اس کا حد درجہ اہتمام فرماتے تھے اور اس کی جستجو کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے بعد کچھ ناخلف آئے جنہوں نے نصوص سے اعراض کیا، اور نصوص کے الفاظ کے علاوہ اپنے لئے دوسرے الفاظ نکال لئے، چنانچہ یہ چیز نصوص کو پس پشت ڈال دینے کی موجب قرار پائی۔ اور یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ نصوص کے الفاظ سے حکم، دلیل اور حسنِ بیان کا جو پورا حق ادا ہوتا ہے، ان الفاظ سے نہیں ہوسکتا، لہٰذا نصوص کے الفاظ کو چھوڑ کر نت نئے الفاظ کو اپنانے اور ان سے احکام وابستہ کرنے کے نتیجہ میں امت میں جو فساد برپا ہوا ہے، اُسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، خلاصہ اینکہ نصوص کے الفاظ عصمت و بچاؤ کے ضامن اور اضطراب و پیچیدگی اور غلطی و تناقض سے پاک حجت ہیں، اور چونکہ یہ نصوص کے الفاظ صحابہ کی غلطیوں سے بچاؤ کا ذریعہ اور ان کے اصول تھے جن کی طرف وہ رجوع کیا کرتے تھے، اس لئے اُن کے علوم بعد والوں کے علوم سے صحیح تر، اور اختلافی مسائل میں ان کی غلطیاں بعد والوں کی غلطیوں سے بہت کم تھیں، پھر تابعین کی غلطیاں اپنے بعد والوں کی بہ نسبت کم تھیں، اور اسی پر بعد والوں کو قیاس کیا جائے۔

اور چونکہ اہل بدعت اور خواہشات پرستوں کے یہاں نصوص کو پس پشت ڈالنا اور نظر انداز کرنا بڑا مضبوط و مستحکم ہے اس لئے ان کے مسائل و دلائل میں ان کے علوم حد درجہ فاسد، اضطراب زدہ اور کشاکش کا شکار ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے: اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا، اللہ کے رسول

---

(۱) اعلام الموقعین، از ابن القیم رحمہ اللہ (۴ / ۱۷۰-۱۷۲)، یہ اعلام الموقعین میں نواں فائدہ ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا عمل کیا، جہاں تک ممکن ہوتا تھا اس سے کبھی عدول نہیں کرتے تھے، لہٰذا جو ان کے جوابات پر غور کرے گا ان میں قلبی تشفی محسوس کرے گا، لیکن جوں جوں زمانہ دراز ہوتا گیا اور لوگ نور نبوت سے دور ہو گئے متاخرین کے یہاں اپنے دین کے اصول وفروع میں: قال اللہ، اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا معیوب ہو گیا۔ جہاں تک ان کے اصول دین کا مسئلہ ہے تو: انہوں نے اپنی کتابوں میں صراحت سے لکھا ہے کہ اصول دین کے مسائل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یقین کا فائدہ نہیں دیتا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ان مسائل میں صرف حشویہ، مجسمہ اور مشبہہ استدلال کرتے ہیں!! اور رہا فروعی مسائل کا معاملہ: تو ان میں وہ ان لوگوں کی تقلید پر قناعت کرتے ہیں جنہوں نے ان کے لئے بعض مختصر کتابوں کو مختصر کیا ہے، جن میں اللہ عزوجل کی کوئی نص ذکر کی جاتی ہے نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان ہوتی ہے' اور نہ اس امام ہی کی کوئی بات مذکور ہوتی ہے، جس کے بارے ان کا کہنا ہے کہ انہوں اپنے دین کو اس کا مقلد بنالیا ہے! بلکہ اپنے سارے فتوؤں اور فیصلوں میں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کے حقوق دوسروں کو دیتے ہیں' نیز شرمگاہ اور جان ومال حلال کرتے ہیں' ان کا مکمل اعتماد اسی کتاب کے مصنف کی بات پر ہوتا ہے، اور ان میں سب سے بلند مقام اور ان کا پیشوا وہ ہوتا ہے جسے اس کتاب کا لفظ لفظ ازبر ہو، اور وہ کہے: انہوں نے اسی طرح کہا ہے!!، اس کے الفاظ اس طرح ہیں!! چنانچہ وہ کتاب جسے حلال کر دے وہ حلال ہے' جسے حرام کر دے وہ حرام ہے' جسے واجب کر دے وہ واجب ہے' جسے باطل ٹھہرا دے وہ باطل ہے، جسے صحیح قرار دے وہ صحیح ہے! جب ان کی یہ حالت ہے' تو اب ان حالات میں ہمارے لئے ان سے نبرد آزما ہونے کی کہاں سبیل ہے، ہم ایک معاملہ پر مجبور کر دیئے گئے ہیں جس کے سبب ضائع ہونے والے حقوق اللہ کے حضور چیخ و پکار کر رہے ہیں، اور ناحق حلال کردہ شرمگاہیں' اور جان واموال اپنے رب سے نالہ و فریاد کر رہے ہیں، دین کے احکام بدل دیئے گئے ہیں، حلال وحرام میں الٹ پھیر کر دی گئی ہے، معروف کو بہت بڑا منکر بنا دیا گیا ہے اور منکر جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع نہیں کیا ہے' اُسے افضل ترین نیکیوں میں شامل کر دیا گیا ہے، حق اجنبی ہو چکا ہے، اور حق کی معرفت رکھنے والے اُس سے زیادہ اجنبی ہیں، اور حق کے داعیان اور اپنی ذات اور لوگوں کو نصیحت کرنے والے اُن دونوں سے بھی زیادہ کسمپرسی کی حالت میں ہیں!!

لیکن اللہ فالق الاصباح نے اُن کے سامنے گھٹا ٹوپ تاریکیوں کے بیچ نئی صبح روشن کر دی ہے، ان کج راہوں کے درمیان صراط مستقیم روشن کر دیا ہے، چنانچہ مخلوق کی اکثریت جن گمراہ کن بدعات میں ڈوبی ہوئی ہے' اُس کے

باوجود انہیں دل کی نگاہوں سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی ڈگر دکھادی ہے، اُن کے سامنے پرچم ہدایت لہرادیا ہے، جس کی طرف وہ لپک رہے ہیں، اور صراط مستقیم نمایاں کردیا ہے، جس پر وہ قائم و ثابت قدم ہیں!

چنانچہ خوشخبری ہے اُس کے لئے جو آبادی میں باسیوں کی کثرت کے باوجود اکیلا ہے، ہمسایوں کی بہتات کے باوجود اجنبی ہے، ایسے لوگوں کے بیچ ہے جن کی آنکھوں میں کیچڑ ہے، گلوں میں خراش ہے، طبیعتوں میں بے چینی ہے، ان کی روحیں بخارزدہ ہیں، سینے غمگین ہیں، اور دل بیمار ہیں، اگر آپ ان سے انصاف کی بات کریں تو ان کی طبیعت انصاف قبول نہیں کرتی، اور اگر آپ ان سے انصاف مانگیں تو ڈھونڈنے سے ثریا کہاں ہاتھ آسکتا ہے، ان کے دل اوندھے ہو چکے ہیں، مطلوب اوجھل ہو چکا ہے، وہ اپنی جھوٹی آرزوؤں پر مگن ہیں دنیوی ساز و سامان کی آزمائش سے دوچار ہیں، لہٰذا حرماں نصیبی اُن کے ہاتھ آئی ہے، انہوں نے علم کے بحر بیکراں میں غوطے تو لگائے مگر باطل دعوؤں اور اول فول بکواس باتوں کے ذریعہ، اللہ کی قسم! ابھی علم کی نمی سے ان کے قدم تر ہوئے ہیں، نہ ان کی عقل وخرد میں کوئی ستھرائی آئی ہے، نہ اس کی روشنی سے اُن کی راتیں روشن ہوئی ہیں، نہ اس کے نور سے ان کے دن تابناک ہوئے ہیں، اور نہ ہی ان کے قلموں کو روشائی میں بھگونے کے باجود حق و ہدایت کے ذریعہ ان کی بیاضوں کے رخ پر مسکراہٹ آئی ہے، انہوں نے زندگی کی انمول سانسوں کو یونہی بلا وجہ ضائع کردیا ہے[1]، خود کو بھی تھکایا

---

(1) [فقہی موشگافیوں، تقلید و جمود اور مسلک پرستی کی گھیرابندیوں میں عمر ضائع کرنے کے سلسلہ میں مولانا محمد انور شاہ کشمیری حنفی صاحب کا ایک عبرت آموز اور دلچسپ واقعہ ملاحظہ فرمائیں جسے مولانا مفتی محمد شفیع نے اپنے رسالہ ''اتحاد امت'' میں نقل فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک دن نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت غمزدہ بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا: مزاج کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! ٹھیک ہی ہے، میاں! مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کردی!

میں نے عرض کیا: حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں اور دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟

تو حضرت نے فرمایا: میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کردی!

میں نے عرض کیا: حضرت بات کیا ہے؟ فرمایا: ہماری عمروں کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کوششوں کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کردیں۔ امام ابوحنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا تقریروں کا اور علمی زندگی کا!

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟!...

پھر فرمایا: ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا، اجتہادی مسائل کا ===

اور اپنے پیچھے لوگوں کو بھی حیران و پریشان کیا ہے، اصولوں (کتاب وسنت) کو کھویا تو منزل حق کی رسائی سے محروم رہ گئے، رسالت سے منہ موڑا تو حیرانی کے لق و دق صحراؤں اور ضلالت وگمرہی کے چٹیل میدانوں میں بھٹکتے رہے۔

مقصد یہ ہے تحفظ و بچاؤ کی ضمانت نصوص کے الفاظ اور مکمل بیان وضاحت اور عمدہ تفسیر کے ساتھ ان کے معانی ہی میں ہے، اگر کوئی شخص ہدایت اور دین حق کو اس کے منبع و سرچشمہ کے علاوہ سے حاصل کرنا چاہے تو یہ معمولی بات نہیں [1]۔

دوسرا فائدہ [2]:

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم چار زبانوں پر ظاہر ہوتا ہے: راوی کی زبان پر، مفتی کی زبان پر، حاکم کی زبان پر اور گواہ کی زبان پر۔

چنانچہ راوی کی زبان پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ظاہر ہوتا ہے، مفتی کی زبان پر اس کا معنیٰ اور لفظ سے

=== صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہوسکتا ہے... دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ: رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا آمین بالسر حق تھی؟ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ تھے:

اللہ تعالیٰ شافعی کو رسوا کرے گا نہ ابوحنیفہ کو، نہ مالک کو نہ احمد بن حنبل کو... اور نہ میدان حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے گا کہ ابوحنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا، یا اس کے برعکس، یہ نہیں ہوگا۔

تو جس چیز کا نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں، نہ محشر میں، اس کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اور اپنی قوت صرف کر دی، اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام علیہ السلام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا، اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی، یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے واغیار ان کے چہرے مسخ کر رہے ہیں، اور منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا، وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چلی آ رہی ہے۔ حرام وحلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی وفروعی بحثوں میں! حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی"۔!!!

دیکھئے: اتحاد امت، از مولانا مفتی محمد شفیع (ص ۱۳-۱۵)، ناشر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ایڈیشن بار سوم ۱۹۹۷ء۔ [مترجم]۔

(۱) اعلام الموقعین، از ابن القیم رحمہ اللہ (۴/۱۷۰-۱۷۲)۔

(۲) اعلام الموقعین، از ابن القیم رحمہ اللہ (۴/۱۷۴-۱۷۶)، یہ اعلام الموقعین میں بارہواں فائدہ ہے۔

مستنبط مفہوم ظاہر ہوتا ہے، حاکم کی زبان پر اللہ کے حکم کی خبر اور اس کا نفاذ ظاہر ہوتا ہے اور گواہ کی زبان پر سبب کی وجہ ظاہر ہوتی ہے جو شارع کا حکم وفیصلہ ثابت کرتا ہے، اور ان چاروں پر واجب یہ ہے کہ: علم کے مطابق سچی خبر دیں' جن باتوں کی خبر دیں اُس کا انہیں یقینی علم ہو'اور اس کی خبر دینے میں سچے اور راست باز ہوں، ان کی آفت جھوٹ بولنا اور علم چھپانا ہے' چنانچہ جب کوئی علم چھپائے گا یا اس میں جھوٹ بولے گا اللہ کے دین وشریعت میں اس کی مخالفت کرنے والا ہوگا، اور اللہ کی سنت جاریہ ہے کہ ایسا کرنے والے سے علم کی برکت مٹا دیتا ہے اور اس کی دین و دنیا دونوں رائیگاں کر دیتا ہے، جبکہ ان میں سے اُسی مرتبہ کا جو شخص سچائی اور وضاحت کا التزام واہتمام کرتا ہے' اُس کے علم، وقت اور دین و دنیا میں اللہ برکت عطا فرماتا ہے، اور وہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور نیک کاروں کے ساتھ ہوگا، جو بہترین ساتھی ہیں، یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا کافی ہے، چنانچہ کتمان علم کے سبب حق اپنی بالادستی سے معزول ہو جاتا ہے، اور جھوٹ کے سبب حق الٹ کر اوندھا ہو جاتا ہے، اور چونکہ بدلہ کرتوت ہی کی جنس سے ہوتا ہے' لہٰذا ایسا کرنے والے کی جزاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ہیبت وقار، عزت واحترام اور محبت وتعظیم کے اس شرف سے محروم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ اہل صدق وبیان کو نوازتا ہے' اور اُسے اپنے بندوں کے درمیان ذلت ورسوائی اور غضب وناراضگی سے دو چار کر دے گا، اور پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حق جھٹلانے اور چھپانے والوں میں سے جسے چاہے گا ان کے چہروں کو بگاڑ کر انہیں پشت کی طرف پھیر دینے کے عذاب میں مبتلا کرے گا' جیسے انہوں نے حق کو بگاڑ کر اسے بالکل اوندھا کر دیا تھا' یہ بالکل برابر سرابر بدلہ ہوگا، اور تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

تیسرا فائدہ:

مفتی کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اس بات کی شہادت دینا جائز نہیں ہے کہ اُنہوں نے فلاں چیز کو حلال کیا ہے، یا حرام کیا ہے، یا واجب کیا ہے، یا ناپسند کیا ہے' تا آنکہ اُسے اُس چیز کے مباح یا حرام یا واجب یا مکروہ ہونے کی بابت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نص کی روشنی میں صحیح علم ہو کہ معاملہ ایسا ہی ہے، ورنہ اگر یہ بات اُسے اپنی کتاب میں ملی ہو جسے اپنے اس امام سے حاصل کیا ہے جس کا اُس نے اپنے دین کو مقلد بنا رکھا ہے' تو اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اس کی شہادت دینا اور لوگوں کو اس بارے میں دھوکا دینا جائز نہیں' جبکہ اُسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم معلوم ہی نہیں ہے۔

سلف میں کئی لوگوں نے کہا ہے: کہ ہر ایک کو ایسا کہنے سے بچنا چاہیے کہ: اللہ نے فلاں چیز کو حلال کیا ہے، یا فلاں چیز کو حرام کیا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے کیوں جھوٹ کہا؟ میں نے ان چیزوں کو حلال یا حرام نہیں کیا ہے۔

اور صحیح مسلم میں بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وَإِذَا حَاصَرْتَ حِصْنًا، فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ فِيهِمْ حُكْمَ اللَّهِ أَمْ لَا، وَلَكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ وَحُكْمِ أَصْحَابِكَ''(1)۔

جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور وہ تم سے چاہیں کہ تم انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر اتارو، تو تم انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر نہ اتارنا، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ تم ان کے بارے میں اللہ کا حکم وفیصلہ پاسکو گے یا نہیں، بلکہ انہیں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے حکم وفیصلہ پر اتارنا۔

میں نے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا، وہ بیان کر رہے تھے: کہ میں ایک مجلس میں حاضر ہوا جس میں قاضیان یعنی جج حضرات اور دیگر لوگ موجود تھے، چنانچہ ایک قضیہ آیا جس میں اُن میں سے کسی نے زُفر کے قول سے فیصلہ کیا، تو میں نے اُس سے کہا: یہ کونسا فیصلہ ہے؟ اُس نے کہا: یہ اللہ کا حکم ہے! تو میں نے کہا: اچھا زفر کا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہوگیا' جو ساری امت پر لازم ہے؟! کہو: یہ زفر کا فیصلہ ہے' یہ نہ کہو کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ ہے' یا اس جیسی کوئی اور بات کہی(2)۔

چوتھا فائدہ(3):

سائل کے جواب میں مفتی کو اپنے تقلیدی مسلک کا فتویٰ دینے میں اللہ کے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرنا چاہیے، جبکہ وہ جانتا ہو کہ اس مسئلہ میں دوسرے امام کا مسلک راجح' اور باعتبار دلیل زیادہ صحیح ہے' لیکن محض سرداری

---

(1) اس کی تخریج (ص ۳۷۷) میں گذر چکی ہے، نیز دیکھئے: (ص ۱۹۳، ۳۹۱)۔

(2) اعلام الموقعین، از ابن القیم رحمہ اللہ (۴ / ۱۷۴-۱۷۶)۔

(3) اعلام الموقعین، از ابن القیم رحمہ اللہ (۴ / ۱۷۷)، یہ اعلام الموقعین میں پندرھواں فائدہ ہے۔

کی خواہش اُسے اس بات پر فتویٰ دینے پر آمادہ کرے جس کی بابت اُسے غالب گمان ہو کہ حق اس کے خلاف ہے، کہ ایسی صورت میں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بددیانت اور خائن ہوگا، اور اللہ تعالیٰ خائنوں کو ہدایت نہیں دیتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے پر جنت حرام کر دی ہے (۱)، کیونکہ دین سراپا خیر خواہی کا نام ہے (۲)، اور دھوکہ دین کے منافی ہے جیسے جھوٹ سچ کی ضد اور باطل حق کا الٹا ہے۔

اور بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مسئلہ آتا ہے جس میں ہم سمجھتے ہیں اس میں راجح، ہمارے مسلک کے خلاف ہے، تو ایسی صورت میں ہمیں چاہئے کہ اپنے مسلک کے مطابق فتویٰ نہ دیں، بلکہ اس کے خلاف راجح مسلک بیان کر کے اُسے راجح قرار دیں، اور کہیں کہ یہی درست اور عمل کے لائق و سزاوار ہے، توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

پانچواں فائدہ (۳):

اگر آدمی کے پاس صحیحین، یا دونوں میں سے کوئی ایک، یا رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر مشتمل کوئی اور معتبر کتاب ہو، تو کیا جو کچھ وہ ان میں پائے، اُس کے لئے اُس پر فتویٰ دینا جائز ہے؟

---

(۱) اشارہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث کی طرف ہے:

''مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللّٰهُ رَعِيَّةً، فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ، إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ''۔

جس کسی بندہ کو اللہ تعالیٰ کسی رعایا کی ذمہ داری سونپ دے، اور وہ اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ نہ کرے، تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

''مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ، إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ''۔

جو بھی شخص مسلمانوں کے امور کا ذمہ دار ہو اور وہ ان کی خیانت (ذمہ داری کا خیال نہ) کرتے ہوئے مر جائے، تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

اسے امام بخاری (حدیث ۷۱۵۰، ۷۱۵۱)، الفاظ اسی کے ہیں اور امام مسلم (حدیث ۱۴۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(۲) تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ''الدِّينُ النَّصِيحَةُ'' قُلْنَا: لِمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: ''لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ''۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دین خیر خواہی کا نام ہے''۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کس کی خیر خواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے حکمرانوں کی، اور عام مسلمانوں کی''۔

(۳) اعلام الموقعین، از ابن القیم رحمہ اللہ (۴ / ۲۳۴)، یہ اعلام الموقعین میں اڑتالیسواں فائدہ ہے۔

متاخرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ: جائز نہیں ؛ کیونکہ ہوسکتا ہے وہ منسوخ ہو، یا اس کے معارض کوئی دلیل ہو یا وہ اس کی دلالت سے صحیح معنیٰ ومدلول کے برخلاف سمجھے، یا استحبابی حکم کو واجب سمجھ لے، یا وہ عام ہو اس کا کوئی مخصص ہو، یا مطلق ہو اس کا کوئی مقید ہو وغیرہ ، بنا بریں جب تک وہ اہل فقہ وفتویٰ سے پوچھ نہ لے اس کے لئے اُس پر عمل کرنا اور فتویٰ دینا جائز نہیں ۔

جبکہ ایک دوسرے طبقہ کا کہنا ہے: کہ اس پر عمل کرنا اور فتویٰ دینا جائز ہے بلکہ یہی طے اور لازم ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے کہ جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچتی تھی اور ایک دوسرے کو بیان کرتے تھے تو اس پر بلا توقف فوراً عمل کرتے تھے، نہ کسی معارض کی تلاش کرتے تھے نہ ان میں سے کوئی کبھی یہ پوچھتا تھا کہ: کیا اس پر فلاں فلاں نے عمل کیا ہے؟ بلکہ اگر کسی کو ایسا کہتے دیکھتے تو اس پر سخت نکیر فرماتے ، یہی معاملہ تابعین کا بھی تھا، اور جسے سلف صالحین کی حالت وسیرت کا معمولی تجربہ ہے وہ اس بات کو بدیہی طور پر جانتا ہے،سنت سے زمانہ کی دوری ودرازی اس چیز کو جائز نہیں کرسکتی کی سنت کو چھوڑ کر اس کے علاوہ کسی کی بات پر عمل کیا جائے، اور اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر صحیح ہونے کے باوجود بھی کرنا جائز نہ ہو یہاں تک کہ فلاں فلاں عمل کرلیں تب تو فلاں فلاں کی بات سنتوں کا معیار، اس کا تزکیہ کرنے والی اور ان پر عمل کے لئے شرط قرار پائے گی! جبکہ یہ حد درجہ باطل بات ہے، اللہ تعالی نے امت پر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حجت قائم کی ہے نہ کہ افراد امت کے ذریعہ، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کی تبلیغ کا حکم دیا ہے اور پہنچانے کے والے کے حق میں دعا فرمائی ہے[1]، لہٰذا اگر ایسا ہو کہ جسے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے وہ بھی اس پر عمل نہیں کرسکتا تا آنکہ اُس پر فلاں فلاں

(۱) سنت کی تبلیغ کے حکم کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی حدیثیں آئی ہیں، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً''۔ میری طرف سے پہنچا دو خواہ ایک آیت ہو۔

اس حدیث کو امام بخاری (حدیث ۳۴۶۱)، اور ترمذی (حدیث ۲۶۶۹) وغیرہ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

ایسے ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی وفد عبد القیس کی حدیث کے اخیر میں ہے:

''احْفَظُوهُنَّ وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ''۔ ان باتوں کو یاد کرلو اور انہیں اپنے بعد والوں کو بھی بتاؤ۔

اسے امام بخاری (حدیث ۵۳) نے روایت کیا ہے، اور دیگر لوگوں نے اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے۔

اسی طرح ابو بکرہ نفیع بن حارث سے مرفوعاً مروی ہے:

''لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ''۔ جو حاضر ہے وہ ان باتوں کو غیر حاضر تک پہنچا دے۔

===

امام عمل کرے تو سنت کی تبلیغ کا کوئی فائدہ ہی نہ رہ جائے گا، بلکہ فلاں فلاں کے قول ہی پر اکتفاء کرنا پڑے گا۔

اور پہلے طبقہ کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے: کہ احادیث رسول میں سے جن حدیثوں کے منسوخ ہونے پر امت کا اجماع ہے یقینی طور پر ان کی تعداد بارہ بلکہ اس کا آدھا بھی نہیں پہنچتی ہے، لہٰذا منسوخ کو اپنا لینے میں غلطی کا امکان ان لوگوں کی تقلید کے سبب ہونے والی غلطی بہ نسبت بہت کم ہے، جن سے غلطی و درستی دونوں ہوتی ہے ان سے تناقض و اختلاف بھی ممکن ہے، وہ کبھی کوئی بات کہتے ہیں پھر اس سے رجوع کر لیتے ہیں، بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں ان سے کئی کئی اقوال بھی منقول ہوتے ہیں، نیز نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سمجھنے میں ہونے والی غلطی کا امکان کسی معین فقیہ کی بات سمجھنے میں ہونے والی غلطی کے بالمقابل بہت ہی کم ہے، لہٰذا حدیث رسول پر عمل کرنے اور اس کا فتویٰ دینے والے میں جتنی غلطی کا احتمال مفروض ہے اس سے کئی گنا زیادہ اس آدمی میں غلطی کا احتمال موجود ہے جو کسی ایسے کی تقلید میں فتویٰ دے جس کی غلطی و درستی ہی نامعلوم ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے:

اگر حدیث کا معنیٰ ہر سننے والے کے لئے بالکل واضح اور عیاں ہو، بایں طور کہ مراد کے علاوہ کا احتمال نہ ہو: تو اس کے لئے اس پر عمل کرنا اور فتویٰ دینا جائز ہے، اس کے لئے کسی فقیہ یا امام کا تزکیہ کا مطلوب نہیں، بلکہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی حجت و دلیل ہے خواہ اس کی مخالفت کرنے والا کوئی بھی ہو، اور اگر حدیث کی دلالت پوشیدہ ہو اس کا معنیٰ

=== اسے امام بخاری (حدیث ۶۷)، مسلم (حدیث ۱۶۷۹) اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح یہ ابو شریح خزاعی کعبی سے بھی مروی ہے جسے امام بخاری (حدیث ۱۰۴)، و مسلم (حدیث ۱۳۵۴) اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے، اور اس سلسلہ میں معنیً متواتر ہے۔

رہا تبلیغ سنت کرنے والوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مسئلہ تو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مرفوعاً ثابت ہے:

"نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا، فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ"۔

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو ہم سے کوئی حدیث سنے تو اسے یاد کر لے یہاں تک کہ دوسروں کو پہنچا دے، کیونکہ کچھ علم حاصل کرنے والے اس تک پہنچا دیتے ہیں جو اس سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے، جبکہ کچھ علم حاصل کرنے والے سمجھدار نہیں ہوتے۔

اسے امام ابوداود (حدیث ۳۶۶۰)، ترمذی (حدیث ۲۶۵۶)، ابن ماجہ (حدیث ۲۳۰)، احمد (۵ / ۱۸۳)، اور دارمی (حدیث ۲۲۹) نے روایت کیا ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام ترمذی (حدیث ۲۶۵۷)، ابن ماجہ (حدیث ۲۳۲)، اور احمد (۱ / ۴۳۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے، نیز یہ بات انس بن مالک، جبیر بن مطعم اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے۔

مراد واضح طور پر سمجھ میں نہ آئے تو بربنائے وہم معنی و مراد پر اس کے لئے عمل کرنا جائز ہے نہ اس کے مطابق فتویٰ دینا تا آنکہ حدیث کے معنیٰ و مفہوم کی بابت اہل علم سے پوچھ لے اور حاصل کر لے۔

اور اگر حدیث کی دلالت اس حد تک ظاہر ہو کہ مثال کے طور پر عام تمام افراد کو شامل ہوتا ہے امر وجوب کے لئے ہے، نہی یعنی ممانعت حرمت پر دلالت کرتی ہے وغیرہ: تو کیا اس پر عمل کرنا اور اس کے مطابق فتویٰ دینا جائز ہے؟ اسے اصل یعنی معارض کی جستجو سے پہلے ظاہر پر عمل کرنے کے مسئلہ پر تطبیق دیا جائے گا، اور اس سلسلہ میں امام احمد وغیرہ کے مذہب میں تین اقوال ہیں: جواز، ممانعت، اور عام اور امر و نہی کے مابین فرق، چنانچہ عام پر مخصص کی جستجو سے پہلے عمل نہیں کیا جائے گا، البتہ امر و نہی پر معارض کی جستجو سے پہلے عمل کیا جائے گا۔

اور یہ باتیں اس صورت میں ہیں جب کچھ اہلیت موجود ہو لیکن فروع، اصولی قواعد اور عربی زبان کے علم میں کمی ہو، لیکن اگر بالکل ہی اہلیت نہ ہو تو اس کی ذمہ داری وہی ہے جو اللہ نے فرمایا ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [النحل: ۴۳]۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا، فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ''۔

جب علم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں؟ کیونکہ عاجز کا علاج پوچھنا ہی ہے۔

اور جب مستفتی کے لئے مفتی کی لکھی ہوئی اپنی بات اور اپنے شیخ کی بات پر خواہ کتنا ہی پہلے طبقے کا ہو اعتماد کرنا جائز ہے تو آدمی کے لئے ثقہ اور قابل اعتماد (محدثین) کی لکھی ہوئی رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر اعتماد کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے، اور اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ حدیث نہیں سمجھ سکے گا، جیسے مستفتی مفتی کا فتویٰ نہیں سمجھ پاتا ہے تو جیسے وہ مفتی کے جواب کا معنیٰ سمجھنے کے لئے کسی سے پوچھتا ہے، اسی طرح وہ کسی سے حدیث کا معنیٰ بھی پوچھ کر سمجھ لے گا۔ توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

چھٹا فائدہ[1]:

مفتی کے لئے نص کے لفظ کے خلاف فتویٰ دینا حرام ہے خواہ اس کے مذہب کے مطابق ہو:

---

(۱) اعلام الموقعین، از ابن القیم رحمہ اللہ (۴/ ۲۳۹)، یہ اعلام الموقعین میں ترپنواں فائدہ ہے۔

مثال کے طور پر: اس سے پوچھا جائے کہ ایک شخص نے فجر کی نماز ایک رکعت پڑھی، پھر آفتاب طلوع ہوگیا، تو کیا وہ اپنی نماز پوری کرے گا یا نہیں؟ تو وہ جواب دے: نہیں پوری کرے گا!

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ''[1]۔

اُسے چاہئے کہ اپنی نماز پوری کرلے۔

ایسے ہی: اس سے پوچھا جائے، کسی کی موت ہو جائے، جس کے ذمے کچھ روزے ہوں، تو کیا اس کی طرف سے اس کا ولی رکھ سکتا ہے؟ تو وہ جواب دے: نہیں اس کا ولی نہیں رکھ سکتا!

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ''[2]۔

جس کی موت ہو جائے، اور اُس پر روزے ہوں، تو اس کی طرف سے اس کا ولی رکھے۔

ایسے ہی: اس سے پوچھا جائے ایک شخص اپنا سامان فروخت کرے، پھر خریدنے والا مفلس ہو جائے، اور اس سامان کو بعینہ اس کے پاس پائے، تو کیا وہ اس کا زیادہ حقدار ہوگا؟ تو وہ جواب دے: نہیں، وہ اس کا حقدار نہیں ہوگا!

جبکہ شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ''[3]۔

---

(۱) اس سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس متفق علیہ حدیث کی طرف اشارہ ہے:

''مَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ، ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ''۔

جو فجر کی ایک رکعت پڑھے، پھر آفتاب طلوع ہو جائے تو وہ اپنی نماز پوری کرلے۔

اسے امام احمد (۲/۳۰۶) نے روایت کیا ہے، الفاظ اسی کے ہیں، نیز اسے امام بخاری (حدیث ۵۵۶، ۵۷۹)، ومسلم (حدیث ۶۰۷) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(۲) متفق علیہ: بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا، بخاری (حدیث ۱۹۵۲)، ومسلم (حدیث ۱۱۴۷)، وغیرہ۔

(۳) متفق علیہ: بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً:

''مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ - أَوْ إِنْسَانٍ - قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ''۔ ===

وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

اسی طرح: اس سے پوچھا جائے کہ کیا ہر دھار دار دانت والا جانور (جس سے وہ حملہ آور ہو اور زخمی کرے) حرام ہے؟ تو وہ جواب دے: نہیں حرام ہے!

حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''أَكْلُ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ حَرَامٌ''[1]۔

ہر دھار دار دانت والے (جس سے وہ حملہ کرتا ہو اور زخمی کرتا ہو) درندے کا کھانا حرام ہے۔

اسی طرح: اس سے پوچھا جائے ایک آدمی کا کسی زمین یا گھر یا باغ میں کوئی شریک ہے کیا اس کے لئے اپنے شریک کو بیچنے کی بابت بتائے اور اس کی پیشکش کئے بغیر اپنا حصہ بیچنا جائز ہے؟ تو وہ جواب دے: ہاں، اس کے لئے اپنے شریک کو بیچنے کی بابت بتائے بغیر اپنا حصہ بیچنا جائز ہے!!

جبکہ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

''مَنْ كَانَ لَهُ شِرْكٌ فِي أَرْضٍ أَوْ رَبْعَةٍ أَوْ حَائِطٍ فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يُؤْذِنَ شَرِيكَهُ''[2]۔

جس کا کسی زمین یا گھر یا باغ میں کوئی شریک ہو، تو اس کے لئے اپنے شریک کو بتائے بغیر اُسے بیچنا جائز نہیں۔

اسی طرح: اس سے کافر کے بدلہ مسلمان کو قتل کرنے کے بارے میں پوچھا جائے؟ تو وہ جواب دے: ہاں کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا!

حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ''[3]۔

=== جو (بیچنے والا) اپنا مال بعینہ کسی آدمی یا انسان (جس نے خریدا ہو) کے پاس پائے اور وہ (بیچنے والا) مفلس ہوگیا ہو تو وہ اس کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہے۔

اسے امام بخاری (حدیث ۲۴۰۲)، مسلم (حدیث ۱۵۵۹)، اور ابو داود (حدیث ۳۵۱۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ مولف رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین (۲۴۰/۴) سے یہاں تک نقل کیا ہے۔

(۱) اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

(۲) اس کی تخریج گذر چکی ہے، اور یہاں سے اعلام الموقعین (۲۴۱/۴) سے شروع ہو رہا ہے۔

(۳) اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح: اس سے درمیانی نماز کے بارے میں پوچھا جائے کہ وہ عصر کی نماز ہے یا نہیں؟ تو وہ جواب دے کہ: عصر کی نماز نہیں ہے!

جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"صَلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الْعَصْرِ"(۱)۔ درمیانی نماز عصر کی نماز ہے۔

اسی طرح: اس سے رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کے بارے میں پوچھا جائے کہ ایسا کرنا نماز میں مشروع ہے یا نہیں یا مکروہ ہے، یا اس سے نماز ناقص ہو جاتی ہے؟ تو وہ جواب دے: ہاں اس سے نماز نماز مکروہ ہو جاتی یا ناقص ہوتی ہے، اور بسا اوقات غلو کرتے ہوئے کہہ دے: اس کی نماز ہی باطل ہے!!

جبکہ بیس سے زائد راویوں نے صحیح سندوں کے ساتھ، جس میں انہیں کوئی شک نہ تھا، نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نماز کے آغاز میں، رکوع کے وقت، اور رکوع سے اٹھتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے(۲)۔

---

(۱) اس کی تخریج گذر چکی ہے، اور یہاں تک اعلام الموقعین (۴/ ۲۴۱) سے ہے۔

(۲) امام ترمذی رحمہ اللہ رفع یدین سے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد (۲/ ۱۰۰) فرماتے ہیں: "اس باب میں عمر، علی، وائل بن حجر، مالک بن حویرث، انس بن مالک، ابو ہریرہ، ابو حمید، ابو اسید، سہل بن سعد، محمد بن مسلمہ، ابو قتادہ، ابو موسیٰ اشعری، جابر اور عمیر لیثی رضی اللہ عنہم سے حدیثیں مروی ہیں"، یہ چودہ صحابہ ہیں۔ اور علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے الازھار المتناثرہ از امام سیوطی سے نقل کرتے ہوئے مزید ابن الزبیر، ابن عباس، عقبہ بن نافع، معاذ، حکم بن عمیر، ابو بکر اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم کا اضافہ کیا ہے، اور اس کے بارے میں فرمایا ہے: کہ رفع یدین کی حدیث نبی کریم ﷺ سے متواتر ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے: ہمارے شیخ ابو الفضل حافظ نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے رفع یدین کی حدیث روایت کرنے والے صحابہ کو تلاش کیا تو ان کی تعداد پچاس پہنچ گئی"۔ پھر کہتے ہیں کہ: امام حاکم اور بیہقی نے فرمایا کہ: کوئی ایسی سنت نہیں ہے جسے روایت کرنے میں عشرہ مبشرہ اور دیگر بڑے بڑے صحابہ دنیا کے دور دراز علاقوں میں منتشر ہونے کے باوجود متفق ہوں سوائے اس سنت (رفع یدین) کے" بات ختم ہوئی، دیکھئے: تحفۃ الأحوذی (۲/ ۱۰۰-۱۰۱)، از علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ۔

اور اس کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب جزء رفع الیدین میں اس باب کی روایتیں جمع کی ہیں اور ممانعت کی روایت کا جواب دیا (تردید کی) ہے۔ اور اس میں حسن اور حمید بن ہلال کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا: "رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رفع یدین کیا کرتے تھے، اور ان میں سے کسی کا استثناء نہیں کیا"۔ اس مسئلہ کو اعلام الموقعین (۴/ ۲۴۳) میں بالتفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

اسی طرح: اس سے پوچھا جائے کہ کیا بدلی کے سبب شعبان کے تیس کے دن مکمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو وہ جواب دے: تیس دن مکمل کرنا جائز نہیں ہے!

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا"(1)۔

اگر بدلی کے سبب ہلال نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن مکمل کرو۔

ان کے علاوہ بہت ساری مثالیں ہیں، ہم نے جو ذکر کیا ہے اتنا کافی ہے، امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ڈیڑھ سو مثالیں پیش کی ہیں (2)۔ اللہ تعالیٰ ہی درستی کا توفیق دہندہ ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

ساتواں فائدہ (3):

اجتہاد: کیا اجتہاد جزویت اور تقسیم قبول کرتا ہے کہ آدمی علم کی کسی قسم میں یا علم کے کسی باب میں مجتہد ہو اور دیگر قسم یا باب میں مقلد ہو جیسے کوئی شخص دیگر علوم کے علاوہ صرف علم فرائض، اس کے دلائل اور کتاب وسنت سے اس کے استنباط میں یا اسی طرح جہاد یا حج کے باب وغیرہ میں اپنی تمام کوششیں نچوڑ دے؛ تو ایسے شخص کے لئے ان علوم میں فتویٰ دینا جائز نہ ہو جن میں اس نے اجتہاد نہیں کیا ہے، اور اجتہاد کردہ علم میں اس کی معرفت دیگر علوم میں جس میں اس کا اجتہاد نہیں ہے اس کی فتویٰ دہی کے لئے وجہ جواز نہ بنے، اسی طرح کیا اس کے لئے علم کی اس قسم میں فتویٰ دینا جائز ہے جس میں اس نے اجتہاد کیا ہے؟

(1) اس حدیث کو ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ، حذیفہ بن یمان، ابوبکرہ، جابر، طلق بن علی اور عائشہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے: چنانچہ ابن عمر کی حدیث کو امام بخاری (حدیث ۱۹۰۰)، اور مسلم (حدیث ۱۰۸۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور ابن عباس کی حدیث کو امام مسلم (حدیث ۱۰۸۸)، ترمذی (حدیث ۶۸۸)، ابوداود (حدیث ۲۳۲۷)، اور نسائی (حدیث ۲۱۲۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ابوہریرہ کی روایت کو بخاری (حدیث ۱۹۰۹)، ومسلم (حدیث ۱۰۸۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور حذیفہ کی روایت کو ابوداود (حدیث ۲۳۲۶) اور نسائی (حدیث ۲۱۲۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور جابر کی حدیث کو احمد (۳/ ۳۲۹) اور مسلم (حدیث ۱۰۸۴) نے روایت کیا ہے، لیکن اس میں محل شاہد نہیں ہے۔ اور طلق بن علی کی روایت کو احمد (۴/ ۲۳) نے روایت کیا ہے، اسی طرح ابوبکرہ کی روایت کو بھی احمد (۵/ ۴۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(2) اعلام الموقعین (۴/ ۲۳۹-۲۴۴)۔

(3) یہ اعلام الموقعین (۴/ ۲۱۶) میں بتیسواں فائدہ ہے۔

اس میں تین طرح کے اقوال ہیں:

پہلا: صحیح ترین قول جواز کا ہے بلکہ قطعی طور پر وہی درست ہے۔

دوسرا قول: ممانعت کا ہے، اور تیسرا قول: یہ ہے کہ صرف فرائض میں جائز ہے دیگر فنون میں نہیں۔

جواز کی دلیل یہ ہے کہ: اس شخص نے دلیل کے ساتھ حق جان لیا ہے اور درستی کی معرفت کے لئے اپنی کوشش صرف کر چکا ہے؛ لہٰذا علم کی اس قسم میں اس کا حکم مجتہد مطلق کا حکم ہے [1]۔

اب اگر کوئی کہے: اس شخص کے بارے میں آپ لوگوں کا کیا خیال ہے، جس نے ایک دو مسئلوں کی معرفت میں اپنی کوشش خرچ کیا ہو کیا اس کے لئے بھی اس ایک دو مسئلہ میں فتویٰ دینا جائز ہے؟

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ: ہاں! دو اقوال میں سے صحیح ترین قول کے مطابق جائز ہے۔ امام احمد کے اصحاب کے یہاں یہی دونوں اقوال ہیں، یہ (ایک دو مسئلہ میں فتویٰ) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے تبلیغ ہی کا حصہ ہے اللہ تعالیٰ ایک لفظ کے ٹکڑے سے ہی اسلام کی مدد کرنے والے کو جزائے خیر عطا فرمائے، ایسے شخص کو اپنے علم کے مطابق فتویٰ دینے سے روکنا سراسر غلط ہے، توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے [2]۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ کی طویل اور تمام گفتگو ختم ہوئی [3]۔

یہاں ان باتوں کا اختتام ہوا جو ہمارا مقصد تھا اور وہ باتیں تمام ہوئیں جو ہم ذکر کرنا چاہتے تھے، تمام تعریفیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے درود وسلام ہو رسولوں کے سردار محمد ﷺ پر اور آپ کے تمام آل واصحاب پر۔

بحمد اللہ تعالیٰ وتوفیقہ اصل کتاب کا ترجمہ بتاریخ ۱۱/اپریل ۲۰۱۸ء بروز بدھ دوپہر: ۵۵-۱۲ بجے بمقام ممبرا کوسہ ممبئی اختتام پذیر ہوا، فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات، ولہ الحمد أولاً وآخراً۔

❀ ❀ ❀

---

(۱) دیگر ابواب کے علاوہ فرائض میں ممانعت اور جواز کی دلیل ذکر نہیں فرمایا، جبکہ ابن القیم نے اعلام الموقعین (۴/۲۱۶) میں انہیں ذکر کیا ہے۔

(۲) اعلام الموقعین (۴/۲۱۶-۲۱۷)۔

(۳) یہاں مصنف کا "تمام گفتگو" کہنا ہمارے یہاں ذرا محل نظر ہے کیونکہ انہوں نے نقل کرنے میں اختصار اور قدرے تصرف سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے، آمین۔

ہماری اہم مطبوعات